ماہنامہ القاسم دیوبند جلد 5

1332ھ، 1333ھ

شمارہ نمبر 1-12

(رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳)

1

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی۔ مذہبی۔ اخلاقی۔ ادبی۔ تمدنی۔ تاریخی ماہوار رسالہ

نمبر ۱ — بابت ماہ شعبان المعظم ۱۳۳۲ھ — جلد ۵

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ شعبان المعظم ۱۳۳۲ھ

مطابق ماہ جولائی ۱۹۱۴ء

جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب وحضرت مولانا اشرف علی صاحب

اور

دیگر مقدس ومقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہے۔

۷۸۶

القاسم کی پانچویں سالگرہ

لِلّٰہِ الحمد کہ القاسم کا چوتھا سال ختم ہوکر شعبان ۱۳۳۲ھ کو پانچویں سالگرہ ہوئی مگر یہ سالگرہ امرا و سلاطین کی سالگرہ کی طرح دھوم دھام اور تزک و احتشام کے ساتھ نہیں بلکہ ایک روکھی پھیکی سالگرہ ہے نہ سال پنجم کا ابتدائی رسالہ زریں نقوش سے مزین ہے نہ اسکی لوح پر رنگین بیل بوٹوں کی گلکاریاں ہیں وہ رسم و رواج زمانہ کے خلاف اپنی قدیم عادت کے موافق اُسی سادگی سے اپنے مخلص ناظرین کی خدمت میں حاضر ہے خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ سالہائے گذشتہ کی طرح سال چہارم میں بھی اُسکے مفید مضامین سے اہل ملک کو نفع ہوا اور وہ اپنے اصلی موضوع پر قائم رہکر بلا خوف لومتہ لائم اپنا فرض منصبی ادا کرتا رہا اور نہایت مسرت ہے کہ اکثر احباب نے اُسکی طرز اور متانت کی داد دی اور اُس کی خصوصیت اور ضرورت کو تسلیم کیا۔

القاسم کے مضامین سادہ اور خشک ہوتے ہیں۔ اُس میں قرآن و حدیث سے پورانے طریقہ اور طرز کے موافق مضامین اخذ کئے جاتے ہیں۔ اُس میں سلف صالحین کے خیالات و عقائد سے موافقت کیجاتی ہے اور اس نئی روشنی کے زمانہ میں اُسی پورانے طریق کی متابعت کا سبق پڑھایا جاتا ہے اُسکے مضامین میں شاعرانہ مبالغے نہیں ہوتے۔ اس میں اپنی تراش و خراش کو دخل نہیں ہوتا۔ جن اسلامی مسلمات کا انکار آج ہمارے بھائی نہایت بیباکی اور شوخ چشمی سے کرگذرتے ہیں۔ القاسم اُنہیں مسلمات کا خود اقرار کرتا ہے اور سب سے بزور دلیل کرانا چاہتا ہے۔ ان وجوہ سے اگر اس بے حسی کے زمانہ میں اُسکی طرف اصلا التفات نکیا جاتا تو کوئی تعجب انگیز بات نہ تھی مگر شکر کا مقام ہے کہ گو اشاعت ہماری خواہش کے موافق تو نہیں مگر اس قابل ضرور ہے کہ آج چار سال ختم ہونے پر اُسنے پانچویں سال میں مسلمانوں کی فلاح و صلاح کے لئے کمر ہمت باندھی ہے المسعی منی والاتمام من اللہ۔ القاسم کے خریداروں کی فہرست اگر اہل علم حضرات کے ناموں سے مزین ہے تو ساتھ ہی اُس میں علم دوست تاجر زمیندار رؤسا اہلکار افسران حکام نو تعلیم یافتہ جماعت کے ناموں ہی بھی ایک جگمگاہٹ ہے اس سے سراغ ملتا ہے کہ مسلمانوں کے ہر طبقہ میں القاسم کی ضرورت کو تسلیم کیا گیا ہے اور کچھ نہ کچھ گرویدگی ہر طرف ہے مگر القاسم جیسے مذہبی رسالہ کی ضرورت و اہمیت اور دار العلوم دیوبند کی مرکزیت کی شان کو پیش نظر رکھکر اگر خیال کیا جائے تو اُسکی خریداروں کی فہرست بہت ہی مختصر ہے۔ اس فہرست میں اضافہ کی جسقدر ضرورت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ میں اہل ملک سے اسکا مرافعہ کرتا ہوں اور خریداران القاسم کو بھی اس طرف ایک خاص توجہ دلاتا ہوں کہا جاتا ہے کہ القاسم کے مضامین سے اہل اسلام کو عمومیت کے ساتھ رغبت اور دلچسپی نہیں مگر سوال یہ ہے القاسم کی ضرورت تسلیم ہو جانے پر اور اُسکے مضامین حقہ کی صداقت اور واقعیت کی صورت میں اگر مسلمان اُس سے رغبت نہ کریں اور دلچسپی نرکھیں تو یہ قصور کسکا ہے۔ فرضی ناولوں پر بیدریغ چاندی خرچ کرنیوالے مسلمان القاسم کی خریداری سے بخل روا رکھیں تو رکھیں مگر خدارا ذرا سی دیر کو اسلام اور فرضی ناولوں اور القاسم کی حقیقت کا تصور کریں۔ اور

عبرت سے کام لیں۔ القاسم کی طرز عبارت کو مولویانہ کہکر بعض حضرات اُس سے آنکھ بھوں چڑھاتے ہیں اور کوئی صاحب الفاظ عربیہ سے متوحش ہوکر کانوں پر ہاتھ رکھکر آنکھیں بند کرلیتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولویانہ عبارت میں اگر کوئی اغلاق نہو اور سلاست کے ساتھ عبارت کا مطلب اور مراد سمجھ میں آجائے تو قائل پر اب کیا محل اعتراض ہے اور یہ جرم تو ضرور قابل معافی ہو کہ اُسنے معترض کی طرح اپنی مادری زبان میں اپنے لب و لہجہ میں اپنی طرز عبارت میں طریق انشاء میں یورپ کے انداز کو پسند نہیں کیا۔ معترضین کی عبارت میں بھی عربی الفاظ کا استعمال کچھ کم نہیں ہوتا۔ قانونی کتابوں میں موٹے موٹے عربی الفاظ کی بھرمار ہے بعض عبارات دقیق ہیں۔ حکام کے فیصلوں کی بھی قریب قریب ایسی ہی حالت ہے۔ اب حیرت یہ ہو کہ القاسم پر لغات عربیہ کی کثرت استعمال کیوجہ سے اعتراض کرنے والی قانونی کتابوں اور حکام کے فیصلوں کی انشاء پردازی کی مدح سرائے میں رطب اللساں ہیں۔ مابہ الامتیاز بظاہر کچھ معلوم نہیں ہوتا مگر میرے نزدیک ضرور ہے اور وہ یہ کہ علماء کی خطبات اور تصنیفات کا چونکہ اصل اور ماخذ قرآن وحدیث اور احکام شریعت ہوتے ہیں اور اُن سے بالطبع بعض افراد انسان دلچسپی نہیں رکھتے اور بعض کی ناواقفیت کی وجہ سے طبیعت اولجھ جاتی ہو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اس پر یہ ذکاوت کہ یہ اپنے قصور علماء کے سر مڑھے جاتے ہیں ؎ تو مشق ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر ؛ ملک میں بیشتر افراد ابھی تک زباں دانی اور مضمون فہمی کے اعتبار سے ٹھیٹ ہندوستانی موجود ہیں جو انگریزی کی طرح نئی انشاء پردازی سے بھی ناآشنا ہیں جب اخبارات کے معائنہ کا اُنکو اتفاق ہوتا ہو تو بعض اخبارات میں ہر سطر میں کئی کئی جگہ انگریزی کے نامانوس الفاظ سہیم و شریک نظر آتے ہیں جو مضمون فہمی سے مانع ہوتے ہیں۔ اُنکا توسن نظر اخباری سڑک پر انگریزی الفاظ کی سنگلاخ اجنبی زمین پر ٹھوکریں کھاتا ہوا۔ چلتا ہو اور چند قدم پر زخمی ہوکر گر جاتا ہے۔ پھر کیا یہ ظلم نہیں کہ ایک قسم کے دو اعتراضوں میں سے ایک کو لاجواب سمجھا جائے اور دوسرے کا جواب دیا جائے

رجب ۱۳۳۲ھ سے جاری ہوگیا ہے اور اُسکی حقیقت میں یہ معنی ہیں کہ القاسم پندرہ روزہ ہوگیا۔ ناظرین القاسم اگر الرشید کا مطالعہ نفرمائیں تو اس سے القاسم کے مضامین کا کوئی سلسلہ منقطع نہوگا مگر یہ ضرور ہے کہ القاسم ہی جیسے ایک مفید رسالے کے مطالعہ اور علمی فوائد سے محروم رہینگے کہ جو القاسم کا ایک جز ہے کہ اُسکے ساتھ ملکر القاسم ماہوار رسالہ نہیں رہتا بلکہ پندرہ روزہ بنجاتا ہے اسلئے بطور مشورہ یہ کہا جاتا ہے کہ حتی الامکان دونوں رسالوں کی خریداری کی جاے۔

چونکہ القاسم اور الرشید مالی منافع دارالعلوم دیوبند کی ملک ہیں۔ اور وہ علمی خدمات میں صرف ہونگے۔ اور عملہ بھی زائد ہے اسلئے عام اہل اسلام اُنکی اشاعت و ترقی میں نمایاں حصہ لیں۔ اور خریداران القاسم اور الرشید کم از کم پانچ پانچ خریدار دونوں رسالوں کے لئے تجویز فرماکر داخل حسنات ہوں۔

دارالعلوم کے کثرت مشاغل اور مطبع کی بعض ناقابل برداشت پیچیدگیوں کی وجہ سے القاسم وقت پر شائع نہو سکا اب سال بھر کے بارہ رسالے ناظرین کی خدمت میں پہونچ جانے پر ناظرین سے تاخیر کی معافی چاہتا ہوں اور اپنی اسکو سبکدوشی سمجھتا ہوں ؛

خاکسار سراج احمد رشیدی کان اللہ لہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فضائل ماہ رمضان المبارک

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ مکتوب ۴۵ جلد اول میں ارشاد فرماتے ہیں چونکہ صحیفہ گرامی وعنایت نامہ سامی ماہ رمضان المبارک میں پہنچا اسلیئے دل میں آیا کہ کسیقدر اس ماہ مبارک کی بزرگی لکھی جاوے تا واضح ہو کہ ماہ رمضان نہایت بزرگ اور متبرک مہینہ ہے۔ نفلی عبادات نماز وذکر و صدقہ خیرات وغیرہ جو اس ماہ مبارک میں ادا ہوں وہ اُن فرائض کے ادا کی برابر ہیں جو علاوہ رمضان شریف کے دوسرے دنوں میں ہو اور ایک فرض کا ادا کرنا اس مہینہ میں دیگر ایام کے ستر فرائض کے ادا کرنے کی برابر ہے اس ماہ میں جو کوئی کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دے اُسکی بخشش ہو اور اُسکو دوزخ کی آگ سے آزاد کریں اور روزہ دار کی برابر اُس افطار کرانیوالے کو ثواب بے حساب اجر عظیم عطا فرمادیں بدون اسکے کہ روزہ دار کے ثواب میں کچھ کمی ہو اسی طرح جو کوئی اپنے غلام سے خدمت لینے اور محنت کرانے میں تخفیف کرے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ اُسکی مغفرت فرماوے اور دوزخ کی آگ سے اُسکو آزاد فرماوے۔ اس ماہ مبارک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آزاد فرمادیتے تھے ہر یک قیدی کو اور جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوال کرتا اُسکو عطا فرماتے جو شخص اس ماہ مبارک میں نیک کاموں میں اور اللہ کی طاعت وعبادات میں رہا اور اُسکو توفیق اچھے کاموں کی ہوئی تو اُسکو تمام سال نیک کاموں کی توفیق رہتی ہے اور اگر یہ ماہ پراگندگی اور بے اطمینانی میں گذرا تو تمام سال پراگندگی اور بے اطمینانی رہتی ہے جسقدر ہو سکے اس ماہ میں یہ کوشش کیجاوے کہ یہ مہینہ دلجمعی اور عبادت میں گذرے اس مہینہ کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ اس مہینہ کی ہر یک رات میں ہزارہا بندوں کو جو مستحق عذاب کے ہیں دوزخ سے آزاد

فرماتے ہیں اور بخشتے ہیں۔ اس مہینہ میں بہشت کے دروازہ کھولدیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اور شیاطین زنجیروں میں جکڑے جاتے ہیں اور دروازے رحمت کے کھل جاتے ہیں۔ روزہ کے افطار میں جلدی کرنا اور سحری کھانے میں تاخیر کرنا طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اسبارہ میں ببالغہ حکم فرماتے ہیں اور حکمت اسمیں یہ ہے کہ افطار کی جلدی اور سحری کی تاخیر میں بندہ کے عجز اور احتیاج کا ظاہر کرنا ہے اور یہ مقام بندگی کے لایق اور مناسب ہے۔ کھجور سے روزہ کھولنا سنت ہے۔ افطار کے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔

ذهب الظماء وابتلت العروق وثبت الاجر انشاء الله تعالى۔	پیاس دور ہوئی اور رگیں تروتازہ ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ثواب حاصل ہوگا۔

تراویح کا ادا کرنا اور تراویح میں قرآن شریف ختم کرنا سنت مؤکدہ ہے اور بہت سے فواید اُس سے حاصل ہوتے ہیں حق تعالیٰ بہ برکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم سب کو توفیق ان کاموں کی عطا فرماوے۔

حضرت مرزا مظہر جانجاناں علیہ الرحمۃ والرضوان کے ملفوظات بابرکات میں ہے۔

ہم فقرار کا وہ عمل جسکے اوپر اعتماد اور سہارا ہے اور کچھ امید اُسکی وجہ سے ہے یہ ہی ہے کہ مبداء فیاض حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف توجہ رہے اور مشایخ کرام کی محبت دل میں جاگزیں ہو ہر ایک عمل کیلئے ایک جداگانہ کیفیت ہے۔ جامع کیفیات نماز ہے کہ ذکر و تلاوت و تسبیح و درود و استغفار کے انوار کو شامل ہے اور عمدہ اور اصلی حال جو کہ قرن اوّل کے احوال کے مشابہ ہو نماز میں حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ آداب نماز جیسا کہ چاہیئے بجالایا جاوے۔ تلاوت کرنا قرآن شریف کا سبب صفائی باطن کا ہے اور دل کی تنگی اور قبض کو دفع فرماتا ہے اور دروازہ فیض و رحمت کا کھولتا ہے حروف کو باآہستگی اور خوش آواز سے پڑھنا اور جہر متوسط کے ساتھ پڑھنا دل کو مسرور کرتا ہے اور ذوق دیتا ہے۔

رمضان المبارک میں نسبت باطنی میں بہت ترقی ہوتی ہے احتیاط رکھنا روزہ میں غیبت اور جھوٹ سے ضروری ہے وگرنہ وہ روزہ فاقہ سے زیادہ نہیں۔ احقر کہتا ہے حدیث شریف میں ہے

کم من صائم لیس له من صیامه الا الظما
وکم من قائم لیس له من قیامه الا السهر

بہت سے روزہ دار ہیں کہ انکو انکے روزہ سے سوائے تشنگی کے کچھ حاصل نہوا اور بہت سے تہجد گذار اور شب بیدار ہیں کہ انکو انکی شب بیداری سے سوائے جاگنے کے کچھ حاصل نہیں۔

غرض یہ ہے کہ روزہ اور شب بیداری سے جو اصلی غرض ہے ثواب کا حاصل ہونا اور حق تعالیٰ کی رضا جب وہ غرض حاصل نہوئی تو سوائے بھوکا پیاسا رہنے اور بیداری کے مشقت اُٹھانیکے کچھ حاصل نہوا۔ دوسری حدیث میں ہے

من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس لله حاجة فی ان یدع طعامه وشرابه
رواه البخاری

یعنی جو شخص جھوٹ بولنا اور بری اعمال کرنا روزہ میں نہ چھوڑے تو اللہ کو کچھ حاجت اور پرواہ اسکے کھانا پینا چھوڑنے کی نہیں ہے۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

لعلکم تتقون ایاما معدودات

تاکہ تم روزہ کی وجہ سے گناہوں سے بچو چند روز یا شاید تم پرہیزگار ہو جاؤ چند دن ہیں گنتی کے۔

کوشش کرنی چاہیئے کہ رضا اس ماہ مبارک کی حاصل ہو اور روزہ کا حق ادا ہو جاوے۔ منقول ہے کہ ایک بزرگ نے اس ماہ مبارک کو ایک مرد پارسائی صورت میں دیکھا دریافت کیا کہ تم روزہ داروں سے خوش بھی رہے اور خوش بھی جاتے ہو یا کیسے اُس نے کہا کہ روزہ داروں سے میں خوش نہیں کہ انھوں نے حق روزہ کا ادا نہ کیا مگر حضرت حجۃ اللہ نقشبند ثانی رحمۃ اللہ علیہ کہ وہ بسبب عذر بیماری کے روزہ نہ رکھ سکے اور اس وجہ سے پشیمان و نادم ہیں اُنکے پشیمانی اور ندامت مجھکو روزہ داروں کے روزہ سے زیادہ پسند آئی سچ ہے ع۔ بدانرا بہ نیکاں بہ بخشد کریم۔

اس متبرک مہینہ کے انوار اور برکات شعبان کی پہلی تاریخ سے ظاہر ہو جاتے ہیں گویا انوار وفیوض ماہ رمضان المبارک کا چاند نظر آگیا نصف شعبان میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہلال بدر تاباں یعنی چودھویں شب کا چاند درخشندہ ہو گیا اور ماہ مبارک رمضان المبارک کے رونق نے جہاں کو تاریکیوں سے پاک وصاف کر دیا اور اپنے انوار سے عالم کو منور کر دیا اور رمضان شریف کی پہلی شب کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فیض الٰہی و جہتہائی نامتناہی کا آفتاب عالمتاب حجاب ابر سے نکل آیا اور اُسکی درخشندگی نے تمام عالم کو روشن کر دیا۔ شب قدر طاق راتوں میں سے کسی رات میں بطریق بدلیت ہوتی ہے یعنی کبھی اکیسویں شب اور کبھی تیئسویں شب اور کبھی

پچیس وستائیس وانتیس شب کو ہوتی ہے ستائیسویں رات معین نہیں ہے کہ ہمیشہ ستائیسویں شب قدر ہو مگر اس رات میں چونکہ کثرت سے لوگ جاگتے ہیں اور رات بھر عبادت نماز و دعا وتلاوت میں مشغول رہتے ہیں برکتیں بہت ظاہر ہوتی ہیں اور کبھی شب قدر اسی رات میں ہوتی ہے ان ایام کی جمعیت وحضوری تمام سال کیلئے ذخیرہ ہوتا ہے تجربہ ہے کہ اگر اس ماہ میں کچھ قصور وفتور واقع ہوا تو تمام سال اُسکا اثر رہتا ہے۔ فقیر نے اپنے اُستاد سے سنا ہے کہ حدیث شریف سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر یہ مہینہ جمعیت اور عبادت میں گذرتا ہے تمام سال توفیق نیک اور جمعیت قلبی میں گذرتا ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ہر سال عشرہ اخیرہ ماہ رمضان المبارک کا اعتکاف کرتے تھے اور مریدین میں سے جو حضرات مقام اجازت کو پہنچ جاتے تھے اُن کو اس ماہ میں اجازت اعطاء تبرک خرقہ سے سرفراز فرماتے تھے اور سب مریدوں کو یہ تاکید فرماتے تھے کہ ان ایام مبارکہ میں حلقہ مراقبہ میں ضرور حاضر ہوں تاکہ باطنی ترقیات سے بہرہ ور ہوں بعد ختم ہونے رمضان المبارک کے فرمایا کرتے تھے کہ ماہ صیام کی برکات سے نسبت باطنی مریدین کی کثیر الانوار اور روشن تر ہوگئی افسوس کہ تمام سال رمضان کیوں نہوا۔ روزہ میں اگرچہ ہروقت صفائی حاصل ہوتی ہے اور وعدہ انا اجزی بہ کے برکات سے خالی نہیں لیکن رمضان المبارک کے روزہ میں جو کیفیات ہیں وہ دوسرے ایام کے روزہ میں نہیں۔

احقر کہتا ہے کہ حدیث شریف میں ہے۔

من افطر یوماً من رمضان من غیر رخصۃ ولا مرض لم یقض عنه صوم الدهر کله وان صامه رواه احمد وغیره۔

یعنی جسنے رمضان کا ایک روزہ بھی بلا رخصت شرعیہ اور بدون کسی مرض کے توڑا تو اگر وہ تمام عمر بھی روزے رکھے تو روزہ رمضان کی مکافات وبرابری نہیں ہو سکتی اس حدیث سے واضح ہے کہ جو خصوصیات اور برکات حق تعالی نے ماہ رمضان المبارک کے روزہ میں رکھی ہیں وہ دوسرے ایام کے روزوں میں حاصل نہیں ہو سکتی۔

وعن ابن عباسؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اجود الناس بالخیر وکان اجود ما یکون فی رمضان کان جبرئیل یلقاه کل لیلة فی رمضان

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخی تر لوگوں کے تھے۔ اور رمضان المبارک میں آپکی سخاوت بہت زیادہ ہو جاتی تھی حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان شریف کی ہر ایک رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں تشریف لاتے تھے اور

یعرض علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم القرآن فاذا لقیہ جبریل کان اجود بالخیر من الریح المرسلۃ متفق علیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انکو قرآن شریف سناتے تھے سو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ملاقات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت تیز ہوا سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔

علماء نے فرمایا ہے کہ ہوا کی سخاوت یہ ہے کہ بادلوں کو اٹھاتی ہے اور بارشوں کو لاتی ہے جو سبب حیات عالم ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت رمضان المبارک میں اس سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔

اہل خیر کو اس موقع سراپا خیر و برکت کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کیلئے جان و مال سے دریغ نہ کرنا چاہیئے اہل زکوٰۃ کو زکوٰۃ ادا کرنیکے لئے یہ زمانہ بہت مناسب ہے ایک فرض ادا کرنا اس ماہ مبارک میں ستر فرائض ادا کرنیکے برابر ہے اگر ایک روپیہ زکوٰۃ کا اس مہینہ میں ادا کیا جاویگا ستر روپیہ دینے کے برابر ہوگا۔

رمضان المبارک میں دارالعلوم دیوبند کی امداد

ماہ رمضان المبارک جسکو ماہ صیام و قیام بھی کہتے ہیں اُسکے فضائل ہمارے بیان سے مستغنی ہیں اجمالاً ہر ہر فرد مسلمان اُن سے واقف ہے۔ تفصیل کے لئے دفتر کے دفتر چاہئیں۔ مختصر یہ ہے کہ نیک کام کا ثواب اس ماہ میں ستر گنا بڑھجاتا ہے۔ کیوں اسلئے کہ

(۱) یہ ماہ مبارک ہے رحمت الٰہی کا نزول اسمیں خصوصیت سے ہوتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ شعبان کی آخر تاریخ پر صحابہ کو خطاب کرکے فرماتے۔ اے لوگو عظیم الشان مہینہ تمھارے قریب آگیا ہے۔ یہ شہر مبارک ہے۔ یہ مہینہ ہے جسمیں لیلۃ القدر ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر و افضل ہے۔ یہ مہینہ ہے صبر کا۔ یہ مہینہ ہے غمخواری اور مواسات کا یہ مہینہ ہے جسمیں مومن کا رزق بڑھجاتا ہے۔

(۲) اس مہینے کے داخل ہوتے ہی شیاطین زنجیروں میں جکڑ دئے جاتے ہیں۔ کہ وہ لوگوں کو

بڑے کاموں کی ترغیب دلائیں عمل صالح کے سد راہ نہ ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ خبث باطن کا اثر نہ ہوگا تو عمل صالح میں اخلاص ہوگا۔ ریا کا شائبہ اسمیں نہوگا۔ ریا بھی اثر شیطانی ہے۔ اور اخلاص جسقدر زیادہ ہوتا ہے اسیقدر ثواب زیادہ ہوجاتا ہے۔

غرض خود رمضان المبارک کی ذاتی برکات اور عمل کرنیوالے کا اخلاص دونوں امر ازدیاد ثواب کے موجب ہوتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اولین وآخرین سے وصف جود وسخا میں اعلیٰ واوّل تھے۔ لیکن رمضان کے برکات سے آپ کے جود میں بھی اضافہ ہوجاتا تھا۔ امۃ پر نظر رحمت زیادہ ہوجاتی تھی دریاء جود وسخاء کی روانی بڑھ جاتی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے زیادہ امور خیر میں جواد وسخی تھے لیکن سب حالتوں اور سب زمانوں سے زیادہ آپ کے جود وکرم کا ظہور رمضان المبارک میں ہوتا تھا۔ آپ کی سخاوت ورحمت اس ٹھنڈی اور روح افزا ہوا سے بھی زیادہ ہوتی ہے جو بارش سے پہلے چلکر دل ودماغ کو تازہ کرنے کے ساتھ سیرابی کی بشارت دیتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ رمضان المبارک میں خدا اور اسکے رسول کا دست جود وکرم وسیع وکشادہ ہوجاتا ہے مومن کی توفیق عمل صالح بڑھ جاتی ہے انکے اخلاص میں ترقی ہوجاتی ہے اسی وجہ سے ہر نیکی کا ثواب بہ نسبت اور ایام کے ستر گونہ ہوجاتا ہے۔ انہیں حالات پر نظر کرکے ہر ایک جماعت جسکو منجانب اللہ توفیق حاصل ہو اپنے درجہ کے موافق اعمال صالحہ میں جہد بلیغ کرتے ہیں۔ کوئی محویۃ واستغراق مراقبہ ومحاسبہ میں اسوقت کو گذارتا ہے۔ کوئی تلاوت قرآن شب بیداری اور نوافل میں پورا کرتا ہے۔

اہل مال ودولت بھی اپنے اموال کو اسی مبارک مہینے میں خرچ کرنا پسند کرتے ہیں اسلئے کہ صدقہ بھی عمل صالح ہے جسکا اجر وثواب ضرور اس ماہ مبارک میں بڑھنا چاہیئے۔ علاوہ بریں حدیث شریف میں صراحتًا صدقہ رمضان کی افضلیۃ وارد ہوئی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ صدقات میں سے کونسا صدقہ سب سے بہتر اور افضل ہے۔ ارشاد فرمایا وہ صدقہ جو رمضان میں کیا جائے۔

غرض رمضان المبارک کی ذاتی برکات عمل میں اخلاص۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل اور صدقہ رمضان کی افضلیت۔ یہ سب امور ارباب ثروت وغناء کو رمضان المبارک میں بکثرت صدقہ

کرنیکی طرف مائل کرتے ہیں۔ زکوۃ بھی اسی ماہ میں ادا کیجاتی ہے۔ صدقات نفلی بھی اسمیں زیادہ کیئے جاتے ہیں۔ کھانے پکاکر تقسیم کیئے جاتے ہیں۔ مساجد میں افطاریاں بھیجی جاتی ہیں۔ اور جو لوگ صاحب ثروت و مال نہیں وہ بھی اپنے امکان کے موافق صدقہ کرنیکی کوشش کرتے ہیں اور ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ رمضان کی فضیلت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو سنکر کونسا مسلمان ہے جو صدقات کی طرف مائل نہوگا۔

مگر اکثر و بیشتر اشکال مصرف صدقہ کے انتخاب میں پیش آتا ہے۔ دینے والے نیک نیتی سے دیتے ہیں مگر وہ لوگ لے جاتے ہیں جو لوگ صاحب حاجت نہیں۔ صدقہ کے مصرف نہیں۔ مگر سائلانہ صورت میں آکھڑے ہوتے ہیں اور مجبوراً اُن کو دینا پڑتا ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ صدقہ ادا کرنے سے پہلے مصارف کی تنقیح کرلی جاتی۔ کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں پردہ نشین۔ اور معذور حاجتمند نہوں۔ ایسے شریف جنکو تنگدستی نے زندگی سے بیزار کردیا ہے مگر وہ سوال نہیں کرسکتے موجود نہوں قرابت دار و عزیز پر صدقہ کرنا دوہری اجر کا مستحق بنادیتا ہے۔ صلہ رحمی اور صدقہ کا۔

مذہبی ضروریات میں علم دین اور علوم مذہب کی تایید سب سے بڑی ضرورت ہے اور اسی لیئے طلبہ علوم دین پر صرف کرنا بہترین صدقہ ہے اور جب یہ ہے تو ہمیں مسلمانوں سے یہ عرض کرنیمیں کچھ تامل نہیں ہے کہ آپ اپنے صدقات کو اُن کے حقیقی مصارف میں صرف فرمادیں۔ اور طلبہ علوم دین کی امداد کو حفاظت اسلام اور ترویج مذہب کا ذریعہ سمجھیں۔

تو دارالعلوم دیوبند کو بھی یاد رکھیں

دارالعلوم دیوبند سب سے پہلا اسلامی و مذہبی مدرسہ ہے مسلمانوں کے عام چندوں اور امداد پر قایم ہوا ہے

(۲) وہ سب مدارس اسلامیہ کا مرکز اور اصل و اصول ہے۔ اُسکی مرکزیت اور اُسکا فیض عموماً تسلیم ہوچکا ہے۔ اُسکا فیض شرقاً غرباً پھیل چکا ہے مسلمانوں کو اور مدارس اسلامیہ کو اُسکی سخت ضرورت ہے۔

(۳) دارالعلوم دیوبند میں روی زمیں کے طلبہ کا رجوع و ہجوم۔ ملک عراق و شام۔ حجاز و یمن ختن و چین سمرقند۔ و تاشقند۔ روس و اٹلی تک کے طلبہ موجود ہیں۔ اسی سال ملک روس کے چند طلبہ سات آٹھ سال رہکر دارالعلوم سے سند فضیلت حاصل کرکے اپنے ملک کو جانیوالے اور سلسلہ تعلیم دین جاری کرنیوالے ہیں

(۴) دارالعلوم دیوبند میں علوم دین کی صحیح تعلیم دیجاتی ہے جو طریقہ سلف پر قیام و دوام عملاً سکھایا جاتا ہے

احیاء سنت اور حفاظت اسلام کی جملہ طرق کی تکمیل کرائی جاتی ہے۔

(۵) دارالعلوم میں تقریباً پانسو طلبہ کا مجمع موجود رہتا ہے جسکی خدمت گذاری اور انکے لئے زمانہ تعلیم میں سہولت بہم پہونچانا مسلمانوں کا فرض ہے۔

کیا ان حالات پر دارالعلوم کا استحقاق مقدم نہیں ہے۔ کیا مسلمانوں پر اسکا استحکام فرض نہیں ہے ہے اور ضرور ہے۔

اسلئے ہم جملہ اہل اسلام سے بادب درخواست کرتے ہیں۔

کہ ہمارے بیان پر اعتماد نہ کریں خود دین کی ضروریات میں جو سب سے مقدم ضرورۃ ہے اسکو سمجھیں دارالعلوم کے حالات کی جانچ و تنقیح کریں اور پھر خود ہی فیصلہ کریں کہ آیا اسکی امداد و اعانت انپر فرض ہے یا نہیں اور اگر بے توجہی کریں اور دارالعلوم کی فیض رسانی میں کمی آجائے تو اسکا ذمہ دار کون ہے

ہم یہ نہیں کہتے

کہ زکوۃ و صدقات کل کے کل سمیٹ کر دیوبند بھیجدیے جائیں نہیں ہم صرف اتنا چاہتے ہیں کہ زکوۃ اور صدقات متفرقہ میں سے محتاجوں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کو دیجیے۔ مقامی انجمنوں۔ اور مدارس کی امداد کیجیے اور خاص مواقع میں بھی صرف کیجیے۔ مگر دارالعلوم کی طرف سے تغافل نہ کیجیے۔ اسکو تمام مذہبی مدارس و انجمنوں کا مرکز اور اصل اصول سمجھکر طلبہ کے ہجوم و اجتماع کو خیال کرکے اپنے اموال میں سے بقدر حصہ اسکو بھی دیجیے۔

اگر مسلمانان ہندوستان اس امر کو پیش نظر فرما کر اپنے زکوۃ و صدقات کا کم سے کم ایک عشر یا اس سے کم و بیش حصہ بھی عطا فرمادیں۔ تو یقیناً دارالعلوم نہ صرف حالت موجودہ سنبھالے رکھے بلکہ اسکی سرسبزی و رونق فیض تعلیم اضعاف مضاعف ہو جائے۔

کیا ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان دارالعلوم کے پانچ سو طلبہ کا انتظام اپنی زکوۃ و صدقات سے نہیں کر سکتے۔ کر سکتے ہیں اور ضرور کر سکتے ہیں صرف توجہ کی دیر ہے۔

ہماری یہ عرض ہر ہر فرد اہل اسلام سے ہے توفیق دینے والا۔ قلوب کو متوجہ کرنے والا خداوند عالم ہے ہمیں توقع و یقین ہے کہ رمضان المبارک میں مسلمان ضرور اسکا خیال فرمادینگے۔

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(سلسلے کے لئے دیکھو القاسم ماہ رجب)

قریش کے اس سب سے سخت حملہ میں بھی جسقدر کار نمایاں ہوئے سب دستہ سواران سے ہوئے جسکی کمان کبھی خود خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھمیں ہوتی تھی کبھی انکے نائب کے۔

حدیبیہ کا واقعہ | جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھلایا گیا تھا کہ آپ اور آپ کے اصحاب مکہ معظمہ میں امن وسکون کی حالت میں داخل ہوئے بعض محلق یعنی سر کے بالوں کو منڈانے والے ہیں اور بعض مقصر یعنی بال کٹوانے والے اور یہ کہ آپنے بیت اللہ کی کنجی لیلی ہے اور آپ نے وقوف عرفات بھی کیا ہے۔ آپ نے اس خواب کا تذکرہ صحابہ سے کیا تو سب کو انتہا مسرۃ تھی۔ اس کے بعد آپ نے اسی سال عمرہ کا ارادہ کیا۔ صحابہ خوش ہو گئے کہ خواب کی تعبیر یہی ہوگی۔ اسی سفر میں سب امور کا جواب کو دکھلائے گئے ہیں ظہور ہو جائیگا۔ آپ نے مسلمان قبائل عرب مثل اسلم۔ غفار۔ مزینہ۔ جہینہ کو بھی اس عزم کی اطلاع فرمائی اور یہ کہ وہ بھی شریک ہوں بہت سے قبائل تو شریک ہوئے اور بعض نے خیال کیا کہ جن لوگوں نے خاص آپ کے مرکز (مدینہ) پر چڑہائی کرکے استیصال کا ارادہ کیا ہو۔ ان سے اسکی کیا توقع ہو سکتی ہے کہ مکہ میں گھسنے دینگے۔ اور بلا لڑے بھڑے راستہ چھوڑ دینگے۔ اور اس بناء پر ادہر ادہر کے عذر کرکے بیٹھ رہے۔ کلام اللہ میں ان لوگونکی تکذیب ان آیات میں نازل ہوگئی۔

يقولون بالسنتهم ماليس فی قلوبهم | اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو دل میں نہیں ہے۔

آپ نے اس سفر میں شروع ہی سے ایسا انداز اختیار کیا کہ مشرکین مکہ یا کسی اور کو یہ واہمہ بھی نہو کہ آپ کا قصد محاربہ کا ہے۔ چنانچہ ذی الحلیفہ سے جو مدینہ سے چند میل ہے احرام باندھا۔ ستر اونٹ ہدی کیلئے ساتھ لئے اُن کے گلے میں قلادے ڈالدئے۔ یہ ایسی علامت تھی کہ عرب کے تمام افراد اُسکو جانتے تھے۔ کوئی شخص بھی محرم کو اور ہدی کو دیکھکر یہ وہم نہ کرسکتا تھا کہ ان لوگوں کا ارادہ قتل وقتال کا ہے۔ اگرچہ آپ کے ہمراہ دو سو گھوڑے تھے جو اس سے قبل کسی معرکہ قتال

میں کبھی نہیں ہوئے۔ مگر آپ نے سامان حرب ساتھ رکھنے کی ممانعت فرمادی تھی۔ صرف اپنی حفاظت کیلئے تلواروں کو ساتھ لیا تھا۔

آپ نے ایک شخص کو بغرض تجسس احوال مکہ بھیجا۔ اُس نے خبر دی۔ کہ قریش نے آپکی خبر سنکر لڑائی کی تیاری کرلی ہے۔ اُن کے ہم خیال قبائل بھی تیار ہیں۔

آپ جس ارادہ سے تشریف لیجاتے تھے اُسکا اظہار اعلان کے ساتھ کردیا تھا۔ آپکے صدق اور دفا، کو بچہ بچہ تسلیم کرتا تھا۔ مگر قریش پھر بھی اپنے خیال سے باز نہ آئے۔ خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی زیر کمان ایک دستہ سواران کراع الغمیم پر مقابلہ کیلئے آموجود ہوا۔ ادہر سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں پہونچگئے۔ ظہر کی نماز کا وقت آگیا۔ آپنے معہ تمام صحابہ نماز ادا کی۔ خالد بن الولید رضی اللہ نے کہا کہ ہمیں اچھا موقع حملہ کا تھا۔ مگر اب دوسری نماز کا وقت آئیگا۔ جو اُن کو اپنی جان ومال سے زیادہ عزیز ہے۔ اُسوقت اسکی تلافی کرینگے۔ اُن کے اس خیال کی اطلاع بذریعہ وحی آپ کو ہوگئی۔ اور صلوٰۃ خوف پڑھنے کا حکم ہوگیا۔ نماز عصر کے وقت آپ نے صلوٰۃ خوف ادا کی۔ ایک جماعت آپکے ساتھ رکوع وسجدہ کرتے تھے تو دوسرے خالد رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں قایم رہتے تھے۔ مشرکین نے یہ دیکھا تو سمجھ گئے کہ ہمارے قصد کی اطلاع اُن کو ہوچکی ہے۔ غرض مشرکین باوجود اس اعلان کے کہ آپ محض عمرہ کیلئے تشریف لائے ہیں اپنے ارادہ سے باز نہ آئے اور اس قسم کی جانبازی اور متہورانہ شجاعت اور سرانجام تدابیر حرب کیلئے حضرت خالد سے زیادہ کوئی شخص اُن میں نہ تھا۔ فوج سواراں کے سپہ سالار بھی وہی تھے۔ وہی اس اہم خدمت کے سرانجام کیلئے مامور ہوئے۔ مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عزم فرماچکے تھے آپ کا ارادہ نہ تھا کہ بلا نہایت سخت مجبوری کی تلوار میان میں سے نکالیں اسوقت آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا۔ کہ قریش ہمکو عمرہ وطواف سے روکنا چاہتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا کہ ہم محض عمرہ وطواف کیلئے جاتے ہیں۔ لڑائی کا بالکل قصد نہیں۔ لیکن اگر کوئی ہمکو مکہ میں داخل ہوئے طواف کرنے سے مانع آوے گا تو ضرور مقابلہ کریں گے۔ اسی طرح اور صحابہ نے بھی استقلال وعزم راسخ کا ثبوت دیا۔ آپ نے فرمایا افسوس ہے قریش کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ لڑائیوں نے اُن کو ضعیف ولبوداہنا دیا ہے پھر بھی وہ اپنی ضد اور ہٹ پر قائم

ہیں۔ اُنکا کیا حرج تھا اگر وہ مجھے اور تمام عرب کو چھوڑ کر خود علیحدہ رہتے۔ اگر میں سب پر غالب آتا تو وہ بھی اپنی پوری قوۃ اور کثرۃ کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جاتے مغلوب ہوتا تو پھر میرا مقابلہ اپنی پوری جمعیت سے کرتے۔ قریش کیا گمان کرتے ہیں میں تبلیغ دین الٰہی سے باز رہوں۔ ہرگز نہیں جب تک یہ گردن ہے ہرگز نہیں رک سکتا۔ اسکے بعد آپ نے خالد بن الولید سے پہلو بچا کر نکلجانے کیلئے ارشاد فرمایا۔ کوئی شخص ایسا واقف کار ہے جو ہمکو خالد سے بچا کر دوسرے راستے سے لے چلے۔ قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے کہا میں لیچلونگا۔ وہ آپ کو نہایت سخت دشوار گذار راستے سے لیگیا۔ حضرت خالد کو اسوقت خبر ہوئی جب آپ منزل پر پہونچکر خیمہ زن ہوگئے اور جب انھوں نے جا کر قریش سے یہ حال بیان کیا۔ آپ نے اس منزل پر صحابہ کو حکم دیا کہ اُس راستہ سے چلیں جس سے حدیبیہ پر جا اتریں جب اُس گھاٹی پر پہونچے جہاں سے حدیبیہ کے میدان میں داخل ہونا تھا آپکی ناقہ چلتے چلتے بیٹھ گئی۔ ہرچند اٹھانا چاہا مگر نہ اُٹھی۔ لوگوں نے کہا تھک گئی ہے آپ نے فرمایا ہرگز نہیں اسکو خدا تعالیٰ نے روکا ہے یعنی منشا خداوندی یہ ہے کہ میں اسوقت بزور قوۃ مکہ میں داخل نہوں۔ پھر فرمایا کہ مجکو قریش جس کسی ایسے امر کی طرف بلائیں گے جسمیں بیت اللہ کی حرمت وعظمت اور اُن کی صلہ رحمی ہوتی ہو۔ قبول کرونگا۔ یہ سنتے ہی ناقہ کھڑی ہوگئی۔

حدیبیہ کے حالات وواقعات بہت طویل ہیں اُن کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے۔ مگر خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین نے ہرگز کسی پہلو سے آپ کو اجازت طواف و دخول مکہ کی نہ دی۔ آپنے اُن کی سخت سے سخت شرائط کو قبول فرما کر صلح کرلی۔ اور حدیبیہ میں ہی قربانیاں ذبح کر کے حلال ہوگئے۔ صحابہ پر یہ امر نہایت شاق گذرا وہ سمجھے ہوئے تھے کہ خواب کی تعبیر کی موافق اسی سال مکہ میں باطمینان داخل ہو کر طواف کرینگے یہاں معاملہ برعکس پیش آیا صحابہ کے غم وغصہ کی انتہا نہ تھی۔ ادہر تو خواب کی تعبیر پورا نہونے کا صدمہ۔ ادہر مسلمان ہو کر ایسے کڑے شرائط کو مان کر صلح کرلینا۔ مگر آپنے اُن کو تسلی دی۔ یہ فرمایا کہ خواب سچا ہے اُسکی تعبیر پوری ہو کر رہیگی مین نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال مکہ میں داخل ہوں گے۔ اسکے بعد سورہ فتح نازل ہوئی۔ اور آیات ذیل میں خواب کی تصدیق فرمادی گئی۔

لقد صدق اللّٰہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللّٰہ آمنین محلقین	اللہ نے سچ دکھایا اپنے رسول کو خواب تحقیق تم داخل ہوگے ادب والی مسجد میں اگر اللہ نے چاہا

رؤسکم ومقصرین لا تخافون۔ فعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذلک فتحاً قریبا

چین سے بال منڈاتے اپنے سروں کے اور کترتے بے خطرہ پھر جانا جو تم نہیں جانتے پھر ٹھیرادی اس ورے ایک فتح نزدیک۔

حصہ دوئم زمانہ اسلام تا وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا وہی سپہ سالار اعظم اور وہی قریش مکہ کا معتمد علیہ خاص دلیر و جانباز اب اُسکے مسلمان ہونیکا وقت آگیا۔ جس کی ابتدا اسطرح ہوئی۔

خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کے علاتی بھائی ولید بن الولید بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ قیدی بنگئے تھے عبداللہ بن جحش نے اُن کو قید کیا تھا۔ جب یہ فیصلہ ہوگیا کہ معاوضہ لیکر قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ تو خالد اور اُن کے حقیقی بھائی ہشام بن الولید ولید کو چھڑانے کیلئے مدینہ آئے۔ عبداللہ بن جحش نے چار ہزار درہم زر معاوضہ طلب کیا۔ خالد نے انکار کیا۔ ہشام نے کہا اگر ولید تمہارے حقیقی بھائی ہوتے تو تم اسقدر معاوضہ دینے سے انکار نکرتے۔ میں، تو جو کچھ بھی طلب کیا جائیگا دونگا۔ غرض ولید کو چھڑا کر مکہ لیگئے۔ ولید وہاں پہونچکر مسلمان ہوگئے۔ لوگوں نے کہا تم وہیں کیوں مسلمان نہوئے۔ زر معاوضہ دلوا کر اور ہمکو ذلیل بنا کر کیوں مسلمان ہوئے۔ ولید نے کہا کہ اگر میں وہاں مسلمان ہوجاتا تو میرا اسلام اسپر محمول ہوتا کہ میں قید کی تکلیف سے گھبرا گیا۔ یہ امر گوارا نہ تھا کہ اسلام جیسی دولت بجائے رغبت و محبت کے کسی دنیوی غرض کی وجہ سے حاصل کرتا۔

ولید کو قید خانہ میں ڈالدیا گیا۔ مگر وہ کچھ عرصہ بعد قید خانہ سے بھاگ کر مدینہ منورہ حاضر ہوگئے اور عمرۃ القضا میں جو صلح حدیبیہ سے اگلے سال ہوا تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکاب مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔

قریش مکہ نے صلح حدیبیہ میں آپ کو سال آیندہ عمرہ کی اجازت دی تھی اور یہ شرط کرلی تھی کہ ہم بیت اللہ اور مطاف کو آپ کیلئے خالی کر دینگے آپ تین روز سے زیادہ وہاں نہ ٹھیریں گے لیکن جو لوگ ہم میں سے مکہ میں رہنا چاہیں مسلمان اُن سے تعرض نکریں۔ اُن کو نہ ستائیں۔

اس معاہدہ کی بنا پر قریش مکہ آزاد تھے۔ کہ چاہیں ان ایام کے اندر خاص مکہ میں رہیں یا باہر چلے

جائیں۔ بہت سے تو چلے گئے اور بہت سے وہاں رہے۔ خالد بن الولید بھی انہیں لوگوں میں سے تھے جو فرار ہو گئے تھے۔ باوجودیکہ اسلام کی حقانیت اُن کے دل میں اثر کر چکی تھی۔ مگر اپنے خیال پر قائم تھے اُن کو گوارا نہ تھا کہ آپ سے سامنا ہو۔ یا کسی مسلمان کو مکہ کی گلیوں میں پھرتا۔ یا بیت اللہ کا طواف کرتا دیکھ سکیں۔ اگرچہ حضرت خالد کے اسلام کے بارہ میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ بعد حدیبیہ عمرۃ القضاء سے قبل مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر میں اُسی پہلی روایت کی بناء پر واقعات کو لکھتا ہوں۔

حضرت خالد بن الولید اپنے اسلام کی ابتدا یوں بیان فرماتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔ تو مجھے خود بخود عقل آئی اور میرے دل میں تجسس پیدا ہوا۔ میں نے سوچا کہ میں نے آپ کے مقابلہ میں بڑے بڑے شدید معرکہ آرائیاں کیں ہیں لیکن جب کسی معرکہ سے واپس آیا ہوں تو میرے دل میں یہ آیا ہے کہ تو نے اپنی شجاعت و مردانگی۔ تدبیر و فرزانگی کو بے موقع صرف کیا ہے۔ ان خیالات سے میرے دل میں اسلام کی عظمت و محبت۔ شرک سے یکسوئی تو ہوئی دل میں قابلیت قبول اسلام پیدا ہو گئی۔ مگر اپنے عزم پر قائم و راسخ تھا۔

عمرۃ القضاء کے وقت میں بھی مکہ چھوڑ کر روپوش ہو گیا۔ میرا بھائی ولید بھی آپ کے ہمرکاب تھا اُس نے مجھے تلاش کیا تو میں نہ ملا تب اُس نے مجھے خط لکھا کہ مجھے اس سے زیادہ کوئی عجیب بات معلوم نہیں ہوتی کہ تم جیسا دانشمند آدمی اسلام جیسی چیز سے متنفر ہو اُسکی حقیقت نہ سمجھے۔ اسلام ایسی چیز نہیں ہے کہ کوئی ذی عقل اُس سے بے خبر رہے۔ یا اُسکی طرف مائل نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تمہارا حال دریافت کیا تھا میں نے عرض کر دیا کہ خدا تعالیٰ اُسکو آپ کی خدمت میں لے آئیگا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خالد ایسا شخص نہیں ہے جو اسلام سے جاہل اور بے خبر رہے۔ اگر وہ اپنی شجاعت و دلیری کو مسلمانوں کی امداد میں استعمال کرتے تو ان کیلئے بہتر ہوتا۔ اور ہم اُن کو اوروں سے ان معاملات میں مقدم کرتے۔ ولید نے یہ بھی لکھا کہ اب بھی تم تلافی مکافات کرو۔ بہت سے عمدہ موقع خدمت اسلام کے کھو چکے ہو۔

حضرت خالد فرماتے ہیں کہ دل میں اسلام کی محبت تو جم چکی تھی اس خط نے میرے اندر اور تحریک پیدا کر دی۔ اور جو خیالات انقباض یا شرم و حیا مجکو روکتے تھے وہ زائل ہو کر بجائے اُن کے انشراح و نشاط پیدا ہو گیا۔ اس درمیان میں میں نے یہ خواب دیکھا کہ میں نہایت تنگ و تاریک خشک

و قحطناک آبادیوں میں سے نکلکر سرسبز و شاداب و وسیع و پر فضا شہروں میں پہونچگیا ہوں۔
جب یہ عزم پختہ ہوگیا اور میں نے مکہ سے مدینہ جانیکا تہیہ کرلیا تو صفوان سے میری ملاقات ہوئی
میں نے کہا بھائی تم دیکھتے نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عرب و عجم پر غالب آگئے کیا اچھا ہوتا کہ
ہم بھی اُن کی خدمت میں پہونچکر۔ اتباع کرتے۔ صفوان نے کہا بھائی اگر میرے سوا ساری دنیا
مسلمان ہوجائے اور میں تنہا رہجاؤں جب بھی اُنکا اتباع نکرونگا۔ میں نے اپنے دل میں کہا
اس شخص کے باپ اور بھائی بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوچکے ہیں۔ اسکے دل میں غم و غصہ
عداوت و بغض حسد و کینہ اور جوش انتقام باقی ہیں۔ پھر عکرمہ ابن ابی جہل ملے۔ اُن سے بھی
وہی تقریر کی جو صفوان سے کی تھی اُنھوں نے بھی وہی جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا۔ میں نے
کہا خیر مگر تم اسکا کسی سے ذکر نکرنا۔ پھر میری ملاقات عثمان بن طلحہ سے ہوئی۔ وہ میرے دوست تھے
دل میں آئی کہ اُن سے بھی وہ مضمون کہوں۔ پھر خیال کیا کہ اسکا باپ چچا تین بھائی احد میں مسلمان
قتل کرچکے ہیں۔ اس سے کہنے میں کیا فائدہ۔ مگر میں نے کہا ذکر کردینے میں کیا حرج ہے میں نے
اُن سے سب حال بیان کیا۔ یہ بھی کہا کہ ہمارا حال لومڑی کا سا ہے اگر اسکے سوراخ میں چند ڈول
بھی ڈالدئے جائیں تو وہ فوراً اندر سے باہر نکل آئے میں نے صفوان و عکرمہ کی گفتگو بھی نقل کردی
لیکن عثمان نے فوراً میری بات کو مان لیا اور یہ ٹھہر گئی کہ فلاں مقام پر ملجائیں گے صبح ہونے سے
پہلے وہ مجھسے آکر ملگئے۔ ادہر ہم جانب مدینہ روانہ ہوگئے۔ جب ہم ہدہ (جگہ کا نام ہے) پر پہونچے تو وہاں عمرو
بن العاص سے ملاقات ہوگئی۔ عمرو نے دیکھتے ہی کہا ابو سلیمان (حضرت خالد کی کنیت ہے) کہاں کا ارادہ کیا۔ میں نے
کہا بات واضح ہوگئی۔ ثابت ہوگیا کہ آپ نبی ہیں پھر کب تک ہم ہٹ کرتے رہیں۔ میں تو اسلئے جاتا ہوں کہ مسلمان
ہوجاؤں۔ عمرو نے کہا میں بھی اسی ارادہ سے جاتا ہوں ہم تینوں ساتھ ہوکر مدینہ پہنچے۔ آپکو ہماری اطلاع پہونچی تو بہت مسرور
ہوئے اور فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمھاری طرف پھینکدیا ہے ہمنے اونٹ بٹھلاکر اپنے کپڑے بدلے۔ اور آپکی خدمت میں
روانہ ہوئے۔ راستہ میں میرے بھائی ولید ملے اُنھوں نے کہا آپ منتظر ہیں۔ ہم جلدی جلدی
چلکر خدمت مبارک میں پہونچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک میرے اُوپر پڑی تو
برابر تبسم فرماتے رہے میں نے پہونچتے ہی سلام عرض کیا۔ نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا۔ میں نے
کلمہ شہادت پڑھا۔ آپ نے فرمایا خدا تعالی کا شکر ہے کہ اُس نے تمکو ہدایت فرمائی۔ میں تمھارے اندر

وہ فرزانگی پایا تھا جس سے مجھے توقع تھی کہ وہ تمکو خیر کی طرف پہونچادیگی میں نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جن معرکوں میں آپ کے مقابلہ پر آیا ہوں۔ اُن کی مغفرت کی دعا فرمادیجے۔ ارشاد فرمایا اسلام سب پہلے گناہوں کو مٹادیتا ہے۔ میرے بعد عمرو و عثمان بھی مسلمان ہوگئے۔

حضرت خالد بن الولید کی مسلمان ہوجانیکے توقع آپ کو لگی ہوئی تھی۔ آپ کو معلوم ہوچکا تھا کہ کیسی کیسی نمایاں خدمات اسلام کی اُن کی ہاتھ سے ہونگی مسلمان ہونیکے بعد آپ نے اُنکی اُس اقتدار و عظمت کو جو مکہ میں حاصل تھا قائم رکھا معرکہائے جنگ میں اُن کی تدابیر سے کام لیا جاتا تھا اور مسلمانوں کی فوج سواروں کی کمان اُنکے سپرد کردی گئی حضرت عمرو بن العاص بھی جو اسیوقت خالد کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے وہ فرماتے ہیں کہ اسیوقت سے معاملات حرب و معرکہ آرائی میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجکو اور خالد بن الولید کو مشورہ میں مقدم فرماتے تھے اور اس قسم کی تدابیر میں ہماری رائے قابل توجہ سمجھے جاتے تھے۔

زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت خالد کے کارنامے

مسلمان ہوجانیکے بعد حضرت خالد نے اسلام کی خدمات اُسی جانفشانی جد و جہد عرقریزی و جان نثاری سے کیں جیسی کہ اُن کی جبلی شجاعت و دلیری شرافت خاندانی اور سربلندی و امتیاز کا مقتضی تھا۔ بلکہ اُس سے بھی زیادہ۔ کیونکہ اُن کوششوں کا مبنی اگر قومی غیرت اور فقط نام و نمود تھا تو اب اسلام کی محبت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خداوند عالم جل مجدہٗ کی رضا محرک تھی۔ اسکے علاوہ اُن اپنے بے سود و مضر کو مساعی کی تلافی بھی کرنی تھی۔

غزوہ موتہ

سب سے پہلے اور سب سے زیادہ عظیم الشان و ہولناک معرکہ موتہ کا تھا جس میں کہ حضرت خالد نے شریک ہوکر اپنے تفوق و امتیاز کو ثابت کرکے سیف من سیوف اللہ کا درخشاں خطاب بارگاہ رسالت پناہ سے حاصل کیا۔

موتہ مُلک شام میں ایک مقام ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمیر ازدی کو ایک خط دیکر روم و شام کے بادشاہ ہرقل کے پاس بھیجا تھا۔ شرجیل بن عمرو الغسانی شام میں ہرقل کا گورنر و نائب السلطنت تھا۔ حارث جب موتہ پہونچے تو شرجیل کو

معلوم ہو گیا اُسنے حارث سے پوچھا شاید تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قاصد وسفیر ہو۔ کہا ہاں شرجبیل نے اُن کو قتل کر دیا۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے سفیر و قاصد تھے جو قتل کئے گئے۔ آپ کو اسکی اطلاع ہوئی تو سخت شاق گذرا آپنے تین ہزار مسلمانوں کی ایک جمعیۃ کو ملک روم کے مقابلہ کیلئے تیاری کا حکم دیا۔ زید ابن حارثہ امیر لشکر مقرر کئے گئے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرما دیا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر ابن ابی طالب امیر بنا دئے جائیں جعفر شہید ہو جائیں۔ تو عبد اللہ بن رواحہ۔ یہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جسکو پسند کریں امیر بنائیں۔ ایک یہودی بھی اس مجلس میں موجود تھا اُسنے کہا اگر آپ نبی ہیں تو سب شہید ہونگے کیونکہ بنی اسرائیل میں جب کبھی اُن کے نبی نے ایسا کہا ہے تو سب کے سب شہید ہوئے ہیں۔ اسکے بعد یہودی نے زید بن حارثہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا تم کو جو وصیت کرنی ہے کر دو اب تمکو مدینہ واپس آنا نصیب نہوگا۔ آپ نے ثنیۃ الوداع پر اس لشکر کو رخصت کیا اور چند نصیحتیں فرمائیں منجملہ انکے یہ بھی تھیں کہ تمکو کچھ لوگ کلیساؤں میں ملیں گے اُن کو قتل نکرنا۔ کسی لڑکے بچہ عورت بوڑھے اور بیمار کو بھی قتل نکرنا۔ یہ لشکر روانہ ہوا شام کی حدود میں داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ ملک روم اُن کے مقابلہ کیلئے سعہ ایک لاکھ جمع فوج کی ہے بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک لاکھ کے علاوہ عرب متنصرہ (وہ قبائل عرب جنھوں نے دین عیسائی قبول کر لیا تھا) میں سے ایک لاکھ اور ہیں۔ غرض تین ہزار کی قلیل جماعت کا مقابلہ ایک لاکھ یا دو لاکھ سے تھا۔ دشمن کی کثرۃ اور اپنی قلۃ۔ اُن کی سامان حرب اور اپنی بے سامانی کو دیکھکر مسلمانوں کو تردد ہوا۔ باہمی مشورہ ہوا۔ بعض کی رائے ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے استفسار کیا جائے۔ اور جواب آنے تک کچھ نہ کیا جائے عبد اللہ بن راحہ نے فرمایا تردد کی کیا بات ہے جس بات سے تم گھبراتے ہو اُسی کی طلب میں تو نکلے ہو ہمنے تو کبھی اپنی کثرۃ عدد اور سامان پر بھروسہ کر کے مقابلہ نہیں کیا ہم تو اس دین حق کے لئے لڑتے ہیں۔ آخر مقابلہ کی ٹھہر گئی۔ موتہ کی مقام پر فریقین کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر اسلام کو موتہ میں داخل ہونے سے منع فرمایا تھا مسلمان بھی اس عزم پر راسخ تھی کہ موتہ میں داخل نہوں گے۔ مگر اثناء سیر میں ڈھونڈ کی وجہ سے کچھ نظر نہ آیا اور مقام موتہ پہونچگئے۔ وکان امر اللہ قدرا مقدورا + (باقی آئندہ)

اُسکو اپنی عبدیت و افتقار اور خداوند عالم کی مالکیت اور رب الارباب ہونے میں شک ہے ورنہ اسکے کیا معنی کہ جب اُسکے سوا نہ کوئی خالق ہے نہ مالک نہ معطی ہے نہ مانع۔ پھر وہ کیوں اپنی حاجتوں کو اُسکے سامنے پیش نہ کرے۔ اور مخلوق کے دروں پر دریوزہ گری کرتا پھرے۔ اور جب اُسکو اپنی عبدیۃ اور اسکی معبودیۃ میں شک و تردد ہے۔ تو عبادت۔ اور ثواب عبادۃ کی حاجت کیا ہوگی۔ اور وہ کیونکر عبادت کی طرف مائل اور راغب ہوگا۔ خلاصہ یہ نکلا کہ دعا سے اعراض یا تغافل یا تساہل۔ یا اُسکو غیر مفید و غیر موثر سمجھنا حقیقتاً عبادت سے اعراض کرنا ہے اور عبودیۃ و عبدیۃ سے گذر کر اپنے لئے درجۂ کبریائی و استغنا کا درپردہ دعوی کرنا ہے۔ امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں۔

وقال الجمهور الاعظم من العقلاء ان الدعاء اهم مقامات العبودية	عقلا کا گروہ اعظم (چند نادانوں کو چھوڑ کر) اسکا قائل ہے کہ مقامات عبودیۃ میں سب سے زیادہ اہم اور اعظم دعا ہے

آیۃ شریفہ کے اس مضمون کی تائید احادیث ذیل سے ہوتی ہے۔

9

(۱) الدعاء هو العبادة	دعا ہی عبادت ہے۔
(۲) الدعاء مخ العبادة۔	دعا عبادت کا مغز ہے۔

اول حدیث کا مضمون تو بعینہ مطابق مضمون آیۃ شریف ہے کیونکہ وہاں دعا کے حکم کے بعد ارشاد ہوا تھا کہ جو لوگ میری عبادت سے اعراض کرتے ہیں وہ جہنم میں داخل ہونگے اسکے صاف معنی یہ ہیں کہ دعا عین عبادت ہے۔

دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا عبادت کا مغز و خلاصہ ہے۔ اسکا حاصل بھی یہی ہے کہ عبادت بغیر دعا محض غیر مفید اور بیکار شے ہے جیسا پوست بغیر مغز کے۔

غرض آیۃ شریفہ اور احادیث مذکورہ سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ دعا اصل عبادت ہے عبادت بغیر دعا کے بیکار اور غیر مفید ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

لا يرد القضاء الا الدعاء	قضاء الٰہی و تقدیر کو سوا دعا کے کوئی چیز نہیں ٹال سکتی اور

اس حدیث کے مضمون سے دعا کی فضیلت و فوقیت جسقدر ثابت ہوتی ہے ظاہر ہے۔ کسی عبادت اور عمل صالح کی نسبت ایسا نہیں فرمایا گیا۔ یہ خصوصیت و فضیلت صرف دعا کو حاصل ہے

رہی یہ بات کہ دعار کی وجہ سے تقدیر الٰہی کیسے بدل سکتی ہے اسکو ہم تاثیر دعا کے موقع پر بیان کرینگے۔ یہاں تو صرف اُسکی فضیلت و فوقیت کو بیان کرنا تھا سو یہ امر بداللہ حاصل ہو گیا۔

لیکن قبل اسکے کہ ہم اس بیان کو ختم کریں ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے۔

تقریر شبہ | دعا، جداگانہ شے ہے کیونکہ دعار میں سوال اور طلب حاجت ہوتا ہے اور عبادت ارکان مفروضہ کے ادا کو کہتے ہیں پس دعار کا عین عبادت فرمانا جیسا کہ اول حدیث سی معلوم ہوتا ہے کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ اور اگر کسی وجہ سے اسکو تسلیم کرلیا جاے کہ دعار و عبادت شے واحد ہیں تو دوسری حدیث اُسکی مخالف و معارض ہے۔ اسمیں فرمایا گیا ہے کہ دعار مغز عبادت ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبادت و دعا دو علیحدہ علیحدہ امر ہیں۔ پھر اگر دونو حدیثوں کے مضمون کو صحیح مان لیا جاے تو لازم آئیگا کہ شے اور مغز شے ایک ہو جائیں اور یہ کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ پوست کو مغز کہدیا جاے۔

10 جواب شبہ | اس شبہ کا جواب دو طرح سے دیا جا سکتا ہے۔

تقریر جواب اوّل ۔ دعار کو عین عبادت فرمانا اور دعار کو مغز عبادت فرمانا دونوں صحیح ہیں مگر دو اعتبار سے اگر ایک اعتبار سے دعار کو عین عبادت یا مغز عبادت فرمایا جاتا تو بیشک تعارض ہوتا۔ یعنی دعار میں دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت سے اُسکو عین عبادت کہہ سکتے ہیں اور ایک اعتبار سے مغز عبادت۔

تفصیل اُسکی یہ ہے کہ عبادت جیسا کہ ہم ابھی بیان کرچکے ہیں۔ اظہار عبدیت و افتقار کو کہتے ہیں اور خلاصہ تمام عبادات کا یہ ہے کہ بندہ اپنے خالق و مالک کے سامنے ہر ممکن ادار سے تذلل و انقیاد خضوع و خشوع افتقار و احتیاج کا اظہار کرے۔ دل سے اور جوارح سے۔ جان سے اور مال سے۔ اور ہمہ تن حاجت اور صورت سوال بنجاے۔ اور اس اظہار میں تمام روح و جسم و قلب اعضار و جوارح کو شریک ہونا لازم قرار دیا گیا ہے۔ دل میں اگر خشوع و خضوع کا ہونا ضروری ہے تو اعضار جسمانی کا بصورت افتقار و احتیاج ظاہر کرنا لازم ہے اور زبان سے اپنی حاجات کو عجز و نیاز کے ساتھ پیش کرکے طالب نجاح و فلاح ہونا واجب ہے۔ دعار کے معنی اگرچہ سوال و طلب حاجت کے ہیں لیکن یہ ضرور نہیں کہ سوال زبان ہی سے ہوا کرے۔ بسا اوقات اپنی خانی

اور اسکے باقی - اپنی مخلوق و معدوم اور اُسکے خالق و موجود - اپنے محتاج و فقیر - اُسکے غنی و معطی ہونیکا یقین دلمیں اسقدر راسخ ہونا اور اُسکی قلبی و جسمانی حالت اُسکے اس یقین کو اس طرح ظاہر کرتی ہے کہ زبان سے اظہار کی ضرورۃ باقی نہیں رہتی - بلکہ یہ حالت ایسی غالب آجاتی ہو کہ زبان گنگ ہوکر اظہار حال سے عاجز و مقصر ہو جاتی ہے -

اس حقیقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے دعا و عبادت کا شئے واحد ہونا ظاہر اور بدیہی امر ہے اور اس حیثیت سے الدعاء ھو العبادۃ - فرمانا بالکل درست اور صحیح ہے -

اور جب یہ دیکھا جاوے کہ ہمکو عباوات کے وقت یا اُن سے فراغت کے بعد دعار کا خصوصیت سے حکم ہے تو دعار عبادت دو جداگانہ امر معلوم ہوتے ہیں - عبادت اصل شے اور دعا یعنی سوال مقاصد اُسکا ثمرہ اور خلاصہ و مغز ہے یعنی ارکان عبادت سے جو مقصود اپنی عبدیۃ و افتقار کا اظہار تھا اُسکی تکمیل صورت دعار میں ہوتی ہے اور اس حیثیت و اعتبار سے یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ دعار مغز عبادت - ثمرہ عبادت ہے - 11

فائدہ - ہماری تقریر مذکورہ بالا سے جیسا کہ یہ ثابت ہوگیا کہ الدعاء ھو العبادۃ اور الدعاء مخ العبادۃ فرمانا صحیح ہے - اسی بنار پر اگر حقیقتِ دعار اور حقیقت عبادت کو ذہن نشین کرکے العبادۃ ھی الدعاء (عبادت دعار ہی کا نام ہے) کے مضمون کو بھی صحیح مان لیا جاوے تو بظاہر درست اور صحیح ہے - گو الفاظ حدیث سے صراحتاً یہ مضمون ثابت نہیں ہوتا مگر حقیقۃ الامر کے انکشاف کے بعد اُسکے تسلیم میں کچھ تامل کی بھی وجہ معلوم نہیں ہوتی -

تقریر جواب دویم - دعا و عبادت اگرچہ اپنی اصل حقیقت میں مشترک ہیں - مگر اصطلاح شرع میں ارکان مفروضہ کے ادار کو عبادت اور طلب حاجت کو دعا کہتے ہیں - اور اس وجہ سے بیشک یہ دونوں امر جدا جدا ہیں - نہ دعا عین عبادت ہے نہ عبادت عین دعا - لیکن بااینہمہ جو دعا کو عبادت فرمایا گیا اُسکی وجہ یہ ہے کہ کبھی جزو اعظم یا فرد کامل پر کل کا اطلاق کر دیتے ہیں مثلاً انسان تمام اعضار کے مجموعہ کا نام ہے - مگر انسان میں راس جزو اعظم ہے عقل و حواس سمع بصر جن پر ہی انسان کی انسانیت اور زندگی کا مدار ہے اُسکے اندر موجود ہیں - اسوجہ سے راس بولکر انسان مراد لیلیتے ہیں اسی طرح دعا بھی عبادت کا جزو اعظم ہے - دعا پر عبادت کا اطلاق آجاتا ہے تفصیل اسکی یہ ہے

کہ اقرار توحید کے بعد خدا تعالیٰ نے جسقدر عبادتیں اپنے بندوں پر فرض کیں ہیں اُن سب میں افضل و اعلیٰ نماز ہے۔ ترتیب عبادات میں بھی سب سے مقدم نماز کو رکھا گیا ہے۔ نماز ہی وہ عبادت ہے کہ جو آدمی پر ہر حالت میں فرض رہتی ہے۔ نہ حالت سفر میں اُس سے سبکدوشی ہوتی ہے اور نہ مرض میں نہ معرکہ آرائیوں میں اُسکی فرضیت ساقط ہوتی ہے نہ کسی اور وقت میں۔ باقی عبادات کا یہ حال نہیں ہے

ابن مسعود[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قال سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الاعمال احب الی اللہ قال الصلوٰۃ لوقتها قلت ثم ای قال بر الوالدین قلت ثم ای قال الجهاد فی سبیل اللہ قال حدثنی بهن ولو استزدته لزادنی۔

(بخاری ومسلم)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا خدا تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ پسندیدہ کونسا عمل ہے۔ فرمایا نماز کا وقت پر ادا کرنا۔ میں نے عرض کیا اسکے بعد کونسا فرمایا والدین کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا میں نے عرض کیا پھر کونسا۔ فرمایا خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ آپنے ان تین اعمال کے متعلق ارشاد فرمایا۔ اگر میں اور دریافت کرتا تو آپ بھی کچھ اور فرماتے۔

۱۲ حضرت[۲] جابر سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین العبد والکفر ترک الصلوٰۃ۔ مسلم۔

یعنی ایمان وکفر کی حد فاصل نماز ہے۔

عبداللہ[۳] بن شقیق سے روایت ہے۔

قال کان اصحاب رسول اللہ لا یرون شیئاً من الاعمال ترکه کفراً غیر الصلوٰۃ

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ ترمذی۔

احادیث مذکورہ بالا کے مجموعہ سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ اعمال میں سب سے افضل سب سے زیادہ محبوب اور اصل علامت ایمان کی اور کفر و اسلام میں تمیز کر دینے والی نماز ہے۔ گویا اصل اصول تمام عبادات و اعمال صالحہ کی نماز ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جو اہتمام نماز کی تعلیم کا ہے اسدرجہ کسی اور عمل کا نہیں ہے۔ بچوں پر فرض ہونے سے قبل اُسکی تعلیم و تلقین کا حکم ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

---

[۱] [۲] [۳] مشکوٰۃ شریف کتاب الصلوٰۃ ۱۲

مروا اولادکم بالصلوٰۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر سنین - ابوداؤد شریف

اپنی اولاد کو جبکہ وہ سات برس کی عمر کو پہونچ جائیں نماز کا حکم کیا کرو۔ اور جبکہ دس برس کی عمر میں پہونچ جائیں تو مار کر سکھایا کرو۔

ظاہر ہے کہ دس برس کے بچے پر نماز فرض نہیں ہوتی۔ بلکہ زمانہ بلوغ کو خیال کیا جاوی تو ابھی اسکی فرضیت میں کئی سال باقی ہوتے ہیں لیکن نماز کی یہ تاکید ہے کہ ابھی سے اسکی تعلیم پر تشدد اور ضرب کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ تاکید اور کسی فرض وعمل کے بارہ میں نہیں ہے۔

اور نماز میں رکن اعظم جو زیادہ موجب قرب خداوندی ہوتا ہے سجدہ ہے۔ جو تقرب بندہ کو خدا تعالےٰ کے یہاں سجدہ میں ہوتا ہے اور کسی حالت میں نہیں ہوتا۔ خدائے برتر کا ارشاد ہے۔

فاسجد واقترب۔

سجدہ کر اور قربت حاصل کر۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے:۔

اقرب مایکون العبد من ربہ عزوجل وھو ساجد فاکثروا فیہ من الدعاء

تمام حالتوں سے زیادہ بندہ اپنے رب کے قریب حالت سجود میں ہوتا ہے۔ تو اسمیں تم بہت دعا کیا کرو۔ ۱۳

اور وجہ اسکی ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی عظمت شان وعلو مرتبت کے مقابلہ میں بندہ جسقدر اپنی پستی وذلت کا اظہار کریگا اسی قدر قریب تر ہوگا یہیں سے ہمکو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ خداوند عالم تمام جہات سے منزہ ومبرا ہے نماز کے ارکان پر اول سے آخر تک نظر ڈالنے سے بھی یہ امر واضح معلوم ہوتا ہے کہ جو تذلل وتواضع سجدہ میں ہے باقی ارکان میں نہیں ہے۔ دیکھئے اول دست بستہ قیام اسکے بعد رکوع یعنی جھکنا اور اسکے بعد سجدہ یعنی پیشانی کو زمین پر رکھنا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام سے رکعت کی ابتدا ہو کر سجدہ پر اختتام ہوا قیام دست بستہ میں اظہار تذلل ہے مگر نہ اتنا جتنا کہ رکوع میں اور رکوع میں گو بہ نسبت قیام کے بہت زیادہ اظہار عبدیت وتذلل وخشوع ہے۔ مگر جو بات سجدہ میں ہے وہ اسمیں نہیں ہے۔ سجدہ میں عبدیت کا پورا پورا اظہار ہے افعال تعظیمی میں سجدہ سے بڑھکر کوئی فعل نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جناب رسول اللہ

لہ۔ مشکوۃ شریف کتاب الصلوٰۃ ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم حالت رکوع میں فرمایا کرتے تھے:۔

اللھم لک رکعت وبک آمنت ولک اسلمت خشع لک سمعی وبصری ومخی وعظامی وعصبی ۔	الٰہی میں نے تیری ہی لئے رکوع کیا اور تجھی پر ایمان لایا اور تیری ہی اطاعت کی پست ہوئے تیرے سامنے میرے کان اور انکھ اور مغز اور ہڈی اور پٹھے ۔

اس تعلیم نبوی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بندہ حقیقتاً سجدہ کے قابل اسوقت ہوتا ہے جبکہ خشوع وخضوع بدرجہ کمال حاصل ہو کہ رگ وپے میں سرایت کرجاے اور وہ اس حالت پہونچ جائے کہ بے اختیارانہ اپنے چہرہ کو زمین پر رکھدے۔ اور سجدہ کی حالت میں کوشش اور جدوجہد کے ساتھ بکثرت دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث مذکورہ بالا جسمیں فرمایا گیا ہی کہ سب حالتوں سے زیادہ بندہ کو اپنے رب سے حالت سجدہ میں قرب ہوتا ہے ارشاد ہے ۔ فاکثروا فیہ من الدعاء جسکا صاف مطلب یہ ہے کہ ایسے قرب کے وقت جس سے بڑھکر کوئی قرب نہیں دعامیں کوتاہی نکرنی چاہیئے بلکہ جسقدر اور جس کثرۃ سے ممکن ہو دعا کرنی چاہئے۔

۱۴ دوسری روایت ابن عباسؓ سے ہے:۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انی نھیت ان اقرء القران راکعا او ساجدا فاما الرکوع فعظموا فیہ الرب تعالیٰ واما السجود فاجتھدوا فیہ بالدعاء فانہ قمن ان یستجاب لکم	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں مجھکو ممانعت کیگئی ہے کہ حالت رکوع وسجدہ میں قرآن پڑھوں رکوع میں تو خدا تعالیٰ کی عظمت بیان کیا کرو اور سجدہ کی حالت میں بکوشش دعا کیا کرو کیونکہ اس حالت میں دعا کی قبولیت کی زیادہ توقع ہے

تیسری روایت میں ہے:۔

ما من عبد یسجد للہ سجدۃ الا رفعہ اللہ عزوجل بھا درجۃ وحط عنہ بھا خطیئۃ ۔	کوئی بندہ سجدہ نہیں کرتا مگر یہ کہ اللہ عزوجل اسکی وجہ سے اسکے درجہ بلند کرتا اور گناہ معاف کردیتا ہے۔

ربیعہ بن کعب الاسلمی فرماتے ہیں:۔

ے ۔ احیاء العلوم ربع اول صفحہ ۱۷۱ ۔

كنت آتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوضوئہ وبحاجتہ فقال سلنی فقلت مرافقتک فی الجنۃ قال او غیر ذلک قلت ھو ذاک قال فاعنی بکثرۃ السجود ۔

کہ میں جناب رسول اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وضو کا پانی اور مسواک وغیرہ حاضر کیا کرتا تھا۔ آپنے از راہ مسرت ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔ کوئی شے طلب کرو۔ میں نے عرض کیا کہ جنت میں آپکی مرافقت چاہتا ہوں ارشاد ہوا کوئی اور بات مانگو میں نے عرض کیا یہی چاہتا ہوں۔ ارشاد ہوا بہت اچھا مگر تم سجدے بکثرۃ کر کے اس قابل بنجانیکی کوشش کرو۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مراتب علیہ اور مقامات سنیہ کے حصول کیلئے جو امور شرط ہیں اُن کو اختیار کرنا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرافقت جنت میں اعلیٰ ترین مقام ہے۔ اور اُسکے حصول کیلئے کثرۃ سجود کا ارشاد ہوا۔ اس سے بڑھکر سجدہ کی فضیلت اور اہمیت کیا ہو سکتی ہے۔

احادیث مذکورہ بالا سے سجدہ کی فضیلت اور موجب ازدیاد قرب خداوندی ہونیکے ساتھ 15
یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دعا کی کوشش کا موقع سجدہ ہے اور قبولیت کی توقع بھی زیادہ تر اُسی وقت ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز خود بھی یہی تھا۔ آپ سجدہ کی حالت میں نہایت الحاح کے ساتھ بکثرت دعا مانگتے تھے اور جو الفاظ بھی اپنی پستی اور خدا تعالیٰ کی عظمت سے ملتی تھی اُن کا استعمال فرماتے تھے۔ محمد بن مسلمہ سے روایت ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قام من اللیل یصلی تطوعا قال اذا سجد اللھم لک سجدت وبک امنت ولک اسلمت اللھم انت ربی سجد وجھی للذی خلقہ وصورہ وشق سمعہ وبصرہ تبارک اللہ احسن الخالقین ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو تہجد کیوقت نفلیں پڑھتے تھے تو سجدہ کی حالت میں فرمایا کرتے تھے الٰہی تیرے ہی لئے سجدہ کیا اور تجھی پر ایمان لایا اور تیرے ہی سپرد کیا۔ اے اللہ تو ہی میرا رب ہے میرے چہرہ نے اُس ذات کیلئے سجدہ کیا جسنے اُسکو پیدا کیا اور اُسکی صورۃ بنائی اور کان اور آنکھ بنائی۔ پاک و برتر ہے اللہ جو سب خالقین سے بہتر اور احسن ہے۔

عائشہ صدیقہ سے روایت ہے۔

قالت فقدت رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة من الفراش فالتمسته فوقعت يدي على بطن قدميه وهو في المسجد وهما منصوبتان وهو يقول اللهم اني اعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك واعوذ بك منك لا احصي ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك (مسلم)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک شب (آنکھ کھلی) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا تو میں نے آپکو ڈھونڈا۔ میرے ہاتھ آپ کے قدموں پر پڑے تو آپ کو سجدہ کی حالت میں پایا۔ اور آپکے دونوں قدم کھڑے ہوئے تھے۔ اور آپ اس حالت میں فرماتے تھے الٰہی میں تیری رضا کے ساتھ تیری غصہ سے پناہ مانگتا ہوں اور تیری معافی کے ساتھ تیری عذاب سے اور تیری ذات کے ساتھ تجھسے پناہ مانگتا ہوں میں تیری ثنا و صفت کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ تو ایسا ہی ہے جیسا تو نے خود اپنے نفس کی ثنا و توصیف کی ہے

اس حدیث کی بعض دوسری روایتوں میں حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ مقولہ بھی منقول ہے۔

بابي انت وامي اني لفي شان وانك لفي شان۔ 16

میری ماں اور باپ آپ پر فدا ہوں میں کس خیال میں ہوں اور آپ کس حال میں۔

خلاصہ اس تمام بیان کا یہ نکلا کہ نماز تمام عبادات سے افضل و اعلیٰ۔ اور نماز کے ارکان میں سجدہ رکن اعظم اور موجب ازدیاد قرب خداوندی ہے۔ اور سجدہ میں دعا کی کثرۃ اور جد و جہد کا حکم ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جزو اعظم و اغلب پر کل کا اطلاق آجاتا ہے۔ تو اس اعتبار سے بطور مجاز الدعاء هو العبادة فرمانا بالکل حق اور صحیح ہوگا۔ گو حقیقت کے اعتبار سے دعا عبادت کا مغز اور ثمرہ ہے۔

جواب کی دونوں تقریروں سے اصل شبہ کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ خواہ جواب اول کے موافق دعا کو عین عبادت اور دعا کو مغز و ثمرہ عبادت دو حیثیتوں سے حقیقی معنی میں کہا جاوے۔

یا جواب ثانی کے موافق دعا کو حقیقۃً مغز عبادت کہا جاوے اور بطور مجاز کے اُسکو عین عبادت کہدیا جائے گو یہ شبہ اتنا قوی نہ تھا کہ اُس کے جواب میں اسقدر تفصیل کیجاتی۔ مگر جواب کی تقریر میں بہت سے فوائد کے حصول کی توقع تھی اسلئے اسقدر توضیح و تشریح کو مناسب سمجھا۔

اعلائے کلمۃ اللہ

کا

بہترین طریقہ

(سلسلے کے لئے دیکھو القاسم ماہ جمادی الاولیٰ نمبر ۱ جلد ۳)

چونکہ اعتقاد و اعمال اور اخلاق کے باہمی ربط کو مثال کے ذریعہ سے بالتفصیل ہم سمجھا چکے ہیں اسواسطے اب نہایت آسانی سے یہ بات سمجھ میں آجائیگی۔ کہ عقائد و اعمال میں ایک کا دوسرے پر کیا اثر پڑتا ہے جسطرح بنیاد کا متزلزل ہونا عمارت کے دیگر حصوں کو کمزور اور بے ثبات کر دیتا ہے اور جسطرح فقط مکان کے سقف۔ ستون اور دیواروں کی مضبوطی اور پائیداری سے (درآنحالیکہ بنیاد ناپائیدار اور غیر مستحکم ہو) عمارت کو سیلاب اور طوفان سے نہایت سخت خطرے کا اندیشہ ہے اسی طرح سے انسان کے اگر عقائد ناقص ہوں تو یقیناً اُسکے اعمال بھی غلط اور غیر مفید ہونگے اور اگر اعمال ناروا و ناجائز ہوں گے تو ضرور عقائد بھی رفتہ رفتہ خراب ہو جائینگے۔ اور جب کبھی عقلیات و فلسفیات کے طوفان بلاخیز کا سامنا ہوگا عقائد کے ثبات میں فرق آجائیگا۔

تجربہ اس بات کا شاہد ہے۔ کہ اگر ایک شخص چوری کی عادت ڈالتا ہے جھوٹ بولنا شروع کرتا ہے۔ تو رفتہ رفتہ اصل سرقہ اور کذب کی مذمت بھی اُسکے قلب سے نکل جاتی ہے۔ اور گو ابتداً اس سے یہ افعال بہ تکلف سرزد ہوتے رہے ہوں مگر بالآخر عادت جب ایک ملکہ پیدا کر چکتی ہے تو بلا تکلف وہی اعمال و افعال سرزد ہونے لگتے ہیں۔ اور انسان اُنہی کو اپنا کمال سمجھنے لگتا ہے اور عیب کو عیب نہیں سمجھتا۔ اُسکی مذمت کرنیوالوں کے سامنے اُس فعل کی تاویل و توجیہ کرکے ذمائم و نقائص کو محاسن و مدائح سے تعبیر کرنے لگتا ہے۔ اور بالکل اسی طرح بلکہ اس سے زائد صاف اور صریح طور پر یہ امر شاہد ہے کہ اگر کسی انسان کے نزدیک یہ امر محقق ہو جائے۔ کہ عذاب و ثواب کوئی شے نہیں ہے جنت و دوزخ کے حالات ایک تمثیل محض ہیں۔ حساب و کتاب ایک خیالی ڈھکوسلہ ہے۔ تو چند دنوں کے بعد تم دیکھو گے کہ کسی جائز و ناجائز فعل کے ارتکاب میں اُس شخص کو تردد نہیں ہوتا ہے اور جو شے دنیا کے بظاہر اُس کو اپنے عیش و راحت کی ممد و معاون نظر آتی ہے۔

اُسمیں لوم لائم اور طعن طاعن کی پرواہ تو کیا کہ جان توڑ کوششوں اور بے ذریغ مساعی سے اُنکے مہیا کرنے میں منہمک ہو جاتا ہے پس جسطرح سے کہ اعمال و افعال ظاہری تابع ہیں اخلاق باطنی اور قوۃ فعال کے۔ اُسی طرح سے عقائد و خیالات اور قوائے انفعالیہ پر حرکات و سکنات کا اثر پڑتا ہے اور ایک دوسرے کے رنگ میں رنگتے رہتے ہیں۔

نمبر ۳ تیسرا امر کہ ہر کسی شخص کے اعمال اچھے نہ ہوں تو اُسکے عقیدے کے متعلق کیا خیال قائم کیا جاسکتا ہے" اسکو بھی اگر بجائے دلائل و براہین کے تجربات و مشاہدات پر چھوڑا جائے اور ظن ہی پر اسکا فیصلہ موقوف کیا جائے تو بہت ہی مناسب ہے ہم ایک شخص کو شراب پیتے دیکھتے ہیں شراب خانوں میں آتے جاتے دیکھتے ہیں۔ شرابیوں اور رباشوں میں اُٹھتے بیٹھتے دیکھتے ہیں۔ کبھی اُس شخص کے متعلق یہ خیال نہیں ہوتا ہے۔ کہ یہ شخص دل سے تو اِن امور کو بُرا سمجھتا ہے۔ ان حرکات کی قباحت کا احساس کرتا ہے۔ اِن کے ارتکاب کو مہلک دین و ایمان جانتا ہے۔ مگر بظاہر غلطی اور صحبت کی وجہ سے اِن امور میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اگرچہ واقع میں کبھی ایسا بھی ہو مگر اُسوقت خود اُس انسان سے ایسے حرکات بھی ساتھ ساتھ سرزد ہوتے جاتے ہیں کہ جس سے ایک فہیم اور ذہین کو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس انسان کے اِن لغزشوں اور معصیتوں کا باعث اسکا رجحان طبعی نہیں ہے بلکہ دیگر اتفاقی امور۔

تعلیمات شرعیہ بھی ہم کو یہی بتلاتے ہیں کہ انسان کے ظاہر پر حکم لگایا جائے۔ مقر شہادتین سے قتال ناجائز۔ مصلی و صائم کو (اگر اُس کے عقیدے کی اطلاع نہ ہو) کافر کہنا کفر قرار دیا گیا ہے۔ علیٰ ہذا انا الحق کہنے والے کو دار پر کھینچ دینا سبحانی ما اعظم شانی کے قائل کو تلوار رنا گو وہ فی الحقیقت کیسا ہی عارف اور کامل کیوں نہو) ناجائز نہیں ہے۔

اس مسئلہ کے سمجھنے کیلئے مزید توضیح و تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن و حدیث تاریخ و سیر اور واقعات و مشاہدات سینکڑوں ہزاروں دلائل و امثلہ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ بظاہر جسکے اعمال و افعال شریعت کے موافق ہوں اُنپر وہی حکم لگایا جائیگا جس کا ایک پابند شریعت مستحق ہے۔ اور اگر بظاہر منہیات و محرمات کا کوئی مرتکب ہو تو اُسکو وہی خطابات ملیں گے جنکے ایسے لوگ اہل ہیں۔

ناظرین آپ غور فرمائیں کہ ایک شخص کے ظاہری لباس اور وضع سے لیکر اُسکے تمام حرکات وسکنات اخلاق وعادات۔ اعمال وافعال سب کو ہم شریعت اسلامیہ کے خلاف پاتے ہیں۔ صورت پر نظر پڑتی ہے تو داڑہی منڈی ہوئی مونچھیں چڑہی ہوئی دیکھتے ہیں جس سے "قصوا الشارب واعفوا اللحیۃ" (مونچھ تراشو اور داڑہی کو بڑہاؤ) کی توہین ہوتی ہے۔ کپڑوں کو دیکھئے تو پتلون ٹخنوں سے نیچا ہے۔ سر پر عمامہ کے بجائے ہیٹ ہے بدن میں ازار وقمیص کے بدلے کوٹ اور پتلون ہے جو "من تشبہ بقوم فھو منھم" (جسکی جو مشابہت کریگا انھیں میں سے ہوگا) کا مصداق بنتا ہے۔ اعمال وافعال کو دیکھئے تو نماز بھول کر بھی یاد نہیں آتی ہے۔ جو الصلوٰۃ عماد الدین فمن اقامھا فقد اقام الدین ومن ھدمھا فقد ھدم الدین" (نماز دین کا ستون ہے جس نے اس ستون کو قایم رکھا اُسنے دین کو قائم رکھا اور جس نے اس ستون کو گرادیا اُس نے دین کو برباد کر دیا) پر ایمان لانیوالوں کا شیوہ نہیں ہے۔ رمضان کا مہینہ آتا ہی تو روزہ کو یا تو فعل عبث سمجھا جاتا ہے کہ تہذیب وتزکیہ نفس (جو دراصل تزکیۂ باطن ہے) حاصل ہوچکا ہے۔ بھوکا رہنا بیوقوفی ہے۔ یا قرآن مجید کی آیتوں کی غلط تاویل وتوجیہ کرکے چند مسکینوں کو کھانا کھلا دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے جو صریح بددیانتی۔ اور ہوا پرستی ہے۔ کعبۃ اللہ کے بدلے دیار مغرب کا حج اور بیت اللہ کے عوض لنڈن کے فریڈرک پارک کا طواف کیا جاتا ہی مسجدوں کے ہوتے ہوئے بارگوں اور ہوٹلوں میں جبہ سائی کیجاتی ہے چٹائیوں پر نماز پڑھنا حماقت سمجھا جاتا ہے۔ کرسیوں اور گیلریوں پر بیٹھنا اعلیٰ درجہ کی تہذیب کہا جاتا ہے۔ کبھی اسلامی پردہ کو قومی ترقی کا دشمن بتایا جاتا ہے۔ اور اس طرح بیباکی وعیش پرستی کی راہ صاف کیجاتی ہی علمائے اسلام کا وجود ملک وملت کے حق میں سم قاتل تصور کیا جاتا ہے۔ شراب کی بوتلیں کھلی ہوتی ہیں۔ مہوشوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اور باغ کی سیر۔ دیانت اور ایمانداری کا یہ حال ہے کہ قوم کی گاڑہی کمائی میز وکرسی پر قربان۔ ہزاروں لاکھوں روپیہ پنڈالوں اور محرابوں کی زینت میں وقف۔ ایک ویل کم اور تھینکس سننے کیلئے بیش قرار رقمیں برباد کر دی جاتی ہیں جب نوبت یہانتک پہونچ چکی ہو تو کیا ایسا شخص ہمارا ہادی۔ ہمارا مصلح۔ ہماری قوم کا وکیل۔ ہمارے حقوق کا محافظ۔ ہمارے مذہب وملت کا بھی خواہ۔ ہماری مجالس قومیہ وعلمیہ کا صدر۔ اور سب سے بڑھکر

یہ کہ ایسا آزاد اور مختار نفس پرست طبقہ ہمارے مذہب کی اشاعت و تبلیغ کرسکتا ہے نہیں ہرگز نہیں اعاذنا اللہ والمسلمین عن شرورھم الکفرۃ الضمیرۃ۔

رہا یہ کہ جو شخص واقعی تبلیغ و اشاعت کے کام کا نکلے اسکو مذہب کی پابندی کا خیال کلام الٰہی اور فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاس ادب۔ اپنے اعمال و افعال پر تنبیہ اور مسائل اسلام۔ علوم عربیہ سے حظ وافر ہو تو اسکو موجودہ زمانہ میں کن اصول کا پابند رہکر کام کرنا چاہیئے موجودہ عہد فلسفہ اور سائنس کا دلدادہ ہے مغرب سے ایک ہوا چلی ہے جس نے تمام عالم کے مذہبی خیالات کو مکدر کر دیا ہے۔ دنیا مذہبی تقلید کی چار دیواری سے نکلکر حریت اور دہریت کے کھلے میدان میں آکر کھڑی ہو گئی ہے پس ایسے طوفان بے تمیزی میں کسی کو صرف " امنوا باللہ و رسولہ" سناکر اور " الجنۃ حق والنار حق" کا عقلی اور فلسفیانہ ثبوت دئے بغیر " الایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ" کہکر مسلمان بنالینا غیر ممکن ہے نہیں بلکہ ایسا خیال کہا جاتا ہے کہ خبط اور جنون ہے۔ لہذا ہمکو چند ایسے صحیح اصول مرتب کرنے چاہئیں جنکو مد نظر رکھکر ایک طرف ہم لندن اور نیو یارک کے رصد خانوں اور کالجوں سے لیکر راجپوتانہ کے کلروں اور خانہ بدوشوں تک کو یکساں اسلام کے صحیح اور سادہ تعلیم سے بہرہ اندوز کرسکیں۔ دوسری طرف اپنے مذہب کا سررشتہ بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اسلام میں ترمیم کرنیکی ضرورت نہ پیش آئے سلف صالحین صحابہ کبار (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کا مسلک صحیح بھی باقی رہے۔

مگر قبل اسکے کہ ایسے اصول مرتب کئے جائیں یا جو اصول گذشتہ نمبروں میں علمائے قدیم و طبقہ جدیدہ کے بنائے گئے ہیں اُن میں سے کسی کو صحیح اور کسی کو سقیم ٹھیرایا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عقل و نقل کی تحدید و تعیین کرلیجائے کیونکہ ان دونوں فریقوں کے نزاع نے اصل مقصد پر ایسا پردہ ڈال رکھا ہے کہ کوئی صحیح رائے قائم نہیں ہوتی۔ لہذا سب سے پہلے ان کے رخساروں کا نقاب اُٹھا جائے۔ اور دیکھا جائے کہ ہمارے اصول میں کسکی کتنی ضرورت ہے نقل کے سادہ اور صاف حسن کو عقل کے خد و خال سے کتنا مزین کرنا موزوں و مناسب ہے۔ آج ایک طبقہ کہتا ہے کہ عقل کوئی چیز نہیں ہے۔ دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ جو کچھ ہے وہ عقل ہے۔ اس افراط و تفریط کو حذف کرکے ہمکو اصل معاملہ کا پتہ لگانا چاہئے۔

عقل و نقل کا تصادم و تزاحم ایک قدیمی تماشہ ہے۔ جو کسی قوم کسی ملک۔ اور کسی مذہب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ دنیا کے ہر طبقہ ہر حصہ میں ہمیشہ دونوں طرح کے خیالات پائے جاتے ہیں بعض لوگ اپنی عقل کے ایسے پابند ہوتے ہیں کہ جو چیز اُن کو بظاہر اپنی عقل و ادراک سے خارج معلوم ہوتی ہے۔ اُسکی واقفیت اور وجود ہی کا انکار کر دیتے ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے ملینگے کہ کوئی کیسی ہی محال اور خارج از عقل شئے کیوں نہو۔ اگر مذہبی روایت اور مقتداؤں نے اُسکے وجود کی خبر دیدی ہے تو بے چون و چرا ماننے کو تیار ہوں گے۔ غلطی سے دونوں طبقہ ایک دوسرے کی مقاومت اور مزاحمت میں اتنا حد اعتدال سے نکل جاتا ہے کہ اگر ایک دوسرے کو بیوقوف۔ نافہم اور سادہ لوح کہتا ہے۔ تو دوسرا پہلے کو بے ادب مغرور اور نافرمان بتاتا ہے۔ اور صرف یہیں تک یہ اختلاف اور مناقشہ ختم نہیں ہو جاتا ہے۔ بلکہ مذہبی روایات اور دینی کتابیں بھی بظاہر باہم متعارض اور متضاد نظر آتی ہیں۔ امثال سلیمان (ع) کے تیسرے باب میں جہاں یہ عبارت کہ

"اپنے سارے دل سے خداوند پر توکل کر، اور اپنی سمجھ پر تکیہ مت کر، اپنی ساری راہوں میں اسکا اقرار کر وہ تیری رہنمائی کریگا۔ اپنی نگاہ میں آپ کو دانشمند نہ جان، خداوند سے ڈر اور بدی سے باز آ یہ تیری ناف کیلئے صحت اور تیری ہڈیوں کیلئے تراوٹ ہے"

وہاں اُنہی امثال کی آٹھویں باب میں یہ عبارت موجود ہے کہ۔

"کیا دانائی نہیں پکارتی اور کیا فہمید آواز نہیں بلند کرتی۔ وہ سڑک کے پاس اونچے مقاموں کی چوٹیوں پر اور چوراہے کے چبوترے پر کھڑی ہوتی ہے۔ وہ پھاٹکوں کے نزدیک شہر کے مدخل پہ جہاں سے دروازوں میں داخل ہوتے ہیں چلاتی ہے کہ اے آدمیو میں تمھیں بلاتی ہوں اور بنی آدم کی طرف آواز اٹھاتی ہوں اے بیوقوفو! خرد کو سمجھو اور اے جاہلو! سمجھنے والا دل پیدا کرو"

یہی حال انجیل مقدس کا ہے۔ پاؤل رسول نے جو خط رومیوں کو لکھا ہے اُسکا یہ جملہ کہ

"غرض میں اپنی عقل سے خدا کی شریعت اور جسم سے گناہ کی بندگی کرتا ہوں"

عقل کے پرستاروں کی حجت ہے۔ اور اسکے خلاف اُنہی پاؤل نے جو خط کرنتھیوں کو تحریر کیا ہے اسکی یہ عبارت کہ

"اور میری عبارت اور میرا وعظ انسانی حکمت کے دلفریب بات کے ساتھ نہیں لیکن روح اور

قدرت کی دلیل کے ساتھ تھا۔ تاکہ تمھارا ایمان نہ انسانی حکمت سے بلکہ خدا کی قدرت سے ثابت ہووے"

متبعان نقلی کی تسلی کرتی ہے۔

ملت بیضائے اسلام میں بھی دونوں طرح کی ترغیب پائی جاتی ہے مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر فرمایا ہے کہ "لوگ اپنی عقل کے درجات کے موافق جنت میں جائینگے" دوسری جگہ آپ کا ارشاد ہے "اہل الجنتہ بلہ" اور پھر یہی حال علماء و حکمائے امت کا ہے اُن کے اقوال بھی اس باب میں بظاہر متعارض و متخالف ہیں بعض فلسفیات و عقلیات کے حامی ہیں۔ بعض اُسکی بیخ و بنیاد کو کھودنے کے درپے ہیں۔ واقعات شاہد ہیں کہ حکمائے اسلام نے مسائل اسلامیہ کو فلسفہ و حکمت کے سانچے میں ڈھالنے کی ایسی جان توڑ کوششیں کی ہیں کہ کفر۔ ارتداد۔ زندقہ۔ الحاد۔ اور اعتزال کے پے درپے تیر ملامت بھی اُن کی ہمت کو نہ توڑ سکے۔ دوسری طرف فقہا و محدثین نے عقلیات و فلسفہ کے اظہار انکار و نفرت میں ایسی ایسی دردانگیز مصیبتوں اور بلاؤں کا مقابلہ کیا ہے کہ الامان الحفیظ۔ شہر بدر ہوے۔ درے لگائے گئے۔ قیدخانہ کی مصیبتیں جھیلیں۔ زنجیروں میں جکڑ بند ہوئے۔ یہانتک کہ جان دیدی مگر مذہبی روایات کے ظاہر الفاظ سے ایک قدم ہٹنا ہرگز گوارا نہیں فرمایا۔

آج جنکو حکمائے اسلام کا خطاب دیا جاتا ہے (اگرچہ وہ بالکلیہ صحیح نہیں ہے) خود اُنکے بھی اقوال اس باب میں مختلف و متضاد ہیں بوعلی سینا نے اشارات کے آخر میں ایک باب منعقد کیا ہے اسمیں لکھتے ہیں کہ۔

والعارفون المنزهون اذا وضع عنهم وزر مقارنة البدن وانفکوا عن الشواغل خلصوا الی عالم القدس والسعادة وانتقشوا بالکمال الاعلی وحصلت لهم اللذة العلیا وقد عرفتها ولیس هذا الالتذاذ مفقودا من کل وجه والنفس فی البدن بل المنغمسون

اور خدا کی معرفت رکھنے والے پاک بندے جسوقت اُن سے جسمانی تعلق کا بار ہلکا کر دیا جاتا ہے اور دنیوی مشاغل سے وہ علٰحدہ ہوتے ہیں تو اُن کی توجہ خالص طور پر عالم قدس اور عالم سعادۃ کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ اور وہ اعلیٰ درجہ کے کمال کے ساتھ موصوف اور بڑی لذت اُٹھانے والے ہوتے ہیں جیسا کہ تم پہلے معلوم کر چکے ہو اور یہ نہیں کہ جب روح بدن میں ہو تو وہ اس لذۃ سے بالکل محروم رہیں بلکہ ایسے لوگ

فی تامل الجبروت المعرضون عن الشواغل یصیبون ولهم فی هذه الابدان من هذه اللذة حظا وافرا قد یتمکن منهم فیشغلهم عن کل شیٔ شرح اشارات امام رازی مطبوعہ مصر صفحہ ۴۲۵۔

جو خدا کی عظمت وجبروت کی فکر میں ڈوبے ہوئے اور جسمی شغلوں سے اعراض کرنے والے ہیں وہ ان اجسام میں رہکر بھی اس لذت سے اتنا بڑا حصہ پالتے ہیں جو اُن پر غالب آکر تمام اشیاء سے اُن کو فارغ کردیتا ہے۔

محقق طوسی شرح اشارات میں ایک موقعہ پر لکھتا ہے کہ۔

"جل جناب الحق تعالیٰ ان یکون شریعته لکل وارد او یطلع علیه الا واحد بعد واحد ولذالک کان ما یشتمل علیه هذا الفن ضحکة للمغفل وعبرة للمحصل فمن سمعه فاشمأز عنه فلیتهم نفسه لعلها لا تناسبه وکل میسر لما خلق له والمراد ذکر قلة عدد الواصلین الی الحق والاشارة الی ان سبب انکار الجمهور للفن المذکور فی هذا النمط هو جهلهم بها" شرح اشارات طوسی مطبوعہ مصر صفحہ ۳۹

خدائے تعالیٰ کی جناب اس سے اعلیٰ اور ارفع ہے کہ وہ ہر وارد وصادر کی گذرگاہ بن جائے یا اسپر مخصوص افراد کے سوا کوئی مطلع ہوسکے اور اسی واسطے صوفیوں کا طریقہ غافل کے نزدیک مضحکہ خیز اور طالب کے واسطے عبرت انگیز طریقہ ہے تو جو اُن کی باتوں کو سُنکر اُن سے اعراض کرے اسکو چاہئے کہ وہ اس بارے میں اپنے نفس کا قصور سمجھے کیونکہ اسکو اُن سے مناسبت نہیں ہے اور ہر شخص کے واسطے وہی بات آسان ہوتی ہے جسکے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے خلاصہ یہ کہ خدارسیدہ لوگ بہت کم پائے جاتے ہیں اور اکثر لوگ باطنی طریقوں سے اس بنا پر انکار کرتے کہ وہ اسکو جانتے نہیں

اسکے مقابلہ پر قاضی ابن رشد مالکی اندلسی تشریف لاتے ہیں اور قیاس واستدلال کیطرف متوجہ کرتے ہوئے کہ گئے ہیں

واذا کانت هذه الشریعة حقا وداعیة الی النظر المؤدی الی معرفة الحق فانا معشر المسلمین نعلم علی القطع انه لا یؤدی النظر البرهانی الی مخالفة ما ورد به الشرع فان الحق لا یضاد الحق" فلسفہ ابن رشد مطبوعہ مصر صفحہ ۶

اور جب یہ شریعت سچی ہے اور لوگوں کو اُس غور و فکر کی طرف بلا رہی ہے جس سے خدا کی معرفت حاصل ہو تو ہم سلمانوں کا قطعی یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ دلیل اور برہان سے شریعت کے خلاف کبھی ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ شریعت بھی سچی ہے اور دلیل بھی سچی اور دو سچی باتوں میں تعارض نہیں ہوسکتا۔

ایک موقعہ پر صوفیوں کے طریقہ کا ذکر کرکے لکھتے ہیں کہ۔

ولو كانت هذه الطريقة هي المقصودة بالناس لبطلت طريقة النظر ولو كان وجودها بالناس عبثاً والقرآن كله انما دعاء الى النظر والاعتبار وتنبيه على طرق النظر"۔ فلسفہ ابن رشد مطبوعہ مصر صفحہ ۳۵

پس اگر اسی طریقہ کا رواج پانا شریعت کا مقصود ہوتا تو فکر اور استدلال کا وجود بالکل باطل اور عبث قرار پاتا حالانکہ سارا قرآن قیاس اور استدلال کی طرف بلا رہا ہے اور نظر کے طریقوں پر متنبہ کر رہا ہے۔

اب ذرا علامہ ابن تیمیہ کی سنئے جو اہل ظاہر کے سرخیل اور نقلیات کے پورے حامی ہیں وہ اپنی کتاب رسالہ الفرقان میں لکھتے ہیں کہ۔

فمن جرب ما يقولونه (اى الانبياء) و يقوله غيرهم وجد الصواب معهم والخطأ مع مخالفهم كما قال الرازي مع انه من اعظم الناس طعنا في الادلة السمعية حتى ابتدع قولاً ما عرف به قائل مشهور غيره وهو انها لا تفيد اليقين ومع هذا فانه يقول لقد تاملت الطرق الكلامية والمناهج الفلسفية فما رايتها تشفي عليلاً ولا تروي غليلاً ووجدت اقرب الطرق طريقة القرآن اقرأ في الاثبات اليه يصعد الكلم الطيب الرحمن على العرش استوى واقرأ في النفي ليس كمثله شيء ولا يحيطون به علما ومن جرب مثل تجربتي عرف مثل معرفتي وايضا فمن اعتبر ما عند الطوائف

تو جو شخص انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اور لوگوں کے اقوال کا تجربہ کریگا وہ یقیناً انبیاء کو حق پر اور اُن کے مخالفوں کو خطا پر پائیگا۔ دیکھو رازی جو سب سے زیادہ سمعی روایات کو غیر معتبر ٹھہرانے والے ہیں یہانتک کہ انھوں نے ایک ایسی بات گھڑ لی جو اُن سے پہلے کسی نے نہیں کہی تھی یعنی یہ کہ روایت سے کبھی یقین حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ اس رازی کو بھی یہ کہنا پڑا کہ میں نے فلسفہ اور علم کلام میں بہت غور وخوض کیا مگر اُن کو ہرگز ایسا نہیں پایا کہ جو ایک مریض کو شفا بخشیں یا کسی پیاسے کو سیراب کرسکیں۔ ہاں تمام راستوں میں نزدیک تر راستہ قرآن کا ہے کہ ثبوت کے جانب ہم یہ آیتیں پڑھ لیتے ہیں "الیہ یصعد الکلم الطیب" "الرحمن علی العرش استویٰ" اور نفی میں "لیس کمثلہ شیء" اور "لا یحیطون بہ علما" اور جو کوئی مجھ جیسا

اللذین لم یعتصموا بتعلیم الانبیاء و ارشادھم و اخبارھم وجدھم کلھم حائرین ضالین شاکین مرتابین اھلین جھلاً مرکباً، رسائل ابن تیمیہ مطبوعہ مصر ص ۱۰۹

تجربہ کریگا وہ بھی میری طرح اس بات کو سمجھ لیگا۔ اور نیز جو شخص اُن لوگوں کے اقوال میں غور کریگا جنھوں نے انبیاء کی تعلیمات اور روایات سے استدلال نہیں کیا تو اُن کو وہ تحیر۔شک۔گمراہی اور جہل مرکب میں مبتلا پائیگا۔

شیخ الصوفیہ حضرت محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے امام فخرالدین رازی کو ایک خط لکھا ہے جسکو کشکول بہاءالدین عاملی میں پورا نقل کیا ہے اُس خط میں شیخ امام کی دینی حمیت کا شکریہ ادا کرکے لکھتے ہیں کہ۔

فاذن ینبغی للعاقل ان یتعرض لنفحات الجود ولا یبقی ماسورا فی قید نظرہ او کسبہ فانہ علی شبہۃ فی ذلک ولقد اخبرنی من الفتُ بہ من اخوانک ومن لہ فیک منیۃ حسنۃ انہ رأک وقد بکیت یوماً فسالک ھو ومن حضرہ عن بکائک فقلت مسئلۃ اعتقدتھا منذ ثلثین سنۃ فتبین لی الساعۃ بدلیل لاح لی ان الامر علی خلاف ماکان عندی فبکیت وقلت ولعل الذی لاح لی ایضا یکون مثل الاول فھذا قولک ومن المحال علی الواقف بمرتبۃ العقل والفکر ان یستریح او ان یسکن ولا سیما فی معرفۃ اللہ تعالیٰ۔ فما بالک یا اخی تبقی فی ھذہ الورطۃ ولا تدخل طریق الریاضات والمکاشفات والمجاھدات والخلوات التی شرعھا

اے عقلمند کو مناسب ہے کہ خدا کے جود و کرم کی خوشبوؤں سے فائدہ اُٹھائے۔ اور نظر و استدلال کی قید میں نہ پھنسا رہے کیونکہ وہ اسطرح ہمیشہ مشتبہ حالت میں رہتا ہے چنانچہ مجھسے تمھارے ایک دوست نے جو مجھسے ملا اور تمھارے ساتھ حسن عقیدت رکھتا تھا یہ بیان کیا کہ اُس نے تمکو ایک روز روتے ہوئے دیکھا۔ جب اُسنے اور حاضرین نے رونے کی وجہ دریافت کی تو تمنے یہ جواب دیا کہ ایک مسئلہ جس پر تیس برس سے میں اعتقاد جمائے ہوئے تھا اسی وقت ایک دلیل سے مجکو غلط ثابت ہوا اس کے بعد مجکو کیا اطمینان ہے کہ جو تحقیق مجکو اب ظاہر ہوئی ہے وہ بھی پہلے کی طرح غلط نہو گی۔ یہ خود تمھارا قول ہے۔ اور واقعی وہ شخص جو عقل اور استدلال کے مرتبہ سے آگے نہیں بڑھا ناممکن ہے کہ سکون و اطمینان اور راحت حاصل کرے بالخصوص خدائے تعالیٰ کی معرفت میں۔ تو اے برادر پھر بھی تم کیوں اس گرداب نظر و فکر میں پڑے ہوئے ہو اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنال ما نال من قال فیہ اللہ سبحانہ۔ عبدا من عبادنا اتیناہ رحمۃ من عندنا وعلمناہ من لدنا علما۔ کشکول بہاء الدین عاملی مطبوعہ مصر ط ۳۴ ۔

کیوں ریاضت و مجاہدات و مکاشفات اور خلوات کا وہ طریقہ اختیار نہیں کرتے جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشروع کیا ہے اور جسکا نتیجہ یہ ہے کہ تم بھی وہ چیز حاصل کرلو جو اس بندے نے کی جسکی نسبت خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ہمنے اس کو خاص اپنے پاس سے رحمت دی اور علم عطا کیا"

حضرت شیخ احمد صاحب سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس مضمون کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں کہ۔

"بلکہ مقصود آنست کہ نسبت بمعتقدات یقینی واطمینانی حاصل کنند کہ ہرگز بتشکیک مشکک زائل نگردد وبایراد شبہ باطل نشود چہ پائے استدلال چوبین است ومستدل بے تمکین۔ مکتوبات مجدد صاحب مطبوعہ دہلی صد ۳۳۲ جلد اول"۔

(والبقیۃ تتلی)

خاکسار نور الہدیٰ غفرلہ الذنب ولوالدیہ

متعلم دار العلوم دیوبند

تربیۃ السالک و تنجیۃ الہالک

(سلسلے کے لئے دیکھو القاسم ماہ رجب)

حال۔ رات تو اس مزے سی بسر ہوتی ہے لیکن دن کو بالکل پتھر قدیمی طور پر بنا رہتا ہو۔

تحقیق۔ اس رات کی لذت میں اس پتھر ہونیکو بھی دخل ہے۔ ؎

از دست ہجر یار شکایت نمیکنم　　گر نیست غیبتے ندہد لذت حضور

حال۔ حق تعالیٰ حضور کو دارین میں اپنے مراحم کا مورد بنا دیں۔

تحقیق۔ آمین۔

حال۔ مجھے تو یہ رات کی دولت بھی بہت عجیب ہے اور ممکن ہو کہ اگر کبھی حضور کی نظر التفات

ہوگئی تو دن رات یکساں نصیب ہو۔

تحقیق۔ اللہ تعالیٰ مجھکو اور آپکو دونوں کو نصیب فرماوے۔

سوال۔ بہرحال موجودہ نعمت بھی اسقدر ہے کہ اسکے شکر سے عہدہ برائی کی کوئی سبیل ہی نہیں میری یہ قسمت کہاں جو یہ نعمت مجھے ملتی ہے جزاک اللہ کہ چشم باز کردی۔ یہ تحدث نعمت اس غرض سے کر رہا ہوں کہ شکر گذاری تو کسی طرح ہو ہی نہیں سکتی بلکہ اس نعمت کے مجھپر باقی رکھنے کی استدعا سمجھی جاوے بندہ کی نالایقیوں کو نظر انداز فرما کر اس تذکرہ کی نعمت کو باقی رکھیں۔

جواب۔ بدل وجان دعا ہے اَللّٰھُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَکْرِمْنَا وَلَا تُھِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَیْنَا وَاَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا۔

سوال۔ دو حالتیں گذشتہ دنوں میں ایسی گذری ہیں کہ جنمیں بندہ کو تردد ہوتا ہے اس غرض سے حضور کے سامنے حالات اور تردد بغرض شفا پیش کرتا ہوں ایک روز بعد نماز عشا حسب معمول سویا تو دیکھا کہ گویا میں ذکر اثبات کر رہا ہوں۔ ایک شخص آئے اور انہوں نے کہا کہ جس اسم پاک کا تکرار کرتے ہو اسکے مسمّے تعالیٰ شانہ کو دیکھا ہے میں نے کہا یہ میری لیاقت نہیں مجھے اسم پاک ہی کافی ہے انہوں نے کہا کہ نہیں چلو میں تجھکو لے چلوں گویا وہ شخص مجھے نیچے سے کسی اونچے مقام کو لیکے جاتے وقت میں اپنے دل میں گمان کرتا ہوں کہ یہ میری حالت مشابہ معراج کے ہے لیکن مومن کی معراج نماز میں ہوتی ہے اور میں اسوقت نماز میں نہیں بلکہ ذکر میں ہوں اسی فکر میں اس بلند مقام پر پہونچا وہ تو کچھ آسمان سا محسوس ہوتا ہے نہ زمین فقط ایک بلندی کا احساس ہے اور ایک پردہ مجھے اپنے سامنے نہایت حسین محسوس ہو رہا ہے جسکو کسی ظاہری چیز سے مشابہ نہیں کہہ سکتا اس پردہ میں گویا حسن عجیب چھن رہا ہے میں اسوقت اسم ذات کے ذکر میں مصروف ہوگیا اور اس حسن کی بابت یہ غور کر رہا ہوں کہ آیا یہ حسن خالق ہے یا خود اس پردہ کا حسن ہے استدلال اسوقت میں نے یہ کیا کہ مجھے چونکہ اپنا شعور باقی ہے اور حسن مالک کے ہوتے ہوئے شعور کا فنا ہونا ضروری ہے۔ اسلئے ضرور یہ بات ہے کہ میری لیاقت خود مالک تعالیٰ شانہ تک پہونچنے کی نہیں حجاب تک پہونچا دیا گیا یہ بھی بہت غنیمت اور نعمت ہے پھر کچھ شدت سے ذکر جاری ہوا اور تنفس میں تنگی پیدا ہوئی اس الم سے جاگ اٹھا رات کو تو کام میں لگا رہا گو وہ خواب کی لذت تو کہاں نصیب ہوتی البتہ اس لذت کی باقی رہی اب دن کو مجھے یہ تردد ہوا کہ جب اس حالت نوم میں تعیین حسن کرتا تھا اگر بالفرض وہ تعیین غلط کی ہے تو اس غلطی پر مواخذہ کا خوف ہے۔

جواب۔ اول تو آپ کی وہ تشخیص صحیح ہے البتہ اس حسن کو حسن قدیم سے ایک گونہ تلبس ضرور ہے

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

۱- یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھجاتا ہے۔

۲- یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ آٹھ آنہ پیشگی لیجاتی ہے۔ ممالک غیر سے صرف اُسی قدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۳- جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچروپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائیں گے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے۔ اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۴- سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کی خدمت میں شروع کا (یا خریدار کا جب سال شروع ہوا سکا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کرکے عہ کا ویلو روانہ ہوگا۔

۵- یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمت میں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسروں کی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمائش کرتے ہیں۔

۶- شعبان ۳۲ھ مطابق جولائی ۱۴ء سے اس رسالہ کا پانچواں سال شروع ہوا ہے۔ پہلے چار سالوں کی مکمل جلدیں موجود ہیں قیمت ہر جلد کی عہ مع محصول ڈاک ہے۔

۷- نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں ان کے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

۸- القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہئے۔

المشتہر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر "رسالہ القاسم" دفتر القاسم مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

(رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی ماہوار رسالہ

نمبر ۲ | بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ | جلد ۵

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ شعبان المعظم ۱۳۳۲ھ

مطابق ماہ اگست ۱۹۱۴ء

جو حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

اور

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعض جزئیات انقلاب مع اصلاح

(اصلاح معاملہ متعلق نکاح)

گذشتہ سے پیوستہ

ایک کوتاہی یہ ہے کہ اس زمانہ میں منکوحہ میں زیادہ تر جمال کو اور ناکح میں زیادہ تر مال کو دیکھتے ہیں اور سب سے کم دین کو دیکھتے ہیں اور باقی اوصاف میں آرا مختلف ہیں حالانکہ سب سے کم قابل التفات یہی مال وجمال اور سب سے زیادہ قابل التفات دین ہی ہے اسی واسطے حدیث میں بھی عورت کے باب میں۔ تنکح المرأۃ لاربع لحسبها ولمالها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك۔[۱]

اور مرد کے باب میں اذا جاءکم من ترضون خلقه ودينه فزوجوه ان لا تفعلوه[۲] تكن فتنة في الارض وفساد كبير۔ وارد ہے جس میں مال وجمال پر نظر نہ کرنے کا اور دین پر نظر کرنیکا امر فرمایا ہے اور وجہ بھی اُسکی ظاہر ہے کیونکہ نکاح جن مصالح کیلئے موضوع ومشروع ہے وہ زیادہ تر سب موقوف ہیں توافق وتوادد پر[۳] والیه الاشارة في قوله عليه السلام تزوجوا الولود الودود فاني اباهي بكم الامم۔ حتی کہ توالد بھی جو کہ غرض اعظم ہے نکاح سے جہاں اُس کیلئے صحت بدن وسلامت مزاج وغیرہ احوال طبیہ شرط ہیں سب سے بڑی شرط وہاں بھی یہی توادد ہے کہ بمنزلہ جزو اخیر علت تامہ کے ہے توالد کیلئے کیونکہ وہ موقوف ہے اجمال پر اور

[۱] عورت سے چار وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے شرافت کی وجہ سے اور مال کی وجہ سے اور خوبصورتی کی وجہ سے اور دینداری کی وجہ سے۔ اے مخاطب تجھکو دیندار عورت سے نکاح کرنا چاہئے ۱۲

[۲] جبکہ نکاح کی خواہش ایسا شخص کرے جسکے خلق اور دین سے تم راضی ہو تو اپنی لڑکی کا نکاح کر دو اگر نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ عظیم برپا ہوگا ۱۲

[۳] نکاح کرو زیادہ جننے والی عورتوں سے جو شوہروں سے محبت رکھنے والی ہیں کیونکہ میں قیامت میں تمہارے ساتھ اور امتوں پر فخر کرونگا ۱۲ + +

احبال طبعًا موقوف ہے توافق انزالین پر اور ظاہر ہے کہ وہ محبت و مودت پر موقوف ہے غرض بڑا مدار مصالح کا نکاح میں توادد ٹھیرا اور یہ یقینی بات ہے کہ توادد میں جس قدر دخل دین کو ہے اتنا کسی چیز کو نہیں سب علائق قطع ہو جاتے ہیں بجز دین کے چنانچہ مشاہد ہے حتی کہ قیامت میں بھی جو کہ وقت ہے تمام تعلقات کے قطع ہو جانیکا (کما قال فلا انساب بینھم وقال تعالی وتقطعت بھم الاسباب وقال تعالی مودۃ بینکم فی الحیوۃ الدنیا ثم یوم القیامۃ یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضا) یہ علاقہ دینیہ اُس وقت بھی قطع نہوگا قال تعالی الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین۔ خصوص مال وجمال کہ ان کی عمر تو بہت ہی کم ہے مال تو ایک شب میں بے وفائی کر جاتا ہے اور جمال ایک بیماری میں ختم ہو جاتا ہے اور بعض امراض میں پھر عود ہی نہیں کرتا جیسے آنکھ پھوٹ جاوے یا چیچک نکل آوے اور داغ نہ جاویں یا سر کے بال گر جاویں ونحو ذلک۔ پھر جب مقصود مال وجمال تھا اور وہ رخصت بلا عوض ہو گیا تو تمام تر محبت و الفت بھی جو اس پر مبنی تھی وہ بھی ختم ہوئی اور پھر زوجین میں سے ہر یک دوسرے کی نظر میں مبغوض ہو گیا اور نباہ ہمیشہ کیلئے مشکل ہو گیا اور اگر چندے اُسکو بقا بھی رہا تب بھی جہاں دین نہیں وہاں دیکھا ہے کہ مال وجمال بقائی محبت کیلئے کافی نہیں کیونکہ جب دین نہیں اور ظاہر ہے کہ بددین آدمی کے نہ اخلاق درست ہوتے ہیں نہ اعمال نہ معاملات اور بداخلاقی و بداعمالی و بدمعاملگی کا جسمیں اضاعۂ حقوق و خود پرستی و خودغرضی بھی آگئی خاصہ ہے مبغوضیت پیدا کر دینے کا پس جب شب و روز ایسے اسباب برابر واقع ہوتے رہیں گے تو کہاں تک اُن میں محبت رہ سکتی ہے بس باہم کدورت و نااتفاقی و غیظ و طیش پیدا ہونا شروع ہو گا حتی کہ تمام مصالح زوجیۃ ضائع ہو جاوینگے ہمنے خود دیکھا کہ بی بی حسن وجمال میں حور کا بچہ اور شوہر مال و امثال میں قارون کے فرزند مگر میاں کی بددینی سے تو اکثر اور کہیں بی بی کی بدخلقی و بدمزاجی یا بدچلنی کے سبب میاں بی بی میں بول چال تک نہیں وہ اسکو دیکھکر مونہ پھیر لے یہ اُسکو دیکھکر ناک بھوں چڑھا لے یہ دوسری جگہ روٹی پکواتے پھریں وہ باوجود مال ہونیکے الگ ایک ایک پیسہ کو ترسے بعض جگہ تو ہم نے دیکھا ہے کہ بی بی غایت نفرت کے سبب میاں سے پردہ کرتی ہے یہ ثمرات ہیں بے دینی کے باوجود مال وجمال ہونیکے پس اسکا مقصود سمجھنا بیحد حماقت ہے ہاں اگر

دین کے ساتھ یہ بھی ہو تو نورٌ علیٰ نور ہے چنانچہ حدیث اما معاویة[۵۱] فصعلوك لا مال له اور ان استطعت ان تنظر الیها فانظر او کما قال مشیر بھی ہے ایک درجہ میں مال وجمال کی رعایت کی طرف لیکن غلو اسمیں بے شک مذموم ہے جیسا اوپر حدیث ہی سے یہ بھی ثابت ہے اسی مضمون پر تفریع کے طور پر ایک یہ امر بھی قابل تنبیہ ہے کہ آج کل نو تعلیم یافتہ طبقہ میں بعضے لوگ ایسے آزاد بے باک پائے جاتے ہیں جو بلا تکلف بدولت تقلید ملاحدہ یا بطفیل ہوا پرستی وخود رائی قطعیات میں مخالفانہ کلام کرتے ہیں کسی کو رسالت میں کلام ہے کسی کو نماز وروزہ کے احکام پر نکتہ چینی ہے کسی کو واقعات یقینیہ معاد پر شبہات ہیں سو خوب سمجھ لو کہ مثل[۵۲] ذلك الرجل کافر وان زعم انه مسلم۔ اور مسلمہ کا نکاح کافر مرد سے ہوتا نہیں یا اگر مسلمان ہونیکے بعد کوئی ان امور میں سے کسی کا مرتکب ہوا تو کافر ہو جاتا ہے اور نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور عمر بھر حرامکاری ہوتی ہے پس بحد ضرورت ہے اسکی کہ نکاح کے قبل داماد صاحب کے ڈاڑہی اور فیشن کو اگر نہ دیکھو تو اس کے مسلمان ہونیکی تو تحقیق کر لیا کرو اور جو بعد نکاح ایسا امر پیش آوے تو توبہ کرا کر تجدید نکاح کرا دیا کرو بہت مہتم بالشان امر ہے۔

ایک کوتاہی اس باب میں جو کہ سب سے اول کی کوتاہی کی مقابل ہے یہ ہے کہ بعضے لوگ باوجود ضرورت کے اور باوجود وسعت کے نکاح نہیں کرتے بعضے تو اول ہی سے نہیں کرتے اور بعضے ایک بی بی کے مرنے یا طلاق دیدینے کے بعد پھر نہیں کرتے اور عورتیں تو بیوہ ہو نیکے بعد بکثرت ایسی ہیں کہ نکاح ثانی نہیں کرتیں جسکی زیادہ وجہ یہ ہے کہ اُسکو عیب سمجھتی ہیں سو خوب جان رکھو کہ جب ضرورت یعنی نفس میں تقاضا ہو اور وسعت بھی ہو گو اسی قدر ہو کہ روز کے روز کماؤنگا اور کھلاؤنگا تو نکاح کرنا اس صورت میں واجب ہے اور اسکے ترک سے گنہگار ہو گا اور اگر وسعت کے ساتھ بہت زیادہ تقاضا ہے کہ بدون نکاح کئے ہوئے فعل حرام میں مبتلا ہو جانیکا اندیشہ ہے تو نکاح کرنا فرض ہو گا ومن[۵۳] الفعل الحرام النظر المحرم والاستمناء بالکف اور اگر ضرورت کا درجہ نہیں لیکن قدرت ہے ادائے حق زوجہ پر تب بھی سنت ہے۔ البتہ اگر اندیشہ ہے بی بی کے حق ادا نہ کر سکنے کا خواہ حق نفس خواہ حق مال تو ایسے شخص کیلئے البتہ نکاح کرنا ممنوع ہے اور اگر ضرورت ہو اور وسعت نہ ہو تو اُسمیں اقوال مختلف ہیں احقر قول وجوب کو راجح سمجھتا ہے اور وسعت کا

۵۱ معاذ فقیر ہے اسکے پاس مال نہیں اگر منگیتر کو دیکھ سکتا ہے تو ایک نظر دیکھ لے ۱۲ +

۵۲ ایسا آدمی کافر ہے اگرچہ وہ آپکو مسلمان سمجھے ۱۲ + +

۵۳ نظر حرام اور جلق بازی فعل حرام ہیں۔ ۱۲ + +

تدارک محنت مزدوری یا قرض سے کرے جسکے ادا کی نیت مصمم رکھے اور ادائی کوشش بھی کرے اور اگر اس پر بھی ادا نہ کرسکا تو امید ہے کہ حق تعالیٰ اسکے مخاصیم کو راضی فرمادینگے کیونکہ اس نے دین کی حفاظت کیلئے نکاح کیا تھا اُسمیں مقروض ہوگیا تھا مگر فضولیات کیلئے یہ قرض جائز نہیں بلکہ صرف شان ونفقہ کیلئے یا مہر کیلئے جہاں کہیں مہر کلاًیا بعضاً فوراً لیا جاتا ہو بہرحال اس مقام پر کلام اُسمیں ہے کہ جب ضرورت اور وسعت دونوں ہوں تو نکاح واجب یا فرض ہوگا پھر بھی بعض لوگ نہیں کرتے جس کے اسباب مختلف ہیں بعضے تو نکاح نکرنے کو قربت وعبادت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ اعتقاد رہبانیۃ اور بدعت فی الدین ہیں اصل عمل مامور بہ شرعاً نکاح ہی ہے تو اُس کا ترک فی نفسہ عبادت نہیں ہوسکتا جیسا کہ ظاہر ہے اور بعضے بی بی کے مرنے سے بددل ہوکر بزعم خود تارک دنیا بنتے ہیں بہرحال یہ دونوں ترک دنیا کا قصد کرتے ہیں ایک ابتدا ہی سے اور ایک بی بی کی وفات کے بعد سے حالانکہ جب حالت ضرورت کی ہے تو ترک نکاح سبب بیجاویگا فتن کثیرہ کا چنانچہ وساوس وخطرات کا ہجوم جو عبادات میں حلاوت وطمانینت کو بالکل ہی برباد کردیگا یہ تو ایک حالت مشترکہ ہے اور بعض سے ان وساوس وخطرات سے متاثر ہوکر انکے مقتضا پر عمل بھی صادر ہوجاتا ہے چنانچہ بعض تو عورتوں سے مبتلا ہوجاتے ہیں اور بعضے اپنے ظاہری تقدس کی حفاظت کیلئے عورتوں سے بچتے ہیں کہ اسمیں آدمی جلدی بدنام ہوتا ہی نو عمر لڑکوں سے مبتلا ہوجاتے ہیں اور یہ اُس سے بڑھکر فتنہ ہے کیونکہ وہ کسی حالت میں تو محل ہے حلت کا بخلاف اسکے کہ محرم محض ہی پھر ان میں بعض اصل فعل سے تو بچے رہتے ہیں مگر اسکے مقدمات میں مثل قبلہ ولمس وغیرہ مبتلا ہوتے ہیں جس میں دوسرے بدگمان نہوں حتی کہ خود متمتع بہ بھی کہ وہ اُسکو بزرگانہ شفقت پر محمول کریگا نعوذ باللہ من الفتن ما ظہر منہا وما بطن۔ تو ترک دنیا اتنا ضروری نہ تھا جتنا ترک معصیت ہیں ان لوگوں کی وہی مثل ہوئی گڑ کھا دیں گلگلوں سے پرہیز۔ یہ سب اسباب تو مردوں کے ترک نکاح کے ہیں خواہ نکاح اول ہو یا ثانی اور عورتیں ایسی بہت کم ہیں یا نہیں ہیں کہ باختیار خود داول سے بے نکاح بیٹھنے کو ترجیح دین یا اولیاء ان کے لیئے اس حالت کو بقصد ترجیح دیں اور کسی عارض کے سبب نکاح ہی کی صورت نہ بن پڑے تو اور بات ہے جیسے اسکو کوئی مرض ہے کہ کوئی قبول نہیں کرتا یا دھوم دھام کے سامان کا

ان کو انتظار ہے گو یہ انتظار مذموم ہے مگر تاہم ان لوگوں نے ترک نکاح کو فی نفسہ نکاح پر ترجیح نہیں دی لیکن ایسی بکثرت ہیں جو نکاح ثانی کے ترک کو اُسکے فعل پر ترجیح دیتی ہیں جسکا سبب بکثرت تو یہی ہے کہ وہ نکاح ثانی کو عیب سمجھتی ہیں اور بعضی زبان سے بھی ایسی باتیں کہہ ڈالتی ہیں جنمیں بعض باتیں تو حد کفر تک پہونچ جاتی ہیں اور بعضی عیب بھی نہیں سمجھتیں لیکن اسمیں کچھ شک ہی نہیں کہ یہ عورتیں بھی بے نکاح بیٹھے رہنے کو زیادہ عزت کا سبب سمجھتی ہیں اور یہ بھی درحقیقت ایک چھپا چور ہے جس کا وطن اُس سرحد کفر کے داخل میں نہیں تو اُس کے جوار میں ضرور ہے ورنہ کامل مسلمان وجہ کیا کہ خلاف سنت کو زیادہ اعزاز کا سبب سمجھے اور بعض غریب ایسی بھی ہیں جو نکاح کو ہر طرح مستحسن سمجھتی ہیں اُس سے ذرا بھی انقباض نہیں مگر جانتی ہیں کہ میرے بچے ضائع ہوجاوینگے یا یہ کہ کوئی اُسکو قبول ہی نہیں کرتا یہ دونوں معذور ہیں بلکہ پہلی تو ماجور ہے جیسا ایک حدیث میں بھی آیا ہے۔

(باقی آیندہ)

تربیۃ السالک و تنجیۃ الھالک

(سلسلے کے لئے دیکھو القاسم ماہ شعبان)

سوال۔ دوسری حالت کل شب کو یہ پیش آئی کہ حضور کو خواب میں دیکھا گویا حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم تیری آلودگیوں کو جانتے ہیں مگر ہم نے تجھکو اُن پر اسوجہ سے مطلع نہیں کیا کہ تو خجل ہوگا خیر اب تو ہماری اطاعت کامل کیا کر ہم تیری پرورش کی تمام حکمتیں جانتے ہیں اس فرمانے میں ترحم اور عفو کا لہجہ تھا گویا یہ فرماکر چلنے کا قصد فرمایا تو بندہ نے ہمراہی کا ارادہ کیا اس پر حضور نے فرمایا کہ یہ کیا خودرائی ہے ہماری تابعداری کرو دو برس تک یہیں اسی طرح پڑے رہو پھر ہم تمکو بلالیں گے اسکے بعد آنکھ کھل گئی باوجود اس کے کہ خواب میں یہ سب مکالمہ حضور کا دیکھا لیکن جاگنے پر حق تعالیٰ شانہ کی صفت علیم اور حکیم ہونیکا استحضار شدت سے تھا خیر بندہ

نماز کیلئے وضو کر کے تیار ہو گیا تو عین نماز میں یہ بات پیدا ہوئی کہ جبکہ میرا مالک علیم ہی میرے عیوب پر مطلع ہو کر بھی عفو فرما رہا ہے اور میری پرورش کے تمام طریقوں سے باخبر اور پوری حکمتوں والا ہے تو میں کیوں نہ اپنے کو اُس مالک کے سپرد کر دوں اسکے بعد ندامت اور خجالت کے ساتھ تفویض پر مستعد ہو گیا نماز شب اسی کیفیت استحضار میں پڑہی اور تفویض کی شدت میں اُسوقت بالکل دعا کا وہم بھی نہیں گذرا۔ اب دن میں فرائض کے بعد دعا تو کی مگر یہ بات عین دعا کرتے وقت کھٹک جاتی ہے کہ تفویض کے بعد تجویز کیسے گو یہ کہکر کہ نہیں دعا مسنون ہے اور سنت ظاہری کے مقابلہ میں معاملۂ خواب کوئی چیز نہیں گو نہ تسلی کرتا ہوں مگر دعا میں دل بالکل نہیں لگتا بلکہ ضابطہ پُری سی کر لیتا ہوں صبح کی نماز میں قنوت پڑھا کرتا تھا وہ بھی چھوٹ گیا اور دعا اور گڑگڑانے کی حالت بھی باقی نہیں اگر یہ کوئی کیفیت ہے تو غالبًا بعد چندے بہ برکت حضور انشاء اللہ تعالے اعتدال پیدا ہو جاویگا لیکن دستگیری کا محتاج ہوں اور اگر خدانخواستہ ترک سنت کا وبال پڑا ہے تو خدا کیلئے دعا سے دستگیری فرماویں اور اس دور افتادہ ناکارۂ غلام کو گوشۂ خاطر شریف سے فراموش نہ فرماویں۔

جواب۔ یہ کیفیت ہے انشاء اللہ از خود اعتدال پیدا ہو جاویگا مگر کوئی دعا نہ چھوڑیں گو جی نہ لگے اور اُس شبہ کا جواب یہ ہے کہ دعا کرنا خلاف تفویض نہیں کیونکہ اُسی تفویض والے نے اس کا بھی حکم کیا ہے تو دعا کرنا عین تفویض ہے اور پھر یہ کہ دعا کیوقت بھی اس پر بندہ راضی ہوتا ہے کہ اگر اسکا وقوع نہو میں اُسپر بھی راضی ہوں پس یہ بھی عین تفویض ہے۔

سوال۔ مکرر التماس ہے کہ جیسا بالذات ذکر سوتے میں خدا تعالیٰ اپنے احسان سے نصیب فرما دیتے ہیں حضور والا دعا فرماویں کہ یہ جاگتے میں بھی عطا ہو جاوے۔

جواب۔ آمین اللھم زد فزد اب آگے نوع زیادتی کی جو کچھ حق تعالیٰ کے علم میں خیر ہو۔

حال۔ آجکل قریب دو ہفتہ سے اکثر تہجد کیوقت اُٹھنا نصیب نہیں ہوتا اگرچہ روز مرّہ بعد عشاء آٹھ رکعت نفل بہ نیت تہجد پڑھ لیا کرتا ہوں لیکن طبیعت خوش نہیں ہوتی۔

تحقیق۔ خیر یہ بھی یعنی طبیعت کا خوش نہونا ایک مجاہدہ ہے۔

حال۔ کوئی نئی بات بندہ کو پیش نہیں آتی البتہ اتنا ہے کہ جب سے حضور کی غلامی نصیب

ہوتی ہے چند مکروہات سے نفرت ہونے لگی۔ مثلاً اخبار بینی شعر وشاعری۔ بیکار لوگوں سے ملنا جلنا۔

تحقیق۔ بڑی نعمت ہے۔

حال۔ پہلے معمولات حسب ارشاد حضور تسبیح و تہلیل وغیرہ بدستور جاری ہیں تلاوت قرآن مجید ومناجات مقبول قبل نماز ظہر پڑھتا ہوں بعد ظہر پڑھنے کا وقت نہیں ملتا لڑکوں کی تعلیم دینے کا وقت ہے۔

تحقیق۔ تعلیم بھی طاعت ہے۔

حال۔ غالباً عرصہ دو سال کے قریب گذرا ہوگا کہ تابعدار نے کوئی عریضہ مشعر حال خود داملاغ خدمت نہیں کیا اور اس عرصہ میں متعدد مرتبہ دولت قدمبوسی سے مشرف ہوا اور جو کچھ عرض کرنا چاہتا تھا اُس کا جواب بلا عرض یا تقریر حضور میں ملگیا اور اگر کچھ باقی رہا تھا وہ وعظ میں صاف ہوگیا لہٰذا اس وقت تک نہ بذریعہ عرائض کچھ عرض کرسکا اور نہ زبانی عرض کرنیکا موقع باقی رہا۔ آج طبیعت کو انتشار زیادہ ہوا لہٰذا عریضہ ہذا بغرض جواب روانہ خدمت اقدس ہے الحمد للہ معمولات معہ دوازدہ تسبیح ونماز تہجد وغیرہ برابر بلاناغہ جاری ہیں۔

تحقیق۔ اسکو جاری رکھئے۔

حال۔ شغل انحد بعد نماز تہجد ۳۰ منٹ اور بعد ۹ بجے دن کے ۳۰ منٹ مشغلہ مدت سے ہے۔

تحقیق۔ اس شغل کو چھوڑ دیجئے اب حاجت نہیں۔

حال۔ لیکن اسوقت کوئی امر قابل گذارش پیش نہیں آیا بلکہ ہر چند خیالات کے مجتمع کرنیکا ارادہ کرتا ہوں لیکن لمحہ دو لمحہ خیال قائم رہتا ہے بعد اُس کے تمام زمانہ کے واقعات کا حملہ ہوتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ کیا شغل انحد کیا دوازدہ تسبیح کیا نماز کسی حالت میں قلب کو قرار نہیں ہوتا ہے جو اصلاح تصنیفات اور مواعظ حضور میں ہے اسکا صرف اس قدر اثر ہوتا ہے کہ قلب رجوع الی اللہ ہو جاتا ہے معاً اور پھر بدستور واہی تباہی خیالات میں مبتلا ہو جاتا ہے اور مدت سے یہی حالت ہے۔

تحقیق۔ جب ان خیالات کو آپ مذموم سمجھتے ہیں تو مضر نہیں بالکل بے فکر رہئے خیالات کا منقطع ہونا ضروری نہیں ان سے نفرت ہونا کافی ہے۔

سوال۔ کوئی آثار کسی قسم کے محسوس نہیں ہوتے گو اس کی خواہش ہرگز ہرگز نہیں ہے

اور نہ کسی وقت میں اس قسم کا خیال قائم کرکے کوئی کام کیا گیا مگر بعض وقت خیال آجاتا ہے کہ آخر اس کا کیا سبب ہے۔

جواب۔ قوت عاقلہ کا زیادہ ہونا اکثر سبب ہوتا ہے کیفیات نہونیکا۔

حال۔ بعد انتقال مرحومہ (زوجہ) دو خیال ایسے پیدا ہوئے کہ جس سے قلب کو بیحد تشویش ہوئی ایک یہ کہ جس سال حضور کے دست اقدس پر توبہ کی ہے حتی الامکان تعلقات سے بے تعلقی اختیار کیگئی چنانچہ گھر سے صرف اس قدر تعلق تھا کہ گھر جاکر کھانا کھا آتا تھا۔ اور سمجھتا تھا کہ قلب میں مرحومہ کی جانب سے کوئی تعلق نہیں ہر بعد اُن کے انتقال کے جو قلب کو تکلیف محسوس ہوئی اُسکا اثر یہ ہوا کہ باوصف ضبط قوی آنکھ سے اشک جاری ہوگئے اور ضبط سے کچھ کام نہ نکلا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک غلط خیال قائم تھا۔

تحقیق۔ غلط ثابت ہونا تو رحمت ہوا اگر صحیح ثابت ہوتا تو افسوس کی بات تھی کیونکہ یہ تعلق محمود ہے اور قطع کرنا ضروری ہے مذمومہ کا۔

سوال۔ اب غور کرتا ہوں کہ منجملہ صدہا تعلقات دنیوی کے ایک خفیف تعلق کے منقطع ہونے سے یہ اضطراب ہوا جسوقت جملہ تعلقات سے انقطاع قطعی ہوگا اُسوقت کیا حال ہوگا۔

جواب۔ کچھ بھی نہو گا کیونکہ اسوقت دوسرا تعلق بوجہ قرب مشاہدہ کے اُسپر غالب ہوگا موت کے وقت مومن کو یہی ہوتا ہے۔

سوال۔ دوسرے یہ کہ اس درد کے ساتھ کبھی دو آنسو بھی خدا کے خوف یا محبت میں جاری نہوئے

جواب۔ یہ آنسو تو فائت پر حزن کے تھے بعض کو صرف حزن میں یہ کیفیت ہوتی ہے حق تعالیٰ میں نعوذ باللہ کون چیز فائت ہے۔

سوال۔ دوسرے یہ کہ وقت مرنیکے دوست دشمن نہایت خلوص سے اُس میت کے کہے سُنے کو معاف کردیتے ہیں اللہ جل شانہ کی ذات تو کمال رحیم بلکہ ارحم الراحمین ہے اُنکی ذات سے اُمید ہے کہ وہ بھی اپنے بندہ گنہگار پر رحم فرماوے اور اُس کے گناہوں کو معاف فرمادے۔

جواب۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(باقی آئندہ)

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(دیکھو سلسلے کیلئے القاسم ماہ شعبان)

زید بن حارثہ علم اسلام لیکر آگے بڑھے اور شہید ہوگئے۔ جعفر نے علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھا لیا اور داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوگئے۔ اب عبداللہ بن رواحہ کا نمبر آیا اُنھوں نے بھی اپنے دو رفیقوں کی پوری تقلید کرکے اُنہی کا ساتھ دیا۔ یہ وقت تھا کہ دونوں لشکر باہم ملگئے تھے اور خوب گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ اسوقت لشکر اسلام کے بلا سردار رہجانے اور دشمن کے بے انتہا ہجوم سے قریب تھا کہ بعض مسلمانوں کے پیر اکھڑ جاتے اسوقت ثابت بن ارقم نے علم کو بلند کرکے مسلمانوں سے کہا کہ کسی ایک شخص کا انتخاب کرکے اُسکے سپرد کردیا جائے۔ لوگوں نے کہا "آپ ہی اسکے موزوں ہیں۔ کہا نہیں۔ آخر حضرت خالد پر اتفاق ہوگیا۔ حضرت خالد نے علم اُٹھاکر مدافعانہ طرز اختیار کیا۔ اور اُس روز شام تک اسی انداز سے مقابلہ کیا۔ شام کو بلا کسی ہزیمت و شکست کے دونوں لشکر اپنے اپنے خیمہ گاہ کو واپس ہوگئے۔ اگلے دن حضرت خالد نے اپنی دانشمندی سے لشکر کی ترتیب بدل دی میمنہ کو میسرہ اور میسرہ کو میمنہ کرکے برسر مقابلہ ہوئے۔ لشکر روم نے دیکھکر سمجھا کہ مسلمانوں کیلئے تازہ امداد آگئی ہے۔ اُنپر رعب طاری ہوگیا میدان سے بھاگ نکلے اور اس حالت میں ہزاروں کھیت رہے۔ یہ معرکہ سات روز تک رہا حضرت خالد فرماتے ہیں کہ موتہ کے معرکہ میں نو تلواریں میرے ہاتھ میں ٹوٹ گئیں۔ کوئی تلوار نہیں ٹھیرتی تھی۔ آخر ایک یمانی تلوار میرے ہاتھ میں ٹھیری۔ یہاں تو یہ معرکہ ہو رہا تھا۔ اور مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میدان جنگ اور معرکہ قتل کا نقشہ سامنے ہوگیا تھا۔ آپ نے صحابہ کو بترتیب تینوں سرداروں کے حملے اور شہادت کی خبر سنادی۔ اور فرمایا ان سب کے بعد خالد بن الولید نے جھنڈا ہاتھ میں لیا۔ جو گو امرا معینہ میں سے نہ تھے۔ مگر خود امیر بنگئے۔ وہ ایک تلوار ہیں خدا تعالیٰ کی تلواروں میں سے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاتھ پر فتح فرمادی۔

یہ پہلا دن ہے جبکہ آپ کو سیف من سیوف اللہ کا خطاب ملا۔ اُس کے بعد سے آج تک وہ اسی

لقب و خطاب سے پکارے جاتے ہیں۔

فتح مکہ مکرمہ

اسی سال جبکہ ہوئی میں حضرت خالد کو سیف من سیوف اللہ کا خطاب ملا۔ فتح مکہ مکرمہ کا عظیم الشان واقعہ ہوا۔ اسوقت اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ مقابلہ و قتال کا نہ تھا۔ مگر قریش کے انداز و حرکات ایسے نہ تھے۔ کہ آپ مامون و مطمئن ہو جاتے اور اسی بنا پر درگاہ خداوندی سے آپ کو ایک دن کی چند ساعات کیلئے اجازت قتال ملگئی تھی۔ آپ کے ہمراہ دس ہزار کی جمعیت تھی جسمیں مہاجرین و انصار کے علاوہ عرب کے مسلمان قبائل بھی شریک تھے ہر قبیلہ کا سردار اور انکا علم جداگانہ تھا۔ اسوقت میمنہ و میسرہ کے دو بڑے حصوں میں سے ایک کی کمان حضرت خالد کی سپردگی میں تھی۔ اور ان کو حکم تھا۔ کہ نیچے کی جانب سے مکہ میں داخل ہو جائیں۔ اور تا وقتیکہ اہل مکہ کی طرف سے خود ابتداء قتال نہو اپنی طرف سے کسی پر حملہ نکریں حضرت خالد نے حسب ارشاد داخل ہونا چاہا۔ تو قریش کے چند اشراف نے جن میں عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ بھی تھے۔ مع ایک جماعت کے انکی مزاحمت کی حضرت خالد نے حملہ کر کے ان کو ہٹا دیا۔ اس موقع پر مشرکین میں سے چند آدمی مقتول ہوئے۔ باقی بھاگ نکلے۔ اس جماعت میں ایک شخص تھا۔ جو اس سے قبل ایک روز تیر بنا رہا تھا۔ بیوی نے کہا کیا کرو گے۔ کہا میں نے سنا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ پر چڑھائی کا ارادہ کرتے ہیں اُن کے مقابلہ کی طیاری کر رہا ہوں تمھیں بھی ان کے ساتھیوں میں سے ایک قیدی لا کر دونگا۔ بیوی نے کہا مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم مسلمانوں کے لشکر کو دیکھکر سر چھپانیکی جگہ تلاش کرتے پھرو گے۔ یہ شخص جب حضرت خالد کے مقابلے سے بھاگا۔ تو بیوی سے کہا کوئی چھپنے کی جگہ ہے۔ اُس نے کہا "میرا خادم کہاں ہے۔ مرد نے کہا اس مذاق کو چھوڑ مجھے جگہ بتا دے اور پھر یہ شعر پڑھے۔

انک لو شھدت یوم الخندمہ	اذ فر صفوان و فر عکرمہ
تو اگر خندمہ (جس مقام پر مقابلہ ہوا تھا) کے دن موجود ہوتی	جبکہ صفوان و عکرمہ بھاگ کھڑے ہوئے
واستقبلتنا بالسیوف المسلمہ	یقطعن کل ساعد و جمجمہ
اور مسلمان ہمارے مقابل تلواریں لیکر آگئے	کاٹتی تھی وہ تلواریں پہونچوں اور کھوپریوں کو
ضربا فلا تسمع الا غمغمہ	لھم نھیب خلفنا و ھمھمہ
مسلمان اس طور سے مارتے تھے کہ سوائے گنگناہٹ کے کچھ سنائی نہ دیتا تھا	ہمارے گرد ان کے سانس اور سینہ کی خوفناک آوازیں تھیں

لا تنطقی فی اللوم ادنی کلمہ

ایسی حالت میں ملامت وطعن کا ذرا سا کلمہ منہ سے بھی نہ نکال

فتح مکہ میں اسقدر معرکہ وخونریزی بھی بالکل آپکے خلاف منشا تھی مگر چونکہ اسکے بادی خود اہل مکہ تھے اور حضرت خالد مجبور تھے اسوجہ سے آپنے اُن کو کچھ نہیں کہا اور سکوت فرمایا۔

حنین میں حضرت خالد کی جان نثاری

حنین کا وہ عظیم الشان معرکہ ہے۔ جو فتح مکہ معظمہ کے بعد پیش آیا جسمیں مسلمانوں کو جبکہ وہ اخیر رات میں منزل طے کر رہے تھے مشرکین کے کمین گاہ سے نکل کر اچانک حملہ کر دینے سے عارضی ہزیمت ہوگئی تھی۔ حضرت خالد نے نہایت بے جگری سے داد شجاعت دی تھی۔ اس معرکہ میں آپ سخت زخمی ہوگئے تھے۔ جب معرکہ ختم ہوگیا۔ اور ان کے سخت مجروح ہونیکا حال معلوم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود انکے قیام گاہ پر تشریف لیگئے۔ حضرت خالد زخموں سے چور۔ سہارا لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ اٹھنے کی طاقت نہ تھی آپنے اُنکے زخموں پر لب مبارک لگا دیا جس سے وہ بالکل چنگے ہوگئے۔ اور زخم کی تکلیف باقی نہ رہا۔

عزی کی گرانے کیلئے حضرت خالد کا مامور ہونا

عمرو بن لحی نے جب مکہ میں بت پرستی کی بنیاد ڈالی تب ایک لات اور ایک عزی بھی اُس نے قائم کرکے عرب کو اُنکی عبادت کی طرف جھکا دیا۔ خانہ کعبہ کی عظمت تو تمام عرب کے قلوب میں مرکوز تھی ہی۔ مگر ان دونوں کی عظمت کچھ کم نہ تھی۔ انپر بھی ایسے ہی چڑہاوے چڑھتے تھے جیسے خانہ کعبہ پر۔ عمرو بن لحی نے اُنکو یہ سمجھا دیا تھا کہ خدا تعالی جاڑے کا موسم تو لات میں بسر کرتا ہے لات کا صدر مقام طائف میں تھا اور گرمی کا زمانہ عزی میں گذارتا ہے اس باطل خیال نے جو اُنکے پیشرو مقتدا نے جما دیا تھا عرب کے دل دونوں بتوں کی عظمت و محبت سے معمور و لبریز تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ سے فارغ ہوچکے۔ تو تیس سواروں کے ساتھ حضرت خالد کو اسکے گرا دینے اور برباد کرادینے کیلئے مامور فرمایا۔ حضرت خالد اُسکو گرا کر اور مسمار کرکے واپس آئے۔ تو آپنے دریافت فرمایا۔ تمنے وہاں کچھ دیکھا بھی عرض کیا کچھ نہیں فرمایا تو پھر جاؤ۔ حضرت خالد غصہ میں بھرے ہوئے تلوار سونتے ہوئے اس مقام پر پھونچے۔ تو اُس جگہ ایک عورت برہنہ سیاہ اور پراگندہ بال سر پر خاک ڈالتی ہوئی ننگی مجاوروں نے چلا کر کہنا شروع کیا عزی تو انکو کانا کر دے۔ انکے حواس میں خلل ڈالدے۔ حضرت خالدؓ نے ایک تلوار مارکر نصف

کے دو ٹکڑے کر دے اور فرمایا۔

یا عزی کفرانک لا سبحانک	انی رایت اللہ قد اھانک
عزی میں تیرا کفران کرتا ہوں سبحانک نہیں کہتا	میں دیکھتا ہوں خدا نے تجکو ذلیل و خوار کیا ہے۔

واپس ہوکر یہ ماجرا خدمت اقدس میں سُنایا تو فرمایا عزیٰ یہی تھی۔

فائدہ - اس واقعہ اور مشرکین عرب کے تمام حالات اُن کے عقائد و معاملات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ بھی باوجود شرک و بت پرست ہونیکے معبود حقیقی۔ خالق سموات وارضین صرف خدا ہی کو سمجھتے تھے۔

ولئن سالتهم من خلق السموات والارض ليقولن الله۔	اگر تم اُن سے پوچھوگے آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو جواب دینگے۔ اللہ نے۔

اپنے اصنام کو نہ خالق سمجھتے تھے نہ مالک و مستقل با اختیار۔ اُن کے عارضی اختیارات کے قائل تھے اور معبود حقیقی کا مظہر جان کر تعظیم مفرط میں مبتلا تھے اور اسی بنا پر مشرک ہوگئے اور اسی شرک کی بیخ کنی کیلئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ یہی تعظیم مفرط ہے جسکا انجام شرک ہو جاتا ہے۔

حضرت خالد کا بنی جذیمہ کے لئے بھیجا جانا۔ بنی جذیمہ عرب کا ایک قبیلہ تھا جو درحقیقت مسلمان ہو چکا تھا مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُن کے مسلمان ہونیکی اطلاع نہ پہونچی تھی یہ قبیلہ بہت ہی شریر و فسادی تھا۔ زمانہ جاہلیت میں انکو لعقۃ الدم کہا جاتا تھا۔ حضرت خالد کے ساتھ تین سو پچاس مہاجرین و انصار اور قبیلہ بنی سلیم کی جمعیت تھی۔ زمانہ جاہلیت میں بنی جذیمہ نے حضرت خالد کے چچا فاکہ بن مغیرہ اور فاکہ کے ایک بھائی کو قتل کیا تھا۔ قبیلہ سلیم میں سے مالک بن الشرید اور اُسکے دو بھائیوں کو بھی ایک ہی جگہ قتل کیا تھا بنی جذیمہ نے یہ دیکھا کہ ہمارے لئے خالد بن الولید مع بنی سلیم کے بھیجے گئے ہیں۔ تو اُن کو یہ اندیشہ ہوا۔ کہ یہ ہمسے پورانی عداوت نکالیں گے وہ بھی ہتیار لگاکر تیار ہوگئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر امیر لشکر کو جب وہ کسی قوم پر بھیجے جاتے تھے عام حکم ہوتا تھا کہ اول یہ دریافت کریں کہ وہ مسلمان تو نہیں ہیں اگر وہ اقرار اسلام کریں یا آذان کی آواز وہاں سے آجاوے تو خونریزی اور حملہ سے

باز رہیں حضرت خالد کو بھی یہی حکم تھا۔ مگر ادھر تو بنی جذیمہ کا مسلح ہونا خود شبہ میں ڈالتا تھا اور حضرت خالد نے ان سے مسلمان ہونیکو دریافت کیا تو بجاے اسلمنا صبانا۔ کہنے لگے صبانا ایسا لفظ ہے جسکے معنی دین سے پھر جانیکے آتے ہیں۔ حضرت خالد کو شبہ ہوا اُن کو ہتیار ڈالدینے کا حکم دیا۔ اور جب اُنھوں نے ہتیار ڈالدئے تو اُن کو مشکیں باندھ کر شکر میں تقسیم کردیا اور اخر رات میں حکم دیدیا جسکے پاس جو اسیر ہے وہ اُسکو قتل کردے۔ بنو سلیم نے تو قتل کردیا مگر مہاجرین والنصار نے ایسا نکیا آپکی خدمت میں اسکی اطلاع پہونچی۔ تو آپنے اسکو ناپسند فرمایا اور ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا۔

اللھم انی ابرأ الیك مما صنع خالد | الہی میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کسی نے خالد کی اس بات پر اظہار کراہیت بھی کیا اُس شخص نے جو خبر لیکر آیا تھا عرض کیا کہ دو شخصوں نے ایک تو زرد رنگ اور میانہ قد کے شخص نے دوسرے سُرخ رنگ طویل القامۃ سے حضرت عمر نے سُنکر فرمایا رسول اللہ میں ان دونوں کو سمجھ گیا ایک تو میرا بیٹا عبد اللہ ہے دوسرا سالم مولی ابی حذیفہ کا۔

اسکے بعد آپنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بہت سا مال اونٹ وغیرہ دیکر بھیجا کہ مقتولین کی دیۃ اور نقصان مال کا معاوضہ دیدیں۔ حضرت علیؓ نے نہایت فراخ دلی سے ہر چھوٹی بڑی چیز کا معاوضہ دیدیا یہانتک کہ کتے کے پانی پینے کا برتن ٹوٹ گیا تھا اُسکا بھی۔ اور پھر بھی کچھ مال بچگیا تو اُسکو بھی اُنھیں پر تقسیم کرکے راضی کردیا۔ واپس آکر ساری کیفیت خدمت مبارک میں عرض کی تو آپنے فرمایا خوب کیا۔

اسی واقعہ کے سبب حضرت عبد الرحمن بن عوف میں (جو سابقین اولین عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) اور حضرت خالد میں تیز کلامی ہو گئی۔ حضرت عبد الرحمن نے فرمایا تمنے یہ فعل زمانہ جاہلیت کا سا کیا ہی خالد نے کہا میں نے تو تمھارے باپ کا بدلا لیا ہے (عبد الرحمن بن عوف کے والد عوف کو بھی بنی جذیمہ نے قتل کیا تھا) عبد الرحمن نے فرمایا میں تو اپنے باپ کے قاتل کو قتل کرچکا ہوں۔
ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبد الرحمن نے فرمایا۔ ایک ایسے شخص کے بدلہ میں جو بحالت شرک اور زمانہ جاہلیت میں قتل ہوا تم مسلمانوں کو قتل کرتے ہو۔ حضرت عبد الرحمن کے دونوں جواب درست تھے وہ باپ کے قاتل کو قتل بھی کرچکے تھے اسوجہ سے بھی اب بدلہ لینے کی ضرورت نہ رہی تھی اور قتل بھی

نہ کرتے تو کافر کے بدلہ جو زمانہ جاہلیت میں قتل ہوا ہو مسلمانوں کو کسی طرح قتل کرنا جائز نہ تھا حضرت عبدالرحمن نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تمنے بدلہ لیا ہے تو اپنے چچا کا لیا ہے۔ اس نزاع اور گفتگو کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ناخوش ہو کر فرمایا۔

مهلا یا خالد دع عنك اصحابی فو الله لو كان لك احد ذهبا فانفقته فی سبیل الله ما ادركت غدوة رجل منهم ولا روحته۔

خالد ٹھیرو میرے اصحاب کو کچھ نکہو قسم ہے خدا تعالی کی اگر تمھارے پاس احد پہاڑ کی برابر سونا ہو اور تم اُسکو خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالو تو میرے اصحاب کے ایک روز فی سبیل اللہ صبح کو کوچ کرنیکی برابر نہیں ہو سکتا نہ شام کو کوچ کے۔

حضرت خالد نے جو کچھ کیا درحقیقت زیادہ سے زیادہ رای کی غلطی تھی انھوں نے یہ سمجھا کہ یہ قوم مسلمان نہیں ہوئی۔ ادہر اُن کی تیاری نے اُنکو شبہ میں ڈالدیا۔ ایک سپہ سالار مدبر کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر ممکن صورت سے اپنے لشکر کی حفاظت کرے اُن کو ضرور کھٹکا ہوا کہ یہ ہمکو غافل کر کے حملہ نہ کر بیٹھیں یا اور کوئی قبیلہ اُن کی معاونت پر آمادہ ہو جائے تو ممکن ہے۔ اگر درحقیقت اُنکو مسلمان سمجھ لیتے تو کبھی ایسا نکرتے ہرگز ہرگز اُن کو بدلہ لینے کا خیال تک نہ تھا نہ حضرت عبدالرحمن کے والد کا اور نہ اپنے چچا کا رہا یہ فرمانا کہ میں نے تمہارے باپ کا بدلہ لیا اسکا یہ مطلب نہ تھا کہ میں نے بدلہ لینے کو قتل کیا ہے۔ بلکہ جس وجہ سے بھی وہ قتل کئے گئے کافر سمجھکر کئے گئے۔ اور جب قتل ہو گئے تو بدلہ ہو گیا گو اس نسبت سے نہو حضرت عبدالرحمن بھی اسکو خوب سمجھتے تھے۔ مگر انھوں نے ظاہر لفظوں کا جواب دیا کہ تمکو مسلمانوں سے کافر کا بدلہ لینا جائز ہی کب تھا۔ درانحالیکہ وہ کافر بھی زمانہ جاہلیت میں قتل کیا گیا ہو ظاہر ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ اگر حضرت خالد کا یہ مطلب ہوتا کہ میں نے بدلہ میں قتل کیا ہے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خالد سے ایسے معاملہ میں کیونکر درگذر فرما سکتے تھے غرض یہ اُنکی رائے کی غلطی تھی۔ اور اسی غلطی رائے کو آپ نے تسلیم کر کے اپنی برات خدا تعالی کے یہاں ظاہر فرمائی۔ اور مقتولین کا خون بہا دیا اُن کے نقصانات کی تلافی فرمائی۔

ایک شبہ کا جواب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد دع عنك اصحابی سے شبہ ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت خالدؓ کو اصحاب میں شمار نہیں کیا حالانکہ وہ باتفاق امت جلیل القدر

صحابہ میں سے ہیں۔
جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ بے شک حضرت خالد جلیل القدر صحابہ میں سے ایک ہیں اور وہ شخص ہیں کہ جنپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پورا اعتماد فرماتے اور امور عظام اُن کے سپرد فرماتے تھے۔ سیف من سیوف اللہ کا خطاب اُن کو عطا فرمایا تھا۔ وہی شخص ہیں جنھوں نے شام اور روم کا تخت اولٹا ہے اور دنیار اسلام میں اُن کے کارنامے زریں حروف سے لکھے ہوئے ہیں مگر با ایں ہمہ سابقین اولین سے نہیں ہیں۔ عمرۃ القضاء کے بعد اسلام لائے ہیں مصائب کا زمانہ گذر کر شوکت اسلام کا دور شروع ہو گیا تھا۔ وہ وقت باقی نہ رہا تھا۔ جبکہ صحابہ کو اپنی جان کا بچانا دشوار تھا۔ عزیز و اقارب کے طعن اور اُن کی سنگدلی کے شکار جدا۔ فقر و فاقہ کی تکلیف علیحدہ۔ جلاوطنی کے مصائب جداگانہ ان سب مشکلات کو برداشت کر کے آپ پر جان کا فدا کرنا۔ اپنی جان کو آپ کی آڑ بنا دینا۔ آپ کے پسینہ کی جگہ خون بہا دینا۔ یہ باتیں صرف سابقین اولین کے حصہ میں آئیں تھیں۔ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف اُنہی افراد کاملہ میں سے تھے۔ اُنہی شاندار خدمات کا صلہ تھا۔ کہ دنیا میں اُنکو جنت کی بشارۃ ملگئی تھی پس گویا باوجود اس عظمت و مرتبت کے جو حضرت خالد کو حاصل تھی۔ اور اس شفقت و رحمت کی جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے آپکے حال پر مبذول تھی۔ بمقابلہ حضرت عبدالرحمن غیر اصحاب میں شمار کئے گئے۔
اسمیں ایک جانب اگر فرق مراتب کی طرف اشارہ ہے۔ کہ صحابہ باوجود صحابہ ہونیکے ایک درجہ کے نہیں ہیں۔ بلکہ انمیں ایسا فرق ہے۔ کہ نیچے کا طبقہ بمقابلہ اوپر کے طبقہ کے گویا غیر صحابہ میں داخل ہے اور یہ فرق ظاہر بھی ہے۔ کیونکہ صحابہ کی شرافت و مقبولیت عند اللہ شرف صحبت سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ تابعین میں بعض علم و عمل کے اعتبار سے صحابہ کے درجہ سے بھی اوپر کا درجہ رکھتے ہوں مگر صحابہ کی شرافت و فضیلت نہیں پا سکے۔ اور شرف صحبت فقط جمال مبارک کی زیارۃ یا چند ساعت ہمنشینی سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اسکے لئے ایمان شرط ہے۔ پھر ایمان کے بعد لوازم ایمان و مدارج جان نثاری و خدمتگذاری جسمیں زیادہ ہونگے اسی میں یہ شرف بھی زیادہ ہوگا۔ اور ان مدارج کے اعتبار سے نیچے کا درجہ خالی ہوگا۔ اور اس اعتبار سے بمقابلہ طبقۂ اعلیٰ نفی صحابیت درست ہو جائیگی۔ ورنہ اگر نفس شرف صحبت سے سب افراد برابر ہو جاتے۔ تو جسطرح حضرت خالد نے حضرت عبدالرحمن کو جواب دیئے تھے۔

حضرت عبد الرحمن نے بھی انکو ایسا ہی سخت کہا تھا۔ یہ فرق مراتب طبقہ اعلی یعنی سابقین اولین میں بھی ملحوظ ہے۔ دیکھو ایک موقع پر آپ نے حضرت صدیق اکبر کے مقابلہ میں تمام صحابہ کو ارشاد فرمایا ہے۔

هل انتم تارکوا لی صاحبی۔ | تم میرے دوست اور صاحب کو میرے لئے چھوڑ دوگے یا نہیں

بمقابلہ صدیق اکبر تمام صحابہ کو غیر صاحب سے تعبیر فرمایا کیونکہ وہ مرتبہ جو انکو حاصل تھا دوسروں کو نہ تھا تو دوسری جانب حضرت خالد کو تادب اور مرتبہ شناسی کی پوری پوری ہدایت فرمائی گئی ہے کہ تم کو اپنے تقرب اور اخلاص ایمانی پر غرہ نکرنا چاہیئے۔ اپنے سے برتر لوگوں کا ادب ملحوظ رکھنا چاہئے

دوسرا شبہ ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ لا تسبوا اصحابی الخ تم میرے اصحاب کو برا نکہا کرو اسمیں یہ شبہ ہوتا ہے۔ کہ اس کلام کے مخاطب صحابہ ہیں۔ اور وہ کل کے کل شرف صحابیت سے مشرف ہیں۔ پھر ان کو خطاب کرکے فرمانیکا کیا مطلب ہے۔

جواب اسکا دو طرح پر ہے اول تو یہ کہ گو مخاطب صحابہ ہی ہیں۔ اور گو انمیں فرق مراتب بھی ہے مگر کسی کو اجازت نہیں ہے کہ ایک دوسرے کو سب کریں یعنی اُن کے عقائد و اعمال میں برا بھلا کہنے کیلئے نقص نکالیں۔ جو شخص ایسا کریگا وہ اس حالت کے اندر غیر صحابہ میں داخل ہوگا۔ اور اسطرح ارشاد سے صحابہ کی شان کو محفوظ و ممتاز رکھنا مقصود تھا۔ اور اسمیں اہتمام تھا اس امر کا کہ جب خود صحابہؓ کو باوجود ہمسری یہ ارشاد ہے تو مابعد صحابہ کو اُن کے ساتھ کسقدر تادب رکھنا اور حفظ مراتب کا لحاظ رکھنا۔ اور شرف صحابیت کو تمام شرافتوں پر فائق و برتر سمجھنا ضروری و لازم ہوگا۔ اور اسکو نظر انداز کرنے سے وہ کسدرجہ پر پہنچ جائیں گے۔ کیونکہ جب صحابہ کو اسقدر ممانعت ہے۔ اور اس حالت میں درجہ صحابیت سے نیچے اوتر آتے ہیں۔ تو دوسروں کی کیا حالت ہوگی اور یہ حقیقت میں انسداد اس حالت کا تھا جو امت میں پیش آنے والی تھی۔

(باقی آئندہ)

اجابت وتاثیر دعا

مسئلہ دعا میں اجابت تاثیر دعار کی بحث بڑی معرکہ کی ہے اس سے تو غالباً کسی کو انکار نہیں ہو کہ خدا تعالیٰ نے دعار کا حکم دیا ہے بندوں کو اُسکی تعمیل کرنی چاہیئے اور اس سے بھی انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ بسا اوقات دعا کے بعد مطلوب کا حصول ہو جاتا ہی جسکو قبولیت دعا سے تعبیر کرسکتے ہیں بحث صرف اس بات میں ہے کہ دعا کو قبولیت میں کچھ دخل وتاثیر ہے یا نہیں یہاں پہنچکر فلسفہ الٰہی اور فلسفہ انسانی میں کشمکش ہوتی ہے فلسفہ انسانی کی متبع اور اپنی عقول ناقص وناتمام کو کامل وصحیح سمجھنے والے دعار کی تاثیر کے قایل نہیں ہیں۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آتا کہ دعا کو حصول مدعا میں کیا دخل ہے۔

لیکن فلسفہ الٰہی میں یہ بات یقینی اور محقق ہے کہ دعا موثر ہے۔ دعار کی تاثیرات عالم میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور اسی بنا پر شریعت نے حکم دیا ہے اس سے انکار کی وجہ اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ اسرار الٰہی کو اپنے عقول ناتمام کے تابع کرلیا ہے۔ روحانیات اور موثرات باطنی کو مادیات پر قیاس کرلیا گیا۔

ہم چاہتے ہیں کہ اس بحث کا فیصلہ ایسی طرح کردیں کہ کسی سلیم الطبع کو حق وباطل کی تمیز میں تردد باقی نہ رہے اول ہم منکرین دعا کی دلائل وشواہد بیان کرینگے۔ اور اُسکے بعد اصل حقیقت منکشف کیجائیگی واللہ الموفق۔ ۱۷

منکرین اجابت تاثیر دعا کے بیانات

اجابت وتاثیر دعا کے منکر زمانہ قدیم میں بھی تھے اور اب بھی ہیں۔ جسقدر اعتراضات اجابت وتاثیر دعار پر کئے جاتے ہیں وہ سب پُرانے ہیں۔

فلسفہ جدید کے ماہروں نے بھی کوئی نیا اعتراض پیدا نہیں کیا۔ زیادہ سے زیادہ فرق کوئی نکال سکتا ہے تو طرز بیان۔ اور اختلاف ادا کا۔ اس سے زیادہ کوئی جدت نہیں ہے۔

اجابت وتاثیر دعار کی باطل اور لغو ہونے پر دو طریق سے استدلال کئے گئے ہیں۔ ایک اسلامی اور دوسرا غیر اسلامی یعنی ایک طریقہ میں اسلامی اصول وعقاید کو چھوڑ کر اجابت دعا کا انکار کیا گیا ہے اور اُسکو غیر معقول اور مافوق الفطرۃ کہا گیا ہے۔ اور دوسرے طریقہ میں اسلامی اصول وعقائد کو تسلیم کرکے انہیں کی بنا پر اجابت دعا کو ناقابل تسلیم کہتے ہیں۔

غیر اسلامی طریقہ

اس طریقہ کا استدلال قانون قدرت۔ یا اسباب وموثرات پر جاکر منتہی ہوتا ہے

اُن کے لمبے چوڑے بیانات کا حاصل یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے اسباب کے ذریعہ سے ہوتا ہے اسباب سے علیحدہ ہو کر دنیا میں کسی چیز کا ظہور نہیں ہو سکتا وہ یہ کہتے ہیں کہ ایک مافوق الفطرت ذات کو مان کر تمام قوانین قدرت کی باگ اُسکے ہاتھ میں دیدینا۔ اور اسباب طبعی کو اُسکے سامنے معطل و بیکار کر دینا یا اُسکے حکم کا مطیع و فرماں بردار بنا دینا سراسر عقل کے خلاف ہے۔ یہ ساری باتیں مضحکہ خیز ہیں۔

یہ لوگ خدا کو مانتے ہیں تو اسی قدر اختیارات اُسکو دینا مناسب اور مطابق عقل سمجھتے ہیں کہ اُسنے اول فطرۃ کو پیدا کیا اور اُسکو قوانین کی زنجیر میں جکڑ دیا۔ اب جو کچھ ہوتا ہے ان قوانین کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ وہ ذات جس نے فطرۃ کو پیدا کر کے قوانین کی زنجیر میں مقید کر دیا تھا۔ اب خود بھی اُن قوانین کے خلاف ایک ذرہ ہلا دے تو اُسکے اختیار میں نہیں گویا اس قول کے موافق جس فطرۃ کو باختیار خود پیدا کیا تھا اور اُسکو قوانین کے قیود میں مقید کیا تھا۔ اب خود بھی اُسمیں مقید ہو کر بے بس اور لاچار ہو گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ دعا و اجابت دعا محض لغو اور وحشیانہ فسانہ ہے۔ اجابت دعا جب ہی ہو سکتی ہے جب ایک مافوق الفطرۃ (وجود قادر مطلق) ذات کو تسلیم کر لیا جائے۔ اور اُسکو سلسلہ اسباب کے درہم برہم کرنیکا اختیار بھی دیدیا جائے۔ اور یہ محض غیر معقول امر ہے۔ اور جب کوئی مافوق الفطرت ذات نہیں ہے جسکو اس قسم کے اختیارات حاصل ہوں کوئی ذات ہے تو اسقدر با اختیار کہ فطرۃ کو پیدا کر کے اور اُسکو سلسلہ قوانین میں مقید کر کے اپنے سب اختیارات اُسکے حوالہ کر دے۔ اور دور بیٹھے قوانین قدرت کا تماشا کر رہی ہے تو اجابت دعا کو تسلیم کر لینا مضحکہ خیز امر نہیں تو اور کیا ہے۔ اس بات کو تو صدق اور راستی سے کچھ بھی سروکار نہیں ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک مافوق الفطرت ذات جب چاہے فطرت کے خوشنما کاموں کا ستیاناس کر دے۔ اور جب چاہے بنا دے۔ ۱۸

وہ کہتے ہیں کہ دعا کی دست اندازی سے جیسے کسی شہر کا تعمیر ہونا۔ یا ریاضی کا مسئلہ حل ہونا خارج ہے ایسے ہی صحت و مرض۔ فتح و شکست۔ رزق و مال۔ خوشحالی و تنگدستی بھی خارج ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ کوئی شخص خواہ اسی مذہب میں کتنا ہی غلو کیوں نہ ہو شہر کی تعمیر کیلئے خدا سے دعا کرنی تو محض بے نتیجہ اور لغو خیال کرتا ہے۔ لیکن وہ صحت و مرض خوشحالی یا شادابی۔ فتح و نصرت وغیرہ کے لئے مفید مانتا ہے۔

یہ خلاصہ ہے اُس تقریر کا جو فلسفہ وطبعیات کے جدید تحقیقات کا نتیجہ ہے غیر اسلامی طریقہ پر
اس سے زیادہ کوئی قوی دلیل اجابت دعار کے بطلان اور لغویۃ پر نہیں بیان کیجا سکتی۔

اسلامی طریقہ پر انکار اجابت دعا

اسلامی اصول کو مان کر اجابت دعا کے بطلان پر کئی طرح سے تقریر کیجا سکتی ہے۔
اوّل یہ ہے کہ اسلامی اصول وعقاید کے موافق خدا تعالیٰ کا علم قدیم ازلی ہے۔
تمام کائنات اور حوادث زمانی کا ازل سے ابد تک اُسکو علم صحیح حاصل ہے جسمیں کسی قسم کے تغیر و
خلاف کا احتمال نہیں ہے۔ اور یہ امر بھی اصول اسلام میں مسلم ہو چکا ہے کہ جس چیز کے وقوع کا
علم خدا تعالیٰ کو ہے اُسکا وقوع واجب ہے۔ ورنہ اگر اُسکا وقوع نہوا تو خدا تعالیٰ کا علم قدیم غلط ہو جائیگا
اور جس چیز کے عدم وقوع کا علم ہے اُسکا وقوع ممتنع ومحال ہے۔

جب یہ دونوں امر مسلم ہیں تو اب دعار کا کیا نتیجہ اور کیا فائدہ۔ خدا تعالیٰ کے علم میں اُس مطلوب
بالدعار کا واقع ہونا حاصل ہے تو دعا کرے یا نہ کرے ہو کر رہیگا۔ اور اگر خدا تعالیٰ کے علم میں نہونا ہے۔
تب بھی دعا سے کچھ نہیں ہو سکتا۔

19 دوئیم یہ کہ اسلامی اصول کے موافق خدا تعالیٰ نے عالم کو پیدا کرنے سے بہت پہلے کائنات کے تمام
حوادث کا فیصلہ فرما دیا ہے۔ اُسنے جو مقدر کرنا تھا کر دیا ہے۔ اب دعار کیا کر سکتی ہے اگر دعا کو اتنا
قوی مان لیا جائے کہ قضاء الٰہی اور تقدیر مقدر کو ہٹا دے تو بالکل باطل اور ظاہر البطلان ہے۔ اسطرح
تو خدا کی خدائی ہی باطل ہوئی جاتی ہے۔

تقریر اوّل و دوئم میں یہ فرق ہے کہ اول تقریر کا مدار تو علم پر تھا۔ اور دوسری کا تقدیر پر حاصل
دونوں کا ایک ہے۔

سوئم دعا کے ذریعہ سے جو چیز طلب کیجاتی ہے۔ دو حال سے خالی نہیں۔ یا دعار کرنے والے کی
مصلحت کے موافق ہو گی جسکا انجام اسکے لئے بہتر ومفید ہو گا۔ یا اُسکی مصلحت کے مخالف اور نتیجتاً مضر
اور یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ خدا تعالیٰ نے مصالح عباد کی پوری رعایت رکھی ہے پھر دعا سے کیا فائدہ
اور کیا نفع ہے۔ اگر مطلوب بالدعار اُسکی مصلحت کے موافق ہے تو خدا تعالیٰ خود کریگا۔ اور مخالف ہے
تو بندہ کو ایسی چیز کا طلب کرنا ہی جائز نہیں ہے۔

اسلامی طریقہ پر دعا واجابت کے انکار کے متعلق اور بھی اعتراضات ہیں مگر ہم فقط ان تین ہی

تقریر و نیز اکتفا کرتے ہیں۔ سب میں زیادہ قوی یہ ہی ہیں۔

اجابت و تاثیر دعا کا اثبات اور معترضین کے جوابات جسطرح ہمنے منکرین اجابت کے استدلال اسلامی و غیر اسلامی جدا جدا بیان کیے ہیں اسی طرح اُن کے جوابات کو بھی جدا جدا لکھنا چاہتے ہیں۔

غیر اسلامی طریقہ کے استدلال کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ یہ معترض در اصل خدا کی خدائی کا ہی منکر ہے کیونکہ وہ عالم اور اُسکے تمام حوادث و کائنات کو فطرۃ کے سپرد کرتا ہے اور فطرۃ کو بھی قوانین کی زنجیر میں مقید بتلا کر اُسے بھی بے اختیار کہتا ہے۔

خدا کی ذات کو مانتا ہے تو صرف اتنا ہی کہ اُسنے فطرۃ کو پیدا کر دیا۔ لیکن فطرۃ کے اختیارات میں اُسکو کچھ دخل نہیں ہے۔ اسی بنا پر یہ قائل نہ صرف دعا و اجابت دعا کے منکر ہیں۔ بلکہ معجزات اور خوارق اور تمام ایسے امور کے جو اُن کے نزدیک قوانین، قدرت یا اصل فطرت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں منکر ہیں۔ اسوجہ سے حقیقت میں یہ اُنکا اختلاف دعا، و اجابت دعا کے مسئلہ میں نہیں ہے بلکہ خدا کے وجود اور اُسکے صفات میں ہے۔ اور اب تا وقتیکہ ہم خداوند قادر و با اختیار متصف باوصاف کمال کی ضرورت کو ثابت نہ کریں اس مسئلہ کا حل نہیں ہوسکتا۔ ۲۰

لیکن اگر اسکی بحث چھیڑی گئی تو یہ رسالہ اپنے موضوع سے دور نکل جائیگا۔

اور چونکہ یہ مسئلہ بجائے خود محقق و مبرہن ہو چکا ہے اسلئے یہاں لکھنے کی حاجت بھی نہیں رہی۔ اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ جن لوگوں کی سمجھ میں خدای قادر و برتر کا وجود نہیں آتا وہ اُسکو مافوق الفطرت سمجھکر چھوڑ بیٹھے۔ اور مانا تو صرف اسقدر مانا کہ اُسنے فطرت کو پیدا کیا اور فطرت نے قوانین کے دائرہ میں رہ کر عالم کا نظم و نسق کیا۔ حقیقت میں بہت سی حماقتوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اُن کو ایسی ذات کے ماننے کی بھی کیا ضرورت ہے جو فطرت کو پیدا کرے۔ اگر فطرت ہی کو خدا کا قایم مقام مان لیں اور اوسی پر خدائی کا نام رکھدیں تب بھی وہی کام چلتا ہے جو ایسے اپاہج اور بے اختیار خدا کو ماننے سے چلتا تھا۔ پھر ایسے خدا کو مان لینا مافوق الفطرۃ و خارج از عقل ہے یا نہیں۔ غرض حاصل اسکا یہ ہی نکلتا ہے کہ اُن لوگون کے نزدیک خدا کی ضرورت نہیں ہی تو اب اُن سے بحث وجود خدا میں ہونی چاہیئے۔ نہ دعا و اجابت دعا میں اسلئے اس بحث کو ہم یہیں چھوڑ کر دوسرے طرز میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض یہی مان لیا جائے کہ سلسلہ اسباب سے خارج کوئی چیز نہیں ہے۔ کوئی ذات

ایسی نہیں ہے جو اپنے اختیار سے اسباب طبیعۃ کو درہم برہم کر دے یا کر سکے تب بھی دعا اجابت دعاء کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا سلسلہ اسباب فقط مادیات ہی میں منحصر ہے۔ یا روحانیات میں بھی جاری ہو سکتا ہے۔ اور پھر مادیات کا سلسلہ اسباب سارا کا سارا محسوس و مشاہد ہے یا کچھ اسباب اور اسباب کے اسباب ایسے بھی ہیں جنکا ادراک حواس سے نہو۔ بلکہ عقل سے ہوتا ہو۔

میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی شخص اس کہنے کی جرأۃ نکریگا کہ مادیات کا سلسلہ اسباب سب کا سب حواس ظاہرہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ یا سارے سلسلہ کا ہمکو عقلی طور پر علم حاصل ہو چکا ہے۔ علوم جدیدہ اور جدید انکشافات نے بھی اس دعوی کی اجازت نہیں دی کہ ایک واقعہ و حادثہ کے بھی تمام سلسلہ اسباب پر کسی ایک کا علم محیط اور حاوی ہو چکا ہے۔

جب مادیات میں ہمارا یہ حال ہی تو روحانیات کے متعلق ہمارا کوئی قول کیونکہ قابل تسلیم ہو سکتا ہے روحانیات تو خود ہی محسوس نہیں ہیں۔ اُن کے اسباب کیسے محسوس ہو سکتے ہیں۔ اور اسباب کے اسباب اور علتوں کی علت تک ہماری رسائی کیسی ہو سکتی ہے۔ رہی یہ بات کہ ہم روحانیات کو تسلیم کر کے اُن کے اندر سلسلہ اسباب کے قایل نہوں یہ سراسر حماقت و جہل ہوگا۔ اور روحانیات کا سرے سے انکار کرنا اس سے بھی بڑھکر جہل و حماقت سمجھا جائیگا۔ ۲۱

جب یہ باتیں تسلیم ہو چکیں تو ہم کہتے ہیں کہ دعا کو بھی منجملہ اسباب ایک سبب مان لیا جائے تو کیا حرج ہے اس صورت میں بقول ان مدعیان عقل سلسلہ اسباب برابر قایم رہیگا۔ اور کوئی ایسی بات اُن کو ماننی نہ پڑیگی۔ جو اُنکے نزدیک قوانین قدرت کے خلاف ہے۔ یا جسکا تعلق اُن کے خیال میں مافوق الفطرت ذات سے ہے۔ غرض قوانین قدرت کے مقیدوں کو جو اُن کے حدود اختیارات میں خدا کا دخل دینا ہی جائز نہیں سمجھتے اپنے ہی اصول پر قایم رہکر تاثیر دعا سے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ فرق ہوگا تو صرف اتنا کہ ہم دعا کے اثر کو اجابت دعا سے تعبیر کریں گے۔ اور اُسکو خدا کا فعل اختیاری جانیں گے اور یہ لوگ اُسکو اُس سبب کی تاثیر سمجھیں گے۔ لیکن جب اس اثر کو اجابت سے تعبیر کر دینے میں کوئی حرج نہیں تو دعا کی اجابت کو مان لینے میں بھی اُنہیں کے قواعد کی رو سے کچھ حرج نہوگا۔

اگر ہمپر یہ اعتراض کیا جاسے کہ دعا کو منجملہ اسباب مان لینا اور اجابت دعاء کو اُسکا اثر و ثمرہ کہنا

مافوق الفطرة بات ہے۔ اس بات کو عقل ہرگز باور نہیں کرسکتی کہ کوئی شخص زبان سے یا محض دل سے
سوال کرتا ہے اور خدا کے سامنے اپنی حاجتیں اور ضرورتیں پیش کرتا ہے۔ اسکا تعلق اسباب سے
کیا ہے۔ بلکہ جہانتک خیال کیا جاتا ہے اور معتقدین دعاء کے اعتقادات کو دیکھا جاتا ہے۔
اسباب سے قطع تعلق کا نام دعا ہے۔

تو جواب اسکا یہ ہے کہ باطنی اسباب کے تعلقات انکی ترتیب اور اُن کے آثار و ثمرات چونکہ
محسوس نہیں ہیں اور اُن کے کنہ و حقیقت تک عقول کی رسائی بھی نہیں ہے۔ اگر ہوسکتی ہے
تو اُنہیں کو جنکی عقول کیلئے فراست ایمانی رہبر ہے یا جنپر خدا تعالیٰ نے حقائق باطنیہ کو منکشف
فرمادیا ہے۔ اسلئے ہم اُسکو محسوس و مشاہد کرکے تو نہیں دکھلا سکتے۔ البتہ نظایر و شواہد سے بتلا سکتے
ہیں۔ دیکھئے ابر آتا ہے۔ بارش ہوتی ہے۔ یہ دونوں باتیں ہمارے مشاہدہ میں آتی ہیں جب ہم اسکے
اسباب کے درپے ہوتے ہیں تو عقل کی رہبری سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے جو بخار اُٹھتے ہیں
وہ بادل بنجاتے ہیں۔ اور اُن سے پانی برستا ہے۔ یہ سبب بھی محسوسات میں داخل ہے۔ لیکن اس
سبب کی تاثیر کیونکر ہوئی۔ اور اس سبب اور اسکے اثر میں کتنے اسباب و علتوں کا دخل ہے۔ یہ سب ہمارے ۲۲
احساس و مشاہدہ سے غائب ہیں محض ان دونوں باتوں کو دیکھکر ہمنے یہ رائے قائم کرلی ہے۔

علیٰ ہذا فقیر و حاجتمند غنی و مالدار سے سوال کرتا ہے۔ غنی اگر بخیل ہے تو اُسکو خبر بھی نہیں ہوتی۔
سخی ہے تو اُسکے اندر ایک قسم کی حرکت و حمیت پیدا ہوتی ہے جو اُسکو سایل کے رفع حاجت پر
مجبور کرتی ہے اور وہ نہایت سرور کے ساتھ اپنے مال کو خرچ کرتا ہے۔ اس حالت و حرکت کو
اریحیہ کرم۔ (سخاوت و کرم کا نشاط)
کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ سایل کی طرف سے سوال اور دوسری جانب مال کا وجود کافی ہوتا تو سخی
و بخیل دونوں سے ایک ہی فعل صادر ہوتا مگر نہیں اسکے ساتھ اُس تحریک و حرکت کی بھی ضرورت
تھی جس سے بذل مال آسان ہوجاتا ہے بخیل میں اسکی قابلیت نہ تھی۔ اسلئے کچھ اثر نہوا۔ اور
سخی میں مادہ قابل موجود تھا اُسپر آثار ظاہر ہوئے۔ لیکن اگر کوئی شخص مالدار بھی ہو سخی بھی ہو کسی کے
مہربان بھی ہو مگر حاجتمند کی جانب سے بجائے سوال و طلب حاجت اعراض و نفرت و کراہت کا اظہار
تو جو استعداد معطی کی جانب موجود تھی اُسمیں بجائے حرکت کے اور سکون و جمود پیدا ہوجاتا ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حاجتمند زبان سے بھی سوال نہیں کرتا۔ مگر اُسکی حالت خود اُسکی حاجت وسوال کو ظاہر کردیتی ہے۔ تب بھی سخی کے دل میں حرکت پیدا ہوتی۔ اور اُسکے رفع حاجت کیطرف مائل کردیتی ہے۔

سوال سائل۔ یا حالت حاجتمند سبب ہے سخی کی سخاوت وکرم کا۔ اور یہ بھی بعینہ اسی طرح ہی جسطرح زمین سے بخارات نکلکر ابر وبارش کے سبب بنجاتے ہیں۔ دردمند اور حاجتمند کے دل سے مایوسی ومجبوری کی حالت میں بخار نکلتے ہیں جو سخی کے دل میں ابر کی صورت پیدا کردیتی ہیں۔ اور اُس سے باران عطا برسنے لگتا ہے۔ لیکن باایںہمہ ان دونوں میں فرق ظاہر ہے۔ زمین سے بخارات کا نکلنا بادل کی صورت کا نمودار ہونا بارش کا برسنا سب محسوس ہیں۔ لیکن دردمند کے دل سے حاجت وطلب کے بخارات کا نکلنا خصوصاً جبکہ وہ زبان سے بھی کچھ نہ کہے۔ اور کریم وجواد کے دل میں ابر کرم کی صورت پیدا کرلینا اُسکی نسبت مشاہدہ واحساس سے بہت دور ہیں۔

صرف علم ہے تو آثار کا۔ لیکن اتنی بات سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ علامت سببیت ومسببیت یہاں بھی موجود ہے۔

۲۳ اسی طرح اگر ہم یہ کہیں کہ دعا، خواہ زبان سے ہو یا حال سے سبب ہے اسباب باطنہ کے اندر حرکت پیدا کردینے کا جسکو اہل ملت ومذہب تو اس سے تعبیر کرینگے کہ سوال سائل وحالت سائل سبب ہوگئی خداوند مختار وقادر کی رحمت کو متوجہ کرنیکے لئے اور یہ پیروان فلسفہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسباب باطنہ میں اسکے سبب حرکت پیدا ہوگئی۔ اور اُس سے اُن آثار کا ظہور ہوا۔ تو ہرحال تاثیر وثمرات دعا سے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

البتہ یہ اعتراض ان لوگوں کی جانب سے کسیقدر قوی معلوم ہوتا ہے کہ جب خدا کو اسطرح قادر اور مختار مان لیا کہ وہ اپنے اختیار سے سلسلہ اسباب کو درہم برہم کرسکتا ہے تو پھر دعا کے اندر یہ فرق کرنا کہ کسی شہر کے خودبخود بنکر کھڑے ہوجانیکی دعا کو تو غیرمفید سمجھتے ہیں۔ اور صحت ومرض وغیرہ امور کے بارہ میں دعا کو موثر ومفید سمجھتے ہیں۔ کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔

دعا اگر موثر ہے تو ہرجگہ ہے خداتعالیٰ کو قوانین قدرت میں مداخلہ کا اختیار ہے تو ہربات میں ہوسکتا ہے یہ فرق کیوں اور کس وجہ سے ہے۔ حالانکہ دعا واجابت دعا کو حق اور صحیح تسلیم کرنے والے بھی اسکو مفید

نہیں سمجھتے کہ ایسے امور خلاف عادت کے دعا مانگی جاوے۔

لیکن حقیقت میں یہ شبہ ہی بالکل پوچ اور لچر ہی اسکا مبنی صرف یہ ہے کہ وہ دعا کی حقیقت و حکمت و مصالح کو نہیں سمجھے اگر وہ اسکو سمجھ لیتے تو ہرگز اس شبہ کو زبان پر بھی نہ لاتے اسکی حقیقت کو واضح و روشن کرنیکے لئے دو ایک بات بطور تمہید بیان کر دینی مناسب معلوم ہوتی ہے

(۱) اسلامی اصول و عقائد کے موافق خداوند عالم سلسلہ اسباب کا مقید نہیں ہے اسباب بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔

(۲) عالم میں جو حوادث و واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ یا جنکا ظہور پذیر ہونا ممکن ہے باوجود سلسلہ اسباب میں منسلک مان لینے کے تین قسم کے ہیں۔

ایک وہ جو بکثرت ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ مثلاً صحت۔ مرض۔ فراخی۔ و تنگدستی۔ ولادت و موت بارش۔ یا خشک سالی وغیرہ۔

ایک وہ جو شاذ و نادر ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ مثلاً آسمان سے پتھروں کا برسنا وغیرہ۔

ایک وہ جو باوجود ممکن اور سلسلہ اسباب منسلک ہونے کے کبھی بھی ظہور پذیر نہوں ہوں تو صرف اسوقت جبکہ خداوند عالم کو کرشمہ قدرت دکھلانا۔ یا اپنے کسی خاص اور مقبول بندے کی تصدیق کرنا ہو۔ مثلاً اسلام اور تمام آسمانی مذہبوں کے اعتبار سے نظام عالم کا درہم برہم ہو جانا۔ پہاڑوں کا زمین کی برابر ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔

کسی کو یہ دعویٰ کرنا تو مشکل ہے کہ قیام قیامت اور برہمی انتظام عالم سلسلہ اسباب سے خارج ہے ممکن ہے کہ اسکے لئے بھی ایسے اسباب ہوں جنپر اسکا ترتب ہوا ہے۔ اور اسلامی اصول سے ایسے اسباب کا پتہ بھی چلتا ہے لیکن ان اسباب کا ظاہر بین عقلوں کو ادراک ہونا محال و دشوار ہے۔ یا مثلاً انبیاء کے معجزات کہ گو بظاہر سلسلہ اسباب کے مخالف ان امور کا ظہور ہوتا ہے لیکن یہ اسی محدود العقل کے نزدیک جو اسباب کو ایک ہی نوعیت اور سلسلہ میں منحصر کر دے۔ جسکو تاثیر اسباب کے موانع یا علتہ تامہ کے جزو اخیر کا علم نہو۔

یہ امور اُن خاص بندوں کی تصدیق کیلئے ظاہر کئے جاتے ہیں جو خدا کے بھیجے ہوئے اور اُس کے قایم مقام بنکر دنیا میں آتے ہیں۔ اُن کو اختیار بھی وہ ہی دئے جاتے ہیں جن میں عام مخلوق حصہ دار نہیں۔

اختلاف رحمت و ایتلاف امت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدًا ومصلیًا۔ حضرات اسلام کیا خاص کیا عام میں ایک نہایت ضروری بات آپکی خدمت میں عرض کرتا ہوں غور و توجہ سے اُسکو سُنئے نظام عالم کے حالات پر نظر ڈالنے سے تقریبًا سب کو روشن ہوگیا ہے کہ جس قوم میں باہم یکدلی و ہمدردی نہیں ہوتی ہے۔ وہ نہ کبھی دوسرے اقوام کی نظروں میں موقّر و مقتدر ہوسکتی ہے اور نہ اپنی منفردہ جد وجہد میں کامیاب ہوسکتی ہی افسوس کہ اسوقت ہماری قوم کا نقشہ یہ ہے کہ نااتفاقی اُسکا مایہ الامتیاز نشان بنگیا ہے اکثر ہمدردان اسلام نے اپنے حوصلہ کے موافق اُسکا علاج سوچا مگر سودمند نہ ہوا آؤ اب ہم سب ملکر قرآن پاک میں غور کریں اور سوچیں کہ آیا ہم میں اسلامی اتحاد عود کر آنے کی کوئی شکل ہے یا نہیں۔ شاید بعض تنگ خیال سقیم الفہم افراد اسکو ناممکن بتلاویں اور اسکی وجہ یوں جتاویں کہ جب تک تمام اسلامی جماعتوں کے خیالات فروعی مسائل میں ایک نہو جاویں اُن میں دلی اتحاد کیسے ہوسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ متضاد خیالات کو ایک کردینا طاقت بشری سے باہر ہے مگر اسکے جواب میں میں کہونگا کہ یہ تباین خیالات اول تو دیگر موجودہ برسر اقتدار اقوام میں بھی بہت کچھ ہے پھر ان میں ہمدردی و یکدلی کیوں ہے دوسرے ہمارے اسلاف کرام و ائمہ عظام میں بھی اسلامی عروج کے زمانہ میں فروعی اختلافات کچھ کم نہ تھے مگر باایں ہمہ وہ ایک دوسرے پر پروانہ وار فدا کیوں ہوتے تھے۔ الغرض یہ عذر لنگ تو بیرون چلنے والا نہیں ہے ہو نہ ہو مانع اتفاق اور کوئی سبب ہے۔ وہ منحوس سبب اگرچہ فی الحقیقت ایک ہے یعنی ہوائے نفس کی پیروی مگر بغرض تسہیل ہم اسکی دو شاخیں کرتے ہیں۔

اوّل اصلی دین فطرت میں دست اندازی۔ دوم فرعی مسائل میں تنگ نظری۔

شاخ اوّل نے آزاد منش حرّیت پسندوں کو قوانین الٰہیہ سے جو عین فطرت انسانی کے مطابق ہیں متنفر بنا دیا ہے اُنکی نظروں میں نہ قرآن پاک کی وقعت ہے نہ ملفوظات پیغمبری کی عزّت۔ اور نہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے تعامل پر وہ کاربند ہونا پسند کرتے ہیں اور نہ بعد کے ائمہ دین مقبولین کا

پیرو ہونا موجب فلاح سمجھتے ہیں بلکہ وہ حسب آیت قرآنی افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ اپنی ہوائے پست تاریک عقل کو اپنا قائد وامام بناتے ہیں جسکی دست مالی سے آسمانی دین تقویم پارینہ بنگیا ہے اور حامل سلف صالحین کی اقتفا موجب عار ٹھہر گئی ہو فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اور شاخ دوم نے بہت سے متعصب مدعیان حق سرگروہوں کو محدود النظر کردیا ہے کہ مجتہد فیہ مباحث میں صرف اپنے مسلک کو حق جزمی خیال کرتے ہیں اور دوسروں کے مشارب کو باطل حتمی سمجھتے ہیں حالانکہ مجتہدانہ تخالف آرا خدا کی رحمت واسعہ ہے جسکی تضیق وتحجیر کا کسی کو منصب حاصل نہیں ہے ایسے ہی بعض محدود النظر کے حق میں ارشاد نبوی ہوا تھا لقد حجرت واسعًا۔ بالجملہ ان ہر دو شاخوں یعنی آزاد منشی اور تنگ نظری کا منشاء ومصدر وہی ہوائے نفس ہے جو خدا کے سیدھے راستہ سے ہٹانے والی ہے سو نہ اتنی وسیع الخیالی عقلاً ونقلاً محمود ہے کہ ہم خدا کے اصول وقوانین کے توڑنے والے لوگوں میں منجذب ہوکر یا مداہنت اختیار کرکے مونہہ پر مُہر سکوت لگا بیٹھیں اور نہ اتنی تنگ نظری محبوب ہے کہ ادنے ادنے فروعی اختلافات میں ہم اپنے مخالف الخیال جماعتوں سے دست وگریباں ہونے پر تلے بیٹھیں رہیں۔ اسلم طریقہ یہ ہے کہ جن میں مادہ تحقیق ہے وہ طرفین کے دلائل میں غور کریں جو راجح معلوم ہو اُسپر عمل کریں اور مرجوح جانب کے عاملین سے برسرپیکار نہوں کہ ممکن ہے کہ اُس جانب بھی اسباب رجحان ہوں مگر ہم پر نہ کھلے ہوں۔ اور جنھیں سلیقہ تحقیق نہیں ہے وہ اپنے مقتداؤں کی پیروی کریں مگر دوسرے مقتداؤں کے اتباع کو اپنے جیسا معذور سمجھیں اور عند اللہ ماجور خیال کریں الغرض تشتّت وتفرّق کا باعث اگر ہے تو یہی ہوائے نفس ہے دوسرا سبب ہرگز نہیں ہے ہم اس دعوے کو قرآن وحدیث سے اور عقل وتجربہ سے ثابت کرسکتے ہیں مگر آؤ ہم سب سے پہلے اس محبت شکن سبب کو اُس پُراسرار کتاب میں ڈھونڈیں جسکو ہم نے مدّت سے پس پشت ڈال رکھا ہے اور اسپر ہمنے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح شکوہ کا موقع دیا ہی۔ یارب ان قومی اتخذوا ھذا القراٰن مھجورا۔ (میرے پروردگار بیشک میری قوم نے اس قرآن کو نظرانداز کر رکھا ہے۔)

خیر ڈھونڈھنے کا شوق نہیں ہے تو مجھ سے ہی سُن لو حضرت داؤد علیہ السلام کو جو نبوّت و مملکت سے ممتاز تھے قرآن پاک میں یوں ہدایت ہے۔

یا داؤد انا جعلناک خلیفۃً فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ ۔

(اے داؤد ہمنے تمکو زمین پر اپنا نائب السلطنت بنایا ہے تم لوگوں میں سچے قانون کے موافق فیصلہ کیا کرنا اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا کہیں وہ تمکو خدا کی سیدھے راستہ سے بے راہ نہ کردے ۔)

اس پر حکمت تعلیم سے پتہ چلتا ہے کہ ہدیٰ اور ہویٰ میں یعنی نفس الامری صداقت اور نفسانی خواہش میں اجتماع ناممکن ہے متجسس حق کو نفسانی جذبات سے علیحدہ رہنا ضروری ہے ۔ جس حکم و فیصلہ میں خواہش نفس کی آمیزش ہوئی وہ کبھی راستی کا مرتبہ حاصل نہیں کرسکتا ہے افسوس کہ اسوقت علی الاکثر اسلامی گروہوں نے اس زریں اصول کو چھوڑ رکھا ہے اور دوسرے کی تضلیل و تفسیق کا معیار اپنی خواہش نفس کو سمجھ رکھا ہے ۔ مسلمانوں جب تک تم دوسرے گروہ کو اس ہوائے نفس کی عینک سے دیکھوگے اسکے محاسن بھی معائب ہوکر نظر آئینگے اور اپنے معائب برنگ محاسن دکھائی دینگے خدا کیلئے اس کج بین عینک کو اُتارو اور قرآنی راست نما عینک سے کام لو اپنے پرائے کے محاسن و معائب بالکل صحیح نظر آئینگے اُسوقت اپنے معائب کے ازالہ کی فکر ہوگی اور بمقتضائے ع متاع نیک ہر دکان کہ باشد ۔ دوسروں کے محاسن حاصل کرنے کی رغبت پیدا ہوگی پھر وجہ کیا ہے کہ اتفاق اسلامی باہم پیدا نہو ۔ الغرض باہمی اتحاد پیدا کرنے کیلئے اگر ضرورت ہے تو ہوائے نفس کے مٹانے کی ہی جو عصبیت و حمیّت کا منبع ہے تخالف خیالات کے مٹانے کی ضرورت نہیں ہی وہ تو پہلے سے چلا آیا ہے اور آیندہ چلا جائیگا کہ وہ صنّاع عالم کی نیرنگی قدرت کا کرشمہ ہے چونکہ اسکے شیون کا تکثر حدّ عدد کے دائرہ سے افزوں ہے ۔ لہذا اُسکی مخلوقات میں بھی جو اُسکی قدرت کے مظاہر و مرایا ہیں اظلال شیون متکثر و متفاوت ہونگے اسلئے ہمکو اپنے فروعی اختلافات سے گھبرانا نہیں چاہیئے وہ تو اگر تعصب و ناانصافی سے مخلوط نہوں تو بمقتضائے ارشاد نبوی اختلاف اُمتی رحمۃ نہایت قابل قدر نعمت ہے اُسکا دنیوی فائدہ تو یہ ہے کہ وقت مشاورت و مباحثت امر حق منقح ہوکر باطل سے ممتاز ہوجاتا ہے اور اُخروی نفع یہ ہے کہ ایسا اختلاف مشتبہ معافی خطا کا بہانہ بنیگا کیونکہ درصورت اختلاف اُمت کسی جانب بھی خطا متحتم نہیں ہوتی ہے تو خدائے رحیم اُسپر مواخذہ بھی نہ کریگا دنیا میں بھی مجرمان شاہی کا

جرم اگر مشتبہ ہوتا ہے تو وہ سزا سے بچ جاتے ہیں تو کیا آخرت میں وہ نہ بچیں گے بچنا کیا بلکہ اکہرے یا دوہرے ثواب کے مستحق ہونگے جیسا کہ کتب حدیث میں مروی ہے قرآن پاک میں قانون عفو یوں ہے:۔ لیس علیکم جناح فیما اخطاتم به ولکن ما تعمدت قلوبکم وکان اللہ غفورا رحیما۔ (تم پر ایسے کاموں میں گناہ عاید نہیں ہے جو نادانستہ بھول چوک سے کر بیٹھے ہاں اُن میں ہے جو دانستہ کروگے اللہ تو ہمیشہ سے گناہ پوش مہربان ہے۔)

تمام فرقہائے اسلامیہ اس آیت کو ذہن نشین کریں اور یقین کریں کہ ہمارے فروعی اختلافات اگر ہوائے نفس اور تعصب مذموم سے ناشی نہیں ہیں بلکہ ادلہ شرعیہ کے ظاہری تعارض سے یا فہم ذکا کے فطری تفاوت سے ناشی ہیں۔ تو ہم تم پہلے جملہ کے مصداق ہیں اور مواخذہ سے بری ہیں اور اگر وہ اختلاف تعصب بیجا سے ناشی ہے تو دوم جملہ کے ہم تم مصداق ہیں اور مواخذہ الٰہی کی مستحق ہیں اوّل صورت میں مواخذہ سے بچا رہنا بروئے عقل سلیم بھی موجّہ ہے کیونکہ علمائے اُمت بشہادت تجربہ فراست وفقاہت میں متفاوت ہیں جسکی طرف آیت قرآنی فوق کل ذی علم علیم بھی مشیر ہے۔ اور حدیث نبوی علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل میں بھی غور کیا جاوے تو ہدایت علماء کا کم وبیش ہونا مفہوم ہوتا ہے جیسا کہ رسل علیہم السلام کا باہم تفاضل باب ہدایت میں منصوص ومُسلّم ہے پھر سب کے مسالک ومشارب یکساں ہوں تو کیسے ہوں اب لامحالہ مدار قبول صرف حسن نیت پر ہوگا اصابت حق پر نہوگا کہ وہ طاقت بشری سے بالا ہے جب یہ ہے تو مجتہدین اُمت سب کے سب خواہ خاطی ہوں یا مصیب بوجہ نیک نیتی مقبول وماجور ہیں اُنکو خطاوار بتانا خود خطا ہے اسلئے کسی نے خوب لکھا ہے ؎ خطائے بزرگان گرفتن خطاست۔

مزید اطمینان کیلئے ایک مثال لکھدینا کافی ہے بحالت اشتباہ قبلہ تحری قبلہ پر جو نماز ادا ہوئی خواہ وہ ٹھیک ہو یا غلط عنداللہ مقبول ہے اُسپر وہی ثواب مرتب ہے جو یقینی قبلہ کی حالت میں مرتب ہو وجہ اسکی بجز اسکے کیا ہے کہ اللہ پاک نے تحری قبلہ کو تجلی قبلہ کے قایم مقام ٹھہرایا ہے جیسا کہ ارشاد پاک ہے۔

فاینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ (جدھر کو تم رخ کروگے اللہ کا رخ اُدھر ہی پاؤگے۔)

اسی طرح جملہ مشتبہ فروعی مسائل میں نیک نیتی کی جدّ جہد قایم مقام امر حق ہے ہر مجتہد مخطی ہو یا

مصیب عند اللہ ماجور ہوگا پھر اس تخالف جزوی پر ایک دوسرے سے بغض و عداوت رکھنا اور رشتہ اخوت کو توڑنا سخت نادانی ہے حُبّ فی اللہ اور بغض فی اللہ بیشک امر محمود ہے مگر اُسکا استعمال ٹھیک موقع میں ہونا چاہئے حدیث انما الاعمال بالنیات پر توجہ کیجاوے تو اُس سے بھی پتہ لگتا ہے کہ پنہانی حسن ظاہری قبح کو اور اندرونی قبح ظاہری حسن کو نظر انداز کر دیتا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ خطاء اجتہادی حسن نیت کے ساتھ ثواب سے محروم کرنیوالی نہیں ہے تو مجتہدین سے بغض و عداوت کرنا مقبولان بارگاہ خداوندی سے عداوت باندھنا ہی سو مناسب ہے کہ ایک مجتہد کی پیرو جماعت دوسرے مجتہد کے اتباع سے عداوت نکرے ہاں اپنے مقتدا کی تعلیم پر کاربند رہے مگر دوسری جماعت کو برحق و مقبول خیال کرے ایسا ہمارے خیال کرنے سے ہمارا کچھہ نہیں بگڑتا ہے بلکہ حُسن ظن کا ثواب ہمکو ملتا ہے ہمارے موجودہ زمانہ میں جو بعض مختلف فیہ مسائل ایسے ہیں جنکا فیصلہ کتب فقہ سے نہیں ہوسکتا ہے بلکہ اسوقت کے علماء میں وہ مطارح انظار بنے ہوے ہیں ان میں بھی یہی طریقہ اسلم و اصوب ہے کہ جس گروہ کا اعتقاد کسی خاص عالم پر جمتا ہو اُسکے موافق عمل کرے مگر دوسرے گروہ کی اور اُسکے مقتدا کی تضلیل گوارا نکرے کہ ممکن ہے اصابت راجح اس طرف ہو۔ میرا رجحان قلبی تو اسپر ہے کہ رحمت خداوندی کی وسعت باوجود یکطرفہ خطا کے دونوں گروہوں کو ماجور و مقبول بناویگی بشرطیکہ کسی جانب تعصب مذموم سدّراہ نہو قرآن پاک میں ہے

ومن اراد الاخرۃ وسعی لہا سعیہا فاولئک کان سعیہم مشکورا۔	(جسنے آخرت چاہی اور اُسکے لئے اپنی حوصلہ کے موافق سعی کی تو اُسکی سعی بشکریہ مقبول ہوگی۔)

سبحان اللہ یہ آیت کسقدر رحمت افزا اور لطف آمیز ہے کہ صرف نیت و سعی پر مقبولیت کو مرتب کیا ہے حق یابی سے اُسکو مشروط نہیں فرمایا بلکہ ساعی ناکام کو بھی مقبولین میں شمار کیا ہے۔ اور کیوں نہو رب العباد کی نگاہ کرم صورت و عمل پر نہیں پڑتی ہے بلکہ سیرت و نیت پر پہونچتی ہے۔

ارشاد نبوی ہے۔

ان اللہ لا ینظر الی صورکم واعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم ونیاتکم۔	(اللہ پاک تمھارے اشکال و اعمال کو نہیں دیکھتا ہے بلکہ تمھارے دلوں اور ارادوں کو بھانپتا ہے۔)

چونکہ نیت قلبی ایک کیفیت پنہانی ہے ایک کو دوسرے کی نیت پر حتمی اطلاع ناممکن الحصول ہے اسلئے

ہر ایک کو زیبا ہے کہ دوسرے کی نیت پر حملہ نکرے بلکہ اسکے قول کی کوئی خوبصورت تاویل کر کے اسکو معذور سمجھے اور اُسکے حق میں غائبانہ دعا کرے کہ حق تعالیٰ اسکو امر حق کی ہدایت کرے ورنہ اگر ہر فریق اپنے آپکو جزمی طور پر حق یاب قرار دیوے اور فریق مقابل کو گمراہ ٹھہرادے تو خوب سمجھ لو کہ یہ خیال ناپاک ہے۔ قرآن و حدیث و فقہ کے سراسر مخالف ہے سُنئے قرآن پاک میں ہے۔

وما اختلفتم فیه من شیٔ فحکمه الی الله۔	(جن چھوٹی بڑی چیزوں میں تم اختلاف رکھتے ہو اُسکا فیصلہ خدا کے اختیار میں ہے۔)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

ان ربك هو یفصل بینهم یوم القیمة فیما کانوا فیه یختلفون	تیرا رب ہی قیامت کے دن لوگوں میں فیصلہ کریگا اُن چیزوں میں جنمیں وہ اختلاف رکھتے تھے۔

ان ہر دو آیات کے ملانے سے دو باتیں محقق ہوئیں۔ اوّل یہ کہ مختلف فیہ امور میں فیصلہ ناطق صادر کرنا مختص بخدا ہے بندہ کو اسمیں دست اندازی کسی طرح جائز نہیں ہے دوم یہ کہ اللہ کو یہ فیصلہ دنیا میں کرنا مدّ نظر نہیں ہے بلکہ آخرت میں کریگا اب ہم اگر دنیا میں بیٹھے ہوئے ایک جانب کو صواب جزمی اور دوم جانب کو خطا حتمی قرار دیویں تو دونوں آیات کا خلاف لازم آئیگا۔ لامحالہ صوابدید یہی ہے کہ قطعی فیصلہ کسی جانب صادر نکریں خدا تعالیٰ کا مخفی الحکمت منشا یہی ہے کہ دنیا میں اختلاف آرا قایم رہے۔ اُسکے مٹانیکے پیچھے پڑنا قوانین فطرت کے بدلنے میں پڑنا ہے جو ناممکن الحصول ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے۔ ولو شاء ربك لجعل الناس امة واحدة ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربك ولذلك خلقهم۔	اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک گروہ بنادیتا اور وہ برابر باہم خلاف کرنے والے رہینگے مگر جنپر تیرا رب رحم کرے اور اسی خلاف کرنے نہ کرنیکے لیے اللہ نے انکو پیدا کیا ہے۔

اس آیت میں جملہ استثنائیہ ایک لطیف رمز پر مشتمل ہے بغور سُنیں۔ اُمت محمدیہ علی نبیہا الوف التحیہ ملقب بہ اُمت مرحومہ ہے سو چاہیے تھا کہ اون میں موافق اس استثنا کے اختلاف نہوتا۔ حالانکہ صحابہ سے لیکر اسوقت تک اختلاف برابر رہا ہے سو توجیہ استثناء مذکور کیونکر صحیح ہوگی۔ اس خلجان کا رفع یہ ہے کہ کسی گروہ کا مصدرِ اختلاف ہونا اور چیز ہے اور مظہر اختلاف ہونا اور چیز ہے۔

ربّانی علماء میں اختلاف ہی مگر باسباب فطریہ لیکن اُنکی طبائع اختلاف پسند نہیں ہیں اور نفسانی

علماء اسکے برعکس ہیں فتنہ انگیزی اونکو پسند ہے حق پسندی سے دور ہیں۔ اوّل صورت میں اختلاف اونکا فعل اختیاری ہوتا ہے اور وہ لوگ اُسکے مُوجد کہلاتے ہیں اور دوم صورت میں اختلاف اُنکا فعل اختیاری نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ فطرت الٰہیّہ کا وہ فعل ہوتا ہے۔ وہ لوگ مُوجدِ اختلاف نہیں کہلاتے ہیں بلکہ متصف باختلاف کہلاتے ہیں۔ سو خلاصۂ آیت یہ ہوا کہ اُمّت معتوبہ اختلاف انگیز رہیگی باختیار خود مگر اُمت مرحومہ ایسی نہو گی۔ اختیاری اختلاف کا مبنیٰ ہوائے نفس ہے اور اضطراری کا مبنیٰ ضُعفِ قویٰ وغیرہ پر ہے اسی لئے اختلاف کی قسم اوّل گمراہوں کا شیوہ ہے اور قسم دوم راہ یابوں کا طریقہ ہے جو موجب رحمت ہوا۔

الغرض آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ مورد رحم لوگ تعصبی اختلاف سے دور رہیں گے۔ اور مورد غضب لوگ اوسپر دلدادہ رہینگے۔ ہم سب کو چاہیئے کہ اوّل قسم کے مصداق بنیں دوسری قسم سے دور رہیں اس توجیہ پر اس آیت اور حدیث نبوی میں کوئی تعارض نہ رہیگا۔ اُمت مبغوضہ مصدر اختلاف ہے۔ اور اُمت مرحومہ مظہر اختلاف ہے یعنی اون میں اختلاف ظاہر ہوا مگر اس میں اُنکے اختیار کو دخل نہیں خیر یہاں تک تو تعصبی فیصلہ کا مخالف قرآن ہونا محقق ہوا اب حدیث نبوی کو ملاحظہ فرمائیے

امام احمد نے بروایت ابن عباس روایت کیا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الامر ثلاثۃ امر بیّنٌ رشدہٗ فاتبعوہ وامر بیّن غیّہ فاجتنبوہ وامر اختلف فیہ فکلہ الی اللہ عزوجل	(کام تین قسم ہیں ایک کام ہے جسکی بھلائی کھلی ہوئی ہے اُسپر کاربند ہو اور ایک کام ہے جسکی برائی کھلی ہوئی ہے اُس سے پرہیز کرو اور ایک کام ہے جسمیں اختلاف ہے اُسکو حوالہ بخدا کرو۔)

سو دیکھ لیجئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مختلف فیہ امر میں حوالہ بخدا کرنیکا حکم دیا ہے۔

اب کتب فقہ کو لیجئے اُنسے ظاہر ہے کہ ائمہ اربعہ نے مجتہد فیہ مسائل میں کسیکی تضلیل نہیں کی ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ اکبر میں تصریح کی ہے کہ ہم کسی اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کر سکتے ہیں امام مالکؒ کا قول ہے۔

ان اختلاف العلماء رحمۃ من اللہ تعالیٰ علی ھذہ الامۃ کل یتبع ما صح عندہ وکلھم علی ھدی وکل یرید اللہ تعالیٰ شامی۔	علماء کا باہمی اختلاف اس اُمت پر خدا کی رحمت ہے ہر عالم اوس بات پر کاربند ہے جو اُسکے نزدیک صحیح ہے اور وہ سب راہ حق پر ہیں اور ہر ایک خدا کی خوشنودی کا طلبگار ہے

برادران اسلام ان دلایل پر نظر کرنیسے روشن ہوگیا کہ اختلافی مسائل میں ہمکو وہ راہ اختیار کرنا

چاہئے کہ جسمیں تعصب کا شمول ذرا نہو ورنہ قرآن و حدیث و طریق صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین کا خلاف ہمارے سر عاید ہوگا ہمکو اللہ پاک نے اُمت وسط سے ملقب کیا ہی سو ہمکو زیبا ہے کہ تعصب کیجگہ توسط کو اختیار کریں اور اپنے اختیار کردہ پہلو کو اگرچہ راجح سمجھیں مگر حق متحتم نہ جانیں دوم فریق کیجانب کو بھی محتمل الصدق تجویز کریں اور اُن پر زبان تشنیع دراز نکریں کہ اہل ایمان کی شان نہیں کہ سب و شتم اور تبرا بازی کو اپنا شعار بنادیں۔ قرآن شریف بت پرستی ہٹانیکے لئے آیا ہے مگر باایں‌همہ سب اصنام سے روکتا ہے۔ ارشاد ہے۔ ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم۔ (جنکو مشرکین اللہ کے سوا پکارتے ہیں تم اُنکو بُرا مت کہو ورنہ وہ اللہ کو اپنی نادانی سے بُرا کہیں گے۔)

مگر یہ بات یہ قابل لحاظ ہے کہ اس ممانعت سے یہ لازم نہیں آتا ہی کہ ہم بتونکی عظمت کیا کریں بلکہ مقصود یہ ہے کہ سب و شتم کمینہ پن ہی اُس سے بچو اور عظمت و حرمت کیلئے محل و نا محل میں امتیاز کرو۔ بت پرستی سے روکنا اور منع کرنا اور چیز ہے اور خواہ مخواہ دل دُکھانے کو بُرا کہنا اور۔ اسکا یہ نتیجہ ہوگا کہ وہ بھی اللہ پاک کو بُرا کہینگے اور ہم سب لوگ خدا کو گالیاں دلوائینگے۔ اس سے منع کیا گیا۔

اب میں تمامی گروہوں سے عموماً اور اونکے سنجیدہ لوگوں سے خصوصاً بصد التجا مستدعی ہوں کہ خدا کیلئے اسلامی انضمام و اجتماع میں ساعی بنیں محض اپنے سر گروہوں کے بھروسہ نرہیں کیونکہ اسوقت اکثر سر گروہوں نے دوسری اسلامی جماعت سے علیحدہ رہنا جزو ایمان سمجھ لیا ہے۔ اور اتحاد و ملاپ کو الحاد و زندقہ سمجھ لیا ہے۔ یہ ضرور ہی کہ ہر فرقہ اپنے تنگ خیال مقتداؤں کی تپ محرقہ کا علاج کریں۔ اور اپنے آپکو اُنکی صحبت کی مسموم ہوا سے محفوظ رکھیں۔ ایک وقت تھا کہ علماء وقت اپنے اپنے گروہ کا مداوا کیا کرتے تھے اب وقت ہی کہ ہر گروہ اپنے اپنے پیشوا کے طرز عمل کی تعلیم قرآنی سے جانچ و پڑتال کریں اب میں آخر میں ایک آیت قرآنی لکھکر اس طویل الذیل بحث کو دوسروں کے حوالہ کرتا ہوں وہ اسکو بڑھاویں یا گھٹاویں میدان فراخ ہے۔

یا ایھا الذین امنوا لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منھم ولا نساء من نساء عسی ان یکن خیراً منھن ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولئک ھم الظالمون۔

(ایمان والو کوئی گروہ لوگونکا دوسرے لوگون کا مذاق نہ اوڑاوے ممکن ہے کہ وہ اُن سے اچھے ہوں اور نہ کوئی ٹولی عورتوں کی دوسری عورتوں کا مذاق اوڑاوے ممکن ہی وہ اُنسے اچھی ہوں اور نہ بُرے القاب سے دوسرونکو پکارو کسیکو ایمان کے بعد فاسق کہنا برا نام ہی اور جو اس سے باز نرہیں تو وہی ستمگار ہیں۔)

مسلمانو یہ ایک مختصر سی آیت ایسی ہے کہ اگر ہم اس پر عمل کریں تو اخوت اسلامی ہم میں اُسی طرح عود کر آوے جیسے ہمارے اسلاف میں تھی اور ہم اُسکے ثمرات سے اُسی طرح مستفید ہوں جیسے وہ مستفید تھے۔ افسوس کہ ہمنے اخلاقی تعلیم سے نظر بند کر رکھی ہے اور عملی مختلف فیہ فروع میں پھنس گئے ہیں جسکا نتیجہ عند اللہ بھی کچھہ وزندار نہیں ہے۔ واللہ یھدی من یشاء والی صراط مستقیم والسلام خیر ختام فقط

الداعی الی الخیر

محمد ناظر حسن نعمانی نقشبندی (مولف الفرقان فی قراءۃ اُم القرآن و کشف الغطا)

از چھتاری ضلع بلند شہر مدرسہ عربیہ

قواعد و ضوابط رسالہ القاسم

۱- یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھجاتا ہے۔

۲- یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ آٹھ آنہ پیشگی لیجاتی ہے۔ ممالک غیر سے صرف اسی قدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۳- جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچروپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائیں گے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے۔ اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۴- سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کی خدمت میں شروع کا (یا خریدار کا جب سال شروع ہوا سکا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کر کے عہ کا ویلو روانہ ہوگا۔

۵- یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمت میں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسرونکی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمایش کرتے ہیں۔

۶- شعبان ۳۲ھ مطابق جولائی ۱۳ء سے اس رسالہ کا پانچواں سال شروع ہوا ہے۔ پہلے چار سالوں کی مکمل جلدیں موجود ہیں۔ قیمت ہر جلد کی عہ مع محصولڈاک ہے۔

۷- نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں ان کے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

۸- القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہئے

المشتہر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر "رسالہ القاسم" دفتر القاسم مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

(رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

قیمت سالانہ

مع محصول

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

نمبر ۳ بابت ماہ شوال المکرم ۱۳۳۲ھ جلد ۵

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شایع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ شوال المکرم سنہ ۱۳۳۲ھ

(مطابق ماہ ستمبر سنہ ۱۴ء ۱۹ء)

جو حضرت مولانا محمود حسن صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

(اور)

مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم مدرسہ عالیہ عربیہ دیوبند

کی

سرپرستی میں شائع ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(سلسلے کے لئے دیکھو القاسم ماہ رمضان)

رہا صحابہ میں باہم بطور امر بالمعروف یا نصح وہمدردی کسی امر کا اظہار یا انکار۔ یا امور سیاسی انتظامی میں خلفار کا تنفیذ احکام کرنا اسمیں داخل نہیں ہے صحابہ معصوم نہ تھے کہ اُن سے کوئی لغزش یا کسی قسم کی فروگذاشت نہوتی۔

دوسرے یہ کہ مخاطب اسکے صحابہ نہیں بلکہ امت ہے۔ اور غیر حاضرین کو حاضرین کے مرتبہ میں رکھکر یہ عام فرمان جاری فرمایا گیا ہے۔ اور یہ محض عام حکم ہی نہیں ہے بلکہ اسمیں اسکی طرف ایما ہے کہ امت کے بہت سے افراد اسمیں مبتلا ہونیوالے ہونگے۔ اور یہ مہلک مرض اُن کو برباد و تباہ کریگا اسی پیش بندی اور دلسوزی امت کی بنا پر یہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اسی دوسرے مطلب کو شیخ تاج الدین ابن عطار اللہ نے نہایت لطیف پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کی تجلیات پیش آتی تھیں بعض تجلیات میں آپ کے سامنے تمام امت پیش ہوئی اُن میں وہ بھی تھی۔ جو سب اصحاب میں منہمک و مشغول تھے۔ آپ نے اُن کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا۔ لا تسبوا اصحابی۔

شیخ کی اس تقریر کے موافق یہ خطاب بطور مجاز یعنی غیر موجود وغیر حاضر کو موجود و حاضر فرض کرکے نہوگا بلکہ حقیقی ہوگا کیونکہ اسمیں انہیں لوگوں کو خطاب ہے جو حاضر و موجود ہیں۔

رہی یہ بات کہ جب وہ لوگ آپ کے سامنے موجود و مشاہد ہیں۔ تو خطاب صرف اُنکو ہے جو اس زبون حالت میں مبتلا اور اس شنیع امر کے مرتکب ہیں۔ یا سب موجودین کو عام ہے اسمیں دونوں احتمال ہیں۔ خطاب صرف انہیں کو ہے جو مبتلا ہیں لیکن حکم عام ہے تنبیہ سب کو ہے۔ یا سرے سے خطاب ہی عام ہے۔

حضرت خالد کا دومۃ الجندل کی طرف بھیجا جانا	دومۃ الجندل ایک مقام تھا جہاں پر اکیدر بن عبد الملک حکومت کرتا تھا۔ یہ شخص نصرانی تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کو

چار سو بیس سواروں کے دستہ کے ساتھ اسکی فتح کے لئے مامور فرمایا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تم اُسکو یعنی رئیس و حاکم کو نیل گائے کا شکار کھیلتے ہوئے پاؤ گے۔ حضرت خالد روانہ ہوئے۔ اور دومتہ الجندل کے قلعہ کے سامنے پہونچ گئے۔ چاندنی رات تھی وہاں یہ پیش آیا کہ ایک نیل گائے آکر قلعہ کے دروازہ سے اپنے سینگ رگڑنے لگی۔ اکیدر معہ اپنی بیگم کے بالاخانہ کی چھت پر تھا۔ بیگم نے کہا یہ عجیب اتفاق ہے ایسا کبھی بھی کسی نے دیکھا ہے۔ کیا یہ چھوڑ دینے کے قابل ہے نواب نے کہا ہرگز نہیں۔ وہ تو سوار ہو کر معہ چند اردلیوں کے نیل گائے کے شکار کو نکلا۔ ادہر سے حضرت خالد نے آدبوچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو بہو صادق آیا۔ اکیدر کا بھائی تو مقابل ہو کر مقتول ہوا۔ اور اکیدر نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ اپنے آپ کو حضرت خالد کے حوالہ کر دیا۔ آپ اُس کو لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے مصالحت کر کے اس کو رہا کر دیا۔

یہ وہ کارنامے ہیں جو حضرت خالد نے زمانہ حیات حضرت رسول کریم علیہ افضل الصلوٰت والتسلیم میں دکھائے اور جنکی بدولت انکا رسوخ و اقتدار بارگاہ نبوت اور عامہ مسلمین میں نہایت بلند پایہ ہو گیا اور یہی اُن کی مساعی جمیلہ اس امر کی محرک ہوئیں کہ حضرت صدیق اکبر نے اُن پر کامل اعتماد کر کے امور لاینحل کی عقدہ کشائی سپرد کی۔

حصہ سوم زمانہ امارت و ولایات عساکر اسلامیہ

اب ہم اُن واقعات کو بھی بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جو زمانہ شیخین رضی اللہ عنہما میں پیش آئے۔

فتنہ ارتداد عرب میں حضرت خالد کی نمایاں خدمات

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب میں چاروں طرف مرتد اور اسلام سے برگشتہ ہونیکی ہوا چل پڑی۔ ریاست کی ہوس۔ نبوت و رسالت کی ادعا کا ذبے نے عرب میں بہت سے نواب رئیس۔ نبی و رسول پیدا کر دئے۔ مرد تو مرد عورتوں میں ادعا نبوت کا خبط سما گیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے عمال و حکام۔ مبلغ دین اسلام قاضی و مفتی۔ ملک حجاز و یمن۔ بحرین و یمامہ وغیرہ میں جابجا مامور تھے۔ ملک میں ارتداد کا سمی مرض پھیلا تو اُن لوگوں کو اپنی جان بچانی دشوار ہو گئی۔ مرتدین کے حوصلے یہانتک بڑھے کہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنیکے خیالات فاسد دماغ میں چکر لگانے لگے۔ مسلمانوں کی حالت نہایت نازک تھی۔ دشمنوں کا مقابلہ کریں

یا گھر کو سنبھالیں۔ مگر حضرت صدیق اکبر کا ثبات و استقلال سب پر غالب گیا آپنے ایک منٹ کیلئے اس غوغا اور ہجوم دہام کی پروا کی۔ نہایت استقلال اور اولوالعزمی سے احکام نافذ کیئے اور ہر موقع ومقام کے مناسب فتنہ فرو کرنے کا انتظام کیا۔ مدبر اور فرزانہ امرا مقرر فرمائے۔ اس فتنہ کے استیصال میں بہت زیادہ حصہ حضرت خالد بن الولید نے لیا۔ سب سے پہلے اُن کو طلیحہ مدعی نبوت کے مقابلہ کیلئے بھیجا گیا۔ اور یہ حکم دیا گیا کہ اُس سے فراغت ہو جائے تو بطاح پہونچکر مالک ابن نویرہ سے مقابلہ کریں۔ اس تجویز کے موافق حضرت خالد اول طلیحہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اسکی جمعیت بہت زیادہ ہو گئی تھی قبیلہ طی کے چند قبائل بھی اُسکے ساتھ ہو گئے تھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عدی بن حاتم طائی کو حضرت خالد کی روانگی سے قبل بھیجا تھا کہ اُنکو سمجھادیں۔ ~~چنانچہ انکی فہمائش سے قبیلہ طی کی چند قبائل اُسکے ساتھ ہو گئی تھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عدی بن حاتم طائی کو حضرت خالد کی روانگی سے پہلے بھیجا تھا کہ انکو سمجھادیں~~ چنانچہ انکی فہمائش سے قبیلہ طی کے جو لوگ طلیحہ کے پاس جانیکو تیار تھے وہ رک گئے اور جو جا چکے تھے واپس آئے اور اسطرح عدی بن حاتم ایک ہزار سوار اس جماعت کے لیکر حضرت خالد سے جا ملے۔ کچھ زور تو طلیحہ کا اس طرح ٹوٹا۔ اور پھر جب عین قتال کا وقت تھا تو عیینہ ابن حصن جو اُسکے جانباز بہادروں میں سے تھا۔ لڑتے لڑتے تھک گیا اور طلیحہ نے جو جھوٹے وعدے اُس سے کر رکھے تھے اُنمیں سے کسی کو پورا ہوتے نہ دیکھا تو یہ کہکر مع سات سو سواروں کے واپس ہو گیا

یا بنی فزارة انصرفوا فانه کذاب۔ | ای بنی فزارہ واپس چلو یہ جھوٹا ہے۔

طلیحہ نے اپنے بھاگنے کا سامان پہلے ہی کر رکھا تھا۔ وہ بھی اپنی بیوی سمیت بھاگ گیا۔ مگر تقدیر کا اچھا تھا۔ اُسکو بعد میں اسلام نصیب ہوا۔ اور فارس کے معرکوں میں داد شجاعت و جان نثاری دیکر اس دھبہ کو مٹا دیا والحمد للہ علیٰ ذلک۔

مالک بن نویرہ کا واقعہ | حضرت خالد فزارہ غطفان۔ اسد و طی اور طلیحہ کے قصہ سے فارغ ہو کر حسب ہدایت صدیق اکبر مالک بن نویرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مالک بن نویرہ نے مرتد ہو کر خلاف و مقابلہ کا عزم کر لیا تھا۔ مگر مسلمانوں کے غلبہ اور دوسرے قبائل کے انجام کو دیکھکر ہوش آ گئے تھے۔ وہ بجائے خود دل میں تو نادم ہو چکا تھا۔ مگر ابھی تردد و توقف کی حالت میں تھا۔ حضرت خالد کی خبر ملی تو اُس نے اپنی قوم کو ہدایت کی کہ ایسی قوم کا مقابلہ جسکی تائید کے سامان غیب سے ہوتے ہیں ٹھیک نہیں۔ تم سب دین اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ لوگ متفرق ہو گئے۔ حضرت خالد نے پہونچکر اسلامی دستوں کو

جا بجا پھیلا کر حکم دیا۔ کہ جو شخص قبول اسلام سے انکار کرے اُسکو گرفتار کرلائیں۔ اور جو اطاعت وانقیاد سے انکار کرکے مقابلہ کا ارادہ کرے اُسکو قتل کردیں۔ حضرت صدیق اکبر کا حکم تھا کہ جس قبیلہ سے آذان کی آواز آئے اُن سے ہاتھ روک لیں۔ اور جہاں سے آذان کی آواز نہ آئے۔ اُن پر اسلام کو پیش کریں اگر اسلام قبول کریں تو زکوٰۃ وصدقات کی ادائیگی کا سوال اُن کے سامنے پیش کریں اگر ادار زکوٰۃ کو قبول کرلیں تو فبہا ورنہ پھر اُن پر حملہ کریں۔ ادار زکوٰۃ کو منجملہ تمام فرائض کے اسلئے مقدم کیا کہ اہل عرب اسی کو اپنے لئے موجب ننگ وعار سمجھتے تھے۔ ایک دستہ مالک بن نویرہ کو معہ چند ہمراہیوں کے گرفتار کرلایا۔ اس دستہ کے لوگوں نے مالک کے بارہ میں اختلاف کیا۔ بعض کہتے تھے ہمنے آذان کی آواز سنی بعض انکار کرتے تھے۔ حضرت خالد نے اس اختلاف کو دیکھکر کوئی حقیقی فیصلہ نہ کیا۔ بلکہ اُن کو قید میں رکھنے کا حکم دیکر قیدیوں کو مسلمانوں پر تقسیم کردیا۔ کہ اُن کی حفاظت کریں سردی کی رات تھی۔ حضرت خالد نے اعلان دیا۔

دافئوا اسراکم | اپنے اپنے اسیر کو سردی سے بچاؤ۔

کنانہ کی زبان میں اسکے معنی قتل کردینے کے تھے۔ لوگوں نے اُن کو قتل کردیا۔ شور کی آواز حضرت خالد کے کان میں پڑی اور باہر نکلے تو قصہ ہی دوسرا دیکھا۔ فرمایا۔

اذا اراد اللہ امراً اصابہ۔ | خدا کسی بات کو چاہتاہے تو وہی ہوتا ہے۔

مالک کا قتل خواہ غلطی رای سے ہو یا غلط فہمی سے صحابہ میں اسکی وجہ سے ایک قسم کی تشویش اور حضرت خالد کی جانب سے بدظنی پیدا ہوگئی۔

حضرت عمر نے صدیق اکبر پر زور دیا کہ اُن کو معزول کردیا جائے۔ آپنے فرمایا جس تلوار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میان سے نکالا ہے۔ میں اُسکو میان میں نہ کرونگا۔ حضرت عمر کا اصرار زیادہ بڑھا تو فرمایا۔ اُن سے رائے میں غلطی ہوئی ہے۔ عمداً کچھ نہیں کیا۔ اس کے بعد آپ نے مالک کا تو خون بہا دیا۔ اور خالد کو حاضر ہونیکا حکم بھیجدیا۔ حضرت خالد حاضر ہوئے۔ تو حضرت عمر نے بہت کچھ فرمایا۔ چپ سنتے ہوئے چلے گئے۔ صدیق اکبر کی خدمت میں جاکر واقعی عذر بیان کردئے۔ جو قبول کرلئے گئے اور معاملہ ختم ہوگیا۔

مسیلمہ کذاب کا واقعہ | مسیلمہ کذاب کا قصہ جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں

شروع ہوگیا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد اُس نے بہت زور پکڑا۔ بنو حنیفہ اور اُس کے اعوان کی کثیر جمعیت اسکے ساتھ تھی جھوٹے کرشموں اور بیہودہ لاف زنیوں پر لوگ اُسکے ساتھ ہوئے تھے حضرت صدیق اکبر نے جسطرح اور مرتد قبائل کی سرکوبی کیلئے افسروں کو مامور فرمایا تھا مسیلمہ کی سرکوبی کیلئے عکرمہ بن ابی جہل کو مامور فرمایا تھا۔ اور شرجیل بن حسنہ کو اُن کی مدد پر روانہ فرمایا تھا مگر عکرمہ نے شرجیل کا انتظار کئے بغیر مسیلمہ سے مقابلہ کیا۔ اور پسپا ہوئے۔ مدینہ منورہ اطلاع دی تو صدیق اکبر نے لکھا تم اپنی صورت مجھے نہ دکھلاؤ۔ اور یہاں لوٹکر واپس نہ آؤ مسلمانوں کی ہمتیں پست ہوجائیں گی۔ بلکہ تم حذیفہ و عرفجہ کے ساتھ ملکر اہل عمان سے مقابلہ کرو۔ اور شرجیل کو لکھا کہ پیش قدمی کرنے میں خالد کا انتظار کریں حضرت خالد مالک بن نویرہ سے فارغ اور صدیق اکبر کی خدمت میں صفائی و معذرت کرکے مسیلمہ کی جانب روانہ ہوئے صدیق اکبر نے مہاجرین و انصار کی کثیر جماعت کو آپ کے ساتھ کیا۔ ادہر سلیط کو حضرت خالد کی امداد کیلئے بھیجا کہ وہ پشت کی جانب سے مسلمانوں کو دشمن کے حملے سے بچائیں۔ مگر شرجیل نے بھی بغیر انتظار حضرت خالد کے مسیلمہ سے مقابلہ شروع کردیا۔ اور وہ بھی پسپا ہوئے۔ حضرت خالد پہونچے تو سخت ملامت کی۔ اور اب پوری قوت سے فریقین کا مقابلہ ہوا۔ غلبہ کبھی ادہر کا ہوتا تھا کبھی اودہر کا۔ ایک مرتبہ بنو حنیفہ نے مسلمانوں کو اسقدر پیچھے ہٹادیا۔ کہ حضرت خالد کے خاص خیمہ تک پہونچ گئے۔ اور اُن کو بھی تھوڑی دیر کیلئے جگہ چھوڑ دینی پڑے۔ لیکن پھر حضرت خالد نے زور کا حملہ کرکے اُن کو دور تک ہٹا دیا معرکہ اسی زور شور سے جاری رہا۔ حضرت خالد نے خیال کیا۔ کہ جب تک مسیلمہ نہ مارا جائیگا۔ لڑائی بند نہ ہوگی۔ خود میدان میں نکلکر مسیلمہ کو مقابلہ کیلئے بلایا۔ وہ آیا تو اُس پر چند باتیں پیش کیں وہ ہر بات کا جواب دینے کیلئے۔ منہ پھیر کر اپنے شیطان سے (جو اُسکو تلقین کرتا تھا) مشورہ لیتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت خالد موقعہ پاکر اُس کے اوپر چلے اور وہ بھاگ نکلا۔ اور معہ اپنی قوم کے حدیقہ (قلعہ یا حصار) میں پناہ لی۔ آخر براء بن مالک نے ہمت کرکے دیوار قلعہ پر سے کودکر دروازہ کھولدیا۔ مسلمان داخل ہوئے مسیلمہ مارا گیا۔ اور معاملہ ختم ہوا۔

حضرت خالد کی پیش قدمی عراق کی جانب

یمامہ کی فتح اور مسیلمہ کے قتل سے فراغت ہوچکی تو حضرت صدیق اکبر کا حکمنامہ پہونچا کہ عراق کی جانب روانہ ہوجائیں بعض روایات سے

معلوم ہوتا ہے۔ کہ یمامہ سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ اور وہاں سے عراق کو روانہ ہوئے۔ ان سے پہلے مثنی بن حارثہ شیبانی نے حضرت صدیق اکبر سے عرض کرکے عراق کی طرف سے پیش قدمی کی اجازت لیلی تھی۔ اور دو چار مڈبھیڑ ہوئی بھی تھیں مگر اصل سلسلہ فتوحات عراق کا حضرت خالد سے ہی شروع ہوتا ہے۔ مثنی بن حارثہ کو بھی یہی حکم پہونچا کہ خالد کے ساتھ جاکر ملجائیں۔ حضرت خالد ملک عراق میں داخل ہوئے۔ چند مقامات کو بصلح زیرنگیں کیا۔ اور بعض جگہ سخت مقابلہ ہوا۔ اور تھوڑے سے عرصہ میں مغیشیا تک پہونچگئے اور اسکی فتح کی اطلاع صدیق اکبر کی خدمت میں ہوئی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

عجزت النساء ان یلدن مثل خالد | عورتیں خالد جیسے کو جننے سے عاجز ہیں۔

ان سب مقامات کو عرصہ قلیل میں فتح و مسخر کرتے ہوئے آپ حیرہ پہونچگئے۔ حیرہ ملوک مناذرہ کا پایہ تخت تھا اور اسوقت ایاس بن قبیصۃ الطائی وہاں کا والی تھا جو بعد نعمان ابن المنذر کی مسند حکومت پر بیٹھا تھا۔ اہل حیرہ نے اول اول صلح سے انکار کیا۔ مگر بعد میں خود سوچ سمجھکر صلح پر آمادہ ہوگئے۔ امیر حیرہ ایاس اور عمرو بن عبد المسیح جسکو ابن بقیلہ کہتے تھے گفتگو صلح کرنے نکلے ابن بقیلہ نیابتاً گفتگو کرتا تھا۔ اسکی عمر کئی سو برس کی تھی۔ حضرت خالد نے خیال فرمایا کہ یہ جوان تاخستہ بڈھا کیا بات کریگا اور کیا سمجھیگا۔ اور اسی وجہ سے برینا تعجب اہل حیرہ سے کہا تم تو بڑے ہوشیار مکار و چالاک ہو۔ پھر تمنے اپنی باگ ایسی شخص کے ہاتھ میں کیسے دیدی جسکو اپنی جان کی بھی خبر نہیں مگر جب ابن بقیلہ سے چند سوالات کرکے معقول اور برجستہ جواب سنے تو فرمایا۔

القوم اعلم بما فیھم۔ | قوم اپنی اندرونی حالات کو خوذ زیادہ جانتی ہے

ابن بقیلہ کے خادم کے ساتھ تھیلی میں زہر تھا۔ حضرت خالد نے اسکو لیکر زہر کو ہتیلی پر رکھکر ابن بقیلہ سے دریافت کیا کہ زہر کیوں ساتھ رکھا۔ کہا اسوجہ سے کہ اگر میں تمھاری حالات اچھے نہ دیکھتا اور تمکو اپنے اندازہ کے خلاف پاتا تو زہر کھاکر مرجاتا۔ کیونکہ ذلت کی زندگی سے عزۃ کی موت اچھی ہے۔ حضرت خالد نے فرمایا کہ موت تو کسی کے اختیار میں نہیں۔ وقت معین سے پہلے کوئی شخص نہیں مرسکتا۔ زہر کھانا نہ کھانا برابر ہے۔ اور پھر آپ نے بسم اللہ خیر الاسماء۔ رب الارض والسماء الذی لا یضر مع اسمہ داء الرحمن الرحیم پڑھکر زہر کو نگل لیا۔ ابن بقیلہ نے کہا

بیشک جب تک تم لوگوں کی یہ حالت تم اپنے تمام مقاصد میں کامیاب ہوگے۔ اس گفتگو کے بعد اہل حیرہ سے بھی صلح ہو گئی۔ حیرہ کے گرد و پیش اور اس نواح میں جسقدر دیہات و قصبات واقع تھے وہاں کے چودھری نمبردار رئیس سب حیرہ کے انجام کو دیکھتے تھے جب حیرہ بصلح فتح ہو گیا تو اس نواح کے تمام نمبرداروں اور چودھریوں اور زراعت پیشوں نے آکر صلح کر لی۔ اور اسطرح حضرت خالد کے لیے راستہ صاف ہو گیا۔ آپ نے چند تجربہ کار افسروں کے ہمراہ کچھ دستے دیکر حکم دیا کہ پیش قدمی کریں چنانچہ یہ لوگ دجلہ کے کنارہ تک پہونچ گئے۔ فارس میں اگرچہ اسوقت عزل نصب اور قتل ملوک کا دور دورہ تھا۔ باہم اختلاف کی آگ بھڑک رہی تھی۔ مگر حضرت خالد کی خبر پہونچی تو مدافعت ملک پر اتفاق کر کے سخت مقابلہ کی ٹھان لی۔

حضرت خالد پوری ترتیب اور سامان کے ساتھ انبار تک پہونچ گئے۔ یہانکا سپہ سالار ساباط کا گورنر شیرزاد تھا۔ اُسنے اول اول تو مقابلہ کیا مگر انجام کار صلح کر لی اور شیرزاد بہمن جاذویہ سے جاملا حضرت خالد نے انبار و کلواذا کے گرد و پیش مقامات سے بھی صلح کر لی۔ اور انبار کو زبرقان ابن بدر چھوڑ کر خود عین التمر کی طرف کوچ کیا۔ یہاں بہرام چوبین کا بیٹا مہران معہ نہایت عظیم الشان لشکر فارس کے پڑا ہوا تھا۔ اور قبائل عرب نمر و تغلب و ایاد کی بھاری جمعیت زیر کمان عقہ ابن ابی عقہ اُسکی امداد و معاونت کیلئے موجود تھے۔ عقہ نے مہران سے کہا عرب کا مقابلہ عرب ہی خوب کر سکتے ہیں ہمیں اور خالد کو چھوڑ دیجے ہم دیکھ لیں گے۔ اوسنے منظور کیا عقہ پورے ساز و سامان کے ساتھ حضرت خالد کے مقابل ہوا۔ عقہ ابھی لشکر کی ترتیب میں مشغول صف بندی کر رہا تھا کہ حضرت خالد نے بہ نفس نفیس اُسپر حملہ کر کے بغل میں دبا لیا۔ اُسکا لشکر تو بغیر لڑے بھڑے فرار ہوا جسمیں سے بہت قیدی بنائے گئے۔ اور عقہ اسیر ہو کر لشکر اسلام میں آگیا۔

مہران کو اس ہزیمت کی خبر پہونچی تو وہ بھی قوم سمیت چلتا بنا۔ اور اسطرح عین التمر کی فتح سے بھی فراغت ہوئی۔

حضرت صدیق اکبر نے عیاض بن غنم کو ایک دوسرے حصہ لشکر کی کمان دیکر حکم دیا تھا کہ عراق کی جانب سے داخل ہو کر حضرت خالد سے جا ملیں۔ عیاض بن غنم حسب ہدایت مطیع و منقاد بناتے ہوئے اسطرف کو قدم بڑھا رہے تھے کہ ایک جگہ اُن کو عظیم الشان جمعیت سے مقابلہ ہو گیا حضرت خالد

عین التمر کے فتح سے فارغ ہوئے تھے کہ حضرت عیاض کا طلب امداد میں پیام پہونچا۔ عیاض دومۃ الجندل کے مقابلہ میں پڑے تھے۔ اور اُن کے مقابل دومۃ الجندل کی حفاظت و مدافعت کیلئے۔ قبائل۔ بہرا۔ کلب۔ غسان۔ تنوخ۔ ضجاعم پڑے ہوئے تھے۔ دومۃ الجندل دو رئیسوں پر منقسم تھا۔

اکیدر بن عبدالملک۔ اور جودی بن ربیعۃ۔ اکیدر تو وہی ہے جسکو حضرت خالد نے پہلے ایک دفعہ گرفتار کرلیا تھا۔ اور بعد عہد و پیمان شدید صلح کرکے رہا کردیا تھا۔ حضرت خالد جب عیاض کی امداد کو روانہ ہوئے اور اکیدر کو اطلاع ملی تو اُس نے قبائل کو صلح کی رای دی جب کسی نے نمانا۔ تو چپکے سے نکل بھاگا۔ حضرت خالد کو بھی اسکی اطلاع ملی تو اسکو راستہ میں ہی گرفتار کرالیا۔ اور بدعہدی و نقض صلح کی بنا پر اُسکو قتل کردیا۔ اسکے بعد دومۃ الجندل کا محاصرہ کرلیا۔ ایک جانب حضرت عیاض اور دوسری جانب حضرت خالد تھے۔ آخر جودی قید ہوا اور دومۃ الجندل بھی بعد محاصرہ فتح ہوگیا۔ آپ کچھ عرصہ تک یہاں مقیم رہے۔ تو اہل فارس نے اس موقع کو غنیمت سمجھا ادھر عقہ کے قتل سے قبائل عرب میں جوش انتقام بھڑک اٹھا تھا۔ مل جل کر زرمہر۔ اور روزبہ۔ دو سرداران فارس کی زیر کمان بھاری لشکر نے انبار کی طرف پیش قدمی۔ قعقاع بن عمرو حیرہ پر حضرت خالد کے نائب تھے انھوں نے اعبد بن فدکی۔ اور عروۃ بن الجعد کو مقابلہ کے لئے آگے بھیجا کہ حصید پر ان کو روکدیں۔ حضرت خالد کو خبر پہونچی تو فوراً حیرہ پہونچے۔ اور پھر خود قعقاع مقام حصید پر پہونچ گئے۔ رزمہر۔ اور روزبہ سے سخت مقابلہ ہوا۔ اور یہ دونوں مقتول ہوئے۔ عجمی لشکر یہاں سے فرار ہوکر خنافس پہونچا۔ جنکے تعاقب میں ابولیلی پہونچے۔ خنافس میں مہبوذان امیر افواج تھا اسکو ابولیلی کے آمد کی خبر ہوئی تو مضیح جا پہونچا۔ جہاں ہذیل بن عمران اپنی جمعیت کے ساتھ موجود تھا۔ حضرت خالد کو مقامات مذکورہ کی فتح کی خبر ہوئی تو حیرہ سے روانہ ہوکر اپنے افسران فوج سے رات کو مقام مضیح پر جا ملے۔ اور رات ہی کو ہذیل پر سوتے میں حملہ کردیا۔ ہذیل بمشکل جان بچاکر چند لوگوں کے ساتھ بھاگا۔ ہذیل کے ساتھ عبدالعزی ابن ابی رہم اور لبید بن جریر بھی تھے یہ دونوں حقیقتاً مسلمان ہوچکے تھے کسی مجبوری یا جبر کی وجہ سے ہذیل کے ساتھ تھے یہ دونوں بھی اس معرکہ میں مقتول ہوئے حضرت صدیق اکبر کو اطلاع ملی تو آپنے اُن کے ورثہ کو دیۃ دیدی۔

(باقی آئندہ)

خیر الامم کا طغرائے امتیاز

5

بلاشبہ ایزد منان کی یہ بہت بڑی گرانقدر نعمت تھی کہ قرآن جیسے مقدس زیور کی پاسبانی مسلمانوں کے حوالہ کی گئی۔ اس تفوق و امتیاز پر مسلمان، خدا کے جسقدر بھی منت پذیر ہوں، عہدہ برآ نہیں ہوسکتے، اقوام کی آنکھیں چشم براہ تھیں، عہد عتیق کی مواعید میں اسکا تذکرہ کیا گیا تھا، اسکے لئے قیسوں نے دعائیں مانگی تھیں۔ رہبانوں نے گھٹنوں کے بل سالہا سال درخواستیں کی تھیں، طبقۃً بعد طبقۃٍ اسی کا انتظار تھا، جب کبھی گمراہیوں کے مظاہر نے آسمانی تعلیم کے متبعین کو ایذائیں پہونچائیں ہیں، تو انھوں نے خدا کی اسی نعمت کو یاد کر کے اپنے دُکھے ہوئے دلوں کو تسلّی دی تھی۔

وکانوا من قبل یستفتحون علے الذین کفروا۔	(اور یہود نصاری قرآن اور داعی قرآن) کے ذریعہ سے کفاروں پر فتح طلب کرتے تھے قبل بعثت کے۔

پھر کیا مسلمان اسکو فراموش کر سکتے ہیں، کہ خدا نے سب سے الگ ہوکر نظر انتخاب جن پر ڈالی وہ یہی تھے، جس رحمت الٰہیہ کی بدولت، قدرت دنیا کی اخری گھڑیوں میں کسی قوم کو تمام عالم پر امتیاز بخشنے والی تھی، وہ یہی قرار پائے۔

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا منھم یتلو علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔	خدا نے ایمان والوں پر احسان کیا کہ انمیں سے ایک رسول مبعوث فرمایا۔ جو ان پر ایات پڑھتا اور انہیں پاک کرتا۔ اور کتاب و حکمۃ سکھاتا ہے۔

لیکن ساتھ ہی اسکے قابل صد ستایش و تحسین ہے وہ قوم جسکا نام ابراہیم علیہ السّلام نے "مسلم" رکھا تھا۔ ھو سمّٰکم المسلمین من قبل کہ اسنے اپنے شیوہ رضا و تسلیم کو بھی آخری مدارج تک پہونچا چھوڑا، بیشک قرآن خدا کی آخری کتاب تھی، محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خدا کے آخری پیغمبر تھے، اور یہ جو کچھ تھا، خدا کی آخری نعمت اور سب سے پچھلا انعام تھا، مسلمانوں نے بھی، قرآن کے تھامنے میں، جیسی کوشش صرف کی، وہ بھی دنیا کی آخری کوشش، اور انتہائی جدوجہد کا وہ اعلیٰ نمونہ ہے، جسکی نظیر اقوام عالم کے کسی دور میں تم تلاش کروگے، اور نہ پاؤگے،

ذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔

غور کرو! ایسی پہلی کتنی قومیں گذریں، جن سے خدا نے اپنا رشتہ جوڑا، کتنی نسلیں تھیں، جن پر خدا نے مہربانی کی، الطاف و انعام کے ان پر بادل برسائے انہیں چن کر بنی آدم کی سرداری عطا فرمائی امین سمجھکر اپنی کتاب سپرد کی، الغرض وہ سب کچھ کیا، جو ہر ایک مختار اور مجتبیٰ قوم کیساتھ خدا ہمیشہ کرتا رہا ہے۔

مگر انصاف کرو! آج خدا کے دائرۂ حکومت میں کتنی قومیں ہیں، جنھوں نے اپنے الٰہی ربط کو کار طغیان و سرکشی سے کاٹا نہیں، نوامیس الٰہیہ کی توہین نہیں کی؟ طواغیت و اوثان کے جنود بنکر نہایت بےشرمی کیساتھ شعائر ربانیہ کی بیحرمتی نہیں کی؟ یزدانی طاقتوں کا مقابلہ نہیں کیا؟ اہواء و شہوات کے اتباع میں مخبوط ہوکر فرامین سماویہ کو اپنے اختراعی تاویلات کی گھوڑوں کی جولانگاہ نہ بنایا؟ انکی ٹاپوں سے خدا کے احکام کو کچلا نہیں؟ اور اب کون ہے جسکی کتاب آسمانی تحریفات انسانیہ کے دستبرد سے بچی ہوئی ہے؟ قرآن اور حملۃ القرآن کے علاوہ میں کہتا ہوں کہ ان قوموں نے سب کچھ کیا، اور آج ان میں ایک سانس لینے والا جسم نہیں، جسکے متعلق صحیح طور پر کہا جاسکتا ہے، کہ وہ پرانے مواعید الٰہیہ پر قائم ہے، بیشک ان قوموں نے ایات اللہ کی تکذیب کی، اور اپنے نفسوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے ہیں۔

يحسبون انهم يحسنون صنعا۔ | اور سمجھتے یوں ہیں کہ ہم اچھا کر رہے ہیں۔

انہیں جانے دو جن پر عدم کا دھارا چل گیا، اور جو نیستی کے جنگلوں میں گم ہوگئیں تھوڑی سی دیر کے لئے ان قوموں پر ایک سرسری نظر ڈالجاؤ! جو اپنی زندگی کے مدعی ہیں، اور جو اپنے اسلاف کی طرح زبان قال سے نہ سہی پر زبان حال سے نحن ابناء الله واحباءه کے نعرے لگا رہی ہیں میں تمہیں استقصاء کرنے کیلئے نہیں کہتا، صرف یہود و نصاریٰ جنکے ساتھ الٰہی تعلق کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے اور اسی طرح اس پرانے مذہب کے پیروؤں ہندوؤں کو بھی لو، اور دیکھو! کہ

خدا کے احکام کی ان قوموں نے کیا توقیر کی؟ اور آج اسکا برتاؤ اسکے ساتھ کیا ہے؟ توریت یہود کو عطا کیا گیا تھا، اور انجیل نصاریٰ کو لیکن سنو! اسی قوم کے بطارقہ آج کیا کہہ رہے ہیں، اور کس ذنب عظیم کے اعتراف میں وہ مجبور ہیں۔

"پادری والش کہتے ہیں کہ اسقوف ٹیلر کا قول ہے کہ انگلستان میں ایسا ایک بھی فاضل نہیں جو توریت وانجیل کے الہامی ہونیکا قائل ہو۔ از رسالہ قربت الٰہی مطبوعہ ۱۸۶۹ء علمار رومن کاتھولک توریت انجیل کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ انکا کلام الٰہی ہونا ثابت نہیں ہوتا اور پھر ان میں کے اکثر اجزا گم ہوگئے اور اور جو اجزا باقی ہیں اُن میں حد سے زیادہ غلطیاں بھری ہوئی ہیں (از مرأۃ الصدق مؤلفہ پادری بیدلی) بارن صاحب اپنی تفسیر میں توریت وانجیل کی مختلف عبارتوں کا ذکر لکھتے ہیں کہ دو یا زیادہ مختلف عبارتوں میں فقط ایک عبارت صحیح ہوسکتی ہے باقی خواہ تو دیدہ دانستہ تبدیل کی گئی ہونگی یا وہ نقل کرنے والونکی غلطیاں ہونگی پھر وہ اس اختلاف کے چار سبب لکھتے ہیں۔ اوّل لکھنے والے کی غفلت یا غلطی۔ دوسرے جن نسخوں سے نقل کی گئی ہو اُنکا غلط یا ناقص ہونا تیسرے نقل کرنیوالے کا بلا معتبر سند کے اصل عبارت میں اصلاح دینا۔ چوتھے دیدہ ودانستہ کسی خاص فریق کی تائید کے لئے عبارت کا بگاڑ دینا انتہیٰ۔ اور یہی مضمون اور بہت علمار نصارا نے بھی اپنی تفسیروں میں لکھا ہے بہرحال باقرار جمہور علمار نصارا تحریف ثابت ہے۔"

فاعترفوا بذنبهم فسحقا لاصحاب السعير | اپنے قصور کا انہوں نے اعتراف کرلیا۔ پس اُنہوں کے لئے دوری ہے

اسکے بعد اس فرتوت قوم کا حال سنو! جو ایک پرانی دقیانوسی کتاب وید کو ہاتھ میں لیکر اسپر هذا من عند الله کی قلعی پھیرتی ہے۔ اور نہایت مستہزآنہ جرأت کیساتھ چاہتی ہے کہ اس عصر جدید کی روحانی تاریکیوں، اور مذہبی اندھیریوں، میں اسے چمکائے، اگرچہ یہ مسلم ہے کہ ماد عاء الكافرين الا فی ضلل کے علاوہ اس کی قسمت میں اور کچھ نہیں، تاہم ایک سکینڈ کیلئے تسلیم کرلو! کہ وید خدا کی کتاب ہے پر یہ کسقدر مضحکہ خیز ہے کہ کہاں ہنود دیدہ دلیری کے ساتھ علیٰ رؤس الاشہاد دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ یہ وحی آسمانی ہے، وید اربعہ کا منبع وجد حقہ الہیہ ہے پھر جب پوچھنے والا پوچھتا ہے، کہ خدا نے کس کے ذریعہ سے ان کتابوں کو عالم پر نازل فرمایا تھا؟ وہ کون تھا؟ جس نے تمہیں بتایا کہ خدا نے مجھے یہ کتابیں دی ہیں۔

تو ایک گروہ دوسرے کا منہ تکنے لگتا ہے۔ اور غایت مدہوشی میں سناتن دھرمی۔ برہماجی کا نام لیکر چاہتے ہیں۔ کہ پوچھنے والے کی تسلی کر دیں۔ کہ یکایک دوسری طرف سے دیانند جی مہاراج کی بافیدہ تخیلات پر ایمان لانیوالونکا ایک گروہ نمودار ہوتا ہے، جو اس طائفہ کی تکذیب کر بیٹھتا ہے اور آپ کرسی تحقیق پر جلوہ فرما ہو کر کہتا ہے۔

"کہ یہ پُرانوں کی غلطی تھی کہ انہوں نے برہماجی کو وید کا داعی وملہم قرار دیا، نہیں بلکہ تحقیق یہ ہے کہ اوم نے اگنی سے رگ وید وایو سے یجور وید سوریہ سے سام وید پیدا کیا، اور اتھرب کو انگرا کے ذریعہ سے ہم تک پہونچایا۔"

اس موقعہ پر ہمیں اس سے بحث نہیں، کہ احد الفریقین میں سے حق کسکی جانب ہے، بلکہ دکھانا صرف اسقدر ہے، کہ اگر وید واقعی کوئی آسمانی کتاب تھی، تو ہندوستانی سپوتوں کا اسکے ساتھ کتنا بڑا ظلم ہوا ہے، کہ اسکی تعلیم و احکام سے جو نکلتا ہے وہ تو درکنار، غضب یہ ہے کہ وہ اتنے جاہل ہو گئے، انہیں اسکی بھی خبر نہیں کہ واقع میں اسکا ملہم کون تھا؟ مذہبی سرد مہریاں کس مذہب میں رونما نہیں ہوتیں پر یہ بھی کیا جہل و مدہوشی ہے، کہ اسی مذہب کا اپنے کو پابند کہتے، اسکی منادیوں کی تقدیس پہ ایمان رکھتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ وہ کون تھے؟ کہاں پیدا ہوئے؟ کیسے تھے؟ یہود و نصاریٰ نے بھی تورات و انجیل کی توہین و تخریب کی، تحریفات، و تغلیطات کا نشانہ اسے بنایا سب کچھ کیا، لیکن انہوں نے یہ نہیں کیا، کہ اپنے پیغمبر کا نام ہی بھلا دیا ہو۔ ان میں انکے رسولوں کے نام تک مختلف فیہ ہوں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی قوم کی دنیا طلبی، سرشاری اگر ہوگی بھی تو اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون۔

اور صرف یہی نہیں، مغربی محققین السنہ کی کتابیں اٹھا کر دیکھو! تم پڑھو گے کہ جس طرح وید کے ملہموں کا پتہ نہیں، اسی طرح اسکا پتہ بھی بخوبی نہیں چلتا، کہ چاروں وید کی زبان ایا ایک تھی یا الگ الگ کہا گیا ہے کہ قدیماً و حدیثاً یہ مسئلہ تاریخ وید میں نہایت معرکۃ الآرا سمجھا گیا ہے۔ ادر حال کے محققین مثل پروفیسر میکس مولر وغیرہ نے اس فیصلہ پر آکر بحث ختم کر دی ہے۔ کہ ہر وید کی زبان الگ تھی۔

یہ فیصلہ انکا کہانتک پایہ تحقیق کو پہونچا ہوا ہے، الگ بات ہے، میری غرض تو صرف اسقدر ہے حاملان وید کی غفلت اور بھی شدید ہو جاتی ہے۔ جبکہ موجودہ کتاب جسے وہ اپنا راہنما سمجھتے ہیں

اسکی زبان پر جہالت کا ایسا غلیظ پردہ پڑا ہوا ہے کہ محققین کی عقلیں بھی پریشان ہیں۔

فطال علیہم الامد فقست قلوبھم وکثیر منھم فاسقون۔ | ان پر زمانہ گذر گیا، اسلئے دل سخت ہوگئے اکثر ان میں فاسق ہیں۔

پھر غضب بالائے غضب تو دیکھو! کہ وید کے ملہموں کو دریائے خمول میں غرق کر کے، اسکی زبان پر نسیان کی بادصرصر چلا کر، اب تک یہ طے نہیں پایا، کہ ایا وید تین ہیں، یا چار کیونکہ اکثر کتب عتیقہ سنسکرتیہ میں صرف تین ویدوں کا تذکرہ ہے۔

اتھرب وید، اور اسکے ملہم کے ناموں سے انکے صفحات معرا نظر آتے ہیں حتی کہ دیانند جی نے جو سٹ پتھ برہمن کے حوالہ سے عبارت نقل کی ہے اس میں ہے۔

"اگنی سے رگ وید ایو سے یجور وید سورج سے سام وید"

اس میں بھی وہ اتھرب کا پتہ نہیں دیتے۔

پھر عام اہل ہند اور جدید گروہ آریہ آپس میں اس مسئلہ پر زور آزمائیاں کر رہے ہیں۔ کہ بھاگ ایا وید کا جز ہے یا نہیں، قدیم ہندو مصر ہیں، کہ کیوں نہیں؟ بیشک وہ پرمیشور کے یاں سے ہے اور جدید فرقہ آریہ نہایت بلند آہنگی سے اس دعویٰ کا ٹھٹا اڑاتا ہے۔ اور اسے ابھی مصنفین پران کی منگھڑت تخیلات میں شامل کرتا ہے۔

یہ ہے ان جہالتوں اور تاریکیوں کا ادنیٰ نمونہ جو عہد ماضی کے مذہبی اور آسمانی کتابوں پر محیط ہے، پھر کسقدر ظلم ہے بنی آدم پر، کہ باوجود، اس بے اعتباری اور حد درجہ کی کمزوری کے چند نفس کی غفلت میں الجھی ہوئی روحیں، ایسے حق و باطل، جھوٹ، سچ سے مخلوط قانون کی طرف اہل عالم کو دعوت دے رہے ہیں، حالانکہ اگر ٹھنڈے دل سے وہ خود سوچیں، تو ایسے ناقابل اعتبار احکام کی خود اپنے لئے پابندی جائز قرار نہیں دیسکتے اور کون دیسکتا ہے؟ جبکہ اہل انجیل کو اپنی غلطیوں، دستبردوں، تعدیوں کا خود اعتراف ہے تو کیا پھر یہی انصاف ہے، کہ یہ جانکر کہ انجیل اب خدا کی خالص کتاب نرہی، بلکہ وہ مجموعہ ہے کچھ آسمانی احکام اور کچھ انسانی خود غرضیوں کا، لیکن صرف اس لئے کہ میرا شیرازہ قومی بکھرنے نہ پائے، اپنے امانت قلبیہ کے خلاف کہتے ہیں، کہ یہ خدا کی جانب سے ہی۔ اور اپنی دعوت کیساتھ درہم و دنانیر کی بارش برسا کر

قصداً خلق اللہ کو جہنم کی طرف بھگایا جارہا ہے اور آہ! کتنے ہی زندہ انسان ہیں، جو ان بکاؤلوں کے دام میں پھنس کر اپنے مالک سے الگ ہو رہے ہیں۔ بئس ما اشتروا الضلالۃ بالھدیٰ اے منادیان مذہب رحم! رحم! بے سمجھی سے اگر تمنے ایسا کیا ہوتا تو الزام اسقدر قوی نہ ہوتا، سمجھ کر یہ کیا کر رہے ہو۔ کہاں جارہے ہو۔ قاتلھم اللہ انی یوفکون۔ اسی طرح بیچارہ وہ مذہب کس کیونکر قابل تعول، و اعتماد ہو سکتا ہے۔ جسکے متبعین میں ابتک یہ مسئلہ طے نہیں پایا، کہ اسکا لانیوالا کون ہے؟ کس زبان میں لایا؟ کسقدر لایا؟ اگر ہدایت، و رشد، کی کوئی روشن سڑک نہوتی، خدا اپنے بندوں کے لئے کسی مامون، و مصئون، دستور العمل کو نازل نہیں فرماتا، تو خیر تم ان ہی ملے جلے دساتیر پارینہ کو غنیمت جانکر محور عمل قرار دیتے،

پر جب کہ خدا اپنی مبین اور کھلی کتاب اُتار چکا ہے، اور خود اِسکی نگرانی کا ذمہ وار ہے اور آج تیرہ سو برس گذرنے کے بعد بھی دنیا دیکھ رہی ہے کہ اسکے کسی نقطے میں بھی تغیر و تبدل راہ نہ پا سکا بلکہ وہ اسی طرح محفوظ ہے، جیسا کہ وہ نازل ہوئی تھی، تو اسوقت ان مسوخہ کتابوں کی رواج دینے کی کوشش، حد درجہ کی بے ایمانی، بلکہ خدا سے جنگ کرنے کی مرادف ہے۔ جسکے خمیازے کے لئے ان پرستاران ہوا کو منتظر رہنا چاہئے۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ایک دن آنیوالا ہے اسوقت معلوم ہوگا کہ من ہو فی ضلل مبین،،

یہ چند کھلے ہوئے مختصر ملاحظات ہیں جس سے، ایک عقلمند بہت بڑے وقیع نتائج پیدا کر سکتا ہے میں اس موقعہ پر موازنہ کرنے کے لئے اسیقدر کافی سمجھتا ہوں، اب اس اجمالی نقشے کو اپنے سامنے رکھ لو۔ اور ادھر آؤ! غور کرو!

کہ صحراء عرب کے ریگزاروں، اُجڑی وادیوں، پتھریلی زمینوں، میں ایک وحشی قوم بستی ہے جس نے گرمی سے بچنے، بارش سے محفوظ رہنے کے لئے، اپنے اوپر کسی فلک نما کنگرے کی سنگین عمارت قائم نہیں کی ہے۔ بلکہ حجاز کی دماغ سوز تپش نے جب اسے تلملا دیا ہے، تو بدقت بھیڑ کی چند مشت صوف، سے اسنے اپنے اہل بیت پر ایک خیمہ تان لیا ہے، اسکی تعمیری مرتبہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ جب اسکی مذہبی عمارت قومی چندوں سے بنی ہے تو دیکھا گیا تھا

کہ چند کھجور کی شاخیں اسکی چھت کا کام دے رہی تھیں۔

عن ابن عمر ان المسجد کان علی عهد رسول الله صلی الله وسلم نبیانا باللبن و مسقفة بالجرید وعمده خشب النخل۔ (بخاری)

ابن عمر فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کچی اینٹوں کی دیوار اور کھجور کی شاخوں سے مسقف تھے اور کھمبے اسکے کھجور کے تنوں کے تھے۔

اسنے اپنے سب سے بڑے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے جو مسجد بنائی تھی اس کا حال یہ تھا کہ جب بارش ہوتی تو حضور کی جبین انور کیچڑ سے بھر جاتی، بخاری میں ہے۔

وکان المسجد علی عریش فوکف المسجد فبصرت عینای رسول الله صلی الله وسلم وعلی جبهته اثر الماء والطین۔ (بخاری)

مسجد کی چھت ایک چھپر کی مانند تھی تو وہ ٹپکا میری آنکھوں نے دیکھا کہ آپکی پیشانی پر مٹی اور کیچڑ کا اثر موجود تھا۔

وہ ایک فاقہ مست، بھوکی قوم ہے، اگر تم ان کی فاقہ مستیوں کی داستان سننا چاہتے ہو۔ تو خود ان کی زبانی سنو!

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آخر میں امام المحدثین ہوئے۔ اپنا حال بیان فرماتے ہیں۔

لقد رایتنی انی لاخر فیما بین منبر رسول الله صلی الله وعلیه وسلم و حجرة عائشة مغشیا علی فیجی الجائی فیضع رجله علی عنقی یری ان بی الجنون و ما بی الجنون ان هو الا الجوع (رواہ الترمذی)

میں نے اپنے آپ کو دیکھا درمیان منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہ بیہوش ہوکر گر گیا ہوں آنیوالے آتے، اور میری گردن پر پاؤں رکھتے گمان کرتے کہ اسکو جنون ہے اور مجھے جنون نہ تھا وہ صرف بھوک تھی،

اور وہ تو خیر اسکے جسمانی و روحانی بادشاہوں کا حال یہہ تھا، جیسے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں۔

لقد رایت نبینا صلی الله علیه وسلم رفعنا عن بطوننا عن حجر حجر فرفع رسول الله صلی الله علیه وسلم عن حجرین۔ (رواہ الترمذی)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب ہم اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھا کر ایک ایک پتھر بندھا ہوا دکھاتے تو آپ دو پتھر شکم مبارک پر بندھے ہوئے دکھلاتے۔

اگر اسے کھانا ملتا بھی تھا، تو اسکا حال سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے سننا بہتر ہے۔

عن سعد لقد رئیتنی اغزو فی العصابۃ من اصحاب النبی صلی اللہ وسلم ناکل الورق والحبلۃ حتی ان احدنا یضع کما تضع الشاۃ (رواہ الترمذی)

میں نے اپنے کو بحالت غزوہ ایک جماعۃ میں صحابہ کے دیکھا کہ کھاتے ہم پتے، اور حبلہ (پھل ہے مثل لوبیا کے) یہاں تک (پاخانہ) پھرتے جیسا کہ بکریاں پھرتی ہیں (یعنی مینگنی)

اسکے دسترخوانوں پر نہ کبھی پراٹھے چنے گئے، نہ کباب کی سیخیں آتی تھیں، نہ خوشبو چاولوں کی بریانیاں (کھانا تو کہانا) دیکھنا تک نصیب نہوا، بلکہ جو غذا میسر آتی تھی، وہ جو کی وہ روٹیاں ہوتیں، جنکی بھوسی چھلنیوں سے نکالی نہیں جاتی تھی، حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

ما رئی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم النقی حتی لقی اللہ قال وما کان لنا مناخیل، قیل کیف کنتم تصنعون بالشعیر قال کنا ننفخہ فیطیر منہ ماطار ثم نثریہ فنعجنہ۔ (رواہ الترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسوقت تک جب کہ خدا سے جا ملے، میدا کبھی نہیں دیکھا اور ہمارے پاس چھلنیاں کب تھیں، کہا گیا کہ تو جو کیساتھ کیا کرتے۔ بولے۔ کہ اسے پھوکتے، جسقدر اُڑنا ہوتا اُڑ جاتا پھر اس میں پانی ڈالکر خمیر کر لیتے،

یہ چند مشہور واقعات ہیں، جس سے ایک مبصر اندازہ لگا سکتا ہے، کہ اس بھوکی قوم کی جسمانی حالت کس درجہ ردی کیسی خراب ہوگی، بخاری میں ہے کہ صحابہ نماز پڑھتے کہ یکایک بھوک ان پر غالب آجاتی۔ اور کھڑے کھڑے گر جاتے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

عن فضالۃ بن عبید ان رسول اللہ صلے اللہ کان اذا صلے بالناس یخر رجال من قامتھم فی الصلوۃ من الخصاصۃ۔

فضالہ بن عبید فرماتے ہیں کہ حضور لوگوں کے ساتھ ساتھ نماز پڑھتے کہ چند آدمی کھڑے کھڑے گر جاتے بھوک سے۔

اسی طرح انکی اخلاقی، روحانی حالات جاہلیۃ کی جو کیفیت تھی وہ مسئلہ واد (زندہ در گور کردن) بیٹے کا باپ کی منکوحہ سے بیاہ کر لینا۔ زانیہ عورتوں کا اپنے مکانوں پر پھریرا اڑانا وغیرہ سے واضح ہو سکتا ہے۔

(باقی آیندہ)

(۴) عبدیت ایک نسبت ہے جو عبد اور معبود کے درمیان ہوتی ہے۔ اور اُسکا حاصل یہ ہے کہ عبد کو معبود کے ساتھ تعلق خاص ہو۔ اور وہ ہر آن ہر حال اپنے کو عبد و مخلوق اور اُسکو معبود و خالق سمجھے اعطاؤ منع۔ اعدام و ایجاد۔ نفع ضرر کا مالک و مختار اُسی کو جانے۔ اور اسی وجہ سے مقام عبدیت کو قایم رکھنے کیلئے بندی کیلئے خوف و رجا میں رہنا لازمی امر ہے۔ بندہ اگر اپنے آپ کو مستقل و مستغنی سمجھنے لگے تب بھی بندگی سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور اُسکی طرف سے بالکل مایوس و ناامید ہو جائے اور کسی قسم کی توقع اُس سے نہ رکھے تب بھی۔

جب یہ امور ممہد ہو چکے تو اب سنئے کہ خدا تعالیٰ نے عالم کو پیدا کر کے اُن کیلئے سلسلہ اسباب بھی پیدا فرما دیا ہے۔ اور اُن کو حکم دیدیا ہے کہ تم ان اسباب کے ذریعہ سے اپنے مقاصد کی جستجو کیا کرو لیکن ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا ہے کہ کسی حال ہمکو نہ بھولو۔ اسباب سے کام لیتے وقت بھی ہمیں کو فاعل مختار سمجھو۔ اور یہ بھی نہ کرو کہ ان اسباب کو بالکل ترک کر دو۔ اور ہمارے قایم کردہ سلسلہ کو لغو و بیکار سمجھو محض ہماری قدرت و اختیار پر بھروسہ کر کے اپاہج بنے بیٹھے رہو۔ اور ظاہر ہے کہ دونوں باتونکا سنبھالنا مشکل ہے۔ ۲۵

جب ہم دیکھتے ہیں کہ اسباب کے ذریعہ سے ہماری مدعا براری ہوتی ہے۔ کھیتی کرتے ہیں تو غلہ پیدا ہوتا ہے۔ دوا کرتے ہیں تو صحت ہوتی ہے تحصیل علم کرتے ہیں تو عالم بنجاتے ہیں اینٹ چونہ فراہم کرتے۔ اور فن انجنیری و معماری کا لحاظ کر کے تعمیر کرتے ہیں تو مکان بنتا ہے۔ پیادہ۔ یا گاڑی گھوڑے ریل پر سفر کرتے ہیں تو منزل مقصود پر پہونچتے ہیں اور پھر جیسے اسباب ہوتے ہیں۔ ویسے ہی نتایج بھی ظہور پذیر ہوتے ہیں بیج کو ڈالکر اگر سینچتے اور کھاد بھی ڈالتے ہیں تو غلہ زیادہ پیدا ہوتا ہے اور اگر محض بارش کے بھروسہ پر چھوڑ دیا جاتا ہے تو کبھی پیدا ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا۔ ریل میں سوار ہوتے ہیں تو جلد پہونچتے ہیں۔ گھوڑے پر جاتے ہیں تو بہت دیر میں وعلی ہذا اور پھر انسان کا حال یہ ہے کہ اُسکی عقل و ادراک محسوسات سے آگے قدم نہیں رکھتی۔ تو ایسی حالت میں بالکل ممکن ہی نہیں بلکہ مشاہد ہے کہ آدمی ان اسباب پر ایسا مغرور ہو جائے کہ اُسکو بھول کر بھی کبھی خالق و مالک اور مسبب الاسباب کا دھیان بھی دل میں نہ آئے۔ عالم میں خدا کے وجود سے جتنی قومیں منکر ہوئی ہیں وہ انہیں اسباب پر مغرور ہو کر ہوئی ہیں۔

اور جب ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے خدا کے اختیار و مشیت سے ہوتا ہے۔

لا تتحرك ذرة الا باذنه | ایک ذرہ بھی بغیر اسکی اجازت کے حرکت نہیں کرسکتا۔

اور انسان میں صفات محمودہ کے ساتھ ملکات مذمومہ وغیر پسندیدہ بھی خلقتاً ودیعۃ رکھی گئے ہیں تو ایسی حالت میں وہ اسباب اور ذرایع کسب کو چھوڑ بیٹھنے پر امادہ ہوجاتا۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اسباب کچھ نہیں کر سکتے۔ جو کچھ کرتا ہے مسبب الاسباب کرتا ہے۔ ہمکو اس چپقلش اور تک ودو میں پڑنے سے کیا فائدہ۔ جسکا نتیجہ ایک جانب تو یہ ہوگا کہ خداوند عالم کو نظام عالم سے جو مقصود ہے وہ فوت ہوجائیگا۔ دوسری جانب انسان کی کاہلی و سستی یہانتک بڑھجائیگی کہ وہ ادائے فرائض وحقوق خداوندی سے بھی غافل ہوجائیگا۔ اور وہاں بھی اس قاعدہ کو جاری کریگا کہ یہ اسباب ذریعہ نجات ضرور ہیں، مگر نجات دینے والا قادر مطلق ومختار ہے۔ اسباب کیا کر سکتے ہیں۔

اس مشکل حالت کو سنبھالنے اور توازن کو قایم رکھنے کیلئے مخلوق کو مقام عبدیۃ پر قایم رہنے کی تعلیم دی ہے۔ کہ جب اسباب کے ذریعہ سے کسب کرو تو اسباب پر اعتماد نہ کرو اور ان اسباب میں بھی ہمیں ہی فاعل سمجھو صحت کیلئے دوا کرو تو شافی خدا کو سمجھو دوا کو موثر حقیقی سمجھکر اسپر اعتماد نکرو ۲۶
اور یہ بھی نہ کرو کہ جن امور کا وجود بغیر اسباب کے نہیں ہوتا۔ گو باعتبار قدرت خداوندی ممکن ہو خدا کی قدرت پر اعتماد کر کے اسباب کو ترک کر بیٹھو۔ جس طرح اسباب کو موثر حقیقی سمجھکر انپر اعتماد کر لینا اور خدا اور اسکی قدرت واختیار کو درمیان سے نکال ڈالنا شرک ہے۔ جیسے کہ آجکل کے دہریئے و فلسفیوں کا خیال ہے۔ ایسے ہی اسباب کو بالکل لغو اور بیکار سمجھکر معطل بن بیٹھنا بھی حرام ہے۔ روٹی سامنے رکھی ہو۔ بھوک بھی لگ رہی ہو۔ لیکن یہ سمجھکر کہ خدا اپنی قدرت سے روٹی پیٹ میں ڈال سکتا ہے۔ لقمہ نہ توڑے اور بھوکا مرجائے تو شریعت میں یہ موت حرام کی موت ہے۔ وہ شخص عاصی گنہ گار ہے ایسے ہی کسی شخص کے پاس سردی وگرمی سے محفوظ رہنے کیلئے کوئی ٹھکانہ نہیں ہے اور اس کے پاس تعمیر مکان کی استطاعت ہے۔ یا کرایہ پر مکان لیکر رہ سکتا ہے۔ مگر وہ نہ مکان لیتا ہے۔ نہ باوجود استطاعت کے تعمیر کرتا ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو قدرت ہے وہ مکان بنا دیگا۔ اور اسطرح باوجود اپنی حفاظت کے اسباب موجود ہونیکے تکلیف اٹھا کر جان دیدے تو یہ بھی حرام ہے۔

جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سنئے کہ دعا کی تعلیم جو خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دی ہے اس سے بھی

مقصود مقام عبدیت پر قایم رکھنا ہے۔ آدمی جب کسب میں مشغول ہوتا ہے اور اسباب کو ذریعہ حصول مقاصد سمجھکر اُنمیں مشغول ہوتا ہے تو ضرورت ہے کہ ایسی حالت میں اپنا تعلق خدا کے ساتھ قایم رکھے۔ دعا سے اُس تعلق کا اظہار ہوتا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ گو وہ سب کچھ باختیار خود کر رہا ہی مگر دل سے یہی سمجھتا ہی کہ میرے کرنے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اسباب ہرگز مجھکو منزل مقصود تک نہیں پہونچا سکتے۔ موثر حقیقی صرف حق تعالیٰ ہے۔ اور زبان سے بھی اُسکا اقرار کرتا ہے۔ اور یہی دعا ہے لیکن ایسے امور کیلئے دعا کرنا جو بغیر کسب کے حاصل نہیں ہوتے جیسے روٹی سامنے رکھے ہوے بغیر لقمہ توڑے یہ دعا کرنا کہ الٰہی میرا پیٹ بھر دے اُس دوسری شق میں داخل ہو گا جسکی ممانعت ہے۔

ہمارے اس بیان سے خوب ظاہر ہو گیا۔ کہ دعا کی تعلیم اس حکمت بالغہ پر مبنی ہے۔ اور یہ وہ حکمت ہے جسکے فہم و ادراک سے دہری و فلسفی محروم ہیں۔ شعر

چند خوانی حکمت یونانیاں حکمت ایمانیاں را ہم بخواں

اس موقعہ پر کوئی شخص توکل کی بحث کو پیش نہ کرے کہ مسلمانوں کے مذہب میں توکل نہایت محمود امر ہے اُن کو توکل کی تعلیم دی گئی ہے اور توکل ترک اسباب وقطع ذرائع کا نام ہے۔ کیونکہ توکل کی حقیقت معلوم ہونیکے بعد کوئی خلجان باقی نہیں رہ سکتا۔ مگر چونکہ یہ موقع توکل کے بیان کا نہیں ہی اسلیئے ہم زیادہ بیان کرنا نہیں چاہتے۔ اسکے متعلق اسی سلسلہ تعلیمات اسلام میں مستقل رسالہ لکھیں گے ہاں اتنا اشارہ کر دینا کافی ہے کہ توکل بھی اُن امور میں جاری ہوتا ہے جنمیں دعا کی اجازت یا حکم ہے۔ کھانا سامنے ہونیکے باوصف توکل کر کے بیٹھ رہنا۔ اور لقمہ مونہہ تک نہ لیجانا ہرگز توکل نہیں ہے۔ علیٰ ہذا تحصیل علم کی طرف مایل نہونا۔ اور توکل کر کے بیٹھ رہنا کہ خدا کو منظور ہو گا تو عالم ہو جائیں گے توکل میں داخل نہیں۔ باوجود استطاعت کے تعمیر نہ کرنا اور یہ سمجھ لینا کہ اُسکو منظور ہو گا تو خود بخود بنجائیگا توکل نہیں ہے۔ ۲۷

ہمیں امید ہے کہ ہماری تقریر مذکورہ بالا کے بعد کسی شبہ کی گنجایش نرہیگی۔ واللہ الموفق۔

اسلامی اصول کے موافق دعا، واجابت دعا، کے انکار پر تین دلائل بیان کیئے گئے ہیں جنمیں اول کا حاصل تو یہ ہے کہ جب خدا کا علم قدیم ہے۔ اور خلاف علم خداوندی عالم میں کچھ نہیں ہو سکتا تو دعا کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اگر مقصود بالدعا، موافق علم خداوندی ہے تو ہو کر رہے گا دعا کا

کیا اثر ہے۔ مخالف علم ہے تو ہر گز نہوگا دعا سے کیا فائدہ۔ اور دوسرے کا حاصل یہ ہے کہ تقدیر کے خلاف دعا سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ پھر دعا کا کیا نتیجہ اور کیا فائدہ۔ تیسری کا حاصل یہ ہے کہ مطلوب بالدعا مصلحت عبد کے موافق ہے تو بلا دعا بھی خدا اُسکو کریگا۔ خلاف مصلحت ہے تو ایسی دعا جائز نہیں ہے۔

ہم اس موقع پر تینونکا جواب عرض کرنا چاہتے ہیں۔ مگر دلیل اول و دویم کا حاصل ایک ہی ہے فرق صرف اتنا کہ اول میں مدار دلیل علم خداوندی ہے۔ اور دوسری میں تقدیر۔ اسلامی فرقوں میں جو فرقہ تقدیر کا منکر ہے اسپر تو اول دلیل سے اعتراض وارد ہو سکتا ہے اور جو تقدیر کے قائل ہیں انپر دونوں تقریروں سے اعتراض وارد ہوگا۔ مگر چونکہ خلاصہ جواب کا ایک ہی ہے اسلئے دونوں کا جواب ایک ہی جگہ دیا جاتا ہے۔

ہم کہتے ہیں۔ یہ بیشک تسلیم کہ خدا تعالیٰ کا علم قدیم۔ اور خلاف معلوم خداوند عالم کسی امر کا وقوع وظہور ناممکن۔ لیکن اس سے دعا کا ابطال لازم نہیں آتا۔ اول تو ہمکو خدا تعالیٰ کے علم کا
حال معلوم نہیں۔ کسی ایک واقعہ کی نسبت بھی ہم یہ نہیں بتلا سکتے کہ خدا تعالیٰ کا علم کیا ہے اور ۲۸
جب ہمکو یہ معلوم نہیں کہ خداوند عالم کا علم کیا ہے۔ تو یہ بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ مطلوب بالدعا موافق علم خداوند عالم ہے۔ یا مخالف۔ اور دعا کا ہمکو حکم ہے۔ تو ہم کو محض اس پر اعتماد کرکے کہ خدا کے علم کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا۔ کیونکر ترک دعا کا ارتکاب جائز ہوگا۔

دویم یہ کہ علم خداوندی میں اگر یہی ہے کہ وہ دعا کریگا اور اُسکا مقصود حاصل ہوگا تو ایسی حالت میں بوجہ اسکے کہ خلاف علم خداوندی کوئی امر نہیں ہو سکتا۔ دعا کرنا واجب اور ترک دعا حرام ہوگا اور مطلوب بالدعا کا ترتب دعا پر سمجھا جائیگا۔

سویم یہ کہ اگر علم خداوندی پر اعتماد کرکے دعا کو ترک کر دینا اور غیر مفید سمجھنا ضروری ہے تو یہی دلیل تمام اسباب و مسببات میں چل سکتی ہے۔ بندہ کو کسی امر میں حرکت کرنا اور کسب و اکتساب میں مشغول ہونا غیر مفید ہوگا۔ مثلاً کہہ سکتے ہیں کہ کھیت میں بیج ڈالنا اور اُسکو پانی دینا غیر مفید ہے اسلئے کہ اگر خدا کے علم میں یہ ہے کہ غلہ پیدا ہوگا تو ہو کر رہیگا۔ یہ شخص بیج ڈالے یا نہ ڈالے پانی دے یا نہ دے۔ دعا کی کیا خصوصیت ہے۔ جو لوگ دعا کو جائز اور مفید کہتے ہیں وہ اُسکو مؤثر بھی

جانتے ہیں۔ پھر اگر باوجود اس امر کے تسلیم کر لینے کے کہ خدا کے علم قدیم کے خلاف کسی امر کا ظہور نہیں ہو سکتا کسب واکتساب اور مشغولی باسباب جائز ہے تو دعا کرنا بھی جائز ہے۔ اور اگر دعا کرنا ناجائز وغیر مفید ہے تو یہی حال اور امور کا ہے کوئی وجہ فرق نہیں ہے۔

یہی تینوں تقریریں بجنسہ اعتراض دویم کے جواب میں چل سکتی ہیں۔ بیشک خدا تعالیٰ نے عالم کو پیدا کرنے سے قبل تمام امور مقدر فرما دیئے ہیں۔ اور اُن کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اول تو ہمکو علم نہیں کہ کسی خاص معاملہ میں تقدیر خداوندی کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر مقدر یہی ہے کہ مطلوب بالدعا بعد دعا کے حاصل ہوگا تو دعا کرنا واجب و لازم ہوگا۔ سویم یہ کہ اگر کسی وجہ سے دعا کو ترک کر دینا چاہیئے تو تمام اسباب کا یہی حال ہوگا۔

تیسری دلیل کا جواب اوّل تو یہ ہے کہ مصلحت پر اعتماد کر کے دعا کو ترک کر دینا ایسا ہی ہے جیسا علم و تقدیر پر بھروسہ کر کے ترک کر دینا۔ دوسرے یہ کہ مصالح عباد بدلتے رہتے ہیں۔ ایک وقت میں کوئی بات خلاف مصلحت ہوتی ہے اور دوسرے وقت وہی بات مصلحت کے موافق ہو جاتی ہے
پھر کیا یہ ممکن نہیں کہ جو امر دعا سے قبل خلاف مصلحت تھا دعا کے بعد عین مصلحت بن جائے۔ ۲۹

ایک قوی اشکال اور اُس کا حل

تاثیر و اجابت دعا کو حق تسلیم کر لینے میں ابھی ایک قوی اشکال باقی ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ یہ تو تسلیم کر لیا گیا کہ خدا تعالیٰ نے عالم کے تمام حوادث و کائنات کو مقدر کر دیا ہے اور تقدیر مقدر کے خلاف کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ نہ تقدیر بدل سکتی ہے۔ نہ اُسکو کوئی رد کر سکتا ہے۔ لیکن ہم اہل اسلام کے عقاید میں جہاں دعا کو مفید اور موثر دیکھتے ہیں وہاں اُن کے اعتقادات میں یہ بھی نظر پڑتا ہے کہ دعا تقدیر کو ٹلا دیتی اور اُسکو بدل دیتی ہے۔ اور یہ دونوں عقیدے کسی طرح جمع نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے ایک ہی صحیح اور مطابق واقع ہو سکتا ہے۔ اگر تقدیر الٰہی نہیں بدلی جا سکتی تو عقیدہ ثانیہ یعنی دعا تقدیر کو ٹلا دیتی ہے یقیناً غلط ہے اور اگر یہ صحیح ہے کہ دعا تقدیر کو رد کر سکتی ہے تو عقیدہ اول غلط ہوا جاتا ہے۔ ان دونوں عقیدوں کا صحیح مان لینا ضدین و نقیضین کی صحت کو آن واحد میں تسلیم کر لینا ہے۔ اور خود اُن کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح موجود ہے۔

لا یرد القضاء الا الدعاء۔ | سوا دعا کے تقدیر کو کوئی چیز نہیں پلٹ سکتی۔

اگر فقط یہی کہتے کہ دعا تقدیر کے موافق ہو جاتی ہے جیسے یوں کہتے ہیں کہ تدبیر تقدیر کے موافق ہو گئی تو کچھ حرج نہ تھا۔ مگر وہ اسکے قایل ہیں کہ دعا تقدیر کو رد کر دیتی ہے۔ پھر اسمیں یہی نہیں کہ دونوں اعتقادوں کی صحت محال ہے۔ بلکہ تقدیر کے رد ہو جانے میں اور بہت سی خرابیاں سر رکھنی پڑتی ہیں۔ اُن کے بیشمار روایات میں ہے کہ تقدیر کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا۔

ادہر جب تقدیر کے خلاف ہوا تو علم خداوندی غلط ہوا۔ اور جہل لازم آیا۔ غرض اس اعتقاد کو مان کر کہ دعا، تقدیر کو رد کر دیتی ہے ایک قسم کی خرابی نہیں سیکڑوں خرابیاں سر رکھنی پڑتی ہیں بلکہ خدا کی خدائی سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ اور جس خدا کے وجود کو بڑی جد وجہد و عرق ریزی سے ثابت کیا تھا اُس سے بسہولت دست بردار ہو جاتے ہیں۔ رہا اُن کا یہ فرق کرنا کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مبرم جو کسی حال ٹل نہیں سکتی۔ دوسرے معلق جو ٹل جاتی ہے۔ اور دعا کی وجہ سے جو تقدیر ٹلتی ہے وہ معلق ہے مبرم نہیں۔ اور اُسکو صحیح مان لینے میں نہ اجتماع ضدین لازم آتا ہے اور نہ
۳۰ کوئی خرابی سر پڑتی ہے۔ بالکل بچوں کا کھیل اور عقل سے بالاتر ہے۔ یہ دل بہلانیکی باتیں اور نادانوں کو سمجھانے کے ڈھکوسلے ہیں جنکو واقعیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ وہ اشکال ہے جسکو دانایان زمانہ نہایت طمطراق کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور جس پر اُن کو فخر و ناز ہے لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مدعیان عقل و دانش جو اپنی عقل ناقص کے بھروسہ احکام الٰہی کی ترمیم و تنسیخ کیلئے آمادہ ہیں اور جو ہر حکم شرعی کو اپنی عقل کی میزان سے تولتے ہیں کچھ بھی نہیں سمجھے۔ اُنھوں نے اپنی عقل کو دائرہ توہمات و تخیلات سے نکالکر ذرا بھی آگے قدم رکھنا نہ چاہا۔ وہ ان ابلہ فریب باتوں سے احکام شرع کو بدلنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اس سے اُن کی کم عقلی اور تنگ خیالی کا ثبوت ملتا ہے۔ ساری خرابی اور اشکال کی اصل جڑ یہ ہے کہ وہ تقدیر مبرم و معلق کے فرق کو نہیں سمجھے۔ اگر وہ اسکو سمجھ لیتے اور تھوڑے سے غور کر لینے کے بعد سمجھ لینا کچھ دشوار نہ تھا۔ تو نہ اشکال واقع ہوتا۔ نہ اُن کو اس درجہ دعا کے انکار کی جرأت ہوتی۔

سُنئے۔ عالم میں جسقدر حوادث ہوتے ہیں اُنکا تعلق مسبب الاسباب نے اسباب سے کر دیا ہے یعنی زید روٹی کھائیگا تو پیٹ بھریگا۔ پانی پیئے گا تو سیراب ہوگا۔ کسب کریگا تو مالدار ہوگا۔ علم پڑھیگا تو عالم ہوگا۔ سفر کی تکلیف اُٹھائیگا تو کامیابی ہوگی۔ زراعت کریگا تو غلہ پیدا ہوگا۔

یہ تقدیر معلق ہے یعنی اگر کریگا تو ثمرات مرتب ہوں گے۔ نہ کریگا تو ثمرات مرتب نہوں گے۔ رہی یہ بات کہ ہوگا کیا۔ اور ظہور میں کیا آئیگا۔ وہ ان اسباب سے کام لیگا۔ اور ثمرات ظاہر ہونگے یا با وجود اسباب سے کام لینے کے بھی ثمرات مرتب نہوں گے۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کے علم میں ہے اور وہ اسکو بھی باختیار خود مقدر فرما چکا ہے۔ یہ تقدیر مبرم اور قطعی ہے جسکے خلاف کسی سبب اور علۃ سے نہیں ہو سکتا۔ حاصل یہ ہوا کہ تقدیر معلق میں وجود نتائج ارتکاب اسباب پر معلق ہے۔ اسکا وجود و عدم اسباب و اکتساب کے وجود و عدم پر معلق کیا گیا ہے۔ اور اسمیں کوئی امر متعین نہیں ہے۔ اب اُسنے کسب و اکتساب سے کام لیا تو دوسری جانب یعنی عدم ظہور نتائج جو عدم اکتساب کی صورت میں ظہور پذیر ہونے والے تھے ٹل گئے۔ اور نہ کیا تو اول صورت یعنی وجود نتائج مفقود ہو گیا۔ رہی تقدیر مبرم وہ کسی حال نہیں بدل سکتی۔

یہی حال دعا کا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مقدر فرما دیا کہ زید اگر فلاں وقت فلاں کام کیلئے دعا کریگا تو اُسکا مقصود حاصل ہو جائیگا۔ اور وہ ناکامی جو اُسکو تھی یا حاصل ہونے والی تھی ٹل جائیگی نہ کریگا ناکام رہیگا۔ یہ تو تقدیر معلق تھی۔ اور یہ بھی وہ مقدر کر چکا ہے کہ زید کو دعا کی توفیق ہوگی یا نہیں ۱۳۱
اور وہ کامیاب ہوگا یا نہیں۔ یہ مبرم ہے جسکو کوئی بدل نہیں سکتا۔ اور یہ ایسا فرق ہے جسکا کوئی صاحب عقل انکار نہیں کرسکتا۔ اگر اس فرق کو نمانا جائے تو کارخانہ عالم سارا کا سارا درہم برہم ہوا جاتا ہے

لیکن یہ بات ہے تو اب یہ شبہ ہوگا کہ قضاء معلق کو رد کردینا دعا کے ساتھ کیوں مخصوص ہوا یہ بات تمام اسباب میں جاری ہوسکتی ہے۔ اور کہہ سکتے ہیں کہ کسب و اکتساب تقدیر معلق کو رد کرسکتا ہے۔ جواب اسکا یہ ہے کہ اکثر اذہان و طبائع میں دعا بے حقیقت و بے اثر معلوم ہوتی ہے وہ اسباب ظاہرہ کو تو مؤثر و منتج سمجھتے ہیں۔ اور دعا کو محض ضابطہ پوری اور تعمیل حکم خداوندی جانتے ہیں۔ حالانکہ دعا تمام اسباب سے زیادہ قوی مؤثر ہے۔ اُسی پر عبدیت کا قیام ہے اور اُسی سے معبود کے تعلقات قایم رہتے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اس ارشاد سے یہ ہے کہ دعا سب سے زیادہ موثر ہے

اس تقریر کے بعد ہم اگر ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لا یرد القضاء الا الدعاء کے معنی دو طرح سے بیان کردیں تو بالکل صحیح ہوں گے۔

قضاء سے قضاء مبرم مراد ہو۔ اور معنی حدیث یہ ہوں کہ قضاء مبرم کو کوئی چیز رد نہیں کرسکتی اگر کرسکتی ہے تو دعا کرسکتی ہے۔ اسکا مطلب یہ نہیں کہ دعا سے قضاء مبرم ہو جاتی ہے۔ یا وہ رد ہو سکتی ہے۔ بلکہ قوۃ تاثیر دعا کا بیان مقصود ہے۔

یا قضاء سے قضاء معلق مراد ہو۔ اور اس وقت خصوصیت دعا کی وجہ یہ ہوگی کہ اسباب مؤثرہ وموجبہ رد قضاء معلق میں سب سے زیادہ قوی سب سے زیادہ مؤثر دعا ہے۔ یعنی اور اسباب سے مسبب کا تخلف بکثرت ہونا ممکن ہی۔ ہو سکتا ہے کہ اسباب پر ثمرات مطلوبہ ظاہر نہوں۔ لیکن دعا ایسی قوی موثر ہے کہ اسکا ثمرہ اور نتیجہ ضرور ظاہر ہوکر رہتا ہے۔

جو لوگ ادا مقصود کے طریقوں اور بیان کے طرز کو جانتے ہیں فصحاء وبلغاء کے کلاموں سے واقف ہیں اُن کو ہماری مدعا کے سمجھنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جو اپنے توہمات وخیالات سے علیحدہ ہوکر محاورات روزمرہ پر نظر کریں اُن کو اس مطلب کے سمجھ لینے میں کچھ اشکال نہیں۔

مسئلہ تاثیر اجابت دعا میں ہمارا بیان اگرچہ کسیقدر طویل ہو گیا۔ اور ہمنے ناظرین کا بہت سا وقت اسمیں لیا۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ اب کوئی خلجان اسکے متعلق باقی نہ رہیگا۔ اور دعا و اجابت دعا کو اسلامی عقائد کے موافق مان لینے میں کوئی اشکال سد راہ نہوگا۔ ۳۲

دعا کی حقیقت اور اسکی اجابت وتاثیر کے بیان سے بقدر ضرورۃ فراغت کے بعد اب ہم دوسرے مراتب متعلق دعا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

شرائط وآداب دعا یہ بات تو بیان سابق سے ثابت ہو چکی کہ دعا موثر ہے۔ اور خداوند عالم جل جلالہ کے دربار سے دعا کی قبولیت و اجابت کا فرمان نازل ہو چکا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ دعا کے معنی طلب حاجت اور سوال کے ہیں۔ تو اب نتیجہ یہ نکلتا ہی کہ آدمی جب خدا تعالیٰ کے سامنے دست طلب پھیلائے تو اس درگاہ سے اجابت اُسکی دستگیری فرمائے اور یہ شخص اپنے مدعا میں کامیاب ہو۔ اور یہی وہ بات ہی جسکی وجہ سے بہت سے لوگوں کو خلجان پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم بارہا دعا کرتے ہیں اور بسا اوقات خالی ہاتھ لوٹتے ہیں۔ اجابت کے آثار ظاہر نہیں ہوئے۔

لیکن حقیقت میں یہ خلجان صرف اس وجہ سے واقع ہوتا ہے کہ اِن لوگوں نے بندہ کی جانب سے طلب حاجت اور دعا اور اُس جانب سے وعدہ اجابت کو کافی سمجھ لیا ہے۔ ادہر خیال نہیں کیا

صحیفۂ گرامی

مولانا السید محمد وجیہ شیخ الاسلام جزائر فلپائن جنکا تذکرہ ناظرین القاسم کی کسی گذشتہ اشاعت میں مفصل پڑھ چکے ہیں۔ اور جنکے کمالات اب مزید توضیح کے محتاج نہیں رہے۔ بسبب اپنے علالت طبع کے قسطنطنیہ کی طرف مراجعت پر مجبور ہوئے۔ افسوس کی بات ہے کہ جزائر فلپائن کے مسلمانوں نے سید صاحب موصوف کی برکات صحبت سے زیادہ عرصہ تک مستفید ہونیکا موقع نہ پایا۔ لیکن ہمکو سید صاحب کی اعلیٰ درجہ کی روشن دماغی اور نیک نیتی پر اعتماد کرکے قوی امید ہے کہ انھوں نے جزائر مذکورہ کی سرزمین میں اپنے پاکیزہ خیالات اور مصلحانہ جذبات کا تخم اس طرح ڈالا ہوگا جو انشاء اللہ تعالیٰ من حیث لایحتسب وہاں کی جماعت اسلام کو اپنے برگ و بار اور خوشگوار ثمرات سے تا دیر متمتع رکھیگا۔

سید صاحب ممدوح نے اثناء دورۂ ہندوستان میں دیوبند تشریف لاکر اور دار العلوم کی عام انتظامی اور بالخصوص تعلیمی حالت کا بامعان مطالعہ کرکے جس قسم کے الفاظ دار العلوم اور ارکان و اعضاء دار العلوم کے متعلق ارشاد فرمائے تھے انکے اعادہ کی ضرورت نہ سمجھکر ہم یہ جتلا دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ سید صاحب جیسے ماہر و تجربہ کار کے وہ چند بے لوث مگر جامع مانع کلمات ہزاروں لاکھوں ناشناسوں کی تحسین سے ہمارے نزدیک زیادہ وزندار ہیں۔ اور اب حال میں سید صاحب ممدوح نے قسطنطنیہ پہنچکر ایک صحیفۂ گرامی کے ذریعہ سے جن الفاظ میں اپنی یاد کو پھر ہم ناکاروں کے دلوں میں از سر نو تازہ کر دیا ہے اُن کا بجنسہ نقل کرنا ایک عمیق دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔

نقل صحیفۂ گرامی بنام مہتمم صاحب دار العلوم دیوبند

"مولای الاستاذ المعظم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وبعد فقد تلقیت کتابکم الکریم۔ بید التبجیل والتکریم وشکرت اللہ علی ان اسعدنی بانعکاس انوار محبتکم۔ وانتم علی ما اعتقد خیرۃ من خلق فی ہذا العصر۔ اسألہ تعالیٰ انہ یحیینی

علی حبکم و یمیتنی علی ذلک و یبعثنی علیہ واللہ ذوالفضل العظیم۔

ثم لیعلم مولای انی رجعت الی دار الخلافۃ العلیۃ بعد ان قضیت زمناً فی جزائر الفلبین کنت فیہ وللہ مزید المنۃ محل رعایۃ الخاص و العام ونصحت لاخوانی للمسلمین رغبۃ فی ثواب اللہ واعلاءً لکلمتہ و کان رجوعی ناشئاً عن لطف خفی اضطرنی الی ترک ھذہ الدیار الی ان ینعم اللہ بالشفاء والی الیوم وللہ الشکر بصحۃ حسنۃ وعافیۃ ارجو اللہ ان یتوجہ بالشفاء الذی یجعلنی قادراً علی العودۃ الی مقر خدمتی المقدسۃ وھو ارحم الراحمین ھذا والسلام علیکم وعلی مدرسی مدرستکم الکرام وطلابھا

عن الآستانۃ ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۳۲ھ۔



المحتاج الی الدعاء الخیری شیخ اسلام الفلبین

السید محمد وجیہ زید الجیلانی

آپ کے ان متبرک الفاظ کا حاصل یہ ہے کہ آپ جماعت دیوبند کو (بحیثیت مجموعی) اس زمانہ میں بہترین خلق اللہ اور برگزیدہ خلائق سمجھتے ہیں۔ اور آپ کے خداتعالیٰ سے یہ درخواست ہے کہ وہ آپ کو اس جماعت کی محبت پر زندہ رکھے اور اُسی کی محبت میں مارے اور اُسی کی محبت میں قیامت کے دن اُٹھائے۔"

دارالعلوم دیوبند سے جو عریضہ آپ کی خدمت میں پہنچا آپ تحریر فرماتے ہیں کہ "میں نے اُسکو نہایت اعزاز و احترام کے ہاتھوں سے لیا۔ اور خداتعالیٰ کا اسپر شکر ادا کیا کہ اُس نے میرے دل میں جماعت دیوبند کی محبت کے انوار کو منعکس فرمایا"

اسکے بعد آپ نے مختصر الفاظ میں جزائر فلیپائن کے مسلمانوں کا اپنے ساتھ محبانہ اور ہمدردانہ تعلق اور وہاں سے قسطنطنیہ کی طرف معاودت کے وجوہ بیان فرمائے ہیں۔ اور آخر میں دعا و سلام پر اپنی تحریر کو ختم کر دیا ہے۔

سید صاحب جیسے مقدس بزرگ نے ہم ناچیزوں اور ناکاروں کی نسبت جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ہم اُنکو بغیر کسی ناجائز افتخار کے اپنے لئے ذخیرۂ آخرۃ اور وسیلۂ سعادت سمجھتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتے کہ

وہ ہم سے خاکساروں کو جب اپنا خاک پا سمجھے * ہم اپنی خاکساری اپنے حق میں کیمیا سمجھے

الراقم شبیر احمد عثمانی

دارالعلوم دیوبند

یورپ کی موجودہ خطرناک اور دنیا کی عظیم ترین جنگ کے حالات کا

ہندوستان کے ہر فرد کو خواہ ہندو ہوں یا مسلمان بے چینی سے انتظار رہتا ہے لیکن صحیح واقعات تک بہت کم کو رسائی ہوتی ہے۔ اور اسباب جنگ سے تو بہت ہی کو واقفیت ہے۔

ہمارے پاس جو سرکاری اطلاع پہونچی ہے ہم اُسکو بجنسہ شایع کرتے ہیں تاکہ اسباب جنگ کی حقیقت سب پر منکشف ہو جائے۔

یورپ کی فوجی حالت یورپ کی نسبت چند سالوں سے یہ بیان کیا جارہا ہے کہ وہ ہتیار بندوں کا ایک میدان ہے۔ یورپ میں خاص سلطنتیں برطانیہ اعظم فرانس روس جرمنی آسٹریا و اٹلی ہیں برطانیہ اعظم بوجہ مملکت جزائر فوج کی آراستگی میں اپنے کو اُس سرگرم مقابلہ سے علیحدہ رکھ سکا ہے جسکی وجہ سے براعظم کے قریب قریب کل سلطنتوں کو اپنے سب سے اچھے نوجوانوں کو اور اپنی قومی آمدنی زیادہ تر صرف کرنی پڑی ہے۔

جرمنی نے متواتر اس فوجی ساز و سامان کے دوڑ کی چال بڑھانے پر دوسری طاقتوں کو مجبور کیا ہے فرانس اسکا حریف اور خاندانی دشمن چند سالوں سے رہا ہے۔ ۱۸۷۰ء میں ان دونوں ملکوں میں ایک جنگ ہوئی جسمیں جرمنی کو فتح ہوئی اور اُسنے میدان جنگ میں فرانس والوں پر بہت زیادہ فوقیت دکھلائی۔

سلطنتوں کا دو جماعت میں تقسیم ہونا حال میں بڑی سلطنتوں نے دو جماعت قائم کرلی ہے یعنی جرمنی۔ آسٹریا اور اٹلی ایک طرف بمقابلہ فرانس۔ روس اور برطانیہ اعظم۔ جرمنی کی مستقل فوج یورپ میں سب سے زیادہ جری اور طاقتور ہے اور اُسکی تعداد ۲۲۵۰۰۰۰ ہے اور آسٹریا کی فوج قریب ۱۰۰۰۰۰۰ کے نیز اٹلی کی بھی قریب ۱۰۰۰۰۰ کے ہے۔

انکی فوجی طاقت حریف جماعت میں سے فرانس کی مستقل فوج ۱۵۵۰۰۰۰۔ روس کی ۱۲۰۰۰۰۰ برطانیہ اعظم کی مستقل فوج تخمیناً قریب ۲۵۰۰۰۰ کے ہے لیکن اسکے پاس نہایت ہی طاقتور جنگی جہازوں کا بیڑا ہے جسکا استحکام اسقدر قائم رکھا گیا ہے کہ کسی دوسری دو قوموں کے بیڑوں کو

شکست دے سکے۔

ان ہندسوں کے علاوہ جنسے مستقل فوجوں کی تعداد ظاہر ہوتی ہے یورپ کی کل بڑی طاقتوں کے پاس بڑی تعداد ریزرو فوج کی ہے جو جنگ کے وقت میں طلب کیجا سکتی ہے اور جس سے تعداد کئی کروڑ کی ہوجاتی ہے۔

چند سالوں سے جرمنی میں جنگی جوش شدت کے ساتھ موجزن رہا ہے۔ جرمنی بذات خود نیز بذریعہ اپنے دمساز آسٹریا ہمیشہ چھیڑ چھاڑ میں پیش قدمی کرتا رہا ہے۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں آسٹریا نے جرمنی کی مدد سے روس کی جنگی حالت کی بے سروسامانی سے اس طرح فائدہ اُٹھایا کہ ممالک بوسینا اور ہرزی گووینا کو باضابطہ طور سے اپنے ملک میں شامل کرلیا حالانکہ یہ کام برلن کے عہدنامہ کے بالکل خلاف تھا۔

بنائے جنگ خاص واقعہ جس سے کہ اس جنگ میں عجلت ہوئی وہ یہ ہے کہ ۲۸ جون ۱۹۱۴ء کو شاہنشاہ آسٹریا کا ولیعہد بوسینا میں قتل کیا گیا۔ آسٹریا کی گورنمنٹ نے یہ بیان کیا کہ اس قتل کی ساز سرویا کے باشندوں نے اپنے ہی ملک میں کی تھی اور ۲۴ جولائی کو آسٹریا نے سرویا کے پاس ایک الٹیمیٹم (آخری شرائط) بھیجا جو اس قسم کی تھیں کہ جنکو کوئی خودمختار سلطنت قبول نہیں کرسکتی تھی قبل روانگی سرویا اس الٹیمیٹم کو آسٹریا نے جرمنی کے پاس بھیجا اور شاہنشاہ جرمن نے اسکو پسند کیا سرویا کیلیئے یہ شرائط نہایت ہی باعث ذلت تھیں لیکن سرویا نے اس اندیشہ سے کہ جنگ بلقان کے بعد اسقدر جلد اسکو ایک اور جنگ میں مبتلا ہونا پڑیگا بلا کسی قید کے منجملہ تیرہ کے گیارہ شرائط منظور کرلیا۔

آسٹریا کا بیجا حملہ سرویا پر آسٹریا کی نیت صلح کی نہ تھی اور اُسنے ۲۸ جولائی کو سرویا پر اعلان جنگ کرہی دیا۔ نقشہ کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ سرویا کسقدر چھوٹا ملک ہے اور یہ بات صاف ظاہر ہے کہ آسٹریا کا یہ ارادہ تھا کہ سرویا کو پامال کرکے اُس کو اپنے ملک میں ملالے جیسا کہ وہ چھ برس پہلے اسکے قریب کی ریاستیں بوسینا اور ہرزی گووینا کو اپنے زیر حکومت لائے تھے۔ چونکہ روس اور سرویا ہم قوم ہیں لہذا روس نے سرویا کی طرفداری کی اور جنگ کے رفع کرنے کی کوشش کی۔

سلطنتوں کا فریق بننا اسی اثنا میں جرمنی نے اپنی فوج فرانس کی سرحد پر جمع کرنی شروع کی انگلستان نے حتی الامکان کوشش کی کہ عام جنگ ہونے نہ پائے لیکن اس مقصد میں اسکو کامیابی نہیں ہوئی جرمنی اور آسٹریا نے فرانس۔ روس اور سرویا کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ اٹلی نے جو جرمنی کا دوسرا

رفیق ہے جرمنی کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ آسٹریا کی کارروائی خلاف انصاف ہے اور یہ کہ اس لڑائی کے لئے کوئی معقول اور صحیح عذر نہیں ہے۔

انگلستان نے کیوں جنگ کا اعلان کیا۔

جوں ہی کہ جرمنی نے جنگ کا اعلان کیا یہ ظاہر ہو گیا کہ اُسکا یہ ارادہ تھا کہ صلح پسند سلطنت بلجیم کی جنگ سے بے تعلق قائم نہ رہنے دے کیونکہ اُس کے ملک میں ہو کر جرمنی کو فرانس میں داخل ہونے کیلئے زیادہ آسانی تھی بہ نسبت اس راستے کے جو جرمنی اور فرانس کے سرحد پر ہے اور جس پر مضبوط قلعے بنے ہیں حسب معاہدہ جرمنی کے لئے لازم تھا کہ بلجیم میں داخل نہ ہو اور انگلستان پر بھی یہ لازمی تھا کہ ایسے حملہ کے وقت بلجیم کی حفاظت کرے۔ انگلستان نے جرمنی کی خلاف ورزی پر اعتراض کیا مگر بے فائدہ جرمنی نے بلجیم پر حملہ کرنے میں اصرار کیا اور انگلستان کو مجبوراً ۵ راگست کو جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کرنا پڑا۔

پہلے تین ہفتہ کے اندر لڑائی کس طرح بڑھتی رہی اسکا حال یوروپ کا نقشہ دیکھنے سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔

سرویا اور آسٹریا

سرویا جو آسٹریا کے جنوب میں ہے آسٹریا کے ملک سے اُتر میں دریائے ڈینوب سے اور پچھم میں دریائے ڈرینا کے ذریعہ سے علحدہ ہے پہلے گولی لڑائی کی سرویا ہی میں چلی تھی اور سرویا ہی میں پہلی بڑی لڑائی ہوئی ہے۔ آسٹریا والے یہ اقرار کرتے ہیں کہ ان کو شکست ہوئی ہے اور عارضی طور سے سرویا والوں کے خلاف کارروائی کرنا ترک کر دیا ہے۔

آسٹریا اور روس کی سرحد +

آسٹریا کی مشرقی سرحد روس سے ملی ہوئی ہے اور روس کی فوج نے اس طرف آسٹریا پر کچھ حملے کئے ہیں۔ کوئی بھاری لڑائی نہیں ہوئی لیکن سرحد پر چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئی ہیں جن میں روسیوں کو فتح ہوئی ہے۔

جرمنی کی مشرقی سرحد پر لڑائیاں

جرمنی کی کل مشرقی سرحد کی طرف سے روس حملہ کر سکتا ہے اور بہت بڑی روسی فوج شمال و مشرق کی سرحد کی جانب سے جرمنی میں داخل ہوئی ہے بمقام گمبینن اور اسکے گردنواح میں لڑائیاں ہوئیں جنمیں روسیوں نے جرمن والوں کو بھگا دیا اور اُن کی بہت سی توپیں چھین لیں اور جرمنی کی فوج کے آدمی مار ڈالے۔ روسیوں نے شہر گمبینن پر قبضہ کر لیا اور بڑی ریلوے جنکشن انسٹر برگ کو بھی لے لیا ہے۔ روسیوں نے ملک جرمنی میں اچھی طرح قدم جما لیا ہے اور امید

کیجاسکتی ہے کہ اُن کی فوج ملک پرشیا کے اندر مستعدی سے داخل ہوگی جرمنی اور روس کی جنوبی سرحد کی لڑائیوں کی خبر کم ملی ہے لیکن روس غالباً یہ توقع رکھتاہی کہ جرمنی اور آسٹریا میں جو پول باشندے ہیں جرمنی اور آسٹریا سے منحرف ہوجائیں گے۔

پولینڈ پولینڈ بڑا ملک ہی جو کسی زمانہ میں سرسبز اور خود مختار تھا۔ اُس کے بُرے دن آگئے اور وہ روس اور جرمنی اور اسٹریا میں تقسیم ہوگیا سب سے بڑا قطعہ روس میں آیا۔ روس نے لڑائی کا اعلان ہونیکے بعد روسی پولینڈ کے باشندوں کو اور نیز آسٹریا اور جرمنی کے پولینڈ کے باشندوں کو روسی سلطنت کے اندر سلیف گورمنٹ دینے کا وعدہ کیاہی۔ پول کے باشندے بہادر اور محب وطن ہیں اور روس کی گورمنٹ کے اس مدبرانہ کارروائی سے روس کیلئے جرمنی اور آسٹریا دونوں پر حملہ کرنا بہت آسان ہوجائیگا۔

فرانس اور جرمنی کی سرحد بقیہ سرحد جہاں بہت زیادہ لڑائی کی اُمید ہی جرمنی کی مغربی جانب ہی جو فرانس کی فوجوں کا میدان جنگ ہوگا۔ یہاں دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل سرحد پر جنوب میں سوئٹزرلینڈ سے شمال میں ہالینڈ تک پھیلی ہیں اور اندازاً دس دس لاکھ فوج ایک ایک طرف ہے۔ چند سالوں سے فرانس کو جرمنی کے دوسرے حملہ کا خطرہ تھا اور اسی وجہ سے اُسنے بہت سے مستحکم قلعے جرمنی کی سرحد پر بنائے جس سے جرمن لوگوں کو فرانس میں بڑھنے میں بہت دقت ہوگی۔

بلجیم کی حالت یہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ جرمنی نے بلجیم پر حملہ کرنا اس غرض سے پسند کیا کہ وہ فرانس میں داخل ہوسکے۔ بلجیم والوں کے پاس تھوڑی فوج ہے مگر وہ اپنے ملک اور وطن کی حفاظت میں بہت بہادری سے لڑے۔ صرف اس امر کی ضرورت تھی کہ وہ جرمن کو اتنے کافی وقت تک روکے رہیں کہ فرانس کی فوج فرانس کی شمالی سرحد پر یکجا ہوجائے تاکہ وہ جرمن کی آگے بڑھنے والی فوج کا مقابلہ کرسکے۔ بلجیم کی فوج نے ناموری کے ساتھ اُس کام کو کیا جو قریب قریب محال سمجھا جاتا تھا اور جرمنی فوج کو آگے بڑھنے دو ہفتہ سے زیادہ عرصہ تک روکا۔ زیادہ تر لڑائی قلعہ بند شہر لیج کے چاروں طرف سے ہوئی جو جرمنی کی سرحد سے قریب بیس میل کے فاصلہ پر ہے قلعے شہر کے چاروں طرف ہیں اور اُن کی حفاظت بلجیم کی فوج کررہی ہے ابھی فتح نہیں ہوئی لیکن وہ اور زیادہ عرصہ تک جرمنی کی فوج کے بڑے ریلے کو نہ روک سکے اور آخرش چند روز کے اندر بلجیم میں جرمن کی فوج بھر گئی ہے لیج کے علاوہ قلعہ بند شہر نامور ہے جو بیس میل اُسکے دکھن ہی اور شمال و مغرب میں بھی ایک مضبوط قلعہ بند شہر انٹورپ ہے ان مقاموں کے

علاوہ بقیہ بلجیم جسمیں دار السلطنت شہر بروسلس بھی داخل ہی قلعہ بند نہیں ہی پس جب جرمن کی فوج بہ تعداد کثیر پہونچنے لگی تو یہ لازمی ہوا کہ بلجیم کی گورنمنٹ بروسلس سے انٹورپ کو منتقل کر دی جائے۔

جرمن آگے بڑھنے کے مقابلہ میں بھاری نقصانونکا کچھ لحاظ نہیں کرتے

بلجیم میں داخل ہونے میں جرمن فوج کو بہت سخت نقصان اُٹھانا پڑا ہے اور اُسکے ہزاروں آدمی مارے گئے ہیں۔ جو رپورٹ جرمنی کی فوج کی ظاہرہ شکست کی بابت اور فوراً اُن کے بعد جرمن کے آگے بڑھنے کے بارے میں آئیں اُن سے بہت سے لوگوں کو یہ خیال ہو گیا کہ یہ رپورٹ غلط اور دھوکہ دینے والی ہیں۔ جرمن کی فوج اتنی زیادہ ہے کہ اس قسم کے نقصانات مقابلتاً کچھ بھی نہیں ہیں بلکہ یہ اُن کے حملہ کی حکمت عملی کا یہ ایک حصہ ہے کہ بلا لحاظ بھاری نقصانوں کے کثیر التعداد فوج کو آگے بڑھانا چاہیئے۔

فرانس کی فوج بلجیم کے جنوب میں ہے اور برطانیہ کی بھیجی ہوئی فوج بھی اُسی کے ساتھ ہے۔

بمقام السلس سرحدی لڑائی

جب جرمن شمال میں بلجیم کی سرحد کے اندر داخل ہو گیا تو فرانس نے بھی جنوب میں جرمن کی سرحد کو پار کر کے ملہوسن اور کول مار اور سالس پر قبضہ کر لیا اور وہ اسٹراسبرگ کی طرف کسیقدر بڑی فوج کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ اس طرف کی لڑائی میں فرانسیسیوں کو بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے اور انھوں نے بہت سی توپوں اور سپاہیوں کو گرفتار کیا ہے۔

بحری لڑائیاں

تقریباً یہی کیفیت ہے اُن مختلف سرحدوں پر کہ جہاں لڑائی ہو رہی ہے۔ سمندر کے بارے میں کچھ زیادہ بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ جرمنی کے پاس آراستہ جنگی جہازوں کا بڑا بیڑا ہے مگر اس نے برطانیہ کے جنگی جہازوں کے بیڑے سے لڑنے کیلئے کھلے سمندر میں نکلنے کی ہمت نہیں کی ہے۔ برطانیہ کے جہاز سمندر پر پوری حکومت رکھتے ہیں اور اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جرمنی سمندر کی راہ سے دوسرے ممالک کے ساتھ تجارت کرنے سے بالکل محروم ہو گیا ہے اور دنیا کے دوسرے حصوں سے سمندر کے راستے سے آمد و رفت بالکل نہیں رکھ سکتا ہے بخلاف اسکے انگریزوں کے تجارتی جہاز بلا خوف و خلل و نقصان آزادی سے تجارت کر سکتے ہیں چین میں کیاچو ایک بڑا بندر جرمنی کے قبضہ میں ہے اور یہاں پر جرمنی کے کچھ جہاز ہیں جو بحر چین میں جہاز رانی کیلئے باعث خطرہ تھے اور چونکہ جاپان اور برطانیہ اعظم سے معاہدۂ دوستی ہے لہذا جاپان نے جرمنی کے خلاف ۲۳ اگست کو جنگ کا اعلان کر دیا تاکہ وہ جرمنی جہازوں اور فوجوں کو گرفتار کر لے اور کیاچو بندر چین کو واپس کر دے۔

رپوٹر خبر دیتا ہے کہ جرمنی کی فوج نے نامور پر گولہ اندازی کی اور اُسپر قبضہ حاصل کرلیا ہے۔ نامور کو گھیرے ہوئی نو قلع ہیں۔ ان میں سے چار جرمنی کے قبضہ میں آگئے ہیں نامور بلجیم کی مشرقی سرحد پر جرمنی کی حد سے قریب بیس میل کے فاصلہ دکھن اور پچھم کے کونے کی طرف ہے۔ یہ شہر دریای سامبر اور میوز کے سنگم پر ہے۔ یہ قلعوں کے ایک سلسلہ سے محفوظ تھا جسکی حد چھبیس میل تھی اور اسکی حفاظت ۰۰۰۰۵ بلجیم کی فوج کے متعلق تھی۔ نامور لیج کی بہ نسبت زیادہ مضبوطی سے قلعہ بند نہیں ہے اور آس پاس کے میدان کا حصّہ بھی کچھ ایسا واقع ہے کہ مقابلہ کے لئے اسقدر مضبوط نہیں ہے۔

لیج کے چاروں طرف ایک سلسلہ قلعوں کا ہے جنکا گردہ اکتیس میل کا ہے اور اس میں بھی ۰۰۰ ۵ ا بلجیم کی فوج ہے۔ اُن سخت لڑائیوں کے بعد جو جرمنی کی پیش قدمی کے آغاز میں ہوئیں اور جن میں ہزارہا جرمن قلعہ لیج کے سامنے تھے بس یہی خیال کیا جاسکتا ہے کہ قلعہ کی فوج کو سخت نقصان پہنچا ہوگا اور گولہ بارود کی کمی ہوگئی ہوگی۔

ابھی تک سرکاری طور سے یہ نہیں بتایا گیا کہ لیج کے قلعے لے لئے گئے لیکن یہ اغلب معلوم ہوتا ہے کہ ابتک ان میں سے زیادہ تر لئے گئے ہوں گے کیونکہ رپوٹر خبر دیتا ہے کہ جنرل لی مان جو لیج کی حفاظت کر رہے تھے جرمن کے قیدی ہیں۔

لیج و نامور کی قلعہ بندی گو وہ بڑے مقامات ہیں زمانہ حال کے مطابق نہیں ہے۔ چاروں طرف کے قلعوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا زیادہ ہے کہ لیج کی حفاظت بندوقوں سے ٹھیک طور سے نہیں ہوسکتی ہے بعض جگھوں پر یہ فاصلہ ۰۰۰ ۶ گز سے بھی زیادہ ہے۔

ان دونوں قلعوں کے بنانے سے مطلب یہ تھا کہ جرمن فوج کو آگے بڑھنے میں توقف ہو نہ کہ اُسکو مستقل طور سے روکا جاوے بلجیم کی چھوٹی موجوں نے اس کام کو بخوبی انجام دیا ہے اور دو ہفتہ سے زیادہ لاکھوں جرمن کی پیش قدمی کو روک رکھا ہے۔ دوسرا بلجیم کا قلعہ انٹورپ ہے جو بلجیم کے اتر میں ہے اور جو دریاے شیلنڈٹ پر واقع ہے۔ اب یہ بلجیم گورنمنٹ کا صدر مقام ہے اور بلجیم کی زیادہ تر فوج اُس قلعہ کے اندر رہے۔ نامور اور لیج کے برعکس یہ قلعہ صرف تین برس ہوی کہ بنا تھا۔ اس کی قلعہ بندی بالکل زمانہ حال کے مطابق ہے اور یہ یورپ میں سب سے اچھے قلعہ بند مقاموں میں سمجھا جاتا ہے۔

اسکی حفاظت ایک بھاری سلسلہ قلعوں سے ہی جسمیں پندرہ قلعے اور مورچے ہیں جو ایک اندرونی سلسلہ قلعوں سے چھ سے نو میل کے فاصلہ پر ہیں۔ حملہ سے اسکی حفاظت اس طرح بھی ہوسکتی ہی کہ آس پاس کا میدان بروقت ضرورت پانی سے بھر دیا جائے۔ غالباً جرمنی اسکے لینے کیلئے کوئی مصمم کوشش نہ کرے گی۔

اسوقت تک جب تک کہ قلعہ نامور فتح نہیں ہوا تھا فرانس بلجیم کے جنوبی قلعوں کی حفاظت جرمنی کی پیش قدمی کی مقابلہ میں کرسکتا تھا۔ اب فرانسیسیوں کے لئے یہ ضروری ہوگیا ہی کہ وہ اپنی ہی سرحد پر جمع ہوں جہاں پران کو جرمنی کی فوج کو شکست دینے کا بہتر موقع ملیگا۔ یہ جگہ قلعہ بند ہی اور یہاں گھاٹیاں بھی کھودی گئی ہیں۔ یہ فرانسیسی سرحد پر محافظت کے مقامات کا پہلا سلسلہ ہے۔

اسکے پیچھے ایک دوسرا سلسلہ مقامات محافظت کا ہی جو کہ لافیر ولا اون ڈریمس ہو کر گذرتا ہے نامور پر قبضہ حاصل کرنیکے بعد ہی جرمن لوگوں نے ایک زبردست حملہ متحدہ فوج پر کیا۔ اُسوقت اتحادی فرانسیسی سرحد کے برابر اپنی فوج کو ترتیب دے رہے تھے۔ لڑائی بہت سخت ہوئی اور انگریزی فوج جو کہ فرانسیسی سرحد سے چند میل جانب شمال ایک مقام مونس کے نزدیک ہی چھتیس گھنٹہ تک متواتر لڑتے رہے جرمن لوگ ہر مقام پر پیچھے ہٹائے گئے اور ان لوگوں نے بہت سخت نقصان اٹھایا ہوگا کیونکہ اسقدر کم انگریزی فوج میں کم از کم دو ہزار آدمی مقتول و مجروح ہوئے زمانہ حال کی کسی لڑائیوں میں اتنے آدمیوں کا نقصان کچھ زیادہ نہیں سمجھا جاتا۔ لارڈ کچنر نے لندن میں ظاہر کیا ہی کہ انگریزی فوج نے اپنی نیک نامی کو نہایت خوبی کے ساتھ قایم رکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ فرانسیسی فوج بھی نہایت بہادری سے لڑی اور اُس سمت میں جرمن لوگوں کی پیش قدمی کو روک دیا۔

قصہ کوتاہ فرانس اور بلجیم کی سرحد پر جرمن فوج کا قیام اسوقت اُسی جگہ پر ہے جہاں کہ جرمنی کی سپہ سالار امید کرتے تھے کہ وہ لڑائی چھڑنے کی چند ہی روز بعد پہنچ جائیں گے بلجیم کے باشندوں کی بہادرانہ مدافعت نے فرانسیسی و انگریزی فوجوں کو تین ہفتہ کا وقفہ دیا ہی جس میں کہ وہ فرانس پر جرمنی کی حملہ کا مقابلہ کرنے کو طیار ہو سکتے ہیں۔

قواعد و ضوابط رسالہ القاسم

۱- یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھجاتا ہے۔

۲- یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ آٹھ آنہ پیشگی لیجاتی ہے۔ ممالک غیر سے صرف اُسی قدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۳- جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچروپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائیں گے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے۔ اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۴- سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کی خدمت میں شروع کا (یا خریدار کا جبسے سال شروع ہوا ہو) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کر کے عہ کا ویلو روانہ ہوگا۔

۵- یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمت میں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسروں کی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمایش کرتے ہیں۔

۶- شعبان ۱۳۳۲ھ مطابق جولائی ۱۹۱۴ء سے اس رسالہ کا پانچواں سال شروع ہوا ہے۔ پہلے چار سالوں کی مکمل جلدیں موجود ہیں۔ قیمت ہر جلد کی عہ مع محصولڈاک ہے۔

۷- نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں ان کے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

۸- القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہیئے۔

المشتہر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر رسالہ القاسم " دفتر القاسم مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

4

(رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

قیمت سالانہ

فی پرچہ ۵ر

علمی ۔ مذہبی ۔ اخلاقی ۔ ادبی ۔ تمدنی ۔ تاریخی ۔ ماہوار رسالہ

جلد ۵ | بابت ماہ ذی قعدہ سنہ ۱۳۳۲ھ | نمبر ۴

خاکسار حبیب الرحمٰن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شایع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۳۲ھ

(مطابق ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۴ء)

جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

(اور)

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحقیق مسئلہ خطبہ جمعہ

بزبان اردو فارسی وغیرہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں۔

۱۔ زید کہتا ہے کہ خطبۃ الجمعۃ والعیدین بزبان عربی مسنون ہے۔ زبان اردو یا دیگر غیر عربی زبانوں میں خطبہ پڑھنا سنت رسول اللہ اور صحابہ تابعین۔ تبع تابعین۔ مجتہدین۔ محدثین فقہاء امت کے طرز عمل کے خلاف ہے۔

۲۔ عمرو کا دعویٰ ہے کہ خطبہ مذکور سامعین کی زبان میں ہونا چاہئے خواہ زبان اردو ہو یا فارسی عربی ہو یا ترکی جاپانی ہو یا انگریزی اور خطبہ کو سامعین کی زبان میں پڑھنا عین ادائے سنت ہے کیونکہ خطبہ کی غرض وعظ وتذکیر اور احکام کا سنانا ہے اور یہ غرض زبان مروجہ ہی میں خطبہ پڑھنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

عمرو یہ سوال بھی پیش کرتا ہے کہ عیدین کی نماز کے بعد جو خطبہ بزبان عربی پڑھا جاتا ہے اسکے پڑھتے وقت خطیب کے مخاطب آیا وہ انسان ہوتے ہیں جسکی طرف منہ کر کے وہ کھڑا ہوتا ہے یا اور کوئی مخلوق اور یہ کہ عیدین کے متعلق جو مسائل واحکام بیان کرتا ہے اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو مسائل واحکام سے آگاہی ہو یا اسکے سوا کچھ اور۔

عمرو اپنے دعوی پر حسب ذیل کتب لغت۔ احادیث۔ فتاوی سے استدلال کرتا ہے اور

کہتا ہے کہ مصباح المنیر میں ہے فیقال فی المواعظۃ خطب القوم غیاث اللغات میں ہے خطبہ انچہ بحمد و لغت خطاب و نصیحت و وعظ بخلق اللہ باشد۔ کتاب ترغیب و ترہیب میں ابن ماجہ سے بسند حسن منقول ہے کہ عن ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرء یوم الجمعۃ تبارك وھو قائم یذکر بایام اللہ فتاوی عالمگیری میں خطبہ کی سنتوں میں وعظ کرنا اور سمجھانا تحریر کیا ہے وقال صاحب الفتاوی الھندیۃ واماسنتھا یعنی الخطبۃ فخمسۃ عشر ثم قال بعد ذلك وعاشرھا العظۃ والتذکیر درمختار باب العیدین میں ہے انما جعل الخطبۃ للتعلیم کفایہ میں ہے ولو خطب قاعدًا او علی غیر طہارۃ اجزاہ الحصول المقصود وھو الوعظ والتذکیر اور فتاوی عالمگیری میں ہے ویکرہ للخطیب ان یتکلم فی حال الخطبۃ الا ان یکون امرابمعروف ہدایہ میں ہے فان اقتصر علی ذکر اللہ جائز عند ابی حنیفۃ وقالا لابد من ذکر طویل یسمی خطبۃ لان الخطبۃ ھی الواجبۃ والتسبیحۃ والتحمید لا یسمی خطبۃ ہدایہ میں ہے ویخطب بعد الصلوۃ خطبتین یعلم الناس فیھا صدقۃ الفطر واحکامھا لانھا شرعت لاجلہ۔ پس استدعا ہے کہ بدلائل شرعیہ وبراہین عقلیہ بتلایا جاوے کہ خطبہ کے معنی اور اُس سے مقصود کیا ہے اور آیا وہ زبان عربی میں پڑھنے سے پورا ہو سکتا ہے یا نہیں اور زبان غیر عربی میں خلاف سنت ہے یا نہیں۔

۱۔ مسلمان نمازی جو عربی سے ناواقف ہیں اور سورہ قرآنی کے معنی کو نہیں سمجھتے وہ احکام شرعیہ کے مکلف ہیں یا نہیں ان کی نماز ادا ہوتی اور اُسپر ثواب ملتا ہے نہیں۔

۲۔ جمعہ و عیدین میں کس حد تک سور قرآنیہ تلاوت کرنا داخل سنت ہے اور کہاں تک مجاز ہے۔

۳۔ جمعہ و عیدین میں سبح اسم ربك الاعلی اور ھل اتٰك حدیث الغاشیہ پڑھنا اتباع سنت میں شامل ہے یا نہیں۔

۴۔ طول قراۃ لعذر ہے یا تخفیف قرۃ۔

۵۔ قرات و تلاوۃ قرآن پر حصول ثواب فہم معانی و مطالب پر موقوف و منحصر ہے یا نہیں۔

۶۔ جو شخص قرآن کے معنی نہ سمجھے اُسے قرآن پاک پڑھنے کا ثواب ملتا ہے یا نہیں۔

بینوا بالدلائل وتوجروا۔

الجواب

۱- اولاً چند عبارتیں کتب فقہ سے ایسی نقل کیجاتی ہیں جنسے یہ ثابت ہو گا کہ فقہاء کرام نے کسی جگہہ تو خطبہ کو محض ذکر قرار دیاہے۔ اور کہیں صرف موعظۃ وتذکیر اوسکے بعد کوئی عبارت ایسی درج کیجائیگی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ انمیں سے خطبہ کا اصلی موضوع لہ جسکے بغیر اسکا تقوم ہی نہ ہو سکے لغۃً اور شرعاً کیاہے۔ اور جن امور زائدہ پر خطبہ کا اطلاق کیا گیاہے وہ خطبہ کے مفہوم میں کس حد تک داخل ہو سکتے ہیں شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں۔

ولنا ان الخطبۃ ذکر والمحدث والجنب لا یمنعان من ذکر اللہ ما خلا قراۃ القرآن فی حق الجنب۔ انتہی۔ (کتاب المبسوط للسرخسی جلد ثانی صفحہ ۲۶ مصری۔)

ہماری دلیل یہ ہے کہ خطبہ ذکر ہے اور محدث یعنی جو بغیر وضو ہو اور جنبی یعنی جس پر غسل جنابت واجب ہو اللہ کے ذکر سے منع نہیں کئے جاتے۔ البتہ قراءۃ جنبی کو منع ہے۔

ولا ینبغی للامام ان یتکلم فی خطبتہ بشیئ من حدیث الناس لانہ ذکر منظوم والتکلم فی خلالہ یذہب بہاءہ الخ (کتاب مبسوط جلد ثانی صفحہ ۲۸ مصری)

امام کو لائق نہیں ہے کہ خطبہ میں کوئی ایسی کلام کری جو لوگوں کی باہمی گفتگو کے مشابہ ہو۔ کیونکہ خطبہ ذکر منظوم کا نام ہے اور اُسکے درمیان میں کلام کرنا خطبہ کی خوبی ورونق کو زائل کر دیتا ہے۔

اور یہی شمس الائمہ دوسری جگہہ فرماتے ہیں۔

والخطبۃ کلہا وعظ وامر بمعروف الخ (مبسوط جلد ثانی صفحہ ۲۸ مصری)

اور خطبہ سب کا سب نصیحت اور امر بالمعروف ہی۔

ولانہ فی الخطبۃ یخاطبہم بالوعظ فاذا اشتغلوا بالکلام لم یفد وعظہ ایاہم شیئا (مبسوط جلد ثانی صفحہ ۲۸ مصری)

اور اسلئے کہ امام خطبہ میں لوگوں کو نصیحت کے ساتھ خطاب کرتا ہے۔ اور جب لوگ باہم کلام میں مشغول ہونگے تو اُسکا نصیحت کرنا انکو کچھہ بھی مفید نہ ہو گا

وہکذا نقل عن ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ انہ کان یفعلہ لان الخطیب یعظہم

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایسا کرتے تھے۔ اسلئے کہ خطیب اونکو نصیحت

(مبسوط جلد ثانی صفحہ ۳۰ مصری) | کرتا ہے۔

ذیل کی عبارات سے ثابت ہوگا کہ اگرچہ صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہما فقط ایک تسبیح یا تحمید وغیرہ کو خطبہ کے لئے کافی نہیں سمجھتے لیکن وہ بھی خطبہ کو مجرد ذکر ہی قرار دیتے ہیں۔ ہاں یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ ذکر طویل ہو۔ اتنا قصیر نہ ہو کہ خطبہ کا اطلاق ہی اُسپر نہ ہو سکے۔ ہدایہ میں ہے۔

فان اقتصر علی ذکر اللہ جاز عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقالا لا بد من ذکر طویل یسمی خطبۃ۔ | اگر امام نے فقط ذکر اللہ پر اکتفا کیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔ صاحبین کہتے ہیں کہ ذکر طویل ہونا ضروری ہے جسکو خطبہ کہہ سکیں۔

فتح القدیر میں ذکر طویل کی شرح میں لکھا ہے۔

قیل اقلہ عندھما قدر التشھد۔ | کہا گیا ہے کہ ذکر طویل کا کمتر درجہ صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ تشہد کی قدر ہو۔

اور علامہ ابن عابدین نے رد المحتار میں اسی قول کے تحت میں لکھا ہے۔

فی العنایۃ وھو مقدار ثلث آیات عند الکرخی وقیل مقدار التشھد۔ | عنایہ میں ہے کہ ذکر طویل کی مقدار کرخی کے نزدیک تین آیتوں کی قدر ہے بعض نے کہا کہ تشہد کی قدر۔

اور علامہ سید مرتضیٰ زبیدی حنفی احیاء العلوم کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔

وعن ابی حنیفۃ یصح الاقتصار فی الخطبۃ علی ذکر خالص للہ تعالیٰ نحو تسبیحۃ او تھلیلۃ او تکبیرۃ مع الکراھۃ وھی التی یعتد بھا ویجزئ ھذا الذکر عن خطبتین ولا یحتاج الی تسبیحتین وعن مالک روایتان کالمذھبین وقال ابو یوسف ومحمد لا بد من ذکر طویل یسمی خطبۃ قیل واقلہ قدر التشھد الی قولہ عبدہ ورسولہ حمد و صلوۃ ودعاء للمسلمین الخ | امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خطبہ میں خالص ذکر پر اکتفا کرنا جائز ہے مثل ایک دفعہ تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنے یا تہلیل یعنی لا الہ الا اللہ کہنے اور تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنے کے مگر کراہت کے ساتھ۔ اور یہی مقدار وہ ہے جسکا خطبہ میں اعتبار ہے۔ اور یہ مقدار ذکر دونوں خطبوں کا قائم مقام ہو سکتا ہے اسکی ضرورت نہیں ہے کہ دو خطبوں کیلئے دو دفعہ تسبیح کرے امام مالک سے دونوں مذہبوں کے موافق دو روایتیں ہیں۔ امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ ذکر طویل ہونا چاہیے جو خطبہ کہا جاسکے بعض نے کہا کہ ذکر

(شرح احیاء العلوم مطبوعہ مصر جلد ثالث صفحہ ۲۲۶)

طویل کی مقدار تشہد کی قدر ہے عبدہٗ و رسولہٗ تک کہ اسمیں حمد و صلوٰۃ بھی ہے۔ اور مسلمانوں کے لئے دعا بھی۔

اسطرح کی سیکڑوں عبارتیں کتب فقہ میں موجود ہیں جنکا استقصار بیفائدہ ہے لیکن اب بعض ایسے اقوال نقل کرتا ہوں جن سے یہ ثابت ہوگا کہ خطبہ کی اصل حقیقت شرعًا و لغتہً مطلق ذکر سے زیادہ نہیں ہے۔ بلکہ لغتہً تو ذکر اللہ کی بھی تخصیص نہیں مطلق کلام کو خطبہ کہتے ہیں۔ اگرچہ عرف عام میں بعض دوسرے امور بھی جو کہ سنت کے درجہ میں ہیں اسکی ماہیت میں شامل کر لئے گئے ہوں۔ مجمع البحار میں ہے۔

خطب خطبۃ بالکسر والاسم ایضا بالکسر فاما بالضم فمن القول والکلام انتھی۔

خطب خطبۃ بکسر الخاء یعنی مصدر خطب کا حار کی کسرہ کے ساتھ ہے اور اس کا اسم بھی خطبہ کی حار کے کسرہ کے ساتھ ہے اور خطبہ کو حار کے ضمہ کے ساتھ پڑھیں تو اُسکے معنے گفتگو اور کلام کے ہوں گے۔

ذرا اور آگے چلکر لکھتے ہیں

وفیہ وانا خطیبھم اذا انصتوا ای انا المتکلم من الناس حین سکتوا عن الاعتذار فاعتذر بھم ولم یوذن لغیری فی التکلم انتھی۔

اور میں اُنکا خطیب ہوں جبکہ وہ سکوت اختیار کریں یعنی تمام لوگوں میں کلام کرنے والا میں ہی ہونگا۔ جبکہ وہ اپنا عذر پیش کرنے سے ساکت ہوں گے میں اُنکے رب کے سامنے عذر پیش کرونگا سوائے میرے کسی کو بولنے کی اجازت نہوگی۔

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں ولان المنصوص علیہ الذکر قال اللہ تعالی فاسعوا الی ذکر اللہ وقد بینا ان الذکر بھا ای بالخطبۃ ثبت بالنص والذکر یحصل بقولہ الحمد للہ فما زاد علیہ شرط الکمال لا شرط الجواز وھو نظیر ما قال ابو حنیفۃ ان فرض القرأۃ یتادی بآیۃ واحدۃ انتھی۔

(مبسوط جلد ثانی صفحہ ۳۱ مصری)۔

اسلئے کہ نص سے ذکر ہی ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خدا کے ذکر کی طرف دوڑو۔ اور یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ خطبہ کے ساتھ ذکر نص سے ثابت ہے اور ذکر الحمد للہ سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس سے زاید کمال کی شرط ہے نہ کہ جواز کی۔ اور یہ نظیر ہے امام ابو حنیفہ کے اس قول کی کہ فرض قراءۃ یعنی نماز میں ایک آیۃ سے ادا ہو جاتا ہے۔

اور علامہ سید مرتضی زبیدی حنفی صاحب تاج العروس فی شرح القاموس تحریر فرماتے ہیں۔

ودليل ابي حنيفة قوله تعالى فاسعوا الى ذكر الله فلم يفصل بين كونه ذكرا طويلا اولا فكان الشرط الذكر العام بالدليل القاطع غير ان المأثور عنه صلى الله عليه وسلم اختيار احد الفردين اعنى الذكر المسمى بالخطبة والمواظبة عليه فكان ذلك واجبا او سنة لا انه الشرط الذي لا يجزى غيره اذ لا يكون بيانا لان الدليل وهو لفظ الذكر الماموربالسعي اليه ليس مجملا ليقع فعله صلى الله عليه وسلم بيانا للمجمل فلم يكن فرضا تنزيلا للمشروعات على حسب ادلتها ولو عمده ماروٰه قاسم ابن ثابت السرقسطي في غريب الحديث عن عثمان رضي الله عنه انه صعد المنبر فقال الحمد لله فارتج عليه فقال ان اول كل مركب صعب وان ابابكر وعمر كانا يعدان لهذا المقام مقالا وانتم الى امام فعال احوج منكم الى امام قوال وان اعش تاتكم الخطبة على وجهها انشاء الله تعالى واستغفر الله لي ولكم ونزل وصلى ولم ينكر عليه احد منهم فكان اجماعا منهم على عدم اشتراطها

امام ابوحنیفہ کی دلیل ارشاد خداوندی فاسعوا الی ذکر اللہ ہے اسمیں اسکی تفصیل نہیں کہ ذکر طویل ہو یا نہو تو اب شرط جواز ذکر عام ہوگا اس قطعی دلیل سے مگر ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول یہ ہے کہ آپ ذکر کی دو فردوں طویل اور قصیر میں سے ایک فرد کو اختیار فرماتے یعنی ذکر طویل کو جسکو خطبہ اور موعظہ کہتے ہیں اور اسی پر مداومت بھی ثابت ہے تو یہ ذکر طویل واجب ہوگا یا سنت۔ یہ نہوگا کہ سوائے ذکر طویل کے اور کوئی کافی نہو۔ اور یہ آپکا دائمی عمل بیان نہوگا کیونکہ دلیل یعنی لفظ ذکر جسکا خطبہ میں حکم ہے مجمل نہیں ہے کہ آپ کا فعل اسکے لئے بیان ٹھیرے۔ پس ذکر طویل فرض نہوگا۔ یہ فرق ہمنے اسلئے کیا ہے کہ تمام احکام کو ادلہ کے موافق اپنے اپنے درجہ میں رکھا جاوے اور اسکی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو قاسم ابن ثابت سرقسطی نے غریب الحدیث میں حضرت عثمان سے روایت کی ہے کہ آپ منبر پر تشریف لیگئے اور الحمد للہ کہنے پائے تھے کہ آگے نہ چل سکے۔ تب آپنے فرمایا کہ اول سواری سخت ہوتی ہے۔ ابوبکر و عمر اس موقعہ کیلئے کلام تیار کرکے لاتے تھے۔ اور تم بہ نسبت گویا اور لسان خطیب کے ایسے امام کے زیادہ محتاج ہو جو کام کرنے والا ہو اور اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ تعالی تم خطبے بھی اسی طریقہ سے سنوگے۔ میں خدا تعالی سے تمھارے اور اپنے لئے استغفار کرتا ہوں۔ یہ فرماکر ممبر سے نیچے

وعلی ان الحمد للہ یسمی خطبۃ لغۃً وان لم یسم بہ عرفاً واللہ اعلم۔ انتہی۔ (شرح الاحیاء مصری جلد ثالث صفہ ۲۲۶)

اوتر آئے اور نماز پڑھائی۔ صحابہ میں سے کسی نے اسپر انکار نہیں کیا۔ تو اب یہ اجماع ہوگیا اسپر کہ ذکر طویل خطبہ کیلئے شرط نہیں ہے اور اس بات پر کہ الحمد للہ بھی لغۃ کے اعتبار سے خطبہ ہی اگرچہ عرف میں اسکو خطبہ نہ کہتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

اسکے قریب قریب ابن ہمام رح فتح القدیر میں لکھتے ہیں۔

فکان اجماعاً منہم اما علی عدم اشتراطہا واما علی کون الحمد للہ ونحوہا تسمی خطبۃ لغۃً وان لم تسم بہ عرفاً۔

پس یہ اجماع ہوگیا صحابہ کا یا تو اس بات پر کہ ذکر طویل شرط نہیں ہی یا اس بات پر کہ الحمد للہ اور اسکی مثل لغت کے اعتبار سے خطبہ ہیں اگرچہ عرف کے اعتبار سے اُسکا نام خطبہ نہو۔

چند سطور کے بعد فرماتے ہیں۔ والخطاب القرآنی انما تعلقہ باعتبار المفہوم اللغوی لان الخطاب مع اہل تلک اللغۃ بلغتہم یقتضی ذلک ولان ہذا العرف انما یعتبر فی محاورات الناس بعضہم بعض للدلالۃ علی غرضہم فاما فی امر بین العبد وربہ تعالی فیعتبر فیہ حقیقۃ اللفظ لغۃ

اور خطاب قرآنی کا تعلق مفہوم لغوی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اسلئے کہ کسی قوم کی زبان میں خطاب کرنا اسی امر کو مقتضی ہی اور اسلئے کہ عرف کا اعتبار لوگوں کی باہمی محاورات میں ہوتا ہے جو اونکی غرض پر دلالت کرے۔ لیکن جو امر کہ بندے اور خدا تعالی کے درمیان ہو اُس میں حقیقت لفظ کا باعتبار لغۃ کی اعتبار ہوتا ہے

پس جبکہ ان تمام اقوال مذکورہ بالا سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اصل خطبہ مطلق ذکر ہے۔ اور خطبہ سے مقصود حقیقی اور بالذات ذکر کے سوا اور کچھ نہیں۔ تو عمر تکایہ دعوٰی کہ خطبہ کی غرض وعظ وتذکیر اور احکام کا سُنانا ہے۔ اور یہ غرض زبان مروجہ میں ہی خطبہ پڑھنے سے حاصل ہوسکتی ہی۔ بالکل صحیح نہیں ہے۔ اور جو شواہد اوسنے کتب فقہ ولغت سے پیش کئے ہیں وہ عبارات مذکورہ بالا سُننے کے بعد کسی فہیم کے نزدیک مثبت مدعا نہیں۔ کیونکہ ہم ہر طرح سے بتلا چکے ہیں کہ خطبہ اصل لغت وشرع میں محض ذکر کا نام ہے لیکن عرف عام اور رواج متعارف کی وجہ سے گاہ بگاہ اُسکا اطلاق تجوزاً محض موعظت وتذکیر پر بھی کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ ایسا ہے جیسا کہ ہماری محاورات کے موافق اگر کوئی شخص

قرآن شریف کی ایک دو آیتوں کا ترجمہ چند سامعین کے روبرو کردے یا دو ایک دو مسئلہ فقہی بیان کرکے چلا جائے تو کوئی اسکو یہ نہیں کہتا کہ اسنے وعظ کہا۔ کیونکہ عرف عام میں اب وعظ کیلئے چند خصوصیات ایسے ٹھہر گئے ہیں کہ انکے بغیر عوام ہر ایک پند و نصیحت کو وعظ نہیں سمجھتے۔

پس جب خطبہ اصل میں محض ذکر کا نام ہوا تو اسکی ضرورت نہیں رہی کہ خطیب بعض سامعین کی رعایت سے قرآن اور رسول اور اہل جنت کی زبان کو چھوڑ کر انگریزی اور جاپانی میں خطبہ پڑھے۔ اور اگر یہ بھی فرض کرلیا جائے کہ خطبہ سے اصل مقصود وعظ و تذکیر ہے۔ تو جبکہ قرآن شریف جو کہ امیین اور آخرین منہم لما یلحقوا بہم کیلئے اوتارا گیا ہے اور جسکے اوتارنے والے نے اسکی حق میں صاف کہدیا ہی لیکون للعالمین نذیرا اور جس سے مقصود سوائے تبلیغ عام اور احکام عامہ سنانے کے اور کچھ نہیں ہی۔ وہ اسلئے عربی زبان میں اترا کہ وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ اور تمام عجمیوں کے ذمہ یہ فرض ہوا کہ وہ جسطرح ممکن ہو اسکو پڑھیں اور سیکھیں۔ تو اگر فقہا کرام خطبہ کی نسبت بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بلکہ تمام سلف و خلف کے عمر بھر کے تعامل کو دیکھکر یہ حکم لگادیں کہ وہ مسلمانوں کی سرکاری زبان میں ہی ہونا چاہئے تو کیا بعید ہی مسلمانوں کا فرض منصبی ہوگا کہ اگر وہ اس وعظ و پند سے متمتع ہونا چاہتے ہیں تو اس سرکاری زبان (عربی) کو سیکھیں۔ یا جاننے والوں سے دریافت کرلیں۔ یا کم از کم خطبہ کا ترجمہ ہی یاد رکھیں غالباً یہی وجہ ہی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فارس میں تشریف لاکر خطبہ فارسی زبان میں نہیں بلکہ عربی زبان میں پڑھتے تھے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے موطا کی شرح میں تحریر فرمایا ہی۔ اور شاید اسلئے امام رافعی نے جو کہ اعیان شوافع میں سے ہیں کہا ہی کہ وھل یشترط کون الخطبۃ کلھا بالعربیۃ وجھان اصحھما اشتراطہ فان لم یکن فیھم من یحسن العربیۃ خطب بغیرھا ویجب علیھم التعلم والا عصوا ولا جمعۃ لھم (منقول عن شرح الاحیاء للسید مرتضی الزبیدی جلد ثالث ص ۲۲۶

اور یہی وجہ ہے کہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما قادر علی العربیۃ کے نسبت فرماتے ہیں کہ اگر وہ کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھے تو صحیح نہیں۔ امام صاحب اگرچہ صحیح کہتے ہیں لیکن پسندیدہ ان کے نزدیک بھی یہ ہی کہ عربی میں پڑھا جاوے۔

درمختار میں شروع فی الصلوۃ کے متعلق یہی خلاف نقل کرکے لکھا ہی و علی ھذا الخلاف الخطبۃ وجمیع اذکار الصلوۃ۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جب کوئی مضمون کسی عبارت میں ادا کیا جائے تو مضمون کے ساتھ الفاظ اور اُن کی ترکیب بھی شریعت اور عقل وعرف کے اعتبار سے ایک بڑی حد تک قابل رعایت ہوتے ہیں قرآن شریف تو کلام الٰہی ہے اسلئے مضامین کی محافظت کیساتھ اُسکے کسی ایک لفظ اور ایک شوشہ کو کوئی بڑے سے بڑا نبی اور فرشتہ بھی تبدیل نہیں کرسکتا۔ اور اگر اسکی تھوڑی سی بھی اجازت ہوتی تو یقیناً اس ترمیم وتغیر کا سلسلہ نالائقوں کے ہاتھوں سے اُس حد پر جا کر منتہی ہوتا جہاں آج کتب عہد عتیق اپنے مترجمین اور ترجموں پر قناعت کرنیوالے پیرووں کے مسلسل مساعی کی بدولت نظر آرہی ہیں۔

اسلئے ائمہ اسلام نے تو قرآن شریف سے بھی گذر کر رسول اکرم (فداہ ابی وامی) کے کلام میں بھی اسدرجہ احتیاط کو کام فرمایا ہے کہ وہ تاامکان حدیث کی روایت باللفظ ہی کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جہاں کہیں ایسا نہ کرسکیں تو بسا اوقات او کما قال لکھکر فارغ الذمہ ہو جاتے ہیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ روایت کی کہ بنی الاسلام علی خمسۃ ان یوحد اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصیام رمضان والحج مجلس میں ایک شخص نے اُسکو یوں ادا کیا والحج وصیام رمضان تو ابن عمر نے فرمایا کہ نہیں صیام رمضان والحج ھکذا سمعتہ من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایک دعا تلقین فرمائی اوسمیں ونبیک الذی ارسلت یہ الفاظ بھی تھے اُس نے اُسکے بجائے ورسولک الذی ارسلت پڑھا تو جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے آپنے اسپر انکار فرمایا اور ونبیک الذی ارسلت کو پھر دوہرا دیا۔ ایک خطیب نے آپکے عہد مبارک میں ومن یعصہما فقد غوی بجائے ومن یعص اللہ ورسولہ کے کہا تو آپکی جناب سے اُسکو بئس الخطیب کا خطاب ملا۔

ان چند نظائر سے جو نمونہ کے طور پر پیش کیگئی ہیں یہ خوب واضح ہوتا ہے کہ شریعت بیضا نے مضمون کے ساتھ ساتھ الفاظ وعبارات کے بھی انتہا درجہ تک نگہداشت کی ہے اور اُنکو محض لغو اور بیکار چیز نہیں تصور کیا ہے۔ اسلئے بغایت ضرور ہے کہ ہماری نمازوں اور ہمارے خطبوں وغیرہ میں بھی الفاظ وعبارات منقولہ کی علی حسب تفاوۃ الدرجات کامل نگرانی کیجائے خصوصاً خطبۃ الجمعہ میں جسکو محققین نے بعض حیثیات سے دو رکعت ظہر کا قائم مقام قرار دیدیا ہے۔ چنانچہ قدماء مشائخ حنفیہ میں سے بھی بعض حضرات کا یہ قول مبسوط سرخسی میں منقول ہے۔ قال بعض مشائخنا الخطبۃ تقوم مقام رکعتین ولہذا لا تجوز الا بعد دخول الوقت

اگرچہ خود امام شعبی رح کے نزدیک قول اسوجہ سے زیادہ صحیح نہیں کہ خطبہ میں استقبال قبلہ نہیں ہوتا اور نہ اثناء خطبہ میں کلام کرنا اُسکے لئے قاطع ہی۔ اور نہ اُسکے لئے وضو شرط ہے۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر نائب ومنیب میں ایسی بجمیع الوجوہ مشاکلت شرط ہو تو شاید تیمم بھی وضو اور غسل کا خلیفہ نہ بن سکے اور نہ جنازہ کی چار تکبیریں چار رکعتوں کے قائم مقام ہو سکیں حالانکہ خود امام ممدوح نے اسکا اعتراف فرمایا ہے۔ بہرحال محققین نے اسی کو اپنے موقع میں مرجح سمجھا ہے کہ خطبۃ الجمعہ دو رکعت ظہر کے قائم مقام ہی اس اعتبار سے اُسمیں عربی زبان کی رعایت اور بھی اہم ہو جاتی ہے۔

ادہر عقلی حیثیت سے بھی یہی راجح معلوم ہوتا ہی کہ خطبہ جو کہ بہت بڑا شعار اسلام ہے عربی ہی میں پڑھا جاوے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ اقوام عالم میں سے کسی قوم کو جب خدا تعالیٰ دنیا میں ترقی عنایت فرماتا ہے تو اُسکے تمدن کے سامنے تمام دوسری اقوام کی گردنیں طوعًا وکرہًا جھک جاتی ہیں اور اُسکے آثار قاہر کا تسلط خود بخود بنی نوع انسان کی حالتوں پر قائم ہوتا رہتا ہے یہانتک کہ وہ قوم چلی جاتی ہے لیکن اُسکے آثار نہیں جاتے اور وہ مٹ جاتی ہی مگر اُسکی یادگاریں نہیں مٹتیں پس جبکہ مسلمان بحیثیت مسلمان ہونیکے عرب سے نکلکر چار دانگ عالم میں اپنے مذہب کی منادی کرنے کیلئے بڑھے تو اُنکا عظیم الشان تمدن بھی اُنکے ساتھ ساتھ چلا۔ اور جہاں جہاں اُن کے مبارک قدم پہونچتے گئے تو اُن کی حکومت کے ساتھ اون کا مذہب اور اُنکا تمدن بھی اپنے قدم جماتا گیا۔ اکثر بڑی بڑی اقلیموں کے تمدنوں کو مٹا کر اسلامی تمدن نے اون کی جگہہ لیلی۔ زبان چونکہ سیاست مدن کے ماہرین کے نزدیک انسانی تمدن کا ایک جزو اعظم ہے اُسکی وسعت اثر کو کسی قوم کی ترقی وتنزل کے جانچنے میں بہت زیادہ دخل ہی اور مسلمانوں کی مذہبی زبان عربی ہیں (جسکو ہم اسوجہ سے کہ اُنکا مذہب ہی اُنکی قومیت ہے اُنکی قومی زبان بھی کہہ سکتے ہیں) قدرتی طور پر کچھہ قبولیت عامہ حاصل کرنیکی استعداد بہت زیادہ تھی چنانچہ جب عربونکا گذر کسی ملک پر ہوا تو یہ نہایت حیرت سے دیکھا جاتا ہے کہ اُن کی قومی اور مذہبی زبان عربی وہاں ایسی مقیم ہوئی کہ اُن کے رخصت ہونیکے بعد بھی اُس نے اپنی حکومت وہاں سے نہیں اوٹھائی۔

ڈاکٹر گستاولی بان کہتا ہے کہ زبان عربی کی نسبت ہمکو وہی کہنا ہی جو ہمنے مذہب عرب کی نسبت کہا ہی یعنی جہاں پہلے ملک گیر اپنی زبان کو مفتوحہ ممالک میں جاری نہ کر سکے تھے عربوں نے اُسمیں کامیابی حاصل کی اور مفتوحہ اقوام نے اُنکی زبان کو بھی اختیار کر لیا۔ یہ زبان ممالک اسلامی میں اسدرجہ پھیل گئی

کہ اُسنے یہاں کی قدیم زبانوں یعنی سریانی۔ یونانی۔ قبطی بربری وغیرہ کی جگہ لیلی۔ ایران میں بھی ایک مدت تک عربی زبان قائم رہی اور اگرچہ اُسکے بعد زبان فارسی کی تجدید ہوئی لیکن اسوقت تک علما کی تحریریں اُسی زبان میں ہوتی تھیں۔ ایران کے کل علوم و مذہب کی کتابیں عربی ہی میں لکھی گئی ہیں ایشیا کی اس خطہ میں زبان عربی کی وہی حالت ہے جو ازمنہ متوسطہ میں زبان لاطینی کی حالت یورپ میں تھی۔ ترکوں نے بھی جنھوں نے عربوں کے ملک فتح کئے اُنہیں کی طرز تحریر اختیار کر لی اور اسوقت تک ترکوں کے ملک میں کم استعداد لوگ بھی قرآن کو بخوبی سمجھہ لیتے ہیں۔

یورپ کی لاطینی اقوام کی البتہ ایک مثال ہی جہاں عربی زبان نے اُنکی قدیم السنہ کی جگہ نہیں لیلی لیکن یہاں بھی اُنہوں نے اپنے تسلط کے بین آثار چھوڑے ہیں۔ موسیو ڈوزی اور موسیو انگلمین نے ملکر زبان اندلس اور پرتگال کے اُن الفاظ کی جو عربی سے مشتق ہیں ایک لغت تیار کر لی ہی۔ فرانس میں بھی عربی زبان نے بڑا اثر چھوڑا ہے۔ موسیو سدی یو نہایت درست لکھتے ہیں کہ" ادورن اور سوژمیں کے بھی زبان عربی الفاظ سے زیادہ معمور ہوگئے ہیں اور اُن کے ناموں کی صورت بھی بالکل عربی ہی"۔ فرانسیسی زبان کے ایک لغت نویس جنھوں نے الفاظ کا اشتقاق دیا ہے لکھتے ہیں کہ "جُنوبی فرانس میں عربوں کے قیام کا کوئی اثر نہ محاورہ پر رہا ہی نہ زبان پر۔ جو فہرست اوپر لکھی جاچکی ہے اُس سے معلوم ہوگا کہ اس رائے کی کسقدر وقعت ہے۔ نہایت تعجب کی بات ہے کہ اب بھی ایسے تعلیم یافتہ لوگ موجود ہیں جو اس قسم کے مہمل اقوال کا اعادہ کرتے ہیں"۔ انتہی۔ خیال کرو کہ اگر اگلے زمانہ کے مسلمان بھی ہماری طرح یہی رائے رکھتے ہوتے کہ خطبہ جس زبان میں چاہو پڑہو اور نماز جس لغت میں مناسب سمجھو ادا کرو اور قرآن و حدیث وغیرہ کے پُرمغز اور متبرک الفاظ سے قطع نظر کرکے محض اُسکے مضامین و احکام سے سروکار رکھو تو کیا واقعی مسلمانوں کے عروج و فروغ کی یہ عبرت انگیز کہانی جس کے بیان میں ایک نصرانی مورخ اتنا رطب اللسان ہی۔ دنیا میں آج باقی رہتی۔ اور اسلام کے نہیں بلکہ اُسکی اصلی ہیئت کی ادس آن بان کو جو اسوقت بھی ویران کھنڈروں میں اپنی پُرانی شان دکھا رہی ہے کسی مسلم یا کافر کی آنکھیں دیکھ سکتیں۔ سچ یہ ہی کہ ہمنے قرآن شریف یا حدیث یا خطبہ وغیرہ عربی زبان میں پڑھنے کو آج تک کلمۃ الاسلام کے اتحاد میں کچھ بھی موثر نہیں سمجھا۔ حالانکہ اس ذرا ہی بات کی قدر و قیمت فرانس کے اُس عیسائی مورخ سے پوچھو جو اپنے سمجھا دینے والے لہجہ میں کہتا ہی کہ "اُن مختلف اقوام عالم میں جو اسلامی قانون کے پابند ہیں دو چیزوں نے باہم اتفاق پیدا کر رکھا ہے اوّلاً زبان عربی اور ثانیاً حج بیت اللہ

جہاں تمام عالم کے مسلمانوں کو یکجا ہونا پڑتا ہے۔ ہر ایک مسلمان کو گو وہ کسی فرقہ کا کیوں نہو ضرور ہے کہ قرآن مجید کو عربی میں پڑھ سکے۔ اور اسیوجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ زبان عربی تمام عالم میں مروج ہے۔ اگرچہ پیروان اسلام اسوقت بہت ہی مختلف اقوام اور اجیال کے اشخاص ہیں لیکن ان سب میں ایک قسم کا اندرونی تعلق ہے جس نے اُن کو دینی اخوت کے رشتہ میں بالکل جکڑ بند کر رکھا ہے۔ اشاعت قرآن اور دین اسلام کی حیرت انگیز سرعت نے مورخین مخالف کو نہایت تعجب میں ڈالا ہے۔ ایک اور مقام پر لکھتا ہے کہ "عربوں کے ملک گیری میں ایک خاص بات ہے جو اُن کے بعد کے ملک گیروں میں ہرگز نہیں پائی جاتی۔ اور اقوام نے بھی مثل بربریوں اور ترکوں کے ملک گیری کی ہے لیکن اونہوں نے کوئی تمدن قائم نہیں کیا اور اُنکی ساری ہمت اسی میں مصروف رہی کہ جہانتک ممکن ہو اقوام مفتوحہ کے مال سے فائدہ اُٹھالیں برخلاف اسکے عربوں نے قلیل زمانہ میں ایک جدید تمدن کی عمارت کھڑی کر دی اور اُنہوں نے ایک گروہ اقوام کو اس جدید تمدن کے ساتھ اپنے مذہب اور اپنی زبان سیکھنے پر آمادہ کر دیا عربوں کی صحبت کے ساتھ ہی مصر اور ہندوستان کی سی قدیم اقوام نے اونکا دین اونکا لباس اُنکی طرز معیشت بلکہ اونکا طریقہ تعمیر تک اختیار کر لیا۔ عربوں کے بعد بہت سے اقوام نے اُنہی خطوں پر حکومت کی مگر پیغمبر اسلام کی تعلیم کا اثر اسوقت تک اُن ملکوں میں باقی ہے کل ممالک افریقہ اور ایشیا میں مراکش سے لیکر ہندوستان تک جہاں کہیں عرب پہنچے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُنکا اثر اِن ملکوں میں ہمیشہ کیلئے قائم ہو گیا ہے۔ بہت سے نئے ملک گیروں نے ان ممالک کو عربوں کے بعد فتح کیا ہے لیکن وہ اُن سے عربوں کے مذہب اور عربوں کی زبان کو ہرگز ہرگز نہیں مٹا سکے"۔

الغرض ایک محقق اور عقلمند آدمی ہمارے تمام سابق بیانات سے اسکو خوب سمجھ سکتا ہے کہ شرعی اور تمدنی دونوں حیثیتوں سے زید کی رائے صحیح اور عمرو کا خیال غلط ہے اور یہ ہرگز مناسب نہیں کہ ہر ایک زبان میں خطبہ اور قرآن پڑھنے کی رائے دیکر مسلمانوں میں تفرق و تشتت کا ایک کریہ منظر رونما کیا جائے واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب۔

۲۔ ایسے مسلمان جو عربی سے ناواقف ہوں اور قرآن پاک کے معانی کو نہ سمجھتے ہوں وہ برابر احکام شرعیہ کے اسیطرح مکلف ہیں جسطرح انگریزی قانون کو نہ پڑھ سکنے اور نہ سمجھ سکنے والوں پر بھی اُسکا اتباع حکومت کی طرف سے ضرور ہے۔ کیونکہ جب قانون عام بنگیا تو ہر ایک فرد رعایا

کا یہ فرض ہے کہ وہ اسکو جس طریق سے ممکن ہو معلوم کریں تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعٰلمین نذیرا - ایسے لوگوں کی نماز وغیرہ نہ معتبر ہونیکی کوئی وجہ نہیں - واللہ اعلم

۴ و ۳ - عام قاعدہ تو جماعت کے متعلق وہی ہے جسکو آپنے ان الفاظ میں ادا فرمایا ہے کہ من ام منکم فلیخفف فان فیہم الضعیف و الکبیر و ذا الحاجۃ اور بالخصوص جمعہ اور عیدین میں آپ سے سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ہل اتاک حدیث الغاشیہ پڑہنا ثابت ہے، اور جمعہ میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون بھی پڑہنا ثابت ہے - باقی ہمارے حنفیہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ کسی سورت کی توقیت مناسب نہیں - اسکی مفید تشریح حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رضی اللہ عنہ نے مصفی شرح موطا میں اس طرح کی ہے کہ "در پیش مالکیہ و شافعیہ مستحب است قراءۃ سورہ جمعہ و منافقون و ہمچنیں قراءۃ سبح و غاشیہ و حنفیہ توقیت بعض قرآن را بعض صلوٰۃ مکروہ داشتند و تفسیر کلام الیشاں چنانچہ محققان نوشتہ اند آنست کہ ایں کراہت در صورتیست کہ بغیر آں نماز را جائز ندار دیا قراءت بغیر آں مکروہ شمارد و اگر بجہت آسانی یا تبرکاً بالقراءۃ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم التزام کند ہیچ باک نیست - لیکن میباید کہ گاہ گاہ غیر آں نیز خواندہ باشد تا جاہلاں از ارکان صلوٰۃ نشمارند" - انتہی واللہ اعلم -

۵ - اسباب و عوارض عمومیہ کی وجہ سے جن سے کم کوئی جماعت خالی ہوسکتی ہے تخفیف قراءت اصل ہے اور طول لعذر لیکن اصل حقیقت صلوٰۃ کے اعتبار سے جو کہ محققین نے بیان کی ہے طول اصلی ہے اور تخفیف لعذر، و تفصیلہ یطلب من کتب المحققین کالشیخ العلامۃ مولانا محمد قاسم النانوتوی قدس سرہٗ -

۶ - جو شخص قرآن پاک کے معانی نہ سمجھے اُسکو بھی قرآن شریف ضرور پڑہنا چاہیے اور بیشک اُسکو ثواب ملتا ہے - جامع ترمذی میں ہے - من قرأ حرفا من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالہا لا اقول الٓمٓ حرف الف حرف و لام حرف و میم حرف اسکے سوائے اور بھی روایات ہیں جنکے سیاق سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نفس الفاظ و حروف کا تلفظ کرنے پر بھی ثواب ملتا ہے تطویل کے خیال سے اُنکے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی - واللہ اعلم بالصواب

کتبہ
شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ - خادم دار العلوم دیوبند ۸ ذیقعدہ ۱۳۴۲ھ

الجواب صحیح
بندہ عزیز الرحمن عفی عنہ
مفتی مدرسہ دیوبند

للہ در الفاضل المجیب ما احسن ما اجاب
(حضرت مولانا استاذ الاساتذۃ العلماء) محمود حسن عفی عنہ (زید مجدہم السامی)
صدر مدرس دار العلوم دیوبند

للہ در العلامۃ المجیب المصیب
زحزح عن الحق حتی قد تبین الصبح لذی عینین
(حضرۃ مولانا) محمد انور شاہ (صاحب)

تربیت السالک و تنجیت الہالک

گذشتہ سے پیوستہ

سوال۔ ضعف احوال جو مبنی معاصی کا ہے اسکی قوت کا کیا علاج ہے۔

جواب۔ ہمت و کثرت اختلاط اہل اللہ و طول مراقبات عقاب و مطالعہ احوال خائفین و تعزیر نفس بعمل شاق یا بذل مال و دعا و التجا بجناب باری تعالیٰ۔

سوال۔ غلام اور غلام کی ایک دختر میں غیظ و غضب کا مادہ زیادہ تر ہے دنیوی ناگوار یوں نمیں وحشیانہ حرکات و افعال فرط غضب میں صادر ہوتے ہیں حتیٰ کہ چیخنے اور سامنے کی موجودہ چیزوں کو پٹکنے کی نامعقول حرکت بھی سرزد ہوتی ہے جس سے بعد انفعال لاحق ہوتا ہے مدت کے بعد اس حکیم روحانی مدظلہم سے اس کا نافع ترو مفید تر علاج شرعی طلب کیا جاتا ہے یقین ہے کہ مثل دیگر احسانات عظیمہ حضور کا یہ احسان عظیم بھی میرے خاندان میں یادگار چلا آویگا۔

جواب۔ نمبر ۱ جسپر غصہ آوے اُسکو اپنے سامنے سے علیحدہ کر دینا یا خود علیحدہ ہو جانا۔ نمبر ۲ فوراً کسی دوسرے کام میں لگ جانا نمبر ۳ ٹھنڈا پانی پی لینا یا وضو کر لینا نمبر ۴ اللہ تعالیٰ کے قہر اور اپنی نافرمانی کو یاد کر کے سوچنا کہ اگر ہم پر وہ غضب کریں تو کیا ہو اور اس غضب سے بچنے کا ذریعہ اپنے کف غیظ کو سمجھنا۔ اور نمبر ۵ زبان سے اعوذ باللہ پڑھنا۔ اگر سب کی فرصت نہو تو اول کے دو بھی انشاء اللہ نافع ہوں گے

سوال۔ سابقہ گناہوں کی توبہ پر اعتبار نہیں رہتا واللہ اعلم توبہ خالص ہے یا کیسی۔

جواب۔ انشاء اللہ تعالیٰ خالص ہی ہے باقی اعتبار سو بندہ کے فعل کا اعتبار ہی کیا وثوق اور توکل تو خدا ہی کی رحمت پر ہو سکتا ہے۔

حال۔ البتہ نفلوں میں ایک قسم کی لذت اور فرحت پیدا ہو رہی ہے جو قبل از شرف صحبت حضور نہ تھی۔

تحقیق۔ شکر کیجیے۔

سوال - نماز میں وضو ٹوٹنے کی ایک ایسی مصیبت لاحق ہے جو بعض موقع بے لذت کردیتی ہے
جواب - مگر مجاہدہ کا نفع لذت کے نفع سے زیادہ ہے اور اس میں مجاہدہ ہوتا ہے
ع - ہر چہ آن خسرو کند شیریں بود -
حال - الحمد للہ ۱۲ جمادی الاولیٰ سے آج تک نماز تہجد برابر بلا ناغہ ادا ہوتی رہی اور تمام معمولات بھی اپنے وقت پر ہوتے رہے مگر اپنی تقصیرات کی وجہ سے ابتک کوئی حالت جدید اس قابل نہوئی جو عرض کیجاوے واللہ اسی خیال سے ارسال عریضہ میں شرم آتی ہی اور تاخیر ہوتی ہے
تحقیق - اس کا انتظار نہ فرمائیے - اطلاع ضروری ہی یہی سہی کہ کوئی حالت جدید نہیں ہوئی اس سے بھی فائدہ ہے مثلاً یہی معلوم ہوجاویگا کہ حال مقصود نہیں مقصود صرف طاعت سے رضا ہے
حال - کل شب جمعہ کو جب نیند آئی ہے تو اس طرح معلوم ہوا کہ تمام سر اور آنکھ ناک کان سب سے ذکر اسم ذات بالجہر جاری ہی چونکہ اسی وقت نیند آئی تھی اسلئے آواز ذکر سے آنکھ کھل گئی -
تحقیق - لیجئے یہ تو جدید حالت بھی ہوگئی گو یہ مطلوب نہیں مگر ایک بشریٰ عاجلہ تو ہی شکر کیجئے -

---

حال - خادم اپنی حالت پر خون کے آنسو روتا ہے اور رونا بھی نہیں آتا -
تحقیق - رونے کی ضرورت ہی کیا ہے جس رونے کی فضیلت آئی ہے وہ دل سے رونا ہی چنانچہ فتباکوا فرمانا اسکی دلیل ہے اور یہ آپ کو حاصل ہی چنانچہ مضمون خط سے ظاہر ہے پس یہ حالت قابل مسرت وشکر کے ہے -
حال طبیعت ایسی کمزور ہوگئی ہے کہ مکان سے باہر نہیں جاسکتا نہ ہمت ہوتی ہی کسی چیز کو دل نہیں چاہتا -
تحقیق - اس کا سبب ضعف قلب ہے کوئی بُری حالت نہیں غم نہ کیجئے -
حال - شوق محبت کل چیزوں کی باقی نہیں صرف عاقبت کا خیال ہر وقت لگا رہتا ہے
تحقیق - مبارک حالت ہی جسکو مجاہدات سے حاصل کرنیکی کوشش کرتے ہیں -
حال - امسال کمی بارش کی وجہ سے غلہ بہت کم ہوا - ان ہی مکروہات دنیوی میں اکثر خیال لگ جاتا ہے اور اکثر نماز میں بھی خیال فضول آیا کرتا ہے -
تحقیق - یہ امور طبیعہ سے ہی ذرا بھی مذموم اور مضر باطن نہیں -

حال - اس جوار میں بدعت ورسوم وغیرہ کے لوگ بہت پابند ہیں خاص کر عورتیں بہت زیادہ - حضور دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسی صحبتوں سے دور فرماویں اور میری حالت مالوفہ کو توڑ دیں بلکہ زیادہ نیک فرماویں -

تحقیق - آمین - اب بھی بفضلہ تعالیٰ زیادہ نیک ہی ہماری خود کفارہ ہے -

حال - شب کو اکثر آنکھ نہیں کھلتی ہے اور اگر کھلتی بھی ہے تو کاہلی کی وجہ سے اُٹھا نہیں جاتا حضور کوئی صورت آنکھ کھلنے کی میرے مناسب تجویز فرماویں اور دعا بھی فرماویں -

تحقیق - عشا سویرے پڑھکر سو رہا کیجئے اور کھانے پینے میں کسی قدر رات کو کمی کیجئے اور سورۂ کہف کی آخر آیتیں ان الذین اٰمنوا سے ختم سورت تک سونے کے وقت پڑھ لیا کیجئے اور اگر اس پر بھی آنکھ نہ کھلے تو بعد عشاء کے تہجد پڑھ لیا کیجئے اور ضروری ذکر بھی اُسی وقت کر لیا کیجئے

حال - خادم اگرچہ اپنے کام میں لگا ہوا ہے مگر بعد مغرب تھوڑی دیر کے سوچ بچار سے جو رقت پہلے ہوا کرتی تھی وہ اب باوجود کوشش کے بھی نہیں ہوتی بلکہ علائق دنیا کے معاملات اور تفکرات ہجوم کر لیتے ہیں کبھی بیٹھے بیٹھے نیند آجاتی ہے پہلے تو تقریباً روزانہ ہی اپنی حالت پر رقت ہوا کرتی تھی مگر اب باوجودیکہ معمول سابقہ میں کچھ کمی نہیں کیگئی بلکہ رقت نہونے پر بھی ہمیشہ اُسوقت بیٹھکر محاسبہ کرتا ہوں مگر رقت ہمیشہ نہیں ہوتی کبھی کبھی ہوتی ہے کبھی صبح ہی کی نماز کے بعد اور کبھی کلام مجید پڑھتے ہوئے کبھی یوں ہی بیٹھے ہوئے کسی آیۃ پر خیال ہو کر یا خداوند کریم کی کریمی و رحیمی اور اپنی معصیت و نافرمانی پر -

تحقیق - یہی کافی ہے بلکہ اگر یہ بھی نہ ہوتی تو مضائقہ نہ تھا یہ مقصود بالذات نہیں مقصود عمل ہے سو وہ اختیاری ہے -

حال - اور جب یہ حالت ہوتی ہے اسوقت اعلان کے ساتھ رونے اور مناجات وغیرہ کے اشعار آیات پڑھنے کی غایت درجہ رغبت ہوتی ہے مگر کل سے کلام مجید میں یہ آیت دیکھکر سخت تردد ہے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ط آج پھر اسی مضمون کی ایک آیۃ معلوم ہوئی اور اس کے ترجمہ میں پکار پکار کر عرض معروض کرنے کو منع لکھا ہے -

تحقیق - مطلب یہ ہے کہ قصداً نہ چلاوے اور جو شوق ہی طبعاً خود جہر پیدا ہو جاوے وہ خفیہ کے خلاف نہیں -

خیر الامم کا عظیم امتیاز

(۶)

الغرض یہ تو اسکی اندرونی کمزوری تھی۔ جو اسکے روحوں، اور جسموں پر مسلط تھی، اسکے بعد دیکھو! کہ اس سے باہر کن قوتوں کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسکی اندرونی کمزوری گو کیسی ہی قابل رحم و صد تاسف ہو، اسکا افلاس اسکی نکبت کتنی ہی گئی گذری ہو۔ تاہم جو حال اسکی بیرونی طاقتوں کا ہے۔ اسکے مقابلہ میں اسے ہم بسا غنیمت سمجھتے ہیں۔

تم تھوڑی دیر کے لئے، اپنی قوۂ تخیل کو قبضے میں کرو! اور اپنے کو زمانے کے تیرہ سو برس پیچھے لیجاؤ! پھر بطحا، عرب کی کسی پہاڑی پر چڑھ کر دیکھو! کہ اسوقت جبکہ ایک مے عرفان میں مخمور آنکھ مزدلفہ کے بطن میں پھیلی ہوئی۔ جماعت کو نگاہ حسرت سے دیکھ رہی ہے، اور خدا جانے کیا سمجھکر اسکا دمکتا ہوا انوربار چہرہ یکایک غم کی چادر سے ڈھک جاتا ہے آخر اسکی امر سے لوگ ایک وادی غیر ذی زرع میں آکر جمع ہوتے ہیں، اور منتظر ہیں، کہ وہ ہستی مقدس، وہ تمثال حقیقت ربوبیہ، فضاء آسمانی کو جب اپنے جگمگاتے ہوئے موتیوں سے، یعنی اپنی زریں نصیحتوں سے منور کریگا۔ تو اپنے دامن دل کو بھر لیں گے۔ کہ دفعۃ لوگوں پر ایک سکوت طاری ہو جاتا ہے۔ اور پھر آسمان کے نیچے بجز چند گونجنے والے مبارک الفاظ کے اور کسی وجود کا پتہ نہیں چلتا۔ ہاں! کبھی ان لفظوں کی دل کش اداؤں پر سر دھننے والے بیچینی سے مضطرب ہو کر گردنیں ہلا دیتے ہیں۔ البتہ اسوقت جبکہ وہ خدا کا آخری نشان اپنے وعظ میں اس موقعہ پر پہونچا کہ

انتم تسألون عنی فما انتم قائلون ؟ | تم ہم سے پوچھے جاؤ گے تو تم کیا کہو گے۔

تو ایک غلغلہ بلند ہوا اور سب نے ہم آہنگ ہو کر کہا۔

نشهد انك قد بلغت وادیت ونصحت" | ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپنے پہونچا دیا۔ اور ادا کر دیا اپنا حق اور ہماری خیر خواہی کی۔

اسکے بعد یکایک اس بحر معرفت کا تموج تھم گیا۔ اور اسکی بڑی بڑی سرخ آنکھیں جس کی گلابی

رگوئیں شب بیداری نے کچھ اور ہی اثر پیدا کر دیا ہے، جسے ہم نہیں دیکھ سکتے، اور جو دیکھ سکتے ہیں پھر وہ کسی کو نہیں دیکھ سکتے، وہی نگاہیں آسمان کی جانب اٹھیں، پھر کیا ہوا۔ اسے ہم نہیں جانتے، اسقدر دیکھا گیا تھا، کہ وہ وجود اطہر ایک محویت کے عالم میں مستغرق رہا، اور اسکے بعد ایک آواز آئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی سے جسے ہم نہیں دیکھتے تھے، کہہ رہا تھا۔

اللھم ھل بلغت اللھم ھل بلغت

اے اللہ کیا میں نے پہونچا دیا۔ اے خدا کیا میں نے پہونچا دیا۔

یہ حجۃ الوداع کا وہ آخری اجتماع ہے، جو ہجرت کے سنہ میں وادی منیٰ کے سطح پر منعقد ہوا تھا اور کرۂ ارض کے اکثر مسلمان یہاں آکر اکٹھے ہوئے ہیں، انکی تعداد اسوقت لاکھ سے متجاوز نہیں ہے، اور یہ وہی جماعت ہے، جسکی اندرونی کمزوریوں کا حال تم سن چکے، اسوقت یہ اپنی پوری قوت کے ساتھ یہاں پر موجود ہی، اسی لئے میں نے اندازہ کرنے کیلئے اسی اجتماع کو منتخب کیا ہے۔ آپ دیکھوا کہ گو تمھاری نظروں میں یہ اسوقت بہت آتے ہیں، لیکن تمھیں کیا معلوم کہ اس پر مصائب و آلام کیسے بادل چھائے ہوئی ہیں۔

یہ بیکس مفلس قوم ہے، لیکن دیکھو! مخالف قوتوں کا ہجوم چار جانب سے اسوقت کس دہشتناک طریقے سے محیط ہے، خود اسکے پہلو بہ پہلو ایک منافقین کی بڑی جماعت اسی میں گڈمڈ ہے جنمیں سے ہر ایک منافق ملت مرحومہ کیلئے ایک زہریلا جرثومہ ہے، یا وہ خونخوار بھیڑیا ہے۔ جسکا چنگال تیز صرف جسم ملت کے لئے وقف ہیں،

اور صرف یہی نہیں، جزیرہ نمائے عرب ہی تک تمنے اپنی تا رنگاہ کو کیوں محدود کر دیا ہے، اسے اور اونچی کرو۔ کہ ان چند فاقہ مستوں، کمل پوشوں، خانہ بدوشوں، پر جو اپنے خیموں سے نکل نکل کر منیٰ میں بغایت سراسیمگی مجتمع ہیں، اور تمام عالم سے غافل اپنے ہادی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وعظ سن رہی ہیں ان پر دیکھو! کہ گالڈن ہارن کے خوبصورت شہر قسطنطنیہ کی عیسائی سلطنت قاہرہ کیسی غیظ آفریں، غضب آلود۔ نگاہیں ڈال رہی ہے رومی تائٹوں کے تمتمائے ہوئے چہرے کس بیتابی کے ساتھ اپنی کرچیں میانوں سے نکال نکال کر چاہتے ہیں۔ اپنے نجومی بادشاہ ہرقل کی سچی پیشینگوئی کو (کہ اس نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت

کا حال دریافت کرنیکے لئے بلایا، اور اُنھوں نے صحیح صحیح باتیں کہیں تو بھرے دربار میں اُس نے کہا تھا،

فان کان ماتقول حقا فسیملک موضع قدمی ھاتین (بخاری)

تم نے جو کچھ کہا اگر وہ سچ ہے تو عنقریب میرے قدموں کے نیچے جو زمین ہے اسکا مالک ہوگا

جھونٹی کردیں۔ ادہر عساکر رومیہ کا تو یہ حال ہے۔ دوسری جانب گورنر حیرہ[۵] کی ریشہ دوانیوں نے جو اسے عرب کے باغی ہونے سے قدرتی طور پر کرنا چاہئے تھا۔ کیانیوں کے پایۂ تخت میں ایک آفت برپا کردی ہے۔ نریماں و رستم کے گرزگاؤ سر، ایرانی پہلیتن اپنے کاندھوں پر رکھ رہے تھے، برزو اور سہراب کے خنجر زہر میں بجھائے جارہے تھے۔ اسفندیار و بیژن کی تلواریں پھر سان پر دہری جارہی تھیں، ایرانی زرہ بینوں کی چمکدار بھالوں سے مرغزار عجم جھک جھک کررہا تھا، گیو د گودرز کی چلہائے کمان کی کھچاوٹ سے الوند والبرز گونج رہے تھے، غرضکہ ساسانیوں کا مغرور تاج جس نے حکومت سماویہ کے خلیفہ کے خط کی توہین کی تھی۔ گورنر حیرہ کے اشاروں سے بالکل تیار ہوگیا ہے، کہ اپنے کوہ پیکر مست ہاتھیوں کے قدموں کے نیچے نحیف و نزار عرب کو کچل ڈالیں، تاکہ عرب کی اس باغیانہ شورشوں کا قرار واقعی طور پر قلع قمع ہوجائے۔

آہ! اسی پہاڑ کے نیچے وعظ سُننے والی جماعت کی بیکسی کو دیکھو! اور ان جبروتی طاقتوں کا اندازہ کرو! سونچو! کہ اسکی بے بسی کس مرتبے کو پہونچ چکی ہے، اہ! وہ کسقدر مجبور و کمزور ہے۔ اسوقت فاران پر چمکنے والے نے پکارا۔

ان ھذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا۔	یہ ایک نصیحت ہے۔ جس کا جی چاہے اسے شاہراہ ہدایت بنائے۔

کہ اسی مرحوم قوم نے بایں ہمہ ضعف، قربان جائیے جس دلیری اور خندہ پیشانی سے جواب دیا۔

ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا بہ	پروردگار! ہم نے سنا کہ ایک پکارنیوالا ایمان کیطرف پکار رہا تھا۔ تو ہم اسپر ایمان لے آئے۔

اور پھر زبان حال سے اسی لئے کہا، جو مشارق الارض و مغاربہا کے سیاح جنوں نے

---

[۵] حیرہ سرحد عرب و فارس پر ایک شہر ہے، اور ایران کا جو اثر عرب پر تھا اسکا مرکز اسی شہر کو قرار دیا گیا تھا جب عرب جوق جوق مدینہ میں آکر مسلمان ہوئے تو انھوں نے اپنی آزادی کا اعلان کردیا۔ اور سالانہ جشن میں اکثر عرب حیرہ نہ گئے یہی وجہ تھی کہ سلطنت ایران مسلمانوں سے برسر پرخاش ہوگئی ۱۲ منہ

نخلستان عکاظ میں قرآن سُنکر کہا تھا۔

انا سمعنا قرآنا عجبا یھدی الی الرشد فامنابه ۔ | ہمنے ایک عجیب قرآن سنا جو رشد کی طرف بلاتا تھا تو ہم اسپر ایمان لے آئے ۔

پس اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نصیحت کی اور قرآن کو مضبوطی کے ساتھ اخذ کرنے کا حکم دیا۔

وقد ترکت فیکم مالم تضلوا بعدہ ان اعتصمتم به وھی کتاب اللہ | میں نے تم میں ایسی چیز کو چھوڑا جسکو اگر تمنے مضبوطی کے ساتھ پکڑا تو گمراہ نہیں ہو سکتے اور وہ خدا کی کتاب ہے

اُنھوں نے نہایت علو ہمتی سے قرآن کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اخیر دم تک جان و دل سے اسکی حفاظت کرتے رہے، اور آجتک کر رہے ہیں۔ اپنے خارجی و داخلی دشمنوں سے بڑی بڑی تیر آزمایاں ہوئیں لیکن وہ ان سب کا مقابلہ کرتے ہوئے۔ قرآن کو یاد کرتے رہے، پڑھتے رہے، پڑھاتے رہے، الغرض جو کچھ کارکنان قضا و قدر نے لکھا تھا۔ وہ پیش آیا۔ لیکن قرآن میں جو مصروفیۃ تھی۔ وہ ہر حال میں باقی رہی۔ اور نہ صرف قرآن کی حفاظت میں وہ اتنے سرگرم ہیں۔ بلکہ اُنھوں نے ان بعض اسرار و مشکلات کو جو بجز مشکوۃ نبوت کے اور کسی روشنی سے واضح نہیں ہو سکتے تھے اور جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختلف اوقات میں بیان فرماتے رہے اور جو قرآن کے لئے بمنزلہ شرح کے تھے۔ اُنھوں نے ان منتشر توضیحات کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جمع کیا۔ اور اسکا "حدیث" نام رکھ کر ایک الگ فن قرار دیا۔ پھر جب عجم آئے۔ غیر قومیں مسلمان ہوئیں، اور اُنھوں نے قرآن سیکھنا چاہا۔ تو ان کیلئے الگ الگ علوم مدون کئے گئے، الغرض، قرآن کے لئے جب جب، جن چیزوں کی ضرورت پیش آتی رہی، اسی امی قوم نے اسکے مہیا کرنے میں کوئی کمی نہیں کی، جسکا نتیجہ آخر میں یہ ہوا۔ کہ الفاظ و معانی کی اعتبار سے قرآن کے متعلق بہت سے فنون پیدا ہو گئے۔ اور ہر فن سے الگ الگ فرائض کی حیثیت سے مختلف شاخیں پھوٹیں، حتی کہ آج اگر تم ان علوم کا استقصاء کرنا چاہو گے۔ تو ایک وقت طویل، اور مطالعہ کثیر کے بعد بھی کامیابی بمشکل ہو سکتی ہے۔

اسی سے قیاس کر لو! کہ صرف ملا کاتب چلپی کی محدود کوشش نے امہات علوم قرآنیہ کو ساٹھ سے بھی متجاوز کر دیا ہے۔ ورنہ پھر ہر علم کی شاخوں کا حال یہ ہے کہ محض علم حدیث کے متعلق اسوقت ۸۰ علوم

موجود ہیں (ھکذا ہو المشہور) اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ مبالغہ ہے۔ لیکن کیا صرف ایک کتاب کی حفاظت، و توضیح کے لئے آجتک ۶۷ علوم مدون ہوئے ہیں ؟ اور پھر ہر علوم میں ہزار ہزار کتابیں لکھی گئی ہیں۔؟ آجتک ربع مسکون پر اسکی کوئی نظیر موجود نہیں۔

اب غور کرو! ایک قوم چاہتی ہے، کہ اسلام کی جگہ اپنے مذہب کا تخت قلوب عالم پر بچھائیں لیکن تم انصاف کرو! کہ جس مذہب کی صرف ایک کتاب کے لئے ۶۷ علوم مرتب کئے گئے ہیں۔ وہ اس قابل ہے کہ دنیا اسے اپنا دستور العمل بنائے یا وہ جسکے پیرو اپنی کتاب کے جس پر انکے مذہب کی بنیاد ہے حفاظت نہ کر سکے ہوں۔

یا اس مذہب کے مقابلہ میں کسی ایسی مذہب کا نام بھی لیا جا سکتا ہے جسے مضحکہ خیز جرأت کے ساتھ اسلام کی جگہ پیش کیا جاتا ہے۔

کیا وہ مذہب جسکی مذہبی روایات کا سلسلہ متصل یا منقطع موجود نہو سوہ اس مذہب کی ٹکر سنبھال سکتا ہی جسکے منادی اور داعی علیہ الصلوۃ صلوۃ دائمہ کاملۃ والسلام، کی زندگی کا ایک ایک واقعہ خواہ وہ مذہبی ہو یا امور طبعیہ کے متعلق ہو حتی کہ انکی اس معاشرۃ کی پوری تصویر جو اپنے ازواج رضی اللہ تعالی عنھن کے ساتھ تھی، لفظاً لفظاً حرفاً حرفاً موجود ہو، اسکی زبان سے ادا ہو تو ایسی الفاظ کا نقطہ نقطہ متصل سند کے ساتھ (وہ بھی اس طرح کہ سلسلہ کے ہر راوی کا حال مفصل بھی مرتب ہو) اسوقت کتابوں میں مکتوب، زبانوں پر جاری، سینوں میں محفوظ ہو،

"چہ نسبت خاک را با عالم پاک"

جو اسکا مقابلہ کرنا چاہتا ہے، وہ اسکا نقصان نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی ہلاکت کا سامان کر رہا ہے اعشی نے اسی موقعہ کے لئے کہا تھا۔

کناطح صخرۃ یوماً لیفلقھا | فلم یضرھا واوھی قرنہ الوعل

چٹان پر سینگھ مارنے والے بکرے کی طرح کہ اس نے اسے اکھاڑنا چاہا لیکن چٹان کو نقصان نہ پہونچا سکا اپنی سینگھ توڑلے"

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے جس شاندار پر شوکت نظارہ کے ساتھ خدا کی کتاب کو سرزمین طیبہ اور ارض مکہ میں لیا تھا۔ انھوں نے اس شان کو ہمیشہ باقی رکھا ہند و بھی ایک قوم ہی تھی۔ وہ بھی آدم کی اولاد تھی۔ اسکے پاس اپنا ملک تھا، طاقت تھی، کوئی بیرونی دشمن ایسا نہ تھا، ملک میں ...

وشاداب تھا۔ غرضکہ سب کچھ تھا، لیکن آج بیچاروں کو یہ بھی معلوم نہیں، کہ وید کس زبان میں تھے اور اسی کے مقابلہ میں مسلمان ہیں، کہ وہ جیسے تھے اسے تم پڑھ چکے، لیکن آج انکا ایک بچہ بھی تمھیں بتادیگا۔ کہ قرآن میں کتنے زبر اور کسقدر زیر۔ اور کتنے پیش ہیں۔

"ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا"

اگر واقعی کسی میں انصاف حیا ہی؟ تو آپ اسلام کے خلاف کسی آواز کو بلند کرنا۔ حد درجہ کی اور انتہائی بے انصافی شمار کریگا۔ ایک وید ہے کہ ایام سلطنت اسلامیہ میں وہ اسے ایسے بھولے کہ اگر آج یورپ اسکا ترجمہ کرکے نہ بھیجتا تو اسے وہ پڑھ بھی نہیں سکتے تھے۔

اور ایک قرآن ہے کہ صرف ہندوستان میں جہاں اسپر کسی سلطنت کا سایہ نہیں ہے۔ اسکے زبانی پڑھنے والے کئی لاکھ ہیں۔ اور بھی آسمانی کتابیں ہیں۔ اور انکے ماننے والے انھیں ایسا ہی مقدس سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ مسلمان قرآن کو، پھر یہ کیا ہے۔ کہ کرۂ ارض پر اسکے زبانی یاد کرنیوالے پانچ چھ سے زیادہ نہیں ہوسکتے۔ تم اسکا جواب نہیں دے سکتے۔ لیکن میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ صرف انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کی معجز نمائی ہے

الغرض اسمیں کوئی شبہ نہیں، کہ مسلمانوں کی تمامتر امتیازی ترقیوں کا مظہر اتم صرف حفاظت قرآن ہی اور یہی خیر الامم کا تنہا طغرئ امتیاز ہے جس سے زیادہ خوبصورت طغرا جریدہ عالم پر آجتک ثبت نہیں ہوا۔

مسلمانوں کی مذہبی کشورکشائیاں، فاتحانہ الوالعزمیاں، بلاشبہ دنیا کے بے مثل کارنامے ہیں۔ پر کون کہہ سکتا ہے یہ انکی امتیازی کوششوں کی جولانگاہ ہے،؟ مذہبی لڑائیاں دنیا میں کب نہیں ہوئیں۔ چھٹی صدی عیسوی سے ساتویں صدی عیسوی تک بازنطینوں کی تاریخ پڑھجاؤ۔ اور دیکھو! کہ سلاطین پیٹرنٹ کی تلواریں کس سرگرمی کے ساتھ مسیح علیہ السلام کی اس حکم کو کہ "اور جس نے میری نافرمانی کی اسے لاؤ اور میری قدموں پر ذبح کردو" انجام دی رہی ہیں۔ بودھ مت کے متبعین اور براہمہ کی باہمی خونریزیاں کیا مذہبی اثرات کی تابع نہ تھیں۔ اور وہ کونسی قوت تھی جس نے بودھ مت کو جڑ پیڑ سے ہندوستان سے اکھاڑ دیا۔ ان! وہ کسی نے نہیں کیا۔ جو ہم نے کیا۔ اور جس میدان میں دنیا کی تمام قومیں پیچھے رہ گئیں۔

خدانے ہمیں اس میں سب سے آگے کردیا۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء

اور میں دراصل اسی ارادہ سے اٹھا تھا، کہ قرآن کے متعلق جسقدر بھی علوم ہیں، و بعبارۃ اخریٰ جیسے ہیں علوم اسلامیہ کے ساتھ تعبیر کرتا ہوں۔ ان تمام فنون کی الگ الگ مستقل تاریخ لکھوں اور دکھاؤں کہ ہر فن کی ابتدا کیونکر ہوئی۔ اور پھر اسکی ترقی آئے دن کن کن صورتوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوتی رہی۔ اسوقت وہ کس حال میں ہے۔ آئندہ اس میں ایا کسی اضافہ کی ضرورت ہے، یا نہیں، لیکن جب قلم اٹھا تو تمہید طویل ہوگئی۔ مفید تھی اسلیئے میں نے اسے جاری رکھا، پر اب وہ ختم ہوگئی۔ اور وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے اصلی مقصد کی طرف متوجہ ہوجائیں۔ وما توفیقی الا باللہ ھو حسبی ونعم الوکیل۔ لیکن قبل اسکے کہ ہر علم پر مفصل بحث کیجائے۔ چاہتا ہوں، کہ علوم قرآنیہ کی اس موقعہ پر ایک اجمالی فہرست دیدوں۔ اور پھر اطمینان کے ساتھ اسی فہرست میں سے کسی ایک علم کو لیکر اس پر بحث کرتا رہوں۔ اور اسی علم کو عنوان بھی بناؤں۔

"اجمالی فہرست علوم قرآنیہ اسلامیہ"

علم الحدیث۔ علم التفسیر۔ علم الفقہ۔ علم الکلام۔ علم الصرف۔ علم النحو۔ علم المعانی۔ علم البیان۔ علم بدایع القرآن۔ علم اصول الحدیث۔ علم المغازی والسیر۔ علم درایۃ الحدیث۔ علم اسماء الرجال۔ علم الجرح والتعدیل۔ علم الثقات والضعفاء۔ علم رموز الحدیث۔ علم غریب القرآن والحدیث۔ علم متن الحدیث۔ علم الادعیہ والاوراد۔ علم المناظرہ۔ علم اسباب النزول۔ علم اسباب ورود الاحادیث وازمنتہ وامکنتہ۔ علم اعجاز القران۔ علم اعراب القرآن۔ علم افضل القران وافاضلہ۔ علم اقسام القرآن۔ علم علامات النبوۃ والارہاصات۔ علم الانساب۔ علم الآیات المتشابہات۔ علم الابحاث۔ علم التاویل۔ علم القراءۃ۔ علم التصحیف۔ علم تحسین صوت القرآن۔ علم التجوید۔ علم تصوف القرآن۔ علم الحیل الشرعیہ۔ علم الخلاف۔ علم دلائل الاعجاز۔ علم رسم المصحف۔ علم طب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ علم الفتاوی۔ علم الفرائض۔ علم کیفیۃ انزال القرآن۔ علم مبہمات القرآن۔ علم المتواتر والمشہور من القرآن۔ علم مشکل القرآن۔ علم مفردات القرآن۔ علم المکی والمدنی۔ علم مناسبات السور والآیات۔ علم الناسخ والمنسوخ۔ علم اللغۃ العربیہ۔

یہ ہے علوم اسلامیہ قرآنیہ محصنہ کی اجمالی فہرست جسمیں صرف ان علوم کو لیا گیا ہے۔ جو براہ راست مسلمانوں کی مجاہدات کی زیربار احسان ہیں۔ اور جو محض قرآن کے لئے مدون ہوئے۔ ورنہ علم الاشعار علم الادب کے بارہ تیرہ شاخ انہیں ترک کیا گیا، کیونکہ دنیا کی کس قوم نے اپنے اشعار محفوظ نہیں کئے، ہاں! پھر بھی فرق ہے۔ اوروں نے صرف حظ نفسانی اور بقا انسان کو لئے اشعار یاد کئے، اور مسلمانوں نے صرف اس لئے تاکہ قرآن فہمی میں اس سے مدد ملے۔ حضرت عمرؓ نے تاکید کی علیکم باشعار الجاهلية فانها ديوان العرب یا اسی طرح منطق فلسفہ وغیرہ جسقدر بھی علوم ہیں۔ ان کو گونہ حفاظت قرآن سے واسطہ ہے۔ جس کیلئے مجھے ایک مضمون لکھنے کی ضرورت پڑیگی

بہرکیف اس فہرست میں محض علوم اسلامیہ اس میں بھی جو امہات تھے وہ ذکر کئے گئے ہیں۔ گو بعض فروعی علوم بھی ہیں۔ لیکن جب انکی تفصیل کی نوبت آئیگی۔ تو آپ دیکھیں گے کہ بجائی خود ایک موٹی شاخ ہے جس سے کتنی چھوٹی چھوٹی ٹھنیاں پھوٹی ہیں۔

آپ دعا کریں، کہ خدا میری وقتوں میں برکت عطا فرمائے، اور مجھے توفیق بخشے کہ میں آپکے سامنے اپنے اسلاف واکابر کی محنتوں کو مشرح اور دلنشیں پیرایہ میں ادا کرسکوں۔ وماذلك على الله بعزیز فقط۔

تم التمہید

نیازکیش محمد مناظر احسن عفی عنہ

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

حضرت عمر کو مالک ابن نویرہ کے قتل پر جو ناراضی حضرت خالد سے تھی اس واقعہ سے اور بھی بڑھگئی۔ مگر صدیق اکبر یہ فرما کر اُن کی ناراضی کو دفع فرماتے تھے کہ جو شخص دشمنوں سے مقابلہ کرتا ہے اُسکو ایسے واقعات سے سابقہ ضرور پڑتا ہے۔

مضیح سے فراغت پاکر حضرت خالد ثنی اور زمیل کی طرف بڑھے۔ جو رصافہ کی جانب شرق آباد تھے۔ یہاں ربیعۃ ابن بجیر تغلبی۔ عقۃ کے انتقام کیلئے بجمعیت کثیر موجود تھا اور اُس نے زرمہر روزبہ۔ اور ہذیل سے معاہدہ کرلیا تھا حضرت خالد ان سب سے عہدہ برآ ہو چکے تو آپ نے حکم دیا کہ ربیعہ پر حملہ کیا جاوے۔ ربیعہ ثنی میں تھا۔ اُسکو تین طرف سے ایسا لیا کہ ایک متنفس بھی نہ بچسکا۔ ہذیل مضیح سے بھاگ کر زمیل میں آگیا۔ ان پر بھی حضرت خالد نے تین جانب سے شبخون مارکر قصہ تمام کردیا۔ زمیل سے آپ رضاب پہونچے۔ وہاں ہلال بن عقۃ خیمہ زن تھا مگر وہ خبر سنتے ہی بھاگ گیا۔

رضاب سے آپ نے فراض کا رخ کیا۔ یہاں شام۔ عراق۔ جزیرہ کی حدود ملتی تھیں۔ یہاں ایک طرف اہل شام و روم میں حمیت و غصہ کی آگ مشتعل تھی۔ دوسری جانب اہل فارس زخم خوردہ ہوکر اندمال کی فکر میں تھے

اور پھر قبائل عرب تغلب وایاد و نمر بھی اُن کے ساتھ ہوگئے۔ غرض عرب و عجم روم و شام کی مجتمعہ قوۃ سے مقابلہ تھا مگر سخت مقابلہ اور نقصان اُٹھانیکے بعد مجتمعہ عساکر کو ہزیمت ہوئی۔

حضرت خالد نے دس یوم فراض پر قیام کرکے حیرہ کی طرف واپسی کا حکم دیا۔ ساقہ لشکر کی کمان شجرہ بن الاعز کے سپرد کی اور عام طور پر ظاہر کردیا کہ میں خود بھی ساقہ میں رہونگا۔ مگر آپ خفیہ فراض سے بقصد حج معہ چند معتمدین کے مکہ کو روانہ ہوگئے۔ اور قبل اسکے کہ آپ کی تشریف لیجانیکی خبر پھیلے آپ حج کرکے واپس آگئے۔ حضرت صدیق اکبر کو اسکی اطلاع پہونچی تو آپ ناخوش ہوئے۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت خالد بن الولید جیسا مدبر و تجربہ کار جری و جانباز سپہ سالار

ہرگز کسی ایسے امر کے ارتکاب کو جائز نہ سمجھ سکتا تھا جسمیں اندیشہ نقصان ہوتا وہ ہر قسم کا کامل انتظام کرکے تشریف لیگئے تھے۔ فوج کو موقع بموقع تقسیم کرکے ہر ایک حصہ پر تجربہ کار دلیر افسرونکو مقرر کردیا تھا پھر اسکے ساتھ اسکا بھی پورا انتظام کیا تھا کہ اسلامی لشکر مین بھی یہ خبر نہ پھیلے۔ اور روانہ بھی ایسے وقت ہوئے کہ عین وقت حج پر پہونچکر فوراً واپس ہوگئے۔ تیز رو سواری کا بھی کامل انتظام تھا۔ مگر خلیفۃ الاسلام کی نظر غائر تھی حضرت خالد کی ہر حرکت وسکون پر اُنکی نظر تھی۔ دشمن کے مُلک اور اُسکی اہمیت کا نقشہ پیش نظر تھا۔ یہ بالکل صحیح تھا کہ حضرت خالد اخبار کی پوری بندش کرکے تشریف لیگئے تھے مگر ایسی خبر کا باوجود انتظام شدید پھیل جانا کچھ مستعبد نہ تھا۔ تجربہ سے ثابت ہے کہ ہمیشہ اس سے بھی زیادہ رازدارانہ خبریں پھوٹ جاتی ہیں مسلمانوں کا تو ایک فرد بھی اُسوقت ایسا نہ تھا جس سے سازش کا اندیشہ ہوتا۔ مگر جس طرح مسلمان جاسوسی کے ذریعہ سے دشمن کے گھر کی خبریں لاتے تھے اسی طرح کیا یہ ممکن نہ تھا کہ ادہر کے جاسوس اس خبر کو لے اوڑتے اور دشمن اچانک حملہ کر بیٹھتا۔ ان سب کے علاوہ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ ناگہانی طور پر جنگ پیش آجاتی۔ اور مسلمان جو حضرت خالد کی تشریف لیجانے سے بے خبر تھے اپنے سپہ سالار کو نہ دیکھکر سخت مضطرب الحال و پریشان ہوتے اُن میں طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا ہوتیں جسکا انجام پست ہمتی کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا خلیفۃ المسلمین کی یہ دوربینیاں تھیں جنکے باعث حضرت خالد پر عتاب ہوا۔ صدیق اکبر جو حضرت عمرؓ کے بار بار اصرار پر بھی حضرت خالد کو معزول نکرتے اس خلاف مصلحت اسلام امر پر ناراض ہوگئے لیکن اُنکی ناراضی میں بھی عین مصلحت مضمر تھی۔ عراق میں تو متواتر فتوحات سے مسلمانوں کا سکہ جم چکا تھا لیکن شام میں عساکر اسلام ابھی داخل ہی ہوئے تھے۔ وہاں بجز ایک دو جگہ کی کوئی بڑی لڑائی ہوئی تھی نہ کوئی بڑا شہر فتح ہوا تھا۔ کئی مسلمان سردار اپنی اپنی فوج کے ساتھ مختلف راستوں سے ملک شام میں بڑھ رہے تھے جسکے مختصر واقعات یہ ہیں کہ ۱۳ھ ہجری یعنی خلافت صدیق اکبر کے سال دوئم کے آخر میں آپنے خالد بن سعید العاص کو سب سے پہلے ملک شام کی طرف روانہ ہونیکا حکم دیا اور ایک لشکر کا امیر بناکر علم سرداری سپرد کیا۔ اور بعض روایات کے موافق اس سے قبل یعنی جبکہ حضرت خالد عراق کی جانب روانہ کیئے گئے۔ خالد کو ملک شام کی طرف کوچ کا حکم ہوا تھا۔

لیکن خالد بن سعید سے خلافت صدیق اکبر کے وقت غلطی رائے سے ایک ناموزوں بات پیش آچکی تھی جب خلافت صدیقی تسلیم ہوچکی تو خالد بن سعید نے دو مہینہ تک بیعۃ نکی اور اس درمیان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو کہا کہ اے بنی عبد مناف تم مغلوب کردئے گئے حضرت علی نے ارشاد فرمایا یہ مغالبہ (یعنی زبردستی) ہے یا خلافۃ۔ حضرت صدیق اکبر نے تو اُن کی اس حرکت پر کچھ خیال نکیا مگر حضرت عمر کو ناگوار تھا۔ جب عساکر شامیہ کی کمان اُن کے سپرد کیگئی تو حضرت عمر نے اسکے برخلاف اصرار کیا۔ اور وہ اس عہدہ سے معزول کردئے گئے۔ اور ان کو یہ حکم ملا کہ تیمار پر مسلمانوں کی تقویت کیلئے مقیم رہیں۔ بغیر حکم کے وہاں سے نہ ہلیں۔ عرب قبائل میں سے اُن لوگونکو جنھوں نے فتنہ ارتداد میں حصہ نہیں لیا جمع کرلیں۔ اور جب تک دشمن حملہ نکریں یا مقابلہ سے پیش نہ آئیں۔ کسی سے نہ لڑیں۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ وہاں جاکر مقیم ہوگئے۔ بعض چھوٹے چھوٹے معرکے بھی اُنسے ہوئے۔ اُسکے بعد صدیق اکبر نے پیش قدمی کا حکم دیا۔ مگر اسطرح کہ اندرون ملک میں نگھسیں بلکہ اسطرح پیش قدمی کریں کہ دشمن کو پیچھے سے دبانے کا موقع نہ ملے مگر آہستہ آہستہ اقدام کا نتیجہ بھی یہی ہوا کہ شام کی فوجیں مقابلہ کیلئے بڑھنے لگیں۔

خالد نے صدیق اکبر کیخدمت میں امداد کیلئے لکھا۔ اب یہاں بھی اسکا اہتمام ہوا۔ عمرو بن العاص کو ایک لشکر کے ساتھ خاص راستہ سے فلسطین جانیکا حکم ہوا۔ اور ولید بن عقبہ کو دوسرے لشکر کے ساتھ اردن پہونچنے کا۔ اسی طرح یزید بن ابی سفیان کو جمعیۃ کثیر کے ساتھ روانہ کیا۔ اور سب کے بعد حضرت امین امۃ ابو عبیدۃ ابن الجراح کو بھاری لشکر کے ساتھ حمص جانیکا حکم ملا۔ سب سب معینہ راستوں سے روانہ ہوئے راستہ میں کہیں کہیں معمولی لڑائیوں اور کہیں صلح سے بعض شہر اور قلعہ بھی فتح ہوئے۔ عساکر اسلامیہ اسی طرح اپنے اپنے افسروں کی ماتحتی میں پیش قدمی کرتے ہوئے چلے گئے۔ حضرت ابو عبیدہ تو جابیہ پہونچگئے اور یزید ابن ابی سفیان نے بلقار کے سامنے خیمے نصب کئے شرجبیل اردن پر پہونچے اور عمرو بن العاص نے عربہ کے آگے جھنڈا نصب کیا۔ امراء ان مشہور مقامات ملک شام تک پہونچگئے تو اب ملک روم میں ایک عام حرکت پیدا ہوگئی۔ اتفاق سے ہرقل شاہ روم وشام اسوقت بیت المقدس میں تھا۔ اُسکو ان حالات کی اطلاع دیکر مدافعہ اور مقابلہ کی خواہش کیگئی۔ ہرقل نے (چونکہ پیش آنے والے حالات کا علم اُسکو کتب سابقہ سے تھا) کہا میرے نزدیک تو

مسلمانوں سے صلح کرلینا مناسب ہے۔ اگر ہم شام کے محصول کا نصف دیکر بھی صلح کرلیں تو روم کا تمام ملک اور شام کا نصف باقی رہجائیگا۔ ورنہ کل کا کل دی بیٹھوگے۔ اسپر سب نے بالاتفاق انکار کیا۔ تو بادشاہ بیت المقدس سے روانہ ہوکر حمص آیا اور یہاں پہونچکر فراہمی فوج میں مشغول ہوگیا اُسنے یہ سوچا کہ مسلمانوں کے ہر دستہ فوج کے مقابلہ میں لشکر کثیر بھیجدیا جائے۔ اُن کو اسقدر مہلت ندیجائے۔ کہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر امداد پہونچا سکیں اور اسطرح مسلمانوں کی قوۃ کو پامال کردیا جائے۔ اپنے حقیقی بھائی تذارق کو نوے ہزار فوج کی ساتھ عمرو بن العاص کی مٹھی بھر جمعیت کے مقابلہ کیلئے مامور کیا۔ قیقار کو ساٹھ ہزار کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ کے مقابلہ کیلئے۔ اور اسی طرح جرجہ کو یزید اور دراقص کو شرجیل کے ساتھ معرکہ آرائی کیلئے۔ اس تدبیر کا مسلمانوں پر سخت اثر پڑا۔ وہ بجائے خود خائف و حیراں رہ گئے۔ مسلمانوں کی کل جمعیت تیس ہزار بھی نہ تھی۔ اور یہاں ہر ایک کے مقابل کئی کئی گنا روم وشام کی فوجیں آموجود ہوئیں۔ اس وقت سب نے عمرو بن العاص سے مشورہ کیا۔ اُنھوں نے کہا رائے تو یہ ہے کہ ہم سب ایک مقام پر مجتمع ہو جائیں۔ اجتماع کی حالت میں ہم مغلوب نہیں ہوسکتے حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں اطلاع دیگئی تو وہاں سے بھی یہی جواب آیا جو عمرو بن العاص نے کہا تھا۔ آپنے یہ بھی تحریر فرمایا کہ تم مسلمان قلۃ عدد کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوسکتے ہاں ارتکاب معاصی کی وجہ سے کثیر التعداد ہونیکی صورت میں بھی مغلوب ہوسکتے ہو۔ اس سے پرہیز رکھنا چاہئے۔ تم سب مقام یرموک پر اکٹھے ہوجاؤ۔ ہر ایک امیر اپنے اپنے دستہ کا مستقل سردار رہے اور اپنے دستہ کو نماز پڑھائے۔ جب اس رائے پر اتفاق ہوگیا تو سب کے سب مقام یرموک پر جمع ہوگئے۔ دوسری طرف عساکر روم وشام بھی زیر کمان تذارق یرموک پہونچگئے۔ اور ایسے مقام پر نازل ہوئے۔ کہ نشیب دریا اُن کیلئے خندق کا کام دیتا تھا۔ مسلمان اس خندق کی وجہ سے اُنپر حملہ نہ کرسکتے تھے اور وہ خود اُس سے نکلتے نہ تھے۔ کبھی نکلے تو معمولی چھیڑ چھاڑ کے بعد پھر واپس ہوگئے۔ تین ماہ کامل اسی طرح گذر گئے۔ مسلمانوں نے یہ دیکھا تو حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں امدادی لشکر کی درخواست کی۔ یہ وہ وقت تھا کہ خالد بن الولید بلا اطلاع حج کرکے آئے تھے۔ اور آپ اس حرکت پر ان سے کبیدہ تھے۔ اس نامناسب حرکت پر آپ اُن کو تنبیہ کرنا چاہتے تھے

جسکی بہترین صورت یہ تجویز فرمائی کہ ملک عراق سے (جسکی فتوحات کا سلسلہ خالد بن الولید کے ہاتھ سے شروع ہوکر اس درجہ پہونچگیا تھا کہ عراق کے بڑے حصہ میں مسلمانوں کا عمل دخل ہوچکا تھا۔ حضرت خالد کی شجاعت و مردانگی۔ دانائی و فرزانگی کی دہاک بیٹھ چکی تھی اور وہ تمام عساکر عراقیہ کے قائد عام سپہ سالار تسلیم کرلئے گئے تھے۔) عساکر شامیہ کی امداد کیلئے روانہ ہوجانیکا فوری حکم دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ایک اول درجہ کے سپہ سالار افواج کو ایک امدادی دستہ کا امیر مقرر کرکے بھیجنا ایسا امر ضرور تھا جس سے انکا تنزل سمجھا جاتا تھا اور جہاں بھیجے جاتے ہیں وہاں معرکہ ہائے حرب کی ابتدا اور مقابلہ بھی ایسے عظیم الشان لشکر سے جسمیں اُن کو سابق نیکنامیوں پر بھی دھبہ لگنے کا اندیشہ تھا۔ مگر صدیق اکبر کو ایک جانب اگر بصورت تنزل تنبیہ کرنی مقصود تھی تو دوسری جانب انکی دوربین نظر نے تاڑ لیا تھا کہ ملک شام کا عقدہ بغیر خالد جیسے سپہ سالار کے حل نہوگا۔ حضرت خالد بلاچون وچرا عراق کی افواج کا نصف حصہ لیکر روانہ ہوگئے۔ اور اس مخلصانہ اطاعت حکم کا نتیجہ یہ ملا کہ ملک شام کی عام قیادۃ اُن کو ملگئی۔ اُنکی نیکنامی کو چار چاند لگ گئے۔

حضرت خالد اپنی جمعیۃ کے ساتھ لق ودق میدانوں کو طے کرتے۔ اور متفرق مقامات پر قبائل سے مقابلہ کرتے اور منہزم کرتے ہوے روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا قبیلہ بہرا اپنے چشمہ پر جسکا نام سوی تھا مجتمع تھے۔ لہو ولعب کے مزے اوڑا رہے تھے۔ شراب نوشی کا دور ہورہا تھا۔ گویا گا رہا تھا۔ حضرت خالد اچانک ایسے وقت اُن کے سر پر پہونچے کہ گویا اشعار ذیل کو لہرا کر پڑھ رہا تھا۔

الا علّلانی قبل جیش ابی بکر لعل منایانا قریب ولا ندری

ہاں مجھکو شراب سے سیراب کردو ابوبکر کے لشکر کے آنیسے پہلے (کیونکہ) شاید ہماری موتیں قریب آگئی ہوں اور ہمکو معلوم نہو

الا علّلانی بالزجاج وکررا علی کمیت اللون صافیۃ تجری

ہاں۔ مجھکو گلاس (دیکر) سیراب کرو اور بار بار میرے پاس لاؤ۔ شراب ارغوانی جو صاف وشفاف ہونیکے ساتھ بہ رہی ہو

الا علّلانی من سلافۃ قہوۃ تسلی ہموم النفس من جید الخمر

ہاں۔ سیراب کرو مجھکو اُس متوالی شراب سے۔ جو غم غلط کرے۔ اور شرابوں میں بہتر سے بہتر ہو۔

اظن خیول المسلمین وخالدا　　ستطرقکم قبل الصباح مع النسیر

میں خیال کرتا ہوں کہ مسلمان سوار اور خالد ۔ سویرے ۔ صبح سے پہلے ہی مقدمۃ الجیش کے ساتھ تمہارے پاس پہنچیں گے

فھل لکم فی السیر قبل قتالکم　　وقبل خروج المعصرات من الخدر

کیا تمھاری رائے ہی کہ لڑائی سے پہلے نکل چلو ۔ اور اس سے پہلے کہ مراہق لڑکیاں پردوں سے باہر نکل پڑیں

بیچارہ ان اشعار کو دہراہی رہا تھا کہ ایک مسلمان نے بڑھکر گردن پر تلوار ماری ۔ اور اُسکا خون شراب کے برتن میں گرا یہ ایک عجیب اتفاق تھا جو پیش آیا ۔

حضرت خالد اسی طرح بصری تک پہونچے وہاں کچھ مقابلہ کے بعد دشمن نے صلح کرلی ۔ اور یہ ملک شام کا پہلا شہر ہے جو حضرت خالد کے ہاتھ سے فتح ہوا ۔ یہاں سے روانہ ہوکر یرموک پہونچے ۔ یرموک کے لشکر کی تعداد کل ستائیس ۲۷ ہزار تھی اب حضرت خالد کے پہونچنے پر چھتیس ۳۶ ہزار ہوگئی ۔ وہاں جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں عساکر اسلامیہ کسی ایک قائد عام کے ماتحت نہ تھے ہر ایک امیر اپنے دستہ کا مستقل ذمہ دار تھا ۔ اور اسی طرح جدا جدا ہر امیر اپنی جمعیۃ سے مقابلہ کرتا تھا حضرت خالد کے پہونچنے پر ایک ماہ کامل اسطرح گذر گیا کہ پادری اور راہب عساکر روم و شام میں جانبازی و مدافعۃ ملک و ملت کی روح پھونکتے رہے ۔ اور جب وہ ہر طرح سر بکف ہوکر میدان کارزار میں نکلنے مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنیکے لئے تیار ہوگئے ۔ تب جمادی الاخری میں فیصلہ کُن لڑائی کیلئے خندق سے نکلے ۔ اور ایسی شان و شکوہ صف بندی اور ترتیب کے ساتھ اُن کے دستے آگے بڑھے کہ مسلمانوں کو اس سے قبل کسی ایسے عظیم الشان اور آراستہ اور سامان حرب و ضرب سے مکمل افواج کے ساتھ سابقہ نہ پڑا تھا ۔ ادہر مسلمانوں کے پاس نہ ایسا سامان تھا ۔ نہ ایسی ترتیب ۔ اور پھر ہر ایک دستہ جدا کسی ایک حکم کے تابع نہیں ۔ یہ حالت سخت خطرناک تھی جسکا احساس حضرت خالد نے فوراً کرلیا ۔ اور بڑھکر امراء عساکر سے کہا کہ آج کے دن کسی کو اپنی بڑائی فخر ۔ اور افسری کا خیال نرکھنا چاہیئے ۔ یہ تمھارے کارنامے تاریخوں میں لکھے جائینگے دوسرے لوگ تمھارے افعال کو سند بنائیں گے ۔ تم ایک ایسی قوم سے جو نہایت آراستہ ہے اس طرح جدا جدا مقابلہ کیلئے نکلے ہو ۔ جو کسی طرح دانشمندانہ فعل نہیں ہوسکتا ۔ اور نہ تم جیسے مخلصین اور طالبین اجر و ثواب کیلئے کسی طرح مناسب ہے جس امر میں خلیفہ وقت کی طرف سے کوئی خاص

ہدایت نہیں کیگئی اسمیں ہمکو اپنی رائے سے کام لینا چاہئے۔ سب نے کہا آپ فرمائیے کیا رائے ہے کہا تو سمجھ لو کہ صدیق اکبر نے ہمکو ایک مقام پر جمع ہونیکا حکم صرف اسلئے دیا ہے کہ ہم ملکر بسہولت کام کرینگے اور اگر اُن کو تمھاری حالت کا اندازہ ہوتا تو جمع ہونیکا حکم نہ دیتے تمھاری یہ حالت مسلمانوں کیلئے دشمن کی کثرت اور شوکت سے زیادہ مضر ہے۔ آج اگر ہمنے مل جُلکر اُن کو خندق تک دھکیل دیا تو پھر کبھی ہمّت نہ کرینگے میری رائے تو یہ ہے کہ ہر ایک دستہ کا سردار نمبروار ایک ایک دن کل لشکر کا قائد عام بنجائے اور اُسکے زیر کمان ساری فوج نقل وحرکت کرے۔ یہ رائے پسندیدہ ہو تو آج تمام فوج کی کمان میرے ہاتھ میں دیدو۔ سب نے بخوشی منظور کرلیا۔ دشمن تو یہ سمجھ رہے تھے کہ جیسے اور دن مقابلہ ہوتا تھا آج بھی ہوگا مگر یہاں رنگ پلٹ چکا تھا حضرت خالد نے ترتیب ہی بدلدی تھی۔ اور اسطرح لشکر کو ترتیب دیا تھا کہ اس سے پہلے ایسی ترتیب نہ دی گئی تھی۔ معرکہ یرموک کا انجام جو کچھ ہوا تواریخ اُس سے لبریز ہیں۔ ہماری غرض اسوقت کسی معرکہ کی تفصیل سے بحث کرنا اور اُسکے نتائج کو منظر عام پر لاکر رکھدینا نہیں ہے ہمارے اس مسلسل کلام کا حاصل یہ ہے کہ حضرت خالد عساکر عراقیہ کے قائد عام تھے۔ اور وہاں سے صرف شام کے عساکر کو تقویت وامداد دینے کیلئے تشریف لائے تھے۔ افسر اعلیٰ تھے تو اُسی دستہ کے جو اُن کے ہمراہ تھا۔ مگر یرموک پہونچکر اپنی قابلیت اور ذاتی جوہر حُسن تدبیر اور فراست کی بدولت مجتمعہ افواج کے سپہ سالار اعظم بنگئے۔ اور اسی حسن تدبیر کا نتیجہ تھا کہ اس روز سے آپ بہ حیثیت قائد عام تسلیم کرلئے گئے۔

حصّہ چہارم معزولی وبرطرفی امارت عساکر کا زمانہ

حضرت خالد کی پہلی معزولی اسمیں اختلاف ہے کہ حضرت خالد کی اول معزولی کس مقام پر ہوئی ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ معرکہ یرموک میں۔ اور عین اُسوقت جبکہ سپہ سالاری کا علم اُن کے سر پر لہرا رہا تھا۔ دشمن کی بے جگرانہ مدافعت کرتے ہوے اُن کو خندق کے مقبرہ میں دفن کررہے تھے۔ مدینہ منورہ سے قاصد نے آکر صدیق اکبر کی وفات۔ فاروق اعظم کی خلافت۔ اور اُسکے ساتھ ہی اس انقلاب عظیم کی خبر سُنائی کہ حضرت خالد کو

معزول کرکے بجائے اُن کے امین الامتہ ابو عبیدہ ابن الجراح قائدعام بنائے گئے بارگاہ خلافت کا یہ حکمنامہ اول امین الامتہ ہی کے ہاتھ میں دیا گیا۔ مگر انھوں نے اُسکو بمصلحت حضرت خالد سے مخفی رکھا۔ اور دوسرے روز اُسکی اطلاع کی۔ اور بعض روایات سے ثابت ہے، کہ یرموک کے بعد محاصرۂ دمشق کے وقت معزول کئے گئے ہیں۔ دمشق کے محاصرہ میں بھی حضرت خالد سے فوق العادت دلیری وشجاعت اور اول درجہ کی حسن تدبیر کا ظہور ہوا تھا۔

آپ میں شجاعت وجانبازی۔ فوق الفطرۃ قوت وطاقت۔ بیدارمغزی وفرزانگی سب ہی اوصاف موجود تھے۔ محصورین دمشق نے شہرپناہ کے دروازہ بند کرکے سنگین پہرہ قایم کردیا تھا۔ فصیل کے دمدموں اور مورچوں پر فوجیں معین تھیں۔ اندر کی حالت اور کسی قسم کی واقعہ کی اطلاع ملنی ناممکن تھی۔ مگر حضرت خالد ہی ایک ایسے شخص تھے کہ اس سخت بندش کے بعد بھی رتی رتی کی خبر رکھتے تھے۔ گورنر دمشق کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اور مجالس عیش ومسرت ترتیب دیگئیں۔ فوج کو معہ افسران دعوت دیگئی۔ کھانے کے بعد مےنوشی کا دور ہوا۔ اور بدمست ہوکر دونوں عالم سے بےخبر ہوگئے۔ حضرت خالد جیسے بیدارمغز سے یہ حال کیونکر مخفی رہ سکتا تھا

کان لاینام ولاینیم۔ نہ سوتے تھے نہ سونے دیتے تھے

ایسے ہی موقعوں کے لئے رسیوں کی سیڑھیاں بنا رکھی تھیں جنکو فوراً فصیل کے کنگروں پر پھینک کر اُن کے سہارے سے چڑھگئے۔ اور عین دروزہ کے اندر کود کر دروازہ کھولدیا۔ اسلامی لشکر داخل ہوگیا۔ اہل دمشق کو خبر ہوئی تو ایسے بدحال تھے کہ دوسرے دروازہ سے نکلکر حضرت ابو عبیدہ قائدعام سے صلح کی درخواست کی آپکو حضرت خالد کے واقعہ کی اطلاع نہ تھی اُنسے صلح کرکے صلحاً داخل دمشق ہوئے دوسری طرف سے حضرت خالد بزور داخل ہوکر لڑرہے تھے۔ ادہر حضرت ابو عبیدہ داخل ہوئے۔ اور اسطرح آدھا دمشق بزور اور آدھا بصلح فتح ہوگیا۔ عین اس محاصرہ کے وقت فاروق اعظم کا حکمنامہ اُن کے عزل اور امین الامتہ کے تقرر ونصب کا پہونچا۔ جسکو اُسوقت ظاہر کرنا خلاف مصلحت سمجھکر صلح دمشق کے بعد ظاہر کیا گیا۔

بہرحال کوئی سی روایت صحیح ہو مگر اسقدر متیقن ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے مسند خلافت پر متمکن ہوتی ہے حضرت خالد کو معزول فرمایا تھا۔ (باقی آئندہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

المکتبۃ العلمیۃ الاسلامیۃ

بدیوبند

انما انا قاسم واللہ یعطی

از مطبع قاسمی دیوبند بسرپرستی علماء دار العلوم دیوبند

مطبع قاسمی بحمداللہ چند سال سے مشہور و معروف دار العلوم دیوبند کے علماء گرامی کی نگرانی اور سرپرستی میں جاری ہے اور اس نے بعض ایسی نایاب کتابیں جنکی علماء و طلباء کو بیحد ضرورۃ تھی جنکو ہندوستان کے کسی مطبع نے آجتک نہ چھاپا تھا طبع کرکے شائع کی ہیں جو کہ اپنے بغایتہ مفید اور مقبول ہونیکی وجہ سے مدارس اسلامیہ کے درس میں بھی داخل ہوچکی ہیں جن طلبہ کو ان کتابوں کی تعلیم دیگئی وہ تجربہ میں نہایت ہونہار اور اپنی حیثیت میں مستعد ثابت ہوئے۔ اسوقت بھی بعض دوسری درسی کتابوں کا تحشیہ ہو رہا ہے اور بعض کا ہوچکا ہے جو زیر طبع ہیں۔

مطبع قاسمی نے بعض ضرورتوں سے ایک کتبخانہ تجارت جاری کیا ہے جسمیں تمام درسی کتابوں کا ذخیرہ رہتا ہے اکثر مطابع کی کتب مروجہ یہاں ملتی ہیں اور بہ نسبت دیگر مطابع کے خصوصاً مدارس اسلامیہ کیلئے اچھی کفایت سے روانہ کیجاتی ہیں۔ ہر کتاب حسب فرمائش اور تابمقدور صحیح روانہ کیجاتی ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ جس مطبع کی اور جس کاغذ کی کتاب مطلوب ہو فرمائش میں ظاہر کردیا جائے تاکہ تعمیل میں قصور نہو فرمائش روانہ کرتے وقت اپنا پتہ صاف لکھا جاے۔ اکثر پتہ صاف نہونیکی وجہ سے یا تو فرمائش کی تعمیل نہیں ہوتی یا کتابیں واپس آتی ہیں۔ یہ بھی تحریر ہو کہ بذریعہ ڈاک ارسال کیجائیں یا بذریعہ ریل۔ فہرست کلاں مفصل تیار ہونیوالی ہے۔ اسوقت مختصر فہرست ذیل میں ملاحظہ کیلئے شائع کیجاتی ہے جملہ خط و کتابت اس پتہ سے ہونی چاہیے۔

مولوی محمد عماد الدین انصاری ناظم مطبع قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور

مختصر فہرست کتبخانہ تجارت مطبع قاسمی دار العلوم دیوبند سنہ ۱۳۳۲ ہجری

نام کتاب	قیمت
قرآن شریف - مختلف مطابع ومختلف قسم۔	
حمائل شریف - مختلف	
کتب تجوید	
وجوہ المثانی - مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند مؤلفہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ جسمیں ترتیب وار تمام سورہائے قرآنیہ کے اختلاف قرات اور قواعد واصول متعلقہ ہمزہ وادغام واظہار وتفخیم وترقیق حروف بیان کیے گئے ہیں - آخر میں رسالہ زیادات علی کتب الروایات اور دوسرا رسالہ جسمیں مولانا موصوف نے اپنا سلسلہ بیعت ونسب اور مدنی مد کا مستند سلسلہ بیان فرمایا ہے (عربی)	۱۲/
ہدیۃ الوحید فی علم التجوید یہ رسالہ جناب مولانا قاری عبد الوحید صاحب مدرس درجہ تجوید دار العلوم دیوبند کا ہے (اردو) مطبوعہ قاسمی	۳/
نزہۃ القاری (اردو) مطبوعہ قاسمی	۱/
کتب تفاسیر عربی	
تفسیر بیضاوی - سورہ بقرہ مجتبائی	عصہ ۱۲/
ایضاً " کاغذ ولایتی	[illegible]
فاروقی کاغذ ولایتی	[illegible]

نام کتاب	قیمت
تفسیر جلالین - معہ کمالین مجتبائی	للعہ
تفسیر جلالین - ہاشمی میرٹھ معہ کمالین وجامع البیان واعراب القرآن	للعہ
تفسیر جلالین نظامی دہلی	۸/ے
کتب حدیث واصول حدیث عربی	
بخاری شریف - مجتبائی	معہ
بخاری شریف - ہاشمی میرٹھ کاغذ ولایتی	عے
سنن ابن ماجہ - نظامی دہلی	للعہ
مسلم شریف - مجتبائی	عہ
سنن ابو داؤد - مجتبائی	ے
سنن ابو داؤد - کانپوری	للعہ ۸/
سنن نسائی - مجتبائی	ے ۸/
ترمذی شریف مجتبائی کاغذ ولایتی	للعہ ۸/
مشکوٰۃ شریف - مجتبائی	للعہ
جامع الآثار - جسمیں حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ نے مذہب حنفی کی مستدل احادیث کو جمع فرمایا ہے (قاسمی)	۶/
نخبۃ الفکر - مجتبائی -	۶/
کتب فقہ عربی	
نور الایضاح - قدیم نہایت مستند کتاب ہے دار العلوم دیوبند میں بجائے منیۃ المصلی درس میں داخل ہے - قاسمی	۶/
ہدایہ کامل - مجتبائی -	عہ
ہدایہ اولین - کاغذ ولایتی نہایت عمدہ چھپی ہوئی کرزن	للعہ ۸/

نام کتاب	قیمت
ہدایہ اولین - مطبوعہ یمنی مع شرف مقدمہ مجتبائی -	للعہ ۸/
شرح وقایہ مع عمدۃ الرعایہ جلد اول مجتبائی	عـہ/
شرح وقایہ - جلد ثانی معہ عمدۃ الرعایہ مجتبائی	عـہ/
قدوری - کاغذ ولایتی مجتبائی	۱۲/
" رسمی "	۱۰/
منیۃ المصلی - کانپوری -	۸/
" مجتبائی -	۶/
کتب اصول فقہ عربی	
اصول الشاشی - مجتبائی	۵/
" کاغذ ولایتی	۶/
اصول الشاشی کلاں کانپوری	۱۲/
حسامی کلاں کانپوری	عصہ ۴/
نامی - شرح حسامی	عصہ
نور الانوار - مجتبائی	عصہ ۶/
" یوسفی	عصہ ۶/
مسلم الثبوت مجتبائی	۵/
کشف المبہم مجتبائی	عصہ ۲/
" کاغذ ولایتی	عصہ ۴/
کتب علم کلام عربی	
شرح عقائد نسفی - مجتبائی	۱۳/
المسامرہ -	۸/
مجموعہ میر زاہد شرح مواقف	عصہ
خیالی معہ حاشیہ عبد الحکیم	۱۳/

حاشیہ عبد الحکیم بر خیالی	۹/

کتب فرائض عربی و اُردو

سراجی مجتبائی عربی	۶/
شریفیہ شرح سراجی عربی	۱۲/
علم الفرائض	۰۲/
فرائض اُردو	۸/
میراث المسلمین - اُردو	۱/
مفید الوارثین - اُردو	عنصر

کتب صرف عربی

میزان الصرف	۰۱/
صرف میر	۲/
مجموعہ پنج گنج و زبدہ	۴/
زنجانی	۲/
دستور المبتدی	۲/
مراح الارواح	۴/
شافیہ	۸/
علم الصیغہ	۰۴/
میزان الصرف منظوم	۱/
فصول اکبری	۴/
نوادر الوصول شرح فصول اکبری	۱۰/

کتب نحو عربی

مجموعہ نحو میر	۳/
شرح مائۃ عامل مجتبائی	۴/
شرح مائۃ عامل خورد	۲/
شرح مائۃ عامل کلاں	۸/
ہدایۃ النحو	۴/
کافیہ معہ شرح فارسی	۶/
کافیہ معہ شرح میر سید شریف	۰۲/
تیسیر المبتدی	۴/
تحریر سنبٹ	۱۰/
شرح جامی - معہ حاشیہ عصام اصح المطابع	۸/
〃 فخر المطابع	۸عہ/

کتب انشاء و ادب

کفایۃ المتحفظ - علم ادب میں یہ رسالہ نہایت مفید ثابت ہوا ہے دار العلوم دیوبند کے درس میں داخل ہے - قاسمی	۰۳/
ایضاً کاغذ ولایتی	۴/
نفحۃ الیمن - مجتبائی	۴عہ/
مقامات حریری مجتبائی	۱عہ/
کاغذ ولایتی	
دیوان متنبی مجتبائی کاغذ ولایتی	۴عہ/
تسہیل الدراسہ شرح حماسہ	سے
تسہیل البیان شرح دیوان متنبی	للعہ
سبعہ معلقات مجتبائی	۱۰/
〃	۵/
مفید الطالبین مجتبائی	۰۲/

کتب معانی و بیان

تلخیص المفتاح مجتبائی	۵/
تذکرۃ البلاغۃ - مجتبائی	عہ
مختصر معانی کانپوری	۸عہ/
مجتبائی	۶/
مطول تا مقام درس مجتبائی	۱۲/
مطول - کامل مجتبائی	للعہ

کتب منطق و حکمت و مناظرہ

مجموعہ منطق	۰۴/
شرح تہذیب مجتبائی	۶/
شرح تہذیب تحفہ شاہجہانی	۱۳/
مرقات	۰۲/
قال اقول	۳/
سلم العلوم - مجتبائی	۱۱/
شرح سلم حمد اللہ کانپوری	۶/
قطبی مجتبائی	۹/
〃 کاغذ ولایتی	۱۰/
میر قطبی - کاغذ ولایتی	۰۶/
میر قطبی - کاغذ رسمی	۰۵/
مجموعہ شرح سلم قاضی مبارک	۶/
مجموعہ میر زاہد ملا جلال	۱عہ/
مجموعہ میر زاہد غلام یحییٰ	۶/
مجموعہ ستہ ضروریہ یعنی شرح سلم ملا حسن مجتبائی	۶/
میبذی کانپوری	۱۲/
مجموعہ نجیبیہ - ملا جلال و میر زاہد و بحر العلوم و قاضی مبارک	۱عہ
ہدیہ سعیدیہ - مجتبائی	عہ
رشیدیہ مجتبائی	۴/
〃 کاغذ ولایتی	۵/

ریاضی و ہیئت عربی

تصریح شرح تشریح مجتبائی	۱۰/
شرح چغمینی 〃	۱۴/
سبع شداد 〃	۶/
قوشجیہ 〃	۱/

خلاصۃ الحساب مجتبائی — ۶/

کتب لغات

- منتخب اللغات — عصہ
- صراح معہ قراح — [illegible]
- غیاث اللغات — [illegible]
- لغات الصراح — [illegible]
- تصحیح اللغات - قاسمی — ۲/

یہ کتاب جدید ہے جسمیں ظاہر کیا گیا ہے کہ اُردو زبان میں بہت الفاظ اس قسم کے ہیں کہ اُنکو اہل زبان اُردو دال اکثر غلط بولتے ہیں یہ کتاب ہر تھوڑے سے اُردو جاننے والے کے لئے پاس رکھنی ضرور ہے۔

کتب طب عربی و فارسی

- میزان الطب فارسی۔ یہ کتاب اکثر مطابع میں بیحد غلط چھپی ہے اب مطبع قاسمی نے نہایت عمدہ چھاپی ہے — ۷/
- کفایہ منصوری فارسی یہ کتاب بھی غلط چھپتی رہی اسکو بھی اب مطبع قاسمی نے صحت کے ساتھ طبع کیا ہے۔ — ۹/
- نفیسی یوسفی عربی — ۶/
- شرح اسباب۔ کامل ہر دو جلد یوسفی عربی — [illegible]
- قانونچہ عربی معہ رسالہ قبریہ مجتبائی — ۱۰/
- موجز عربی مجتبائی — [illegible]
- موجز عربی کشوری — ۵/

کتب مختلف اُردو

- دعوات عبدیت جلد اول یعنی حکیم الامۃ حضرت مولانا محمد اشرفعلی صاحب مدفیضہ کے مواعظ حسنہ و ملفوظات طیبہ کا مکمل مجموعہ جسکی ہر جلد میں گیارہ وعظ اور ایک حصہ ملفوظات کا ہے۔ جو حضرات حضرت مولانا مدظلہ کے وعظ کے شائق ہیں اُنکے واسطے یہ عجیب مجموعہ ہے۔ — عصہ
- ایضاً جلد دوم — [illegible]
- ایضاً جلد سوم — [illegible]
- ایضاً جلد چہارم — [illegible]
- امام غزالی رح کا اپنے شاگرد کے نام ایک خط جو القاسم میں شائع ہوا تھا اب رسالہ کی صورت میں شائع ہوا ہے۔ — ۱/
- اصلاح الرسوم قاسمی — ۲/
- القول الصحیح فی مکائد المسیح — [illegible]
- نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب صلعم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات نہایت صحیح روایات سے حضرت مولانا اشرفعلی صاحب نے جمع فرمائے ہیں۔ کاغذ ولایتی قاسمی — [illegible]
- ایضاً۔ کاغذ دبیز سفید — [illegible]
- " کاغذ سفید ہلکا — [illegible]
- ایضاح الادلہ مصنفہ حضرت شیخ المحدثین مولانا محمود حسن صاحب صدر المدرسین دار العلوم دیوبند۔ قاسمی — [illegible]

رسائل شبلی

- رسائل شبلی — [illegible]
- الفاروق — [illegible]
- المامون — [illegible]
- الہارون — [illegible]
- زیارۃ الشام والقدس مع سیاحۃ المصر والعراق — ۷/
- بہشتی زیور۔ کامل معہ بہشتی گوہر گیارہ حصے — [illegible]
- الفرقان فی قراۃ ام القرآن — عصہ
- کشف الغطاء عن وجہ معنی الربا — ۶/
- کشف الغطاء عن متعۃ النساء — ۶/

تصانیف حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وحضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح وحضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ وحضرت مولانا اشرف علی صاحب مدفیوضہ و دیگر حضرات علماء دیوبند کی موجود ہیں۔

علاوہ کتب مذکورہ کے دیگر کتب فہرست کلاں میں ملینگی جو قریب طبع ہوگی۔

دعوة الی الخیر

جبکہ خداوند کریم کی طرف سے نیک بندوں کی ضیافت کے دن (ایام تشریق) قریب آتے جاتے ہیں اور مسلمانوں کی سب سے بڑی مذہبی تقریب کے آنے میں ایک مہینہ بھی پورا باقی نہیں رہا۔ تو مناسب معلوم ہوا کہ اس مبارک و مسعود موقعہ پر برادران اسلام کی ادنےٰ توجہ سالگذشتہ کی طرح اس متبرک اور اہم خدمت دینی کی طرف بھی مبذول کرائی جائے جو اگرچہ کرنے میں بہت ہی سہل ہو لیکن نتیجہ کے اعتبار سے ہزارہا خدمات اسلام سے فائق تسلیم کی جائے۔

اس بات کے اظہار کی ضرورت نہیں کہ جماعت اسلام کی دنیا و آخرۃ کا سود بہبود اور دارین کی فلاح اُنکے پاک اور پیارے مذہب (اسلام) میں مضمر ہے اور مذہب کی زندگی علوم مذہب کے زندہ رہنے اور رواج دینے پر موقوف ہے۔ اس حیثیت سے ہر فرد مسلم کا جو نجات ابدی کا طالب ہو اور قومیت کے سررشتہ کو بھی ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہے یہ فرض منصبی ہوگا کہ وہ اُن مذہبی درسگاہوں کے باقی رکھنے اور ترقی دینے میں حسب استطاعت مدد دے جو حقیقی معنوں میں اسلامی درسگاہیں ہوں دار العلوم کی وسعت اثر اور عموم فیض اور خالص دینی تعلیم کے عمدہ نتائج کا غلغلہ اب ملک کے ہر ہر گوشہ بلکہ دنیا کے ہر ایک حصہ میں پہنچ چکا ہے اور اسکی ضرورت نہیں رہی کہ اُسکے مفید عام اور مقبول عند اللہ الخلائق ثابت کرنے میں خواہ مخواہ بہت سا وقت صرف کیا جائے اسلئے تطویل لاطائل سے علیحدہ ہو کر اسوقت اسکی متعدد ضرورتوں میں سے صرف دو ضرورتوں کا عید الاضحیٰ کی تقریب پر مسلمانوں سے کرنا قرین مصلحت سمجھتے ہیں طلبہ کی خوراک و پوشاک اور کتب درسیہ کی قلت۔

کئی سال سے دار العلوم میں مطبخ قائم کر دیا گیا ہے پکا ہوا کھانا طلبہ کو دیا جاتا ہے طلبہ کے مصارف سے طمانینت حاصل کرنیکا سہل طریقہ یہ تجویز ہوا ہے کہ ایک طالب العلم کا کل خرچ خوراک و پوشاک پانچ روپیہ ماہوار ہے اگر پانسو وظائف مقرر ہو جائیں اور ایک شخص یا چند اشخاص یا اہل محلہ یا اہل قریہ ملکر ایک ایک یا دو دو وظائف کی کفالت فرمائیں تو یہ بڑا کام نہایت آسانی سے انجام پذیر ہو سکتا ہے۔ کتب درسیہ کی باوجودیکہ کافی تعداد دار العلوم میں موجود ہے مگر اب جماعتیں اسقدر بڑی ہونے لگی ہیں کہ ہر سال ضرورت پیش آتی ہے۔

ہزاروں مسلمان عید الاضحیٰ کو قربانیاں کرتے ہیں اور اُنکی کھالیں صدقہ کر دیتے ہیں کیا یہ امر قرین مصلحت اور باعث ازدیاد ثواب نہیں ہے کہ خیر خواہان دار العلوم دیوبند اس موقع پر دار العلوم کی مذکورہ بالا شدید ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے قربانی کی کھالوں کو اس ضروری مصرف میں خرچ کریں۔ قربانی کا گوشت آپ اور آپ کے اعزا کھائیں اور قربانی کی کھالوں کی قیمت سے (مہمانان رسول صلی اللہ علیہ وسلم) طلبہ دار العلوم کی دعوت ہو۔ ع چہ خوش بود کہ بر آید بیک کرشمہ دو کار۔ اور یہ وقتی صدقہ صدقہ جاریہ ہو جائے اور ابد الآباد تک آپکو اسکا ثواب ملتا رہے۔ قربانی کی کھالوں کی قیمت خود تملیک کر کے روانہ فرمائیں یا خدام دار العلوم کو اجازت دیں کہ بعد تملیک ان دونوں ضرورتوں میں سے جسمیں خرچ کرانا ہو خرچ کر دیں اس درخواست کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ اپنی مقامی درسگاہوں اور مستحقوں کی حق تلفی کریں بلکہ اُنکے ساتھ دار العلوم دیوبند کا بھی حصہ اُسکے جثہ کے موافق ضرور مقرر کر دیں اور جو حضرات تمام قیمت یہاں بھیجنا ضروری سمجھیں وہ تمام بھیجدیں۔ اُمید ہے کہ اہل اسلام اس موقع کو غنیمت سمجھکر خود بھی اس طرف توجہ فرمائینگے اور اپنے اپنے حلقہ اثر میں کوشش بلیغ فرما کر اجر عظیم کے مستحق ہونگے یقین ہے کہ یہ درخواست بے اثر نہ رہیگی اور مفت میں دار العلوم کی امداد ہو جائیگی یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ قربانی کی کھالوں کی فروخت میں خریداروں سے دھوکہ نہ کھائیے بلکہ تحقیق کر کے مناسب قیمت پر فروخت کریں۔ والسلام

الداعی الی الخیر

محمد احمد مہتمم دار العلوم دیوبند

دعوات عبدیت

یعنی

حکیم الامتہ حضرت مولٰینا شاہ محمد اشرف علیصاحب فیضہ دام کے مواعظ حسنہ و ملفوظات طیبہ کا ضخیم مجموعہ

جو حضرات مولانا موصوف الصدر کے وعظوں میں شرکت حاصل کر کے غذاے روحانی اور ذوق وجدانی حاصل کر چکے ہیں اُنکو ذوق اور کیفیت کی پوری حالت معلوم ہے کہ حضرت مولانا کے مواعظ میں کسقدر حقائق و معارف اور مضامین علمیہ ہوتے ہیں جو وقت وعظ میں محض منجانب اللہ قلب مبارک پر وارد ہوتے ہیں۔ اسلئے مولانا کے مواعظ قلم بند کئے جانے لگے اور کچھ طبع بھی ہوئے لیکن اُنکا کوئی خاص اہتمام نہ تھا اب بحمد اللہ اسکا نہایت انتظام کیا گیا ہے اور آپکے مواعظ نہایت اہتمام سے بعد نظر ثانی مولانا کے طبع کرائے جاتے ہیں سلسلہ مواعظ اس طرح رکھا گیا ہے کہ دس وعظ نہایت عمدہ صحت کے ساتھ طبع کرا کر اور ایک حصّہ ملفوظات کا آخر میں لگا کر ایک جلد قرار دیگئی ہے ہر وعظ کا نام بھی مولانا نے خود تجویز فرمایا ہے اور نہایت عمدہ خوبصورت اور بارونق طبع کرائے گئے ہیں اسوقت چار جلد مسلسل طبع ہو چکی ہیں۔ جو مطبع قاسمی میں موجود ہیں تفصیل ہر مواعظ ہر جلد معہ قیمت ذیل میں درج ہے۔

جلد اوّل عم	آداب المساجد مہمات الدعاء حصہ اول مہمات الدعا حصہ دوم سیرۃ الصوفی استخفاف المعاصی الاخلاص حصہ اول الاخلاص حصہ دوم اصلاح النساء ذم ہوی ملفوظات
جلد دوم عہ ۸	تطہیر رمضان حقوق القرآن علاج الکبر حیات طیبہ تسہیل الاصلاح احکام العشر الآخر اکمال الصوم والعید غض البصر تطہیر الاعضاء تقویم الزیغ ملفوظات
جلد سوم عہ ۱۰	ضرورۃ الاعتناء بالدین ضرورۃ العلم بالدین ضرورۃ العمل فی الدین طریقۃ القرب فضائل العلم والخشیہ ترغیب الاضحیہ ضرورۃ التوبہ تفصیل التوبہ تکمیل الاسلام ترک المعاصی مقالات ومجادلات۔
جلد چہارم عہ ۲	اصلاح النفس تفاضل الاعمال الرضا بالدنیا الاتعاظ بالغیر طلب العلم تادیب المصیبہ حب العاجلہ ازالۃ الغفلۃ قطع التمنی تیسیر الاصلاح

اُمید کہ شائقین منگانے میں عجلت فرمائینگے جلد پنجم قریب طبع ہو چکیگی پتہ ذیل سے طلب فرمائیے۔

مولوی محمد عماد الدین انصاری ناظم کتبخانہ تجارت مطبع قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور

(رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

قیمت سالانہ

معہ محصول

علمی۔ مذہبی۔ اخلاقی۔ ادبی۔ تمدنی۔ تاریخی۔ ماہوار رسالہ

جلد ۵ — بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ — نمبر ۵

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

۱- یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھجاتا ہے۔

۲- یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ آٹھ آنہ پیشگی لیجاتی ہے۔ ممالک غیر سے صرف اُسی قدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۳- جو حضرات بطور اعانت وامداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچروپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے۔ اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۴- سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرماچکے جملہ حضرات کی خدمت میں شروع کا (یا خریدار کا جب سال شروع ہو اُسکا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کرکے دو روپیہ نو آنہ ویلو روانہ ہوگا۔

۵- یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمت میں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسرونکی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمایش کرتے ہیں۔

۶- شعبان ۳۲ھ مطابق جولائی ۱۹۱۴ء سے اس رسالہ کا پانچواں سال شروع ہوا ہے پہلے چار سالوں کی مکمل جلدیں موجود ہیں۔ قیمت ہر جلد کی دو روپیہ نو آنہ مع محصولڈاک ہے۔

۷- نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں ان کے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

۸- القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہئے۔

المشتہر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر رسالہ القاسم دفتر القاسم مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلمۃ الحق

القاسم کا جو نصب العین ہے اور جس کمی کا وہ مسلمانوں کو احساس کرانے کے لئے اُٹھا ہے خدا کا شکر ہے کہ اُسکو ایک حد تک کامیابی ہے اُسکو اب خدا کے فضل سے مسلمانوں کی خدمت گذاری میں پانچواں سال چل رہا ہے۔ اس زمانہ میں اُسکی رفتار کا حال اُسکے مضامین سے معلوم ہوسکتا ہے اور نیز یہ امر بھی اچھی طرح واضح ہوسکتا ہے کہ اُسکا رویہ نہیں ہے کہ وہ بحث و مباحثہ میں پڑے وہ جس دُھن میں ہے اُسی میں رہنا پسند کرتا ہے۔ اس پنج سالہ مدت میں ملک کے مختلف طبقات سے اُسکی نسبت صدائے تحسین بلند ہوئی کسی نے اُسکے خاص خاص کارناموں اور کسی نے اُس کو مجموع من حیث المجموع سراہا اور اُسکی ضرورت کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کیا۔ الحمد للہ کہ اُسکو اس پر ناز نہیں اُسکو نہ ستایش کی تمنا نہ صلے کی پروا اور بایں ہمہ وہ ملک کی اس عزت افزائی اور قدر شناسی کا ضرور شکر گذار ہے۔ مگر جہاں اُسکی قسمت میں قوم کی یہ عزت افزائیاں ہیں۔ وہاں بعض بزرگان قوم کی طرف سے کچھ نکتہ چینیاں اور کچھ اظہار تنفر بھی ہے۔

اُسکی نسبت گھر بیٹھکر کسی نے کوئی بُری رائے قائم کرلی ہو یا کسی نے اسکی مدح سرائی اُسکے مرتبے سے زاید کی ہو ہمکو اطلاع نہیں مگر اُسکی نسبت ایکمرتبہ تو ہمنے اخبار مشرق میں ایک خاص مضمون "حجازی لٹریچر" کی نسبت یہ دیکھا تھا کہ یہ مضمون پامال ہے القاسم میں اسکی اشاعت کی ضرورت نہ تھی محترم ایڈیٹر مشرق کی اس رائے پر ہمنے اظہار ناراضی نہیں کیا نہیں بلکہ ہمنے اسکو دل سے پسند کیا اور اُن سے

اوجھنے کو خلاف داب انسانیت سمجھا اور آج یہ دوسرا موقع ہے کہ آگرہ کا ماہوار رسالہ "افادہ" جو محترم قوم جناب نواب حاجی محمد اسمعیل خاں صاحب کا مملوک اور آپکی ہی زیر ادارت شائع ہوتا ہے۔ ہمارے پیش نظر ہے اُس میں القاسم کے ایک خاص مضمون کا ایک حصہ ناظرین اولوالابصار کے مطالعہ کیواسطے نقل کیا گیا ہے اور اظہار ناپسندیدگی کے بعد گروہ علماء کو کچھہ نصیحت فرمائی گئی ہے۔ نواب صاحب ممدوح کی یہ مخلصانہ عنایت ضرور قابل منت پذیری ہی اور مجھے بھی نہایت ادب اور اخلاص کے ساتھ "افادہ" کے اس مضمون کے متعلق کچھہ عرض کرنا ضروری ہے۔

ناظرین کرام پر یہ امر کسی پر مخفی نہیں ہی کہ بعض مضامین کا تعلق عام افراد انسانی سے ہوتا ہے اور اُنمیں کوئی خصوصیت ملحوظ نہیں ہوتی اور بعض مضامین میں کچھہ خصوصیات ہوتی ہیں جنکے باعث اُنکا تعلق بھی عام افراد سے نہیں رہتا اور اُسکے مخاطب وہ خواص ہی ہوتے ہیں اور اُنہیں کی دلچسپی اور افادہ مد نظر ہوتا ہے۔

ایک طبیب جسکو یہ منظور ہو کہ انسان میری ہدایت کے موافق حفظان صحت کے پابند ہوں وہ ہر قسم کے نسخے اپنی کتاب میں درج کرتا ہے اور اپنے مطب کو مرجع عام بنانے کی سعی میں سرمو کوتاہی نہیں کرتا۔ کیوں۔ اسلئے کہ اسکا فرض ہے کہ جن لوگوں سے اُسکا تعلق ہے بقدر وسع اُنکی نفع رسانی میں دریغ نکرے۔ ہاں طبیب کا یہ فرض ہے کہ وہ اس افادہ اور نفع رسانی میں اپنے اصول طبیہ کو فراموش نکردے۔ ورنہ وہ ضرور اپنے مقصود سے دور جا پڑے گا۔

آجکل ایسے مجموعے بھی تقریباً روزانہ نظر سے گذرتے ہیں کہ جن میں ایسے مختلف عنصر پائے جاتے ہیں کہ اُن سے یہ فیصلہ کرنا سخت دشوار ہوتا ہے کہ یہ حضرت کن اصول کے پابند ہیں اور یہ قیامت تو دیکھو کہ کوئی نہیں پوچھتا کہ تمہارے موںہہ میں کے دانت ہیں۔ عالم میں یہ اودم یہ دہما چوکڑی مچی ہوئی ہے۔ تہذیب اور علم کی گرم بازاری ہے اور یہ مجہول المزاج معجون مرکب۔ اُف اُف۔ ای میرے اللہ مسلمانوں کو دین کی سمجھ عطا کر۔

القاسم میں کچھہ دنوں سے ایک مضمون بعنوان "تربیۃ السالک و تنجیۃ الہالک" شائع ہوتا ہے حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب کے منتسبین اپنے حالات اور مواجید جو اُنکو ذکر و شغل کے زمانہ میں پیش آتے ہیں مولانا کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور مولانا اُنکو جواب دیتے ہیں بعض دردمندوں

کی اس خواہش پر کہ اسکا نفع ایسے اور لوگوں کو بھی ہو القاسم میں طبع ہوتے رہتے ہیں اور بیشک ہم اس طبقہ کے لئے ان مضامین کا شائع کرنا مفید سمجھتے ہیں گو اہل زمانہ کی جدت اور از خود رفتگی اسکو نظر استحسان سے دیکھنے کی اجازت نہ دے۔ اور ممکن ہے کہ ہم کسی روز جسمانی امراض کے متعلق بھی کوئی طبی افادہ القاسم والرشید میں شایع کرنا شروع کر دیں اور پھر اگر ہماری طب کے مخالف دوسرے گروہ اطبا کے اُسپر کچھ معترضانہ لب کشائی کریں تو بھی ہم اُس سے متاثر نہوں اور کیوں متاثر ہوں جبکہ ہم دین اور دنیا سے دھوکہ میں نہیں۔

حُسن اتفاق سے القاسم ماہ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ میں مضمون مذکور شائع ہوا اور اُس میں کسی خدا کے بندے کا یہ حال درج ہوا۔

"حال۔ کوئی نئی بات بندہ کو پیش نہیں آتی اتنا ہے کہ جب سے حضور کی غلامی نصیب ہوئی ہے چند مکروہات سے نفرت ہونے لگی مثلاً اخبار بینی۔ شعر و شاعری۔ بیکار لوگوں سے ملنا۔"

حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب نے اسکے جواب میں تحریر فرمایا ہے "بڑی نعمت ہے"۔

درحقیقت یہ سوال وجواب ہمارے محترم قوم جناب نواب حاجی محمد اسمعیل خاں صاحب کو ناگوار خاطر ہوا ہے اور جو کچھ آپنے افادہ میں لکھا ہے اُسکا مبنیٰ صرف یہی عبارت ہے اور چونکہ نواب صاحب کو یہ بھی منظور ہے کہ دنیا میں جو اُنکے ہم خیال ہوں یا کم سے کم ناظرین افادہ۔ وہ بھی اس مضمون کی رکاکت اور القاسم اور گروہ علماء کے نقصانات سے مطلع ہو جائیں۔ اسلئے آپ نے ازراہ آگاہی عام افادہ کے چار صفحات تو مستقل طور پر اسکی نذر کئے اور کہیں کہیں مختلف طور پر بھی اس طرف توجہ فرمائی۔ مجھے بھی اگر اس مضمون کی صحت یا غلطی کا اپنے اور نواب صاحب کے درمیان محدود رکھنا منظور ہوتا تو ممکن تھا کہ مراسلت سے ایک کو دوسرے کے مافی الضمیر پر اطلاع ہو جاتی مگر مجھے بھی چونکہ عام افادہ مدنظر ہے اسلئے القاسم کے ذریعہ سے اپنا خیال مسلمانوں کی خدمت میں پیش کرکے چاہتا ہوں کہ آئندہ ایسے امور میں وقت عزیز صرف نہو۔

قبل اسکے کہ میں اخبار بینی کے متعلق کچھ عرض کروں مجھے یہ کہنا ہے کہ اس شخص کو جن امور سے نفرت پیدا ہوئی ہے منجملہ اُنکے یہ تین امر ہیں۔ اخبار بینی۔ شعر و شاعری۔ بیکار لوگوں سے ملنا جلنا۔

نواب صاحب ممدوح صرف اخبار بینی کے متعلق اپنا تاثر اور ناخوشی یوں ظاہر فرماتے ہیں کہ "مذکورہ بالا عبارت میں اخبار بینی کی عزت افزائی قابل غور ہے"۔ مگر "شعر و شاعری اور بیکار لوگوں سے

ملنا جلنا" ان کی نسبت کچھ ارشاد نہیں فرمایا۔ سوال یہ ہو کہ اخبار بینی کی طرح شعر و شاعری اور بیکار لوگوں سے ملنے جلنے کو بھی نواب صاحب ضروری تصور فرماتے ہیں یا نہیں۔ الحمد للہ کہ ہمکو نواب صاحب پر یہ بدگمانی ہرگز نہیں ہم جانتے ہیں کہ ممدوح کو بھی اُسی شخص سائل کی طرح ان دونوں باتوں سے نفرت ہے مگر اس تیقن کے بعد ہم کو اس سوال کی ضرورت باقی ہو کہ کیا ایک عیب کے ساتھ کسی کے دو ہنر نظر انداز ہو سکتے ہیں اور کیا کسی کا ایک صغیرہ گناہ اُسکی دو نیکیوں کو حبط کر لیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ "تعصب اور جمود کی حکومت عامہ عالم میں نہیں رہی بلکہ علم جدید کی روشنی نے دل کی آنکھیں کھولدیں اور اپنی مخالف قوموں کی حق بات کا ٹھنڈے دل سے اعتراف کرنا سکھادیا۔ صرف علما ہیں کہ ابتک تعصب کے چنگل میں مبتلا ہیں مگر از گفتن تا کردن منزلہاست۔ سچ ہے ؎

ہر کسے ناصح برائے دیگراں ناصح خود یافتم کم در جہاں"

میں اخبار بینی کے متعلق کوئی تفصیلی بحث نہیں کرنا چاہتا مگر اسقدر ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ دنیا میں تمام آدمی ایک کام کے نہیں ہوتے ہر شخص کا ایک خاص مقصود ہوتا ہے جسکی سعی میں وہ دن رات لگا رہتا ہے اور دوسری مفید اور غیر مفید چیزوں کو آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا۔ ہر زمانہ میں اسکی صدہا مثالیں موجود ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ کو تحقیق کی نظر سے دیکھو اُنکے حالات پڑھو اُنکے طرز معاشرت کو جانچو تو معلوم ہو جائیگا کہ جہاں اُن میں اولو الامر اور امیر المومنین تھے تو ایک جماعت فنون سپہ گری کی شائق بھی موجود تھی۔ کسی کو تجارت سے رغبت تھی تو کسی کو زراعت سے دلچسپی تھی کوئی اشاعت اسلام میں لگا ہوا تھا تو کوئی گھر بیٹھکر درس و تدریس پر اکتفا کئے ہوئے تھا اور کوئی ان سب امور سے محض دل سرد تھا اور گوشہ نشینی پر فدا تھا۔ جہاں صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم تھے وہاں ابوذر اور معاذ بن جبل بھی موجود تھے کہ دنیا کے سرد و گرم سے بالکل قطع نظر اور سب سے قطع تعلق کر کے گوشہ تنہائی میں یاد خدا کرتے تھے۔ اور اُن پر کوئی نفرین و ملامت نہیں کرتا تھا۔ الحاصل ہر زمانہ میں ہر قسم کے آدمی پیدا ہوتے ہیں اور یہ فطرۃ کا حکمت خیز اور عالم پرور طریق ہے۔

ایک ملازم جسکا فرض ہو کہ وہ اپنا کار مفوضہ انجام دیکر اپنے کو نیکنام ثابت کرے اور اپنی ملازمت کو برقرار رکھے کیا یہ شخص زمانہ کارکردگی میں کوئی دوسرا کام کر کے کسی عاقل کے نزدیک قابل ستایش ہو سکتا ہے۔ کوئی طالبعلم زمانہ طلب علم میں اگر دوسرے فنون کی طرف متوجہ اور راغب ہوگا تو کیا وہ طلب علم میں

کامیابی حاصل کرسکتا ہے اور کیا دنیا کے عاقل اسکو یہ رائے دینگے ہرگز نہیں اخبار بینی بیشک مفید طریقہ ہے مگر اُسکے اہل تمام آدمی نہیں ہوسکتے۔

دنیا میں بہت سے آدمی ہیں جنکے مقاصد ایسے نازک ہیں کہ وہ اپنے ساتھ کسی دوسرے خیال کی شرکت کی اجازت نہیں دیتے اخبار بینی کا تو ذکر ہی کیا ہے اسکی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں ہے ناظرین اولوالابصار تھوڑے سے تامل سے خود معلوم کرسکتے۔

ایک مسافر جو صبح کو اپنے گھر سے نکلا ہے اور اُسکو شام تک منزل پر پہونچنا ہے اگر رستہ میں دوسرے امور کی طرف متوجہ ہوگا تو کیا یہ نادان منزل مقصود کا دشمن نہیں ہے آفتاب غروب ہوجائیگا اور یہ بیخبر جنگل میں ہکا دھکا کھڑا رہجائیگا اسکو اب اپنے دن کی غفلت پر پچھتاوا آئیگا اور کچھ نفع نہوگا اسکو اب اپنی بیخبری پر ندامت ہوگی اور بے سود۔

طالب علم زمانہ طلب علم میں اگر علم کے سوا دوسرے خیالات کو دماغ میں بکائیگا تو کیا آپ اُسکی تحسین کرینگے دوسرے خیالات گو فی نفسہٖ مفید ہوں مگر اُسکے لئے ہرگز مفید نہیں بلکہ مضر ہیں۔ ہاں اگر کسی علم کے نصاب میں اخبار بینی بھی شامل ہو تو وہ مبحث سے جدا ہے طالبعلم کیلئے نکاح تجارت۔ زراعت۔ ملازمت کو مضر مقصود سمجھا جاتا ہے مگر اخبار بینی کو اس سے مستثنےٰ کیا جاتا ہے۔ وجہ فرق اگر کسی کی زبان پر آئے تو رائے قائم کی جاسکتی ہے۔

مقاصد مختلف ہیں ایک شخص حکومت کے مروجہ علوم وفنون کی تحصیل کو اپنی ترقی کا ذریعہ سمجھتا ہے ایک شخص تجارت و ملازمت کو ایک شخص تزکیہ نفس کو۔ وقس علیٰ ھذا۔ اپنے اپنے درجہ میں یہ سب مقاصد محمود ہیں گو آب وہوائے زمانہ کا سمی اثر کچھ تفریق پیدا کرنے کی کسی کو رائے دے مگر ایک صاحب عقل کوئی فرق نہ کریگا۔ بلکہ دنیوی اور اخروی مقاصد میں۔ اُخروی مقاصد کو ترجیح دیگا لیکن اس زمانہ میں چونکہ علوم دین اور تزکیہ نفس کو غیر ضروری بلکہ مضر مقصود خیال کرلیا گیا ہے اسلئے ہمارے عقلا اس اپنے قضیہ مسلمہ کی بنا پر جو جی چاہتا ہے فرمادیتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ طبقہ علماء ومشائخ کو نہ حکومت کی طرف سے کوئی عزت ہے نہ انکے مقاصد کی گرم بازاری کا زمانہ ہے۔ یہ لوگ اپنی پُرانی لکیر کے فقیر ہیں اور دنیا میں اب جدھر آنکھ اُٹھا کر دیکھتے ہیں کچھ اور ہی گل کھیلے نظر آتے ہیں۔ اسلئے علماء ومشائخ کا ہر حرکت وسکون اب قابل ملامت ہے۔ بیشک ایسے گروہ پر لب کشائی کیا دشوار ہے ایک بزرگ نے کچھ فرمادیا دوسرے چند حضرات نے اُنکی تائید فرمادی مقدمہ طے ہوگیا نہ مرافعہ ہوسکتا ہے نہ نظر ثانی = ہو تو انہیں حضرات کی عدالت میں۔ (یارب)

ایک وہ وقت تھا کہ مدینہ طیبہ میں امام امالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جوق جوق جماعتیں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحصیل کو چلی آتی تھیں۔ مکہ مکرمہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا درس مرجع عالم تھا۔ کوفہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا درس اپنا آپ ہی نظیر تھا اور ان شہروں میں صدہا درسگاہیں طالبان علوم کا ماویٰ و ملجا تھیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جس شہر میں پہونچ جاتے تھے ہزاروں آدمی حلقہ درس میں حاضر ہوتے تھے۔ حدیث وفقہ کی وہ عظمت قلوب میں تھی کہ اسکی تحصیل میں ایک عالم مٹا ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی ایک حدیث کے لئے منزلوں کا سفر پیادہ پا کیا جاتا تھا اور جب پاؤں زخمی ہوجاتے تھے تو اُن پر کپڑا لپیٹ کر منزل پوری کیجاتی تھی ابو حنیفہ۔ مالک۔ شافعی۔ احمد۔ سفیان۔ اوزاعی۔ ابن مبارک۔ زہری (رحمۃ اللہ علیہم) صدہا محدث اور فقیہ گدڑیوں کے لعل تھے ایک خلقت تھی کہ وہ ان پر مٹی ہوئی تھی اور احکام شریعت کے علم کو جملہ ضروریات دنیوی پر مقدم سمجھتے تھے۔ آج وہ زمانہ ہے کہ اُن برگزیدہ مسلمانوں کی اولاد اپنے اباء کرام کے علوم کی تحصیل کو تضیع اوقات سمجھتی ہے۔ سرکاری امتحانات میں کامیاب ہونے کو بڑے بڑے سفر کئے جاتے ہیں مگر حرمین شریفین کا رخ نہیں کیا جاتا باوجود استطاعت مسلمان حج کا فریضہ ادا نہیں کرتے اور اسقدر روپیہ کہ جسمیں سارے گھر کو حج کرا سکتے ہیں۔ دنیاوی عزت کے لئے سفروں میں خرچ کردیتے ہیں اور اُسپر یہ قیامت کہ کوئی اُن پر کوئی رائے قائم نہیں کرتا کم ازکم فریضہ حج کی ادا کا مشورہ بھی نہیں دیتا۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعونؔ۔

ایک وقت تھا کہ دنیا میں حضرت جنید اور شبلی اور بایزید (رحمۃ اللہ علیہم) سے خداپرستوں کی جماعت مرجع خلائق تھی اور مسلمان اُن سے اکتساب طریقت کو اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے خانقاہیں آباد تھیں ذکر و شغل ہو و حق کے نعرے بلند تھے مسلمان کمال انسانیت اسی کو سمجھتے تھے کہ ان بزرگوں کے حلقہ۔ توجہ میں شریک ہوں اور اُنکے فیوض باطنی سے متمتع ہوں۔

مسلمان جہاں جاتے تھے اپنے علوم اور کمالات ظاہری و باطنی کا سکہ بٹھادیتے تھے دوسری قومیں اُنکے اثر سے متاثر ہوتی تھیں تاریخ کے صفحات حیرت کے عالم میں ان وقائع کی شہادت پیش کررہے ہیں اور ہم متاثر نہیں ہوتے ایسے بیجی بلا موجود ہیں کہ اب ہاں گو سلطنت اسلامی نہیں ہی مگر زبان اسلامی ہی مسلمانوں کی تصانیف سے دنیا صاحب تصنیف ہوگئی۔ مسلمانوں کے علوم سے دنیا اہل علم ہوگئی۔ غیر قوموں نے مسلمانوں کی علمی تحقیقات پر سر تسلیم خم کیا اور اُنکے زہد و مجاہدات کو سراہا اب مسلمان ایسی بھول بھلیاں کی سیر میں مشغول ہیں کہ اُنکی آنکھوں میں مسلمانوں کے کمالات عیوب نظر آتے ہیں۔ قیامت ہے کہ ضروریات دین جو بروئے شرع ہر مسلم کیلئے واجب التعمیل ہیں چودھویں صدی کی دنیاوی ضرورتوں کے مقابلہ میں نظر انداز کردئے جاویں اور ہماری ایک جماعت اپنے کو اُس بار سے سبکدوش سمجھے۔ احکام الٰہی کی بجاآوری میں عیاناً اور جہاراً کوتاہی ہو۔

قرآن پاک کو زبان سے کتاب الٰہی کہیں اور اُسکے احکام کی کچھہ توقیر نہ کیجائے سلف کے خلاف تراشش وخراش ہمارا سرمایہ ناز ہو۔صحابہ وتابعین کے طریق اور فہم وفراست کی مطلق پروا نہو حتی کہ لوگ محرمات کو حلال سمجھیں اور ہمارے کان پر جوں نہ رینگے۔ اخبار بینی جسکا نفع خواص کیلئے ہے تمام افراد انسانی پر ایسی لازم اور واجب قرار دیجائے کہ اگر کوئی طالب خدا دنیا کی تمام ترقیوں سے قطع نظر کرکے اپنی حقیقی ترقی کی طلب میں اپنے شیخ کی تعلیم کے موافق مجاہدات کرے اور اخبار بینی کو اپنے لئے مضر مقصد تصور کرے تو وہ مورد الزام ہو۔تمام مسلمانوں کو لئے اگر علوم دینیہ کی ضرورت نہیں ہے تو کیا اخبار بینی کے لئے سب انسان اہل ہیں۔

ہم اخبار دیکھتے ہیں اور اخبار کو فی الجملہ مفید سمجھتے ہیں۔خبر رسانی کا ایک سہل طریق ہے اُس سے بعض مفید امور معلوم ہوجاتے ہیں ہم اسکے مخالف نہیں۔لیکن ہم طلبہ اور اس قسم کے لوگوں کے لئے جبتک وہ کسی خاص شغل میں لگے ہوئے ہوں ضرور مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اخبار نہ دیکھیں اور صرف اخبار ہی پر کچھہ انحصار نہیں ہے جسقدر امور اُنکی تحصیل وتکمیل کے لئے مضر رساں ہیں سب سے اُنکو بچنا مناسب سمجھتے ہیں زمانہ طلب علم میں مجاہدات اور زمانہ اکتساب طریقت میں دوسرے مشاغل مضر ہیں۔

اِس سے کوئی صاحب اگر یہ سمجھیں کہ اخبار کو بُرا سمجھا اُسکی توہین کی یہ اُنکی خوش فہمی ہے۔

ایک طبیب ایک مریض کو گوشت۔دودھ۔گھی میوے کھانے سے روکدیتا ہے اس سے کیا کوئی یہ سمجھ لیگا کہ یہ مفید چیزوں کو حرام اور ممنوع سمجھتا ہے۔

میں نے بعض دوستوں کو دیکھا ہے کہ وہ اخبار پر اسقدر فریفتہ ہیں کہ رمضان المبارک میں صبح کی نماز سے فارغ ہوکر بجائے ورد وظائف اور تلاوت کلام مجید کے وہ اخبار کا مطالعہ مسجد کے احاطہ میں کرتے ہیں۔میں نے اُن دوستوں کو کبھی ساری عمر تلاوت کلام مجید کرتے نہیں دیکھا۔میں نے اُنکی زبان سے سُنا ہے کہ دینیات کی کتابوں میں کیا رکھا ہے جو کچھ ہے اخبار میں ہی۔اُن میں ایک اخبار کے خرید کرنیکی سکت نہیں مگر وہ ایسی طرح کہ شرعاً جائز نہیں بہت سے اخبار خرید لیتے ہیں اور میں نے اُنکو کبھی نہیں دیکھا کہ وہ اخباروں میں نامہ نگاری کرتے ہوں یا کسی مضمون کی تائید یا تردید کرتے ہوں۔بلکہ وہ محض اسکو اپنی امتیازی شان سمجھتے ہیں اور جو کچھہ لکھا دیکھا اُس سے بہت جلد متاثر ہوجاتے ہیں بیشک میں اپنے اُن دوستوں کے اس فعل کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں اور ایسی اخبار بینی سے پناہ مانگتا ہوں اور یقین ہے کہ میں اس خیال میں متفرد نہ ہونگا۔

مجاہدات میں زہاد کو جو مواجید وحالات پیش آتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے انگریزی مصنفین کی تصنیفات میں اگر اسکی تعلیم نہیں ہے تو نہو مگر مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت سلفاً خلفاً اسکی مؤید اور عامل اور مثبت موجود ہے۔کوئی صاحب بیسویں صدی میں ایسے واقعات کو معلوم کرکے پریشان حال نہوں وہ باور کرلیں کہ دنیا میں مسلمانوں کی حقیقی جماعتیں برابر موجود رہینگی خدا کے متوالے بندے بھی دنیا میں ہمیشہ رہے اور برابر

رہینگے لوگ اُنکو دیوانہ کہیں مجنون سمجھیں۔ مگر وہ اپنی دھن کے پورے ہیں اور معترضین کی طرح وہ بھی معترضین پر متاسف ہیں اور ان نئے تخیلات سے متاثر ہونیوالے نہیں۔ لا تقوم الساعۃ حتی یقال اللّٰہ اللّٰہ۔

خاکساران جہاں را بحقارت منگر　　توچہ دانی کہ درین گرد سوارے باشد

ہمارے مہربانوں کو اچھی طرح باور کر لینا چاہئے کہ اسلام کے اصول شریعت مطہرہ کے قواعد کبھی بدلے نہیں جا سکتے ہمیشہ اُسی انداز پر رہینگے جو مقرر کر دئے گئے ہیں اور جنکو سلف صالحین نے واضح کر دکھایا ہے۔ اکل حلال کی تحصیل ہمیشہ مامور بہ رہیگی سوائے حالت اضطرار کے اسپر کیا موقع لب کشائی ہے۔ مباحات میں رخصت شرعی ہے اُسکو اگر کوئی اصول کی تبدیل سمجھے تو یہ کوتاہ نظری کی تعلیم ہے دنیا گو لاکھ بار روزانہ بدلے مگر دین کا طریق نہیں بدلسکتا ہاں یہ ممکن ہے کہ دنیا کے ساتھ ہم خود بدل جاویں اور پھر ہم دین کو اپنے منشا کے موافق بدلنے کی کوشش کریں جسکو چاہیں وہمی گروہ کا لقب عطا کر دیں اور جسکو چاہیں مضر رساں کہدیں دین کی خدمت کا جو طریقہ ہم مقرر کر دیں وہی مفید اور واجب العمل ہو اور اسکے سوا تمام طرق اگرچہ نفس الامر میں مفید ہوں مگر چونکہ ہمارے مزعوم کے خلاف ہیں اسلئے غیر مفید ہوں۔ اسپر یہ قیامت کہ خود باوجود استطاعت و قدرت کچھہ نہ کریں اور دوسروں کو مورد الزام بنائیں۔

ہم باواز دہل کہتے ہیں کہ ہمکو مسیحی علماء کی تقلید کی ضرورت نہیں اور خدا نہ زندہ رکھے ہمکو مسیحی علماء کی تقلید کرنے کیلئے۔ ہم مسلم ہیں ہم محمدی ہیں ہماری شریعت آسمانی ہے اُسکا طریق نہایت صاف اور واضح ہے اُسمیں ہماری حیات ممات رنج۔ راحت۔ تنزل۔ ترقی۔ دین۔ دنیا کی کافی تعلیم اور ہماری ہر درد دکھ کا شافی علاج موجود ہے ہم زمانہ پرست نہیں ہیں ہم ابن الوقت نہیں ہیں۔ ہم جو کل تھے وہی خدا کے فضل سے آج ہیں اور انشاء اللّٰہ تعالیٰ کل کو بھی وہی ہونگے۔ اپنے گھر کی بیخبری اور دوسروں کی کاسہ لیسی کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ آج ہمکو اس تعلیمی دور میں مسیحی علماء کی تقلید کی راہ دکھائی ہے اور طرفہ یہ کہ مسیحی علماء کے تقلید کرنیوالے خود کچھہ نہیں کرتے۔ کہا جاتا ہے کہ عربی تعلیم اور مدارس اسلامیہ کا اثر یہ ہے کہ آدمی دوسروں کی کمائی کو اپنا وسیلہ رزق گردان لیں ہم نہیں سمجھتا کہ یہ قول کہانتک نفس الامر کے ساتھہ مطابقت رکھتا ہے زمانہ تعلیم میں عام طور پر اسلامی اور سرکاری اور قومی مدارس میں طلبہ کو وظائف چندوں سے دی جاتے ہیں اور بہ نسبت قومی اور سرکاری مدارس کے اسلامی مدارس میں گھٹیا وظائف دی جاتے ہیں تعلیم سے فراغت کے بعد طلباء کی ذمہ داری اُسی حد تک عاید ہو سکتی ہے جس حد تک کسی کا اثر اور تصرف ہو۔ مدارس اسلامی میں جو تعلیم ہوتی ہے اُس میں اکل حلال و تحصیل مال کا طریق وہ بتایا جاتا ہے جو مسلمانوں کے خدا نے اور اُنکے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کیا ہے اب اگر کوئی شخص عربی یا انگریزی مدارس سے سند حاصل کر کے رشوت لے یا بھیک مانگے یا اور محرمات میں مبتلا ہو کر دوسرے ممنوع طریق سے مال حاصل کرے تو ہمارے نزدیک وہ سب ایک حکم میں ہیں اور دنیا میں دونوں قسم کی اچھی اور بُری مثالیں موجود پھر ہم نہیں سمجھتے کہ عربی مدارس کی تعلیم کی اعتراض میں کیوں تخصیص ہے۔

الحاصل افادہ کی تحریر سے جو ایک غلط فہمی کا اندیشہ تھا بقدر ضرورت اُسکے متعلق یہ چند سطور لکھدی گئیں ۴

۴ نہ ان سے کسی پر اعتراض مقصود ہے نہ کسی کی تردید اپنے نزدیک جو مسلک حق ہو اُسکی وضاحت مقصود ہے اور بس ۵ نہ میرے سُننے وہ بہ میں ناصحو نکی + نہیں مانتا کوئی کہنا کسی کا۔ خاکسار معتمد المدیر کان اللّٰہ لہٗ

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(گذشتہ سے پیوستہ)

معزولی کے بعد کے حالات

اس معزولی کا کوئی اثر حضرت خالد کے اوپر نہیں ہوا۔ وہ جسطرح بحیثیت سپہ سالار اعظم کام کرتے تھے۔ اسی طرح ایک ماتحت افسر کے لباس میں جاں بازی کرتے رہے اگر اُن کا عزل یرموک میں ہوا ہے تب تو اسکے بعد فتح دمشق میں جو کارنامے اُن کے ہاتھ سے ظہور پذیر ہوئے تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں ایسے واقعات گنتی ہی کے پیش آئے ہوں گے۔ اور اگر عین محاصرہ دمشق میں معزولی ہوئی ہے تو اس معرکہ کا انصرام اُنہی کے ہاتوں ہوا۔ اور اُسکے بعد مقام فحل میں اسی انداز سے جانبازانہ داد شجاعت دی۔

بعدہ امین الامتہ کے ساتھ حمص کو روانہ ہوئے۔ اور مقام ذی الکلاع پر منزل کی۔ ہرقل کو اسکی اطلاع ملی تو توذر کی کمان میں بھاری فوج روانہ کی۔ مرج الروم میں مقابلہ ہوگیا۔

توذر حضرت ابو عبیدہ کے مقابلہ پر ایک حصۂ فوج کو زیر کمان شنشن رومی کے چھوڑ کر خود دمشق کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکالنے کی فکر میں رات کو چلدیا۔ یزید ابن ابی سفیان دمشق کے والی تھے ان کو اطلاع پہونچی تو توذر کے مقابلہ کیلئے نکلے۔ اور ایک موقعہ پر معرکۂ کارزار گرم ہوگیا عین اس حالت میں عقب سے حضرت خالد نے آدبایا۔ اور اس زور سے حملہ کیا کہ دشمن کے بہت کم آدمی جان بچاکر جاسکے توذر بھی مقتول ہوا۔

اس معرکہ کے بعد امین الامتہ کی ہمرکاب بعلبک۔ حمص۔ حماۃ۔ لاذقیہ وغیرہ کو صلحاً یا مقابلتاً فتح کرتے چلے گئے۔ اور ان مقامات کے بعد حضرت امین الامتہ نے آپ کو ایک دستہ فوج دیکر قنسرین کی فتح کیلئے بھیجا۔ ابھی مقام حاضر پر ہی پہونچے تھے کہ روم کا عظیم الشان لشکر حضرت خالد کے مقابل آگیا یہ رومی لشکر زیر کمان میناس تھا۔ میناس اس پایہ کا شخص تھا کہ ہرقل کے بعد دوسرے درجہ پر سمجھا جاتا تھا۔ میناس کے ساتھ سخت مقابلہ ہوا۔ روم کے لشکر نے بھی داد شجاعت دینے۔ جانبازی کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نرکھا۔ اور اسی وجہ سے وہ سب کے سب میدان جنگ میں فنا ہوگئے میناس

قتل ہوا۔ اس معرکہ کے بعد ہرقل قیصر روم وشام۔شام وایشیا کو چک کی حفاظت سے مایوس ہو کر قسطنطنیہ جانے پر مجبور ہوا اسابق معرکوں کے بعد قنسرین کے عظیم الشان معرکہ اور قیصر روم کے کے قسطنطنیہ چلے جانیکی خبر اور حضرت خالد کے نمایاں کارناموں کی حالت معلوم ہوئی تو حضرت عمر نے فرمایا۔

امر خالد نفسہ یرحم اللہ ابابکر ھو کان اعلم بالرجال منی۔

خالد نے خود اپنے آپ کو سپہ سالار بنالیا۔ اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائے وہ کام کے آدمیوں کو مجھسے زیادہ پہچانتے تھے۔

حضرت عمر نے شام میں حضرت خالد کو معزول کر کے حضرت ابو عبیدہؓ کو سپہ سالار اعظم بنایا تھا اور فتوحات عراق کے مدار اعظم مثنیٰ ابن حارثہ کو جو بعد حضرت خالد کے عساکر عراقیہ کے قائد عام تھے معزول کر کے حضرت سعد ابن ابی وقاص کو سپہ سالار مقرر فرمایا تھا حضرت مثنیٰ ابن حارثہ کے حالات وواقعات انکی مافوق الفطرۃ شجاعت اور اُن کی مخلصانہ سعی وجان فشانی ان کی برکات ظاہری ومعنوی کے حالات سے ناظرین القاسم بیانات سابقہ میں باخبر ہو چکے ہیں۔

اس موقعہ پر حضرت عمر نے خالد کی تعریف کرتے ہوئے۔ان دونوں سپہ سالاروں کی معزولی کی وجہ (جسپر عقل ظاہر بین ناعاقبت اندیشی یا عدم قدردانی یا خوف فتنہ واختلاف کا الزام لگا سکتے تھی) بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

انی لم اعزلھما عن ریبۃ ولکن الناس عظموھما فخشیت ان یوکلوا الیھما۔

میں نے ان دونوں کو کسی تہمت اور بدظنی کیوجہ سے معزول نہیں کیا۔بلکہ لوگوں کے دلوں میں انکی عظمت ان کی تدابیر وشجاعت پر اس قدر اعتماد ہو گیا تھا جس اندیشہ تھا کہ خدا تعالیٰ سے نظر اٹھا کر فتوحات کا انحصار انہیں کی ذات پر نہ سمجھ لیں۔

حضرت فاروق اعظم نے ان دونوں بزرگوں کو معزول کیا۔جنکے اسباب میں علاوہ بعض مآل اندیشانہ احکام شرعیہ وسیاسیہ کے ان مصالح کا بھی دخل تھا جنکو اس موقعہ پر ظاہر فرمایا۔مگر دونو نے عزل کے بعد وہ نمایاں خدمتیں کیں جن سے ثابت ہو گیا۔کہ حظ امارۃ۔ولذت حکومت ونام آوری کو اُن کے کاموں میں کچھ دخل نہ تھا۔اور اسی تجربہ وآزمائش کے بعد آپ کا خیال دونوں کی طرف سے بدل گیا۔جسکا اقرار علی رؤس الاشہاد آپنے کیا۔اور گو اس اقرار کے بعد وہ اپنی سابق درجہ پر واپس نہ کئے گئے۔اور حاجۃ بھی نہ تھی۔کیونکہ اُن کے کارنامے دونوں

حالت میں یکساں تھی۔ پھر کسی جدید تغیر کی کیا ضرورت تھی۔ تاہم آپ نے اپنی رضامندی اور اُن کی عظمت ووقار کا اعلان فرمادیا جس سے اُن قلوب کو جنکو بمقتضائے عقل ظاہری کچھ تردد یا خلجان ہونا ممکن تھا۔ اطمینان ہوگیا۔

قنسرین کے بعد حضرت خالد کے ہاتھ پر مرعش فتح ہوا۔ اور اسی طرح بہت سی مواقع میں اپنی تدبیر و شجاعت کے جوہر دکھلاتے ہوے بیت المقدس کے محاصرہ کیلئے پہونچگئے۔ اور یہاں سے حضرت عمر کو نجد برست میں لکھا گیا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کے دست مبارک پر ہوگی۔ آپ نے مدینہ سے بیت المقدس کا قصد فرمایا۔ اور امراء عساکر کو اطلاع دیدی کہ اپنی لشکر پر قائم مقام چھوڑ کر ہمسے خاتمہ میں آکر ملیں۔ سوا عمرو بن العاص اور شرحبیل بن حسنہ کے کہ وہ تو اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ کیونکہ اندیشہ سخت تھا۔ باقی تمام افسران اعلیٰ جابیہ پر پہونچ گئے۔ سب سے اول یزید ابن ابی سفیان۔ ابوعبیدہ ابن الجراح۔ اور اُن کے بعد خالد ابن الولید گھوڑوں پر سوار آپ کے سامنے اس شان سے آئے کہ حریر و دیباج کا لباس پہنے ہوے تھے۔ حضرت عمر یہ حالت دیکھکر سواری پر سے اوتر پڑے۔ اور پتھر اُٹھا کر امراء عساکر کو مارنا شروع کیا۔ اور فرمایا کہ تمھاری حالت میں کسقدر تغیر آیا۔ اور تم اپنے خیالات سے اتنی جلد پھر گئے۔ تم اس ہیئت میں میرے سامنے آتے ہو۔ ابھی تو دو ہی برس سے تمکو اس طرح کا عیش نصیب ہوا۔ اگر دو سو برس کے بعد بھی تم میں یہ تغیر آتا تو میں تمھاری جگہ دوسروں کو مامور کرتا۔ غرض حضرت عمر کو یہ شان۔ ترفہ و تنعم کی ہیئت نہایت مکروہ اور ناپسند معلوم ہوئی۔ آپ کو خیال ہوگیا کہ شام و روم کی عیش پرستی کا اثر ان میں بھی آگیا۔

حضرت عمر کی ناراضی کی جب یہ حالت دیکھی تو امراء عساکر نے آگے بڑھکر عرض کیا۔

امیر المومنین یہ لباس تو محض دکھلاوے کے ہیں۔ ورنہ ہم تو مکمل ہتیار لگائی ہوے ہیں حضرت عمر نے سنکر فرمایا اگر یہ بات ہے تو مضائقہ نہیں۔ حضرت عمر نے جابیہ پر قیام فرمایا۔ اور اسی مقام بیت المقدس بصلح مسلمانوں کے حوالہ کر دیا گیا۔

جب بیت المقدس پر مسلمانوں کا تسلط ہوگیا اور شام کا ملک مسلمانوں کے زیر نگین آگیا تو بڑے بڑے شہر امراء عساکر کی ماتحتی و نگرانی میں دیدیے گئے۔ خود سپہ سالار اعظم امین الامۃ ابوعبیدہ تو حمص پر مقیم تھے۔ اور آپکی ماتحتی میں حضرت خالد قنسرین پر۔ یزید ابن ابی سفیان

دمشق پر معاویہ ابن ابی سفیان اُردن پر علقمہ بن مجزز فلسطین پر اور ساحل بحر پر عبداللہ ابن قیس۔ غرض حضرت ابو عبیدہ ملک شام کے تمام حصوں پر مشہور افسروں کو معین فرماکر خود حمص میں مقیم تھے۔

ہرقل ملک شام و روم شام میں مسلمانوں کی فتوحات کا رنگ دیکھکر قسطنطنیہ چلا گیا تھا لیکن جب حضرت ابو عبیدہ فتح بیت المقدس سے فارغ ہوکر حمص میں مقیم ہوئے تو اہل جزیرہ نے ہرقل کے پاس قسطنطنیہ پیام بھیجا کہ اگر شام کو واپس لینے کیلئے فوجیں بھیجیں تو ہم بھی معین و مددگار رہیں گے۔ ہرقل کے سمجھ میں یہ بات آگئی۔ اور اُسنے ایک بھاری لشکر کو مقابلہ کے لئے بھیجا۔

حضرت ابو عبیدہ کو اسکی اطلاع ہوئی تو آپنے امراء عساکر کو حمص پر جمع ہونیکا حکم دیا حضرت خالد بھی قنسرین سے وہاں پہونچے۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ اور اُسکے مقابلہ میں مسلمانوں کی جمعیت بہت کم تھی۔ یہ حالت دیکھکر حضرت ابو عبیدہ کو تردد ہوا اور آپنے افسران افواج سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ آیا ہم خود اُن پر حملہ کرکے لڑائی کی ابتدا کردیں۔ یا قلعہ بند ہوکر امداد کا انتظار کریں۔ حضرت خالد نے مشورہ دیا کہ نہیں ہمکو فوراً اُن پر حملہ کرکے لڑائی کی ابتدا کردینی چاہیئے۔ مگر باقی افسروں نے یہ رائے دی کہ ہمکو قلعوں میں محفوظ رہکر امیر المومنین سے خط و کتابت کرنی چاہیئے۔ اور جو حکم آئے اُسکی تعمیل کیجائے۔ کثرۃ رائے اس جانب تھی اور احتیاط کا پہلو بھی اسی میں تھا اسلئے حضرت ابو عبیدہ نے اس ہی رائے پر عمل کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی کمال دوربینی و مآل اندیشی سے موقع در موقع ایسی طرح رسالہ کی چھاؤنیاں ڈالدیں تھیں کہ جس سمت اور جس نواح میں امداد کی ضرورت ہو فوراً فوج رسالہ پہونچ جای۔ کوفہ میں چار ہزار سوار موجود تھے۔ آپ کی خدمت میں حضرت ابو عبیدہ کا اطلاعی خط پہونچا تو آپ نے حضرت سعد ابن ابی وقاص کو تحریر فرمایا کہ کوفہ سے قعقاع کو فوراً ابو عبیدہ کی امداد کیلئے روانہ کردیں وہ دشمنوں کے نرغے میں محصور ہیں۔

اہل جزیرہ ہی اس ساری لڑائی کے بانی مبانی۔ ہرقل کو اکسانے والے تھے جب ہرقل نے اپنی فوجیں حمص کی طرف بڑھادیں۔ تو اہل جزیرہ بھی حسب وعدہ مقابلہ کیلئے تیار ہوئے۔

ان میں بھی حرکت پیدا ہوئی۔

حضرت عمر نے اہل جزیرہ کی روک تھام کیلئے حضرت سعد کو تحریر فرمایا کہ سہیل ابن عدی کو رقہ کی طرف روانہ کریں اور عبداللہ ابن عتبان کو نصیبین کی طرف۔ ولید ابن عقبہ کو عرب جزیرہ کے قبائل۔ ربیعہ و تنوخ کے مقابلہ کیلئے روانہ کریں۔ اور عیاض ابن غنم کو بھی اُن کی مقابلہ کیلئے بھیجیں۔ اگر اہل جزیرہ سے لڑائی کی نوبت آئی تو عیاض ابن غنم افسر اعلیٰ تمام افواج کے ہوں گے۔ غرض اسطرح حضرت عمر ہر جانب کا بندوبست کر کے اور تمام ہدایات بھیجکر خود بھی حضرت ابو عبیدہ کی امداد کیلئے مدینہ سے روانہ ہو کر جابیہ تک پہونچ گئے۔

یہاں یہ ہوا کہ جب اہل جزیرہ نے اپنے گردوپیش عساکر اسلامیہ کی خبریں سنیں اُن کے تو ہوش اوڑ گئے۔ سب وعدے بھول گئے۔ رومی لشکر کو بیچ میں چھوڑ کر ادھر ادھر متفرق ہو گئے۔ ابھی تک قعقاع بن عمرو حمص تک پہونچنے نہ پائے تھے کہ اہل جزیرہ کی متفرق ہو کر بھاگ نکلنے کی خبریں حضرت ابو عبیدہ تک پہونچیں۔ اور اُس جانب سے اطمینان ہو گیا۔ آپ نے حضرت خالد سے مشورہ کیا کہ اب جارحانہ حملہ کریں۔ حضرت خالد نے مشورہ دیا کہ ضرور کرنا چاہئے۔ حضرت ابو عبیدہ نے اس مشورہ پر کاربند ہو کر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ قعقاع ابن عمرو تازہ امداد لیکر تین دن بعد فتح کے پہونچے۔

اسمیں گفتگو ہوئی کہ وہ مال غنیمت میں شریک کیئے جائیں۔ یا نہ کئے جائیں۔ حضرت عمر کی خدمت میں لکھا گیا۔ وہاں سے جواب آیا کہ ضرور شریک کئے جائیں۔

اہل جزیرہ جب مقابلہ سے کنارہ کر کے متفرق ہو گئے تب مسلمانوں کو جزیرہ کی فتح کا خیال ہوا۔ اودہر تو حضرت سعد ابن ابی وقاص سپہ سالار عراق نے عساکر اسلامیہ کو جزیرہ کی طرف بھیجنا شروع کیا۔ ادہر حضرت ابو عبیدہ سپہ سالار شام نے عیاض ابن غنم کو ادہر روانہ کیا اور اسطرح جزیرہ دار مینیا فتح ہو گئے۔ اس فتح کے متعلق صحیح روایت یہی ہے کہ عساکر شامیہ عیاض ابن غنم کی زیر کمان فتح جزیرہ کیلئے آئی تھے۔ مگر بعض روایتوں سے ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خالد ابن الولید بھی عیاض کے ہمراہ تھے۔ یہ روایۃ اول تو روایات

صیحہ کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت خالد کا سوا حضرت ابو عبیدہ کے کسی اور افسر کی ماتحتی میں کام کرنا ثابت نہیں ہے۔

حضرت خالد کی دوسری مرتبہ معزولی

پہلی معزولی تو باختلاف روایات یا عین معرکہ یرموک کے وقت ہوئی جبکہ حضرت خالد تمام عساکر اسلامیہ کے قائد عام بنکر کثیر التعداد لشکر روم کو زیر و زبر کر رہے تھے یا عین محاصرہ دمشق کے وقت جسمیں حضرت خالد کی حسن تدبیر و بیداری کے وہ جوہر ظاہر ہوے جنکی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ بہر حال اُن کی معزولی کسی جگہ ہوئی۔ مگر ہوئی ایسے وقت جبکہ وہ عظیم الشان ذمہ داری کا کام اپنے اوپر لئے ہوے مسلمانوں اور اسلام کے لئے سپر بنے ہوئے تھے۔ لیکن آپنے اس معزولی کے بعد بجائے شکستہ دل ہونیکے پہلے سے زیادہ چستی و جانبازی دکھلائی۔ جسکو دیکھکر حضرت عمر نے ایک مرتبہ تو ارشاد فرمایا۔

امّر خالد نفسہ رحم اللہ ابا بکر ھو کان اعلم بالرجال منی۔	خالد نے اپنے کو خود امیر بنالیا۔ خدا تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائے وہ کام کے آدمیوں کا حال مجھسے زیادہ جانتے تھے۔

اور ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔ عجزت النساء ان یلدن مثل خالد

(عورتیں خالد جیسے شخص کے جننے سے عاجز ہیں)

اب دوسری معزولی کا وقت آتا ہے جو پہلی معزولی سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔

حمص کے معرکہ کے بعد حضرت خالد و عیاض ابن غنم دونوں افسروں نے سرحد روم کی جانب حملہ کیا۔ اور وہاں سے اُن دونوں کو بہت سا مال غنیمت ملا۔ اس خبر کا چرچا ہوا تو بہت ذی حاجت لوگ حضرت خالد کی خدمت آکر طالب امداد ہوے۔ ان طالبین میں بعض شعراء بھی تھے۔ اشعث ابن قیس بھی اُن لوگوں میں تھے۔ حضرت خالد نے اُن کو دس ہزار درہم عطا فرمائے۔

حضرت خالد کی اسطرح دریا دلی کے ساتھ انعام و اکرام کرنیکی خبریں فوراً حضرت عمر کی خدمت میں پہونچیں۔ ادہر ایک واقعہ اور پیش آیا۔ کہ حضرت خالد حمام میں غسل کیلئے تشریف لیگئے۔ وہاں جو ابٹنا بدن کو ملا۔ اُسکی نسبت معلوم ہوا کہ اسمیں شراب ملی ہوئی تھی۔ یہ خبر بھی حضرت عمر کی خدمت میں پہونچی۔ کیونکہ آپکو عمال کی ایک ایک حرکت پر نظر رہتی تھی۔ اور اُنکی کوئی

چھوٹی بڑی بات مخفی نہ رہ سکتی تھی۔ ہزارہا میل کے فاصلہ پر بیٹھے ہوئے ایسی نگرانی فرماتے تھے کہ گویا وہیں موجود ہیں۔ آپ نے حضرت خالد کو حمام کے واقعہ کی متعلق لکھا جسکا جواب اُنھوں نے دیا کہ وہ اوبٹنا لپا ہوا تھا۔ شراب نہ تھا۔ غرض ان دونوں واقعوں کا اثر یہ ہوا کہ حضرت عمر نے امیر عسا کر حضرت امین الامتہ ابو عبیدہ کو لکھا کہ خالد کی مشکیں انکے عمامہ سے باندھکر اور کلاہ سر پر سے اوتار کر مجمع عام میں کھڑا کریں اور اُن سے دریافت کریں کہ یہ انعامات کہاں سے دئے ہیں۔ مال غنیمت سے۔ یا اپنے مال میں سے اگر وہ یہ جواب دیں کہ اموال غنیمت میں سے دئے ہیں تب تو صریح خیانت ہے۔ اور اگر یہ کہیں کہ اپنے مال میں سے دے ہیں تو یہ اسراف اور مال کا ضائع کرنا ہے۔ اور ہر حال میں اُن کو امارت سے معزول کرکے اُن کے متعلقہ کام کو اپنی نگرانی میں لیلیں۔ حضرت امین الامتہ نے بہ تعمیل احکام خلیفۃ الاسلام حضرت خالد کو قنسرین سے طلب فرماکر ایک عام جلسہ کیا۔ خود منبر پر بیٹھے۔ حضرت عمر کے یہاں سے جو صاحب حکمنامہ لیکر آئے تھے وہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے حضرت خالد سے سوال کیا کہ اشعث کو انعام کہاں سے دیا۔ حضرت خالد نے کچھ جواب نہ دیا حضرت ابو عبیدہ ساکت وصامت منبر پر بیٹھے تھے۔ آخر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر حضرت خالد سے فرمایا کہ امیر المومنین کا حکم آپ کے بارہ میں یہ ہے۔ اور کلاہ اوتار کر نیچے رکھی۔ اور اسکے بعد اُن کو کھڑا کرکے عمامہ سے باندھا۔

یہ سب کچھ کیا گیا۔ مگر حضرت خالد نے احکام خلافت کی حرمت اور اطاعت کے لحاظ سے کسی بات سے اُن کو نہیں روکا جب کلاہ اُتار چکے اور عمامہ سے اُن کو کس دیا گیا تو کہا اب بتلاؤ کہ اشعث کو انعام کہاں سے دیا۔ اپنے مال میں سے یا غنیمت میں سے حضرت خالد نے جواب میں کہا غنیمت میں سے نہیں بلکہ اپنے مال میں سے دیا۔ یہ جواب سنکر حضرت ابو عبیدہ نے اُن کو کھولدیا۔ اور اپنے ہاتھ سے کلاہ سر پر رکھی۔ اور اپنے ہاتھ سے اونکا عمامہ باندھا اور ارشاد فرمایا۔

نسمع ونطیع لولاتنا ونفخم ونخدم موالینا۔	ہم اپنے والی اور خلفاء کی حکم کو سنتے اور اطاعت کرتے ہیں اور اپنے ہم جدلوگو نکی تعظیم کرتے اور انکی خدمت کرتے ہیں

یہ سب کچھ تو ہو چکا۔ مگر حضرت ابو عبیدہ نے تو اُن کی عظمت و بزرگی کے لحاظ سے معزولی کی اطلاع دینا مناسب نہ سمجھا۔ حضرت خالد کو یہ حیرانی پیش تھی کہ اب میں کیا کروں۔ معاملہ اسی پر ختم ہو چکا ہے۔ اب مجھکو اپنے مستقر پر جا کر ابوعبیدہ کے کاموں کو سرانجام دینا چاہئے۔ یا اس کے بعد معزول بھی ہو چکا ہوں۔

ایک عرصہ اسی تحیر میں گذر گیا۔ آخر جب مدینہ منورہ حاضر ہونے میں دیر ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے از روی فراست سمجھ لیا کہ اُن کو معزولی کی اطلاع نہیں دی گئی۔ تب آپ نے براہ راست اُن کو مدینہ چلے آنے کیلئے لکھا۔ حضرت خالد کو اپنی معزولی اور واپسی مدینہ کا حکم ملا تب اول تو آپ قنسرین تشریف لیگئے وہاں مجمع عام میں خطبہ پڑھا۔ اور سب کو رخصت کیا۔ اُسکے بعد حمص تشریف لائے۔ اور وہاں بھی عام جلسہ میں خطبہ پڑھکر سب کو الوداع کہا۔ اور مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

یہاں پہونچکر حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوے۔ اور عرض کیا۔

قد شکوتك الی المسلمین فباللہ انك فی امری لغیر مجمل	میں نے آپ کا شکوہ مسلمانوں سے کیا قسم ہے خدا کی آپ میری معاملہ میں اچھا سلوک کرنے والے نہیں ہیں۔

حضرت عمر نے فرمایا اسقدر مال کہاں سے آیا۔ اور یہ ثروت کیونکر نصیب ہوئی۔ عرض کیا مال غنیمت کے سہام سے ساٹھ ہزار سے جو زاید ہو وہ آپ لے لیجئے۔ تخمینہ کرایا گیا تو ساٹھ ہزار سے بیس ہزار زاید تھا۔ اس کو لیکر بیت المال میں داخل کر لیا گیا۔ اسکے بعد حضرت خالد سے خطاب کرکے فرمایا۔

یا خالد واللہ انك علیّ لکریم وانك الیّ لحبیب۔	اے خالد قسم ہے اللہ کی تم مجھ بہت ہی عزیز اور محبوب ہو۔

(باقی آئندہ)

مبدء و معاد

(سلسلے کیلئے القاسم نمبر۱۰ جلد ۴ ملاحظہ ہو)

مکتوب ۳۲ جلد اوّل۔ اس مکتوب میں اُن کمالات کو بیان فرمایا ہے جو اصحاب کرام کے ساتھ مخصوص ہیں اور اولیاء اللہ میں سے کم اُن کمالات سے مشرف ہوئے ہیں۔ البتہ امام مہدی میں وہ کمالات بوجہ اتم ظاہر ہونگے۔

محبت نامہ پہنچا۔ الحمد للہ والمنۃ کہ دور افتادگان کو بھولے نہیں ہیں کسی وقت یاد فرمالیتے ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ حضرت پیر دستگیر خواجہ محمّد باقی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبتہ خاصتہ کا ادراک نہ ہونے کی کیا وجہ ہے اور اس کا کیا سبب ہے کہ ہم لوگ اُسکے ادراک سے قاصر ہیں۔

مخدوم من اس قسم کے اسرار تحریر بلکہ تقریر میں بھی لانے کے قابل نہیں ہیں معلوم نہیں کوئی کیا سمجھے اور کیا مطلب اُس سے نکالے اس قسم کے اسرار کے دریافت کرنے کیلئے عرصہ دراز تک پاس رہنا ضروری ہے اور یہ مشکل کام ہے ؎

آسودہ شبے باید و خوش مہتابے تا با تو حکایت کنم از ہر بابے

مگر چونکہ آپنے دریافت کیا ہے اُسکا جواب دینا بھی ضروری ہے اگرچہ بطریق اشارہ ہو سو واضح ہو کہ ہر ایک مقام کے علوم اور معارف علیحدہ ہیں اور حالات و واردات جُدے جُدے ہیں کسی مقام میں ذکر اور توجہ مناسب ہے اور کسی مقام اور حال میں تلاوت قرآن شریف اور نماز لایق تر ہے کوئی مقام جذبہ کے ساتھ مخصوص ہے اور کوئی مقام سلوک کے مناسب ہے اور کوئی مقام ان دونوں دولتوں سے مخلوط ہے اور کوئی مقام ایسا ہے کہ جذبہ و سلوک دونوں سے علیحدہ ہے اُسکو نہ جذبہ سے مناسبت ہے نہ سلوک کو اُسکے ساتھ تعلق ہے یہ مقام نادر اور نہایت عالی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اخیار اس مقام کے ساتھ ممتاز اور اس دولت عُظمٰی کے ساتھ مشرف ہیں جو حضرات اس مقام کے ساتھ مخصوص ہیں اُنکو دوسرے مقامات والوں سے مشابہت اور مناسبت بہت کم ہے بخلاف دوسرے مقامات والوں کے کہ وہ باہم مشابہت رکھتے ہیں اگرچہ

بعض وجوہ سے وہ مشابہت حاصل ہے نہ بعض وجوہ سے یہ نسبت عالیہ اصحاب کرام کی بعد حضرت امام مہدی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ بوجہ کمال ظہور پزیر ہوگی مشایخ طریقت میں سے کم کسی نے اس مقام سے خبر دی ہے اور علوم اور معارف اس مقام کے بیان فرمانیکا تو ذکر ہی کیا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسکو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ نسبت نادرہ ونعمت غیر مترقبہ اوّل صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاصل ہوجاتی تھی اور رفتہ رفتہ اُس میں کمال حاصل ہوتا تھا اور معراج کمال پر پہنچ جاتے تھے دوسرے کو اگر اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں اور صحابہ کرام کے قدم پر اُسکی تربیت فرماتے ہیں تو بعد طے کرنے مراتب ومنازل جذبہ اور سلوک کے اور بعد حاصل کرنے علوم اور معارف اُن مقامات کے اس دولت عظیمہ پر پہنچاتے ہیں۔ ابتداء میں اس نسبت کا ظاہر ہونا اور اس کمال کا حاصل ہونا خاص برکت صحبت سید البشر صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے تھا اور یہ اثر خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ولقاء میں منحصر تھا لیکن ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والوں اور متابعان خاص میں سے کسی کو اس برکت صحبت کے ساتھ مشرف فرمادیں کہ اُسکی صحبت سے بھی ظہور اس نسبت کا ہوجاوے اور اُسکے مستفیضین کو یہ فیض و برکت حاصل ہوجاوے۔ ؂

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید ‖ دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

اس حالت میں کہ کسی کو پیروان خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں سے یہ برکت نصیب ہو کہ اُسکی صحبت سے وہ نسبت عالیہ حاصل ہو تو اُس نسبت میں اندراج النہایۃ فی البدایۃ کا حصول یعنی ابتداء سلوک میں انتہاء مقامات واحوال کا ظہور وحصول ہوگا۔ جیساکہ جذبہ کے سلوک پر مقدم ہونے میں یہ امر نصیب ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ اسوقت اس بیان کی گنجایش نہیں ؂

ومن بعد ہذا ما یدق صفاتہ ‖ وما کتمہ احظے لدیہ واجمل

(یعنی اسکے بعد وہ امور و اسرار ہیں کہ بیان میں لانا اُنکا دشوار ہے بسبب لطافت وباریکی اوصاف کے اور اسکے بعد وہ اسرار و معارف ہیں کہ اُنکا چھپانا پسندیدہ وبہتر ہے۔)

اگر ملاقات ہوئی اور سُننے والوں پر گمان نیک توجہ کے ساتھ سُننے اور قبول کرنیکا ہوا تو اس مقام کا کچھ حال انشاء اللہ تعالیٰ اُسوقت بیان کیا جاویگا اور اللہ پاک توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

بعض دوستوں کے بارہ میں آپنے لکھا تھا اور سفارش فرمائی تھی فقیر نے اُنکے قصور معاف کئے حق تعالیٰ ارحم الراحمین ہے اُنکی خطاؤں سے درگذر فرمادے لیکن چاہئیے کہ اُن دوستوں کو نصیحت فرماویں کہ حاضر و غائب حسن ظن رکھیں اور فقیر کو تکلیف نہ دیں اور اپنی وضع کو نہ بدلیں کہ حق تعالیٰ کسی کی حالت نہیں بدلتا جبتک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدلے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو کوئی بُرائی پہنچانا چاہتا ہے تو اُسکو کوئی ٹلا نہیں سکتا اور اللہ کے سوا کوئی اُنکا مددگار اور والی نہیں۔ شیخ الہ داد کے بارہ میں بالخصوص سفارش فرمائی تھی فقیر کو اُن سے کچھہ ملال نہیں لیکن اُنکو اپنی وضع سابق سے ندامت لازم ہے کہ الندم توبۃ وارد ہے یعنی پشیمانی توبہ ہے سفارش چاہنا ندامت کی علامت ہے باقی سرہند کو اپنا گھر خیال فرماویں پیر بھائی ہونے کا تعلق ایسا نہیں کہ امور عارضیہ سے ٹوٹ جاوے والسلام۔ اسقدر لکھنے کے بعد دل میں آیا کہ دوستوں کی لغزشوں کو اور اپنی طرف سے معافی کو زیادہ واضح طور سے لکھوں کہ مجمل لکھنے میں مطلب واضح نہیں ہوتا نہ معلوم کوئی کیا سمجھ لے۔

مخدوم من معافی اُسوقت ہو سکتی ہے کہ وہ جماعت اپنی اوضاع و حرکات کو بُرا جانیں اور مقام پشیمانی میں ہوں ورنہ عفو کی گنجایش نہیں آپنے لکھا تھا کہ حضرت پیر دستگیر قدس سرہٗ نے یہ مقام فلاں صاحب کے سپرد فرمایا تھا چنانچہ یہ جماعت جو یہاں موجود ہے اسپر گواہ ہے۔ یہ امر تفصیل طلب ہے اگر سپرد کرنا اس معنی کے اعتبار سے ہے کہ فقراء اور آنے جانے والوں کی خدمت کریں اور اُنکے کھانے پینے کی خبر رکھیں تو مسلم ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ تربیت طالبوں کی کریں اور شیخ کے مرتبہ میں ہوں تو یہ تسلیم نہیں فقیر جب اخیر مرتبہ حضرت پیر دستگیر سے ملا تو فرمایا تھا کہ تم تجویز کرو کہ فلاں صاحب ہماری طرف سے جاکر بعض طالبوں کو ذکر وغیرہ بتلاویں اور اُنکے حالات ہمکو پہنچاویں کہ ہمکو یہ تاب نہیں کہ اُن طالبوں کو اپنے پاس بلاویں اور حالات دریافت کریں۔ فقیر کو اسمیں بھی تامل تھا مگر چونکہ ضرورت معلوم ہوئی اُسقدر تجویز کی گئی سو اس قسم کی تبلیغ سفارت محض ہے خاصکر جبکہ بسبب ضرورت کے ہو اور ضرورت بقدر حاجت کے ہوتی ہے۔ پس وہ سفارت زمانہ حیات حضرت پیر دستگیر میں منحصر تھی بعد آنحضرت قدس سرہٗ کی وفات کے مشغولی بتلانا اور حال طالبوں کا پوچھنا اور اُنکو تعلیم کرنا داخل خیانت ہے۔ آپنے لکھا تھا چاہئیے کہ نسبت حضرت پیر دستگیر کی بجالہا باقی رہی یعنی اُسمیں زیادتی اور کمی نہ ہو۔

مخدوم من تکمیل ہر ایک فن کی زیادتی غور و فکر سے ہوتی ہی۔ مثلاً جو نحو کہ سیبویہ نے وضع کی تھی

متاخرین نحویوں کی غور وفکر نے اُسکو چند گونہ زیادہ کردیا حالت سابقہ پر رہنا عین نقصان ہے جو نسبتہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کو حاصل ہوئی وہ بزمانہ حضرت خواجہ عبدالخالق قدس سرہٗ نہ تھی۔ ہمارے حضرت خواجہ خود درپے تکمیل اس نسبتہ کے تھے اگر کچھ اور حیات اُنکی باقی ہوتی معلوم نہیں اس نسبت کو کہاں تک پہنچاتے اِسمیں سعی کرنا کہ وہ نسبت بحالہا باقی رہی مناسب نہیں پھر اُس نسبت کے باقی رکھنے کا طریق آپنے کیا خیال فرمایا ہے آپ کی نسبت خود دوسرے طرز کی ہے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی نسبت سے اُسکو مناسبت نہیں فلاں نسبت کو کیا جانیں کہ کیا ہے اُنکو فی الجملہ حضور قلبی حاصل ہوا تھا دوسروں کی حالت خود معلوم ہے۔ پس اُس نسبت کا باقی رکھنے والا کون ہے بیان فرماویں تاکہ فقیر بھی اُسکا معاون ہو جنابمن واقعات کا اعتبار نہ کریں کہ خیالات ہیں اُن وقایع کو سچا نہ جانیں شیطان دشمن قوی ہے اُسکے مکاید وفریب سے بے خوف ہونا دشوار ہے مگر جسکو اللہ بچاوے وہی بچ سکتا ہے نسبتہائے حاصل کردہ کی سلب ہوجانے کے بارہ میں جو کچھ لکھا تھا۔ مخدوم من وہ سلب اختیاری نہ تھا اور وہ اب بھی باقی ہے اُسکو زائل نہ سمجھیں آواز جو قلب سے مسموع ہوتی ہے اُسکو زوال سلب سے کچھ تعلق نہیں آگ کی چنگاری کو اگر بجھاتے ہیں اور اُسپر پانی ڈالتے ہیں اُسوقت بھی اُسمیں سے آواز نکلتی ہے مگر اُس آواز کی وجہ سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُس چنگاری میں آگ باقی ہے۔ بضرورت اسقدر لکھا گیا ورنہ فقیر کو بے ضرورت کچھ کہنا اور لکھنا دشوار ہے والسّلام۔

مکتوب ۳۸۔ مکتوب شریف پہنچا باعث مسرت ہوا حق سبحانہ وتعالیٰ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے اور معیت ذاتیہ عطا فرماوے اور ایک ساعت اپنے غیر کے ساتھ نہ چھوڑے جو کچھ ذات برتر کے سوا ہے سب غیریت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اگرچہ اسماء اور صفات ہوں اور متکلمین کے نزدیک جو صفات کو لاھو ولاغیرہ کہتے ہیں دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے ہے اور غیر سے غیر اصطلاحی مراد لیا ہے اور اُس اعتبار سے نفی غیریت کی کی ہے نہ مطلقًا اور ظاہر ہے کہ خاص کی نفی مستلزم عام کی نفی کو نہیں ہے اُس ذات برتر کو سوائے سلب کی تعبیر نہیں کرسکتے یعنی اُسکی ذات برتر کے ساتھ کوئی چیز نہیں۔ ذات کے ساتھ اثبات کسی دوسری چیز کا الحاد ہے عمدہ تعبیر اور جامع عبارت لیس کمثلہ شیئٌ ہے کہ زبان فارسی میں اُسکا ترجمہ بے چون وبی چگوں ہے۔ اور مشاہدہ اور معرفت کو حق سبحانہ کی طرف راستہ نہیں ہے۔ جو کچھ دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں وہ غیر ہے اور گرفتار ہونا اُنکے ساتھ گرفتار ہونا ہی ساتھ غیر کے

پس اُسکی نفی کرنی چاہیے اور کلمہ لا الٰہ کے تحت میں لانا چاہیئے اور اُس ذات بیچون و بیچگون کو کلمۂ الا اللہ سے ثابت کرنا چاہیئے۔ یہ اثبات اولاً تقلید کے ساتھ ہے اور آخر میں تحقیق کے ساتھ بعض اہل سلوک جو نہایت کو نہیں پہنچے ہیں۔ چون کو بیچون خیال کیا ہے اور شہود و معرفت کو وہاں تک رسائی دی ہے ایسے ارباب سلوک سے اہل تقلید بمراتب بہتر ہیں کیونکہ اہل تقلید کے تقلید نور نبوت سے حاصل ہوئی ہے کہ اُسمیں سہو و خطا نہیں ہو سکتی اور اُن ناقصوں کے خیال کا مدار کشف غیر صحیح پر ہے درحقیقت وہ جماعت ناقصین منکر ذات ہیں کیونکہ اگرچہ وہ شہود ذات ثابت کرتے ہیں مگر اُنکو معلوم نہیں کہ یہ اثبات عین انکار ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

سُبحانك ماعبدناك حق عبادتك	تو پاک ہے ہمنے تیری عبادت جیسی چاہیئے نہیں کی
ولكن عرفناك حق معرفتك ۔	ولیکن تجھکو پہچان لیا جیسا کہ حق پہچاننے کا ہے۔

حق عبادت باری تعالیٰ ادا نہ ہونا خود ظاہر ہے لیکن حق معرفت حاصل ہونا اس بناء پر صحیح ہو سکتا ہے کہ انتہاء معرفت ذات باریتعالیٰ کی یہ ہے کہ اُسکو بیچون و بیچگون سمجھیں کوئی سادہ لوح یہ نہ سمجھے کہ اس معرفت میں عام و خاص اور مبتدی اور منتہی برابر ہیں اُسنے فرق نہیں کیا علم اور معرفت میں مبتدی کو علم ہے اور منتہی کو معرفت کیونکہ معرفت سوائے فنا کے حاصل نہیں ہو سکتی یہ دولت فانی کو نصیب ہوتی ہے مولوی رومی فرماتے ہیں ؎ ہیچ کس را تا نگردد او فنا نیست رہ در بارگاہ کبریا؛ نیز فرماتے ہیں ؎ بے فنائے خویش و بے جذب قوی کے حریم وصل را محرم شوی

پس جبکہ معلوم ہوا کہ معرفت علم سے غیر ہے تو جاننا چاہیئے کہ دانش متعارف کے سوا ایک امر ہے جسکو معرفت سے تعبیر کرتے ہیں اور ادراک بسیط بھی کہتے ہیں ؎

اتصالی بے تکیف بے قیاس	ہست رب الناس را باجان ناس
لیک گفتم ناس را نسناس[1] نہ	ناس غیر از جان جان اسناس نہ

اور چونکہ فنا کے مراتب ہیں اور قدم سالکوں کے اُسمیں متفاوت لہذا منتہیوں کو بھی معرفت میں باہم تفاوت اور فرق مراتب ہوگا وہ عارف کہ فنا اسکی اتم ہے اُسکی معرفت کامل تر ہے اور جو اُس سے فنا میں

[1] بالفتح و دو نون و دو سین مہملہ ایک قسم کا جانور ہے جو ایک پانوں سے کودتا ہے منتخب اور کشف سے اور صاحب حیات الحیوان نے لکھا کہ نسناس بالکسر ایک قسم کا حیوان ہے کہ نصف آدمی کی صورت ہوتا ہے الخ غیاث

کم ہے معرفت میں بھی کم ہے۔سبحان اللہ بات کہاں سے کہاں گئی اپنی بیحاصلی اور بے مرادی اور عدم استقامت و ناثباتی کو لکھنا چاہئے تھا اور اور دوستوں سے مدد طلب کرنی چاہئے تھی مجھے اس قسم کی باتوں سے کیا مناسبت ہے ؎

آنکہ از خویشتن چو نیست چنیں چہ خبر دارد از چنان و چنیں

لیکن بلند ہمتی اور طینت اصلی اجازت نہیں دیتی کہ اُس ذات مقدسہ کے سوا دیگر امور کی طرف التفات کیا جاوی اگر کہتا ہی اُسی کی باتیں کہتا ہے۔اگرچہ کچھ بھی نہیں کہتا۔اور اگر ڈھونڈتا ہے اُسی کو ڈھونڈتا ہی اگرچہ کچھ نہیں پاتا اگر کچھ حاصل رکھتا ہے اُسی کو رکھتا ہے اگرچہ کچھ بھی نہیں رکھتا اگر وصل ہی اُسی کا وصل ہے اگرچہ بے حاصل ہی۔بعض اکابر کی عبارتوں میں جو شہود ذاتی واقع ہوا ہے اُسکو ارباب کمال کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا نارسیدوں کو اُسکے معنی سمجھنا محال ہے۔ ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

آپ نے اپنے خط کے شروع میں ہوالظاہر ہوالباطن ارقام فرمایا تھا۔مخدوم من ہوالظاہر ہوالباطن صحیح ہے لیکن یہ فقیر کچھ مدت سے اس عبارت سے معنی توحیدی نہیں سمجھتا اور اِن کلمات متبرکہ کے معنی سمجھنے میں علماء کے موافق ہے اور وہ معنی صاحبان توحید وجودی کے معنی و تاویل سے ارفع و بالاتر ہیں کل میسر لما خلق لہ ہر کسے را بہر کارے ساختند احقر کہتا ہے کہ صاحب جلالین نے تفسیر آیۃ کریمہ ہوالاول الی آخرالآیۃ کی اس طرح کی ہے۔ھوالاول قبل کل شیئ بلابدایۃ والآخر بعد کل شیئ بلانہایۃ والظاھر بالادلۃ علیہ والباطن عن ادراک الحواس ھو بکل شیئ علیم۔ (ترجمہ) وہ پہلے ہے ہر ایک شے سے کہ اُسکے لئے کوئی ابتدا نہیں یعنی قدیم ازلی ہے اور پیچھے ہے ہر یک چیز سے یعنی ہر ایک شے کے فنا ہونے کے بعد باقی ہے اور ابدی ہے کہ اُسکے لئے کوئی انتہا نہیں۔اور ظاہر ہی وجود اُسکا دلائل سے جو اُسکے وجود پر قائم ہیں اور باطن ہے یعنی پنہاں و مخفی ہے ادراک حواس سے اور سمجھنے سے ہر ایک عاقل کے اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔قطعہ

اولی وہم در اول آخری باطنی وہم دراں دم ظاہری

تو محیطی بر ہمہ اندر صفات وازہمہ پاکی و مستغنی بذات

جو کچھ آدمی کے لئے ضروری ہے اور وہ اُسکے ساتھ مکلف ہے یہ ہی ہے کہ اُسکے اوامر اور

احکام کی فرمانبرداری کرے اور ممنوعات سے اجتناب کرے۔

ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ۔	اور جو کچھ دیوے تم کو رسول پس لیلو اُسکو اور جو کچھ کہ منع کرے تم کو اُس سے پس باز رہو اور ڈرو اللہ سے۔

اور چونکہ بندہ مامور ہے اخلاص کے ساتھ اور اخلاص بدون فنا کے حاصل نہیں ہو سکتا اور بدون محبت ذاتیہ کے اُسکا حصول متصور نہیں ہے۔ لہذا بالضرور مقدمات فنا کو حاصل کرنا چاہئیے۔ یعنی مقامات عشرہ توبہ و زہد و توکل و رضا و صبر و شکر وغیرہ کے ساتھ متصف ہونا چاہئیے۔ کیونکہ فنا اگرچہ امر وہبی ہے یعنی حق تعالیٰ جسکو چاہتا ہے اس مرتبہ پر پہنچاتا ہے۔ لیکن مقدمات اُسکے کسب کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اگرچہ بعض اللہ کے بندہ ایسے بھی ہیں کہ اُنکو بدون کسب کرنے مقدمات کے فناء حقیقی کے ساتھ مشرف کریں اور بدون ریاضات و مجاہدات کے صفائی عطا فرماویں۔ ایسے لوگوں کا حال دو صورت سے خالی نہیں یا اُنکو عالم کی طرف متوجہ نہ کریں یا ناقصوں کی تکمیل کے لئے عالم کی طرف لوٹاویں اوّل تقدیر پر سیر اُن حضرات کی مقامات مذکورہ میں واقع نہیں ہوتی اور وہ حضرات تفصیل تجلیات اسمائی و صفاتی سے بے خبر ہیں اور دوسرے تقدیر پر سیر اُنکے مقامات پر بالتفصیل واقع ہوتی ہے اور سیر تجلیات کے ساتھ اُنکو نہایت پر پہنچاتے ہیں مجاہدہ اُنکا صورت مجاہدہ کی رکھتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت وہ کمال ذوق اور لذت میں ہیں ظاہر میں ریاضت ہے اور باطن میں نعمت و راحت۔

یہاں یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ جبکہ اخلاص مامورات واجبہ میں سے ہوا اور حقیقت اخلاص بے فناء کے متحقق نہیں پس علماء ظاہر جو نیک ہیں اور صلحاء باخبر کہ حقیقت فنا کے ساتھ متصف نہیں۔ ترک اخلاص کی وجہ سے عاصی ہوں کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ نفس اخلاص اُن علماء و صلحاء کو حاصل ہے اگرچہ ضمن بعض افراد اخلاص میں ہو اور بعد فناء کے کمال اخلاص حاصل ہوتا ہے جو جملہ افراد اخلاص کو شامل ہے۔ اسی لئے یہ لکھا گیا ہے کہ حقیقت اخلاص بے فنا کے متصور نہیں۔ یہ نہیں کہا کہ نفس اخلاص بے فنا کے متحقق نہیں۔

تتمیم

خطبۂ جمعہ کے متعلق جو مضمون القاسم نمبر ۴ میں شائع کیا گیا ہے اُسکے صفحہ ۸ پر حضرت مولانا شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کے جس قول کی طرف ہمنے اشارہ کیا تھا وہ ذیل کی عبارت میں موجود ہے۔ چونکہ اسکی نقل کی ضرورت محسوس ہوئی اسلئے اس نمبر میں نقل کیجاتی ہے جو یہ ہے:۔

"اما خطبہ پس در قرآن عظیم فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ آمدہ و در حدیث شیخین آمدہ فاذا خطب الامام طووا الصُّحُفَ واستمعوا الذِّکْرَ ومراد از ذکر خطبہ ست و عمل مستمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و اصحاب و ہلم جرا دلالت میکند بر ضروری بودن آن و عمل مستمر دلالت میکند کہ وظیفہ جمعہ دو خطبہ ست و چون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و خلفاء و ہلم جرا ملاحظہ کردیم تنقیح آن وجود چند چیز ست [1]حمد و [2]شہادتین و [3]صلوٰہ بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و [4]امر بتقویٰ و [5]تلاوت آیتے و [6]دعا بر مسلمین و [7]عربی بودن خطبہ اما حمد بجہۃ آنکہ در حکایت خطبہائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آرد فحمد اللہ و اثنیٰ علیہ و در خطبہ حاجت الحمد للہ نحمدہٗ آمدہ و عمل مستمر مسلمین بر آن جاری شدہ اما تشہد پس بجہۃ بودن آن در خطبہ حاجت و خطبہ جمعہ و ابوداود ہر دو را روایت کردہ و در حکایت خطبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکرر آمدہ ثُمَّ تَشَھَّدَ و بجہت حدیث ترمذی کل خطبۃ لیس فیہا تشہد فہی کالید الجذماء و بجہت آنکہ تشہد بجاے خطبہ در کلام اہل شرع آمدہ و اما صلوہ پس بجہۃ وجوب صلوۃ نزدیک نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و عمل مستمر مسلمین و امر بتقوی بجہۃ آنکہ در قرآن آنرا ذکر فرمودہ بمعنی تذکیر و بجہۃ آنکہ عامی و جاہل ہمہ میدانند کہ مشروعیۃ خطبہ براے پند دادن است و تلاوت بجہۃ آنکہ در خطبہ حاجت آمدہ ثم تقرء ثلث آیاتٍ و در حکایت خطبہ جمعہ آمدہ ست تلاوت یَا مَالِکُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّکَ و اما دعاے براے مسلمین و مسلمات بعمل مستمر مسلمین۔ و عربی بودن نیز بجہۃ عمل مستمر مسلمین در مشارق و مغارب باوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند فقط"

لسان العرب

عربی زبان میں فصاحت و بلاغت کی جو روح ودیعت ہے، وہ کسی دوسری زبان میں نہیں پائی جاتی زبان عربی کا دائرہ جسقدر وسیع ہے کسی اور زبان کا نہیں الفاظ کی لطافت محاورات کی نزاکت کلام کی تاثیر جو اس زبان میں پائی جاتی ہے وہ دوسری زبانوں کو نصیب نہیں۔

ہندی مسلمانوں کا تعلق جو عرب سے ہے وہ مضمحل ہے اور عربی زبان کی جو گت اس زمانہ میں ہے معلوم ہے چاہیے تھا کہ ہندوستان میں اسکا کچھ اثر باقی نہ رہتا مگر ع بگڑنے میں بھی زلف اُسکی بنا کی + وہ اس کسمپرسی کے زمانہ میں بھی ہندوستان سے ناقدر شناس ملک میں اپنی اُسی آب وتاب کے ساتھ زندہ ہے حال میں ایک عربی قصیدہ ہمارے محترم جناب مولنا مولوی محمد عبد الرحمن صاحب سہواروی رکن مجلس العلماء ریاست بھوپال کا موصول ہوا جسکو ہم القاسم کے عربی دان ناظرین کی ضیافت طبع کیلئے ذیل میں درج کرتے ہیں وہو ہذا۔ (معتمد المدیر القاسم والرشید)

ضَيَّعتَ عُمرَكَ يا مغرورُ في غَفَل	قُم لِلتَّلافي فَانتَ اليومَ في مَهَل

اے فریب خوردہ تونے اپنی عمر کو غفلت میں رائیگان کردیا اب بھی اُسکی تلافی کے لئے اُٹھ کھڑا ہو کیونکہ ابھی کچھ مہلت ہے

واستَفرِغِ الدَّمعَ مِمَّا فاتَ مِن زَمَنٍ	واندَم بِتوبٍ على اَيَّامِكَ الاُوَل

جوزمانہ کہ ہاتھ سے نکل گیا اُس پر خوب گریہ وزاری کر اور تائب ہوکر اپنے ایام گزشتہ پر نادم ہو

بادِر اِلى صالِحِ الاَعمالِ مُجتَهِدًا	فَالنُّجحُ فِي الجُهدِ والحِرمانُ فِي الكَسَل

اعمال صالحہ میں کوشش سے جلدی کر کیونکہ کوشش میں کامیابی ہے اور سستی میں ناکامی

كُن لا مُحالَةَ فِي الدُّنيا كَمُغتَرِبٍ	على رَحيلٍ دَنىٰ اَو عابِرِ السُّبُل

ضرور بالضرور دنیا میں باندازِ مسافرانہ رہ کہ ابھی کوچ کرنیوالا ہے بلکہ رہگیر کی طرح بسر کر

دارُ الخُلودِ مُقامًا دارُ آخِرَةٍ	اِنَّ الاِقامَةَ فِي الدُّنيا اِلى اَجَل

ہمیشہ کے لئے قیام تو دار آخرت میں ہوگا اس دنیائے ناپائدار میں تو رہنا توچند روزہ ہے

وكُلُّ مَن حَلَّ فِي الدُّنيا فَمُرتَحِلٌ	يَومًا المَنزِلِهِ فِي اِثرِ مُرتَحِل

اور دنیا میں جو آیا اُسکو اک نہ اک دن اپنے اصلی گھر کی طرف کسی جانیوالے کے پیچھے پیچھے ضرور جانا ہے

هَلّا اعتَبَرتَ فَكَم حَلّوا وَكَم رَحَلوا	وَاِنَّما النّاسُ في حِلٍّ وَمُرتَحَل

تجکو عبرت کیوں نہیں ہوتی کتنے آئے اور کتنے چلے گئے۔ آدمیوں میں توآنے جانے کا تار بندھا ہوا ہے

إِذَا أَتجهم أَمْرٌ لَا مَرَدَّ لَهُ ۔۔۔ لَمْ يُغْنِ عَنْكَ اقْتِنَاءُ الْمَالِ وَالْخَوَلِ

جسوقت وہ حکم آپہونچا جوکسی طرح ٹل ہی نہیں سکتا تو یہ مال و دولت اور نوکر چاکر کچھ بھی کام نہیں آسکتے

يَقُومُ عَنْكَ الْأَطِبَّا وَالصَّدِيقُ إِذَا ۔۔۔ وَقَدْ طَوَوْا صُحُفَ التَّدْبِيرِ وَالْحِيَلِ

طبیب صاحب اور دوست احباب سب تیرے پاس سے اوٹھہ کھڑے ہونگے اور اپنے نسخے وغیرہ گنڈے تعویذ لپیٹ رکھینگے

تَبْكِي حَوَالَيْكَ أَهْلُ الْبَيْتِ أَجْمَعُهُمْ ۔۔۔ يَرْثِيكَ قَوْمٌ بِدَمْعٍ وَاكِفٍ هَطِلِ

سب گھروالے تیرے گرداگرد روتے ہونگے ۔۔۔ اور بعض آدمی تو تیرے غم میں بہت آنسو بہائینگے

فَيُدْرِجُونَكَ فِي الْأَكْفَانِ مُنْتَزِعًا ۔۔۔ عَنْكَ الثِّيَابَ مِنَ الْأَبْرَادِ وَالْحُلَلِ

پھر تیرے بدن سے عمدہ کپڑے اوتار کر ۔۔۔ تجکو کفن پہنا دینگے

وَيُودِعُونَكَ تَحْتَ الْأَرْضِ مُنْفَرِدًا ۔۔۔ وَيَتْرُكُونَكَ مَحْجُوبًا مِنَ الْمُقَلِ

اور زیر زمین اکیلا سپرد کرکے اور ۔۔۔ آنکھوں سے پوشیدہ چھوڑ کر چل دینگے

وَقَائِلٍ مِنْهُمُو قَدْ كَانَ خَيْرَ أَبٍ ۔۔۔ وَقَائِلٍ مِنْهُمُو قَدْ كَانَ خَيْرَ وَلِي

کوئی کہیگا ہمارے والد اچھے آدمی تھے ۔۔۔ اورکوئی کہیگا میری تولیت اور خبرگیری اچھی کرتے تھے

وَقَائِلٍ قَدْ حَبَاهُ اللهُ مَغْفِرَةً ۔۔۔ وَقَائِلٍ طَابَ فِي الدَّارَيْنِ مِنْ رَجُلِ

اورکوئی کہیگا اللہ تعالیٰ اُنکی بخشش فرماوے اور کوئی کہیگا یہ آدمی تو دونو جہان میں اچھارہا

فَبَعْدَ ذٰلِكَ لَا يَدْرُونَ مَا فَقَدُوا ۔۔۔ وَهَمُّهُمْ فِي اقْتِسَامِ الْإِرْثِ بِالْجَدَلِ

پھراسکے بعد تو یہ بھی نہ جانینگے کیا کھو بیٹھے ۔۔۔ اور میراث کے بٹجانے اور مقدمہ بازی کی فکر ہوگی

وَبَعْضُهُمْ مَعَ بَعْضٍ فِي مُخَاصَمَةٍ ۔۔۔ وَإِنَّهُ بَيْنَ مَنْصُورٍ وَمُنْخَذِلِ

اور آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑا کرنیکو تیار ہونگے اُن میں کسی کو مدد ملیگی اور کوئی بے یار مددگار ہوگا

وَيَأْخُذُونَ قَرِيبًا فِي مَعَايِشِهِمْ ۔۔۔ لَا يَذْكُرُونَكَ فِي خَلْوٍ وَمُحْتَفَلِ

اورعنقریب اپنی اپنی دنیا کام کاج میں لگجاوینگے اور تجکو نہ تنہائی میں اور نہ کسی مجمع میں یاد کرینگے۔

يَا أَيُّهَا الْغِرُّ لَا تَغْرُرْكَ صُحْبَتُهُمْ ۔۔۔ خَيْرُ الْمُصَاحِبِ عِنْدِي صَالِحُ الْعَمَلِ

اے بھولے بھالے تجکو اُنکی صحبت اور رفاقت دھوکہ میں نہ ڈالے میرے نزدیک تو عمل نیک اچھا صاحب اور رفیق ہے

فِیمَ التَّغَافُلُ وَالْاَیَّامُ دَائِرَۃٌ ۔ فِیمَ التَّکَاسُلُ وَالْاَحْوَالُ فِیْ حِوَلٖ

یہ غفلت کیوں ہے دن تو گزرے چلے جارہے ہیں اور یہ سستی کیوں ہے اور حالات بدل رہے ہیں

فِیمَ التَّصَابِیْ وَاَیَّامُ الصِّبَا غَبَرَتْ ۔ فِیمَ النَّسِیْبُ وَلَا اِبَّانَ لِلْغَزَلٖ

عشقبازی کا کیا موقع ہے کہ جوانی کے دن گئے اور اشعار عشقیہ کیوں پڑھتے ہو غزلخوانی کا وقت نہیں رہا

فِیمَ الْعَوِیْلُ لَدٰی دَارٍ خَلَتْ وَعَفَتْ ۔ فِیمَ الْبُکَاءُ عَلَی الْاٰثَارِ وَالطَّلَلٖ

اوجڑے خالی پڑے ہوے مکانوں پر یہ چیخنا چلاّنا کیسا اور نشانات اور کھنڈروں پر گریہ وزاری کس لئے ہے

وَکَیْفَ تَلْعَبُ وَالْخَمْسُوْنَ قَدْ کَمُلَتْ ۔ وَکَیْفَ تَلْهُوْ وَنَارُ الشَّیْبِ فِیْ شُعُلٖ

یہ لہو ولعب کیسا حالانکہ پچاس سال عمر کی پوری ہوچکی اور بڑھاپے کی آگ بھڑک اٹھی

دَعْ ذِکْرَ لَیْلٰی وَلُبْنٰی وَازْدِیَارَهُمَا ۔ ثُمَّ ارْتِحَالَهُمَا مِنْ هٰذِهِ الْحِلَلٖ

اب لیلی اور لبنی کا ذکر اور انکی ملاقات اور انکے گھروں سے کوچ کرنے کے حالات سب چھوڑ دے

تِلْکَ الْغَوَانِیْ وَاِنْ اَخْلَصْنَ خُلَّتَهَا ۔ وَاللّٰهِ لَسْنَ بَرِیْئَاتٍ مِنَ الدَّخَلٖ

یہ محبوبات اگرچہ اپنی محبت میں اخلاص ظاہر کریں بخدا ہرگز خرابی سے خالی نہیں ہیں

حُبُّ الْحَبَائِبِ حِرْمَانٌ وَمَنْدَمَۃٌ ۔ فَالْغَوْلُ عَاقِبَۃُ الشَّارِبِ الثَّمِلٖ

ان محبوبان دنیاوی کی محبت کا انجام محرومی وندامت ہی کیونکہ میخوار بدمست کا انجام خمار و دردسر ہوتا ہے

اَبْرَءْ اِلٰی کُلِّ حِبٍّ مِنْ مَحَبَّتِهٖ ۔ وَثِقْ بِحُبِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاتَّکِلٖ

ہر محبوب کی محبت سے بیزار ہوجا اور جناب پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر تکیہ اور بھروسہ کرلے

هُوَ الَّذِیْ حُبُّهٗ فَوْزٌ وَمَکْرُمَۃٌ ۔ هُوَ الَّذِیْ حُبُّهُ الْاِیْمَانُ فَاکْتَمِلٖ

وہ ذات پاک جنکی محبت کامیابی اور باعث عزت اور جنکی محبت داخل ایمان ہے پس اپنے ایمان کی تکمیل کرلے

وَحُبُّهُ الْعُرْوَۃُ الْوُثْقٰی لِمُعْتَصِمٍ ۔ وَلَا انْفِصَامَ لِحَبْلٍ مِنْهُ مُتَّصِلٖ

اور انکی محبت بچاؤ چاہنے والے کیلئے مضبوط رسی ہے اور یہ علاقہ جناب کا کبھی نہیں ٹوٹ سکتا

یا حبذا حبہ انس لمنفرد ۔۔۔ ذخر لمدخر زاد لمنتقل

واہ وا جناب کی محبت تنہا کے لئے دلچسپی ہے اور عاقبت کا ذخیرہ اور مسافر کا توشہ

تھدی الی خالص التقوی محبتہ ۔۔۔ فاستصحب الزاد من تقواک وارتحل

آپ کی محبت خالص تقویٰ کی طرف لیجاتی ہے پس توشہ تقویٰ ہمراہ لیکر روانہ ہو جا

ان کنت احببتہ حقا تکن معہ ۔۔۔ تطوی الطریق بلا کبو ولا زلل

اگر واقعی جناب سے محبت رکھتا تھا تو آنکی ہمراہ ہوگا اور راہ طے کرنے میں نہ گرے گا اور نہ ٹھوکر کھائیگا

المرء مع من احب اشکر لقائلہ ۔۔۔ وذاک وعد بلا خلف ولا خطل

(آدمی جس سے محبت رکھتا ہو اُسکے ہمراہ ہے) اُس جملہ کے فرمانے والیکا شکریہ ادا کر اس وعدہ میں کچھہ خلاف نہیں ہوسکتا

احبہ ولذا ارجو شفاعتہ ۔۔۔ ان المحب من المحبوب فی امل

میں تو جناب سے محبت رکھتا ہوں اور اسیواسطے امیدوار شفاعت ہوں محب کو محبوب سے اُمید ہوتی ہے

والحب یوصلنی فی یوم آخرۃ ۔۔۔ الی الحبیب فیسلینی ویشفع لی

اور یہ محبت روز آخرت مجکو حضور تک پہونچادیگی وہ میری تسلّی فرماوینگے اور شفاعت کرینگے

فھذہ عدتی اعددتھا لغدی ۔۔۔ وذخرتی لمقام الخوف والوجل

فردائے قیامت کے لئے میں نے تو یہ ساز سامان تیار کیا ہے اور خوف وڈر کے موقع کی یہی جمع پونجی ہے

شغل الصلوۃ علیہ والسلام کفی ۔۔۔ فبارک اللہ لی فی ذلک الشغل

درود سلام کا شغل کافی وافی ہے پس اللہ تعالیٰ اس شغل میں برکت عطا فرماوے

بلغ صلوتی وتسلیمی فعلتھما ۔۔۔ الی حبیبک یا مولای من قبلی

اے میرے پیارے مولیٰ میرا درود اور سلام جو کچھہ معمول ہے اُسکو اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک میری طرف سے پہونچا دے

صاد الصلوۃ علیہ فی صحائفھا ۔۔۔ تحکی عیون ذوات الاعین النجل

لفظ صلوۃ میں حرف صر اوراق درود شریف میں خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں کے مشابہ ہے

سین السلام لھا الاسنان باسمۃ ۔۔۔ فاضحک اللہ سن السین للقبل

لفظ سلام کا س اپنے دندانوں سے تبسم فرمارہا اللہ تعالیٰ اُسکے دندانوں کو بوسہ کے لئے خنداں رکھے

یا رب صل وسلم دائما ابدا ۔۔۔ علی نبیک طہ سید الرسل

اے پروردگار اپنے نبی طٰہٰ سردار انبیا صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ ہمیشہ درود سلام بھیجتا رہ

تربیۃ السالک و تنجیۃ الہالک

گذشتہ سے پیوستہ

حال۔ گو اُس میں یہ بھی ہو کہ لوگوں کے دکھاوے کو مگر اوّل تو جب یہ حالت ہوتی ہو تو کبھی کوئی دوسرا ابھی مسجد میں ہوتا ہے کبھی درمیان میں کوئی آجاتا ہے اور اُس وقت جو لذت رقت اور دعا سے ملتی ہے دوسرے شخص کو دیکھکر سلسلہ قطع کرنے سے سخت کوفت ہوتی ہو لہذا عرض ہو کہ کیا کیا جاوے۔

تحقیق۔ آنے والے کی طرف التفات نہ کیا جاوے اپنی حالت کو نہ بدلا جاوے۔

حال۔ کبھی کبھی ذکر سے خاص کر اِلَّا اللہ اور اَللہ اَللہ سے قلب میں ایک بہت خفیف سی گدگدی سی ہوکر حظ بھی ملتا ہے مگر بحالت ذکر بالجہر۔

تحقیق۔ حالت محمود ہے۔

حال۔ روزانہ رقت وندامت نہ ہونے سے طبیعت میں ایک انقباض سا رہتا ہے۔

تحقیق۔ اوپر کی تحقیق سے انقباض رفع ہو جاویگا اور جو رفع نہ ہو تو ایسا انقباض بھی حالت محمود ہے۔

حال۔ بخلاف اسکے رقت اور طلب مغفرت و اظہار خجالت کی حالت میں ایک فرحت سی ہوتی ہے اب نہ معلوم اس میں شائبہ نفس ظالم کہاں تک ہے۔

تحقیق۔ اس میں شائبہ نفس نہیں ہے ایک کیفیت بسط ہے ایک قبض ہے دونوں محمود ہیں۔

حال۔ آجکل نماز میں دل نہیں لگتا بہت یکسوئی کی کوشش کرتا ہوں مگر دل میں کچھ شوق یعنی وہ مزہ جو کہ نماز پڑھ کر آیا کرتا ہے معلوم نہیں ہوتا حضور دعا فرماویں کہ خدا تعالیٰ سیدھے رستہ پر قائم رکھے بندہ جس وقت تہجد کو اُٹھتا ہے تو فوراً یہ خیال دل میں پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ عبادت خدا جانے اسی طرح ادا ہوتی رہیگی یا نہیں اس کیلئے کوئی وظیفہ تجویز فرماویں جس سے دل کو اطمینان یا پختگی ہو جاوے کہ خدا تعالیٰ سیدھے رستہ پر چلاتا رہیگا دل میں ایک خواہش ہے کہ خدا اسکو پورا کرے یعنی علم عربی تحصیل کرنیکی۔ خدا تعالیٰ کامیاب کرے بندہ اپنے روزانہ معمولات سے حضور کو مطلع کرتا ہے اور استدعا کرتا ہے کہ اگر اور کچھ اس غلام کیلئے مناسب خیال فرماویں تو بندہ اُسکو ادا کرے گا۔

صبح تہجد کیواسطے پونے چار بجے اُٹھتا ہے وضو کرکے نماز جس طرح کہ تلقین کی ہے ٹوٹی پھوٹی پڑھ لیا کرتا ہے نماز پڑھنے کے بعد بارہ تسبیح لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی ایک تسبیح سُبحَانَ اللّٰہ اَللّٰہ اَکبَر اَلحَمدُ لِلّٰہ ایک رکوع آخر آل عمران یعنی اِنَّ فِی خَلقِ السَّمٰوٰتِ الخ آیۃ الکرسی۔ استغفار درود شریف پڑھکر قرآن مجید ایک آدھ رکوع حفظ کرتا ہے اور صبح کی نماز پڑھکر پھر قرآن مجید ایک پارہ تلاوت کیا جاتا ہے قرآن مجید کے پڑھتے پڑھتے نو یا سوا نو بج جاتے ہیں۔ روٹی کھاکر دفتر کی تیاری ہوجاتی ہے اور چار بجے دفتر سے آکر روٹی کھاکر عصر کی نماز پڑھکر یا تو تفسیر قرآن البیان یا اور کچھ کام کیا جاتا ہے مغرب کی نماز پڑھکر بعد میں کچھ نفل وغیرہ پڑھ لیا کرتا ہوں بدیں وجہ کہ خداوند کریم بندہ کے دل میں ایک قسم کا شوق رقت خشوع وغیرہ پیدا کردے اس سے فارغ ہوکر روٹی کھاکر انجمن میں لڑکوں کو انگریزی اُردو پڑھاتا ہوں اور وہاں سے نو بجے فارغ ہوکر عشا کی نماز پڑھکر سوجاتا ہوں یہ روزانہ معمولات ہیں۔

تحقیق۔ نماز میں جی نہ لگنا کچھ مضر نہیں اپنی طرف سے نماز میں متوجہ رہیں مگر اس توجہ میں مبالغہ نہ کریں سرسری توجہ کافی ہے زیادہ زور ڈالنے سے طبیعت میں تعب اور پریشانی پیدا ہوجاتی ہے جسکا انجام اکثر تعطل اور مایوسی ہوجاتی ہے اور طبیعت پر زیادہ بار پڑتا ہے جسکا تحمل دشوار ہوجاتا ہے سرسری توجہ رکھنے سے بعد چندے انشاء اللہ اُس کا ملکہ ہوجاتا ہے اور شاہد مقصود جلوہ گر ہوجاتا ہے بالکل مطمئن رہیں۔ عبادت کے متعلق جو شک لکھا ہے اُس کا علاج وظیفہ نہیں بلکہ توکل اور اُمید رحمت اور مقبولان حق کے ساتھ توسل کی برکت کا یقین اس کی تدبیر نافع ہے۔ ؎

کوئے نومیدی مرو کامیدہاست | سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

معمولات آپ کے بالکل کافی وافی ہیں اضافہ کی حاجت نہیں اسی سے آپکا مقصود انشاء اللہ حاصل ہوجاویگا۔ تکمیل علوم عربیہ کیلئے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سہل فرماویں۔ آمین

حال۔ چالیس سے زیادہ عمر گذری پچھلے واقعات کا کیا عرض کروں۔ اب یہ چاہتا ہوں کہ آیندہ توفیق الٰہی شامل حال ہو اور بقیہ ایام زندگانی اکارت نہ جاویں پچھلی حالت تو یہ ہے کہ روزانہ ہزاروں گناہ ہوئے لیکن اگر اوسط دس گناہ روزانہ رکھے جاویں تو بھی بیالیس ۴۲ سال میں ڈیڑھ لاکھ گناہ ہوتے ہیں جن کی گنتی سے طبیعت گھبراتی ہے۔

تحقیق۔ تو شمار کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے اور گو وہ بیشمار ہوں مگر لاعلاج نہیں توبہ و استغفار

اس کا علاج ہے اُن کو یاد کر کرکے پریشان ہونے سے یہ بہتر ہے کہ بدون یاد اور شمار کے اُن سے معافی مانگی جاوے اس عنوان سے "ای اللہ سب گناہ معاف فرما خواہ مجکو معلوم ہوں یا نہ معلوم ہوں"۔

حال۔ گو انگریزی تعلیم نہیں ہوئی ہی مگر انگریزی تعلیم یافتہ کی صحبت کا پورا اثر ہے اور مزید ستم بر ستم یہ ہے کہ مذہبی تعلیم سے بالکل کورا ہوں طرح طرح کے شکوک دل میں پیدا ہوتے ہیں مذہب کی طرف سے مگر اُنکو زبان پر نہیں لا سکتا اور یہ سمجھتا ہوں کہ یہ وسوسہ شیطانی ہیں جو دنیاوی آدمیوں کی صحبت سے پیدا ہوئے ہیں۔

تحقیق۔ جب اُن وساوس کو باطل سمجھتے ہیں تو اُن کا آنا کچھ مضر نہیں البتہ کتب دینیہ کا بالالتزام مطالعہ میں رکھنا بہت ضروری ہے اُنکی مختصر فہرست بتلاتا ہوں۔ بہشتی زیور گیارہ حصے تعلیم الدین فروع الایمان۔ تو مقالی مآل التہذیب۔ سائنس و اسلام۔ الانتباہات اور پھر بھی جہاں شبہ رہے کسی عالم سے بے حجاب ہو کر پوچھئے۔

حال۔ خدا کا شکر ہے کہ کچھ عرصہ سے نماز روزہ کا پابند ہوں لیکن خود ہی جب دل سے جانچ کرتا ہوں تو نماز میں خلوص بالکل نظر نہیں آتا۔

تحقیق۔ خدا تعالیٰ کا شکر کیجئے کہ اگر خلوص نہیں نماز تو ہے۔ بلا بودے اگر ایں ہم نبودے انشاءاللہ وہ بھی ہو رہیگا نا اُمید نہ ہونا چاہئے۔

حال۔ جس طرح بیگاری کام کرتا ہے اُس طرح میری نماز ادا ہوتی ہے۔

تحقیق۔ اپنی کوتاہی پر نظر ہونا یہ بھی تدارک ہے کوتاہی کا۔

حال۔ مسلمانوں کی بھبودی کے کاموں سے عام اس سے کہ دینی ہو یا دنیوی بیحد دلچسپی ہے اور اس کام سے کبھی جی نہیں گھبراتا یہ دل چاہتا ہے کہ رات دن اُس میں مشغول رہوں لیکن جب غور کرتا ہوں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی نفس کا دُھوکہ ہے اس میں بھی زیادہ حصہ ریاکاری کا ہے تاکہ عوام میں عزت ہو۔

تحقیق۔ ممکن ہی کہ ایسا ہو مگر جنکو نفع ہوتا ہے ممکن ہی کہ اُن میں کوئی مقبول ایسا ہو کہ جسکی برکت سے سب آلودگی دور ہو جاوے۔

حال۔ از راقم آثم اکثر یک فعل شہوتی صادر میشود کہ بجز عالم الغیب احدے را وقوف نیست و

گاه گاه خوف خداوند تعالیٰ چناں دامن گیر میشود که در بارگاه جلالش توبه صدیقه بوعده راست از آن فعل میکند پس بریں نسق چند ایام مداومت کرده نفس اماره را از آں کار ممتنع ساخته باز وعده شکنی الٰهی کرده مصدر همان فعل شهوتے میشود و باز توبه میکند و باز همان فعل بد میکند حتیٰ که همیں عادتش گشته است وچنیں خوف بر دلش نمی نشیند که اصلاً همان کار را بگذارد و تائب صادق گردد و در اول وقت صدور همان فعل پشیمانیش فی الفور میگردید و الحال بر وقت پشیمانیش هم نمی گردد و نقصانات معاصی که در جزاء الاعمال ارقام نموده اند قدرے رونما گردیده اند حالا خوف سلب ایمانش میشود (خداوند کریم همچنیں مکناد) لهذا بهزار عجز و انکساری و التجا بحضرت حکیم الامة ملتجی میشود که بنا بران که از خاصان خدا نظر عنایت فرموده دعائے برائے مغفرت در حق گنهگار بسبارگاه ایزد غفار کنند که گناهش عفو شود و آینده ارتکاب چنیں فعل بد نکند و وظیفه هم ارشاد فرمایند تا توفیق توبه صدیقه شود و خوف ایزد تعالیٰ عز اسمه بر دل استیلاء کند تا که ارتکاب فعل بد نشود و از نام و نشان و قیمت کتابیکه مشتمل بر احادیث صحیح عقوبت و عذاب باشد هم وقوف بخشیده باشد اُردو یا فارسی و برائے حصول عربی هم دعا کنند۔

تحقیق۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ صاحبا بدون همت چیزے نے تواند شد و همت همین است که قصد مصمم کنند که مرتکب آن فعل نشوند بیشک تقاضائے نفس اماره اختیاری نیست لیکن اصدار فعل امر اختیاری ست هر گاه اختیاری ست ترکش هم اختیاری ست گو متضمن کلفت باشد اصل تدبیر همیں ست البته برائے اعانت ایں تدبیر بر نفس خود عقوبتے گماردن نافع است و آن اینست که هر گاه آن فعل صادر شود فاقه کنند اگر از یک فاقه نفس متألم نه شود دو فاقه کنند۔ انشاء اللہ تعالیٰ در چند صلح میکند باقی همت قوی داشتن لابد و اصل تدبیر است و دعا هم می نمایم۔

حال۔ ای صاحب کرامت شکرانہ سلامت۔ روزے تفقدی کن مسکین بینوا را۔ بعد اہدا اسلام مسنون گذارش خدمت خدام والا آنکہ اس ناکارہ حلقہ بگوش کی عمر کا اکثر حصہ غفلت اور معاصی میں گذر گیا اور مدت سے تمنا دل میں مکنون ہے کہ حق تعالیٰ اپنے لطف و رحمت سے اس ناکارہ آوارہ کو بھی کچھ شمہ اپنی محبت اور حلاوۃ و بشاشۃ ایمان کا نصیب فرماوے اب بڑھاپا قریب آیا گو کہ عمر تو زیادہ نہیں ہے لیکن قوی اور جسم روز بروز ضعیف ہوتا چلا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر آخرت قریب ہی ہے

یہ تمنا دل کی دل ہی میں رہی سخت حسرت اور افسوس ہوتا ہی کہ شب و روز میں کوئی وقت ایسا نہیں جس میں محض توجہ الی اللہ ہو ؎ خجل آنکس کہ رفت و کار نساخت + دل یہ چاہتا ہی کہ بالکل فراغ نصیب ہو اور کچھ حق تعالیٰ کی یاد کروں لیکن فراغ تو کہاں ہی اسلئے اتنا ہی ہو کہ توفیق ہو جاوے۔ اور کسی وقت اللہ کی یاد کروں اور اخلاص کا کچھ حصہ نصیب ہو جاوے۔ اس کا طریقہ بجز اسکے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اپنے بزرگوں سے التجا کروں کہ للہ اس اپنے ناکارہ خادم کیلئے دعا فرماویں۔ اہل اللہ کی دعا یقیناً مستجاب ہوتی ہے اس لئے جناب سے التجا ہے کہ اس مبتلائے غفلت و آلودۂ شہوات نفسانیہ کیلئے دعا فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی یاد جی میں ڈالدیں اور غفلت کو دور فرماویں۔ پڑھانا اور دن بھر کے اشغال طاعات بن جاویں۔ اب تو سبب غفلت بن رہے ہیں۔ الحمد للہ کہ اس ناکارہ کو دنیا کی کسی چیز کی تمنا نہیں ہی اب تو یہی آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ کچھ حلاوۃ ایمان کی نصیب فرماوے۔ بعض وقت اپنے حرمان پر بہت افسوس ہوتا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسے شیخ کامل کہ جنکے یہاں سے سیکڑوں حصہ لیگئے اور میں وہاں بیلا ہی رہا۔ اسکے بعد بھی ایک بڑے جلیل القدر شیخ کے قدموں میں رہنا نصیب ہو رہا ہے اور درمیان میں بھی حضرت مولانا مرشدنا مدظلہم العالی سہارنپوری کے قدموں میں رہا لیکن اصلاح نہ ہوئی اور غفلت دور نہ ہوئی لیکن میں ناشکری نہیں کرتا بلکہ یہ سمجھا کرتا ہوں کہ تو اسقدر فاسد الاستعداد ہی کہ اگر ان حضرات کی خدمت میں نہ رہتا تو خدا جانے کس چاہ ضلالت میں ہوتا۔ تو یہ محض فضل ہی کہ ان حضرات کے قدموں میں ڈالدیا۔ اس رہنے کی صورت سے تو یہ حالت ہزاروں درجہ غنیمت ہے۔ اور ایسے تعلق اہل اللہ کو باعث نجات سمجھتا ہوں لیکن اس فساد استعداد کو بھی اگر حق تعالیٰ اپنے فضل سے دفع کر کے نوازدے تو رحمت واسعہ سے کچھ بعید نہیں اسلئے استدعا اور التجا ہے کہ کسی وقت اس ناکارہ کا نام لیکر دعا فرماویں اور اس ناکارہ کو بھی اسکی اطلاع فرماویں کہ تیرے واسطے دعا کی ہے فقط والسلام۔

تحقیق مشفقم سلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا خط ملا مع رکھے ٹکٹ کے۔ سب حالات پڑھے۔ شکر الٰہی بجا لایا کہ حق تعالیٰ نے دولت طلب عطا فرمائی ہی جس پر نعمت وصول حسب وعدہ لازم ہے پس یہ ہی بشارت وصول بھی ہی۔ البتہ مراتب وصول مختلف ہیں ایک مرتبہ کے وصول پر بھی تڑپ رہنا یہ طلب ہے ترقی کی جسکے لئے سعی حسب وسع اور دعا خود کی بھی اور دوسرے اخوان کے بھی طریق صحیح ہی سعی اور دعا آپ بھی کیجئے میں بھی دعا کرتا ہوں۔ اور اسوقت ایک جماعت صلحاء کی شرکت میں بہت الحاح سے دعا کی ہے

٥٧٨٤

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

مطابق ماہ نومبر ۱۹۱۴ء

جو حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

اور

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہے

(رجسٹرڈ نمبر ا ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

قیمت سالانہ

معہ محصول

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

نمبر ۶ بابت ماہ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ جلد ۵

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ محرم ۱۳۳۳ھ

مطابق ماہ دسمبر ۱۹۱۴ء

جو حضرت مولانا محمود حسن صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

و

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ دیوبند

کی

سرپرستی میں شائع ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمۃ الحق

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا - اما بعد اسلام کوئی خانہ ساز معجون نہیں ہو اسکو حکماے دنیا کی جماعت نے ترتیب نہیں دیا ہی وہ عقلائے زمانہ کے دماغی تخیلات کا مجموعہ نہیں ہے وہ کسی شاعر کے منگھڑت مضامین کا منظومہ نہیں ہے کہ آج حکما اور عقلاے زمانہ یا شعراے عرب و فارس و ہند اُس پر طبع آزمائی کریں اور اپنی جدّت افکار سے اُس میں کچھہ نئی باتیں نکالکر اُسکو اپنی من مانی خواہشوں کے موافق بنالیں آسمانی وحی سے وہ موجود ہوا ہے - خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ نے اُسکو خود مرتب فرمایا ہے بندوں کے دستبرد سے اُسکو محفوظ رکھا ہے - جب دنیا میں اوہام پرستی کا زور تھا - کفر و شرک کی تاریکیاں آفاق عالم پر چھا گئی تھیں - توریت و انجیل پر تحریف و تبدیل کا پردہ ڈالدیا گیا تھا - بہیمیت کا انسانیت پر غلبہ تھا - توحید کا لفظ کانوں کو ایسا اوپرا معلوم ہوتا تھا کہ کسی کو سننا گوارا نہ تھا - عالم میں بتوں کی خدائی اور خواہشوں کی حکومت تھی - انسانی قویٰ ایسے فاسد ہو گئے تھے کہ اس کی اصلاح کی قابلیت اُن میں باقی نرہی تھی - الحاد کی سمی ہواؤں نے اہل عالم کے مزاج کو ایسا فاسد کیا تھا کہ بقراط کی طب اُسکے علاج سے انگشت بدنداں تھی - یونانیوں کی حکمت اور فلسفہ میں اس عقدہ مشکل کے حل کی کوئی تدبیر نہ تھی - بلکہ یہ سب خود گمراہ تھے - خفتہ را خفتہ کے کند بیدار - انہیں کی جدت طرازیوں کی گمراہی تھی کہ مذہب اور شریعت - بندگی اور عجز و نیاز عنقا کی طرح عالم سے روانہ ہو چکے تھے ما اپنے بندوں کی اس گمراہی اور آزادی - ہوا پرستی و ناحق شناسی پر اگر خدائے قدیر

کی آتش غضب جوش زن ہوتی اور سب کو نیست و نابود کر دیتی تو نظر بر حالات کوئی نامناسب نہ تھی مگر حسب ارشاد سبقت رحمتی علی غضبی (رحمت غضب سے سبقت لیگئی) اپنے شریر بندوں پر رحم آیا اور شرارت کی پاداش میں اُن پر رحمت نازل ہوئی یعنی اپنا ایک مجسم رحمت ہادی جسکے مبارک سر پر وما ارسلناك الا رحمة للعٰلمین کا زریں تاج رکھا ہوا ہے جسکی کمر میں۔ عزیزٌ

علیه ما عنتم حریصٌ علیکم بالمومنین رؤف رحیم۔	(اسپر شاق گذرتی ہے تمہاری تکلیف حریص ہے تمہاری بھلائی پر ایمان والوں پر نہایت درجہ شفیق و مہربان ہے۔)

کا انمول پٹکا بندھا ہوا ہے۔

ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبه	(اور جو بھروسہ کرے اللہ پر تو اللہ اُسکو کافی ہے۔)

کا مضبوط عصا ہاتھ میں ہے نورانی پیشانی پر صدق کی افشاں چنی ہوئی ہے۔ صورت سے حقیقت آشکار ہے آنکھیں توحید کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ اور جسکا پیارا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے روحی فداہ اُنکی ہدایت کے لئے بھیجا۔

(گر نہ بیند بروز شپرہ چشم | چشمۂ آفتاب را چہ گناہ)

یہ کسی کمیٹی کا انتخاب نہیں ہے۔ یہ آپس کی عصبیت اور باہمی تفاخر و توازن کا غلبہ نہیں ہے۔ یہ خود خدائی انتخاب ہے جو دنیا کے قواعد کی رو سے گو کوئی وقعت نہیں رکھتا مگر خدا کی دی ہوئی وہ قوت رکھتا ہے کہ دنیا دیکھ لیگی اور دیکھ لیا۔

رسالت کیلئے جن دلائل کی ضرورت تھی وہ آپکو عطا ہوئے۔ معاندین اور مکابرین نے طرح طرح سے مشکل سے مشکل دلائل طلب کئے۔ وہ وہ سوالات کئے جنکے جوابات انسانی قوت سے باہر تھے مگر آپنے خدا کے فضل سے برابر سب کو جواب دئے۔ اور باذن اللہ وہ وہ معجزات دکھائے کہ کسی انصاف پسند دل کو انحراف اور سرتابی کی گنجایش باقی نہیں رہی۔ قرآن مجید آپکو ایک دایم قایم معجزہ ملا جسنے معاندین و مکابرین کے بھی دانت کھٹے کردئے اور ایسے وزنی مگدر ڈالدئے کہ دنیا کے رستم و سہراب اُنکے ہلانے سے عاجز آگئے۔ اُسنے پکارے گلے کہدیا۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔	اگر تمکو قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں شک ہے تو تم بھی اہل لسان ہو جاؤ ایک سورت ہی ایسی کہہ لاؤ۔ اور اگر تم سچے ہو تو اپنے لگے سگوں کو بلا بھیجو وہ تمہاری امداد کریں

فصاحت و بلاغت و زباں دانی میں تمکو دعوی ہے اپنی سخن سنجی پر تمکو ناز ہے تمنے اچھے اچھوں کا

کا ناطقہ بند کر دیا ہے تم ایک دوسرے پر بزور فصاحت و لطافت طبیعت غالب آتے ہو اگر یہ قرآن آسمانی نہیں ہے اور بزعم تمہارے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام ہے تو کیا مشکل ہے تم اس جیسی ایک سورت کہدو۔ پھر قرآن نے اُنکا عجز بمرتبہ یقین دکھلا کر اُنکو نصیحت کی۔

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارة اعدت للکافرین۔ (اگر تم یہ نہ کر سکو اور میں کہتا ہوں کہ تم کبھی نہیں کر سکتے تو دیکھو شرارت اور عناد سے باز آجاؤ دوزخ کی آگ سے بچنے کی فکر کرو جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے اُسکا ایندھن بجائے لکڑیوں کے آدمی و پتھر ہونگے۔)

اِس سے اور زیادہ زور سے قرآن نے منادی کی اور عرب و عجم کے مدعیوں کو کھڑ کھڑا ڈالا اور اپنے اٹل دعوے کی لم یٹل دلیل پیش کر دی۔

لا یاتون بمثل ھذا القرآن لو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔ (قرآن جیسا کلام لا ہی نہیں سکتے اگرچہ سب مِلکر ایک دوسرے کی امداد کریں۔)

تیرہ صدیاں گذر گئیں اُن پر بتیس سال کا اضافہ بھی ہو گیا اور اب یکم محرم سے تینتیسواں سال بھی شروع ہو گیا۔ کیا اس مدت میں قرآن کے مخالف اپنی خواہش میں کامیاب ہو سکے کیا کسیکو اب دعویٰ ہے دنیا روز نکھار پر ہے۔ اُسکے بناؤ سنگھار کی کوئی حد نہیں۔ روز نیا لباس بدلتی ہے اپنے فرزندوں کو نئی نئی پوشاکیں پہناتی ہے۔ اور آزاد منشی کے ساتھ اُنکو ترقی کے میدان میں گو و چوگاں کھلاتی ہے اُسکے سپوت اُسکی آنکھوں کے اشاروں میں کٹ پتلی کی طرح ترقی کے میدان میں تھرکتے پھرتے ہیں اور وہ وہ اعجوبۂ روزگار صنائع اہل عالم کے روبرو پیش کرتے ہیں کہ دقیانوسی خیالات کی پابند بھی دنگ رہجاتے ہیں دنیا کی جس چیز پر نظر ڈالئے ایک جدت لئے ہوئے ہے۔ تفصیل کے لئے میں کیوں اپنا وقت ضائع کروں۔ اہل عالم کی آنکھیں خود میری شاہد ہیں۔

الغرض ہر جنس میں نزاکت کے ساتھ تکثر اور ہر نوع میں ایک دلفریبی کی شان کے ساتھ بُہتات آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اور جو چیز آج اپنے دلفریب حسن سے اہل عالم کو اپنا گرویدہ بناتی ہے۔ کل کو دوسری اُس سے مستغنی کر دیتی ہے۔ یہ سب کچھ ہے مگر قرآن پاک کا دعویٰ خدا کے فضل سے ہنوز اچھوتا ہے اور انشاء اللہ تا قیامت اچھوتا رہیگا۔

یہ روشن کتاب آپکو عطا ہوئی آمیں خدا نے اپنے بندوں کے لئے دنیا و آخرت کی تمام ضروریات جسمانی و روحانی ورنج و دکھہ کے علاج ترقی اور تمدن کی تدبیریں عزت اور فلاح کے طریق تعلیم فرماد ئے

انسان کو وقت پیدایش سے موت تک اور موت سے قبر و قیامت تک جن منافع کا اختیار کرنا چاہیے اور جن مضار سے بچنا لازم ہے وہ سب اسمیں موجود ہیں۔

آپنے خود قرآن مجید کو اساس قرار دیا اور خدا کے بھولے بھٹکے بندوں کو خدا کا سیدھا رستہ دکھایا ضرورتوں کے موافق قرآن پاک نازل ہوتا رہا احکام اور امثال و قصص جسقدر جسکی ضرورت خدا تعالیٰ نے سمجھی نازل فرمائی اور اس امتنان کا اظہار اس جانفزا مژدہ کی صورت میں فرمایا۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔	(تمہارے دین کو ہمنے کامل کر دیا تم پر نعمت کو تمام کر دیا اور تمہارے لئے ہمنے اسلام کو دین پسند کیا۔)

اکمال دین اور اتمام نعمت سے یہی مراد ہے کہ مسلمانوں کو جس ہدایت کی ضرورت تھی وہ پورے طور پر کی گئی کوئی ضروری بات باقی نہ رہی جس رستہ میں مسلمانوں کو سفر کرنا ہے اسمیں قدم قدم پر ایسی علامات قایم کردیں کہ کوئی مسافر راہ نہ بھٹکے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ضرب اللہ مثلاً صراطاً مستقیماً وعن جنبتی الصراط سوران فیھا ابواب مفتحۃ وعلی الابواب ستور مرخاۃ وعند راس الصراط داع یقول استقیموا علی الصراط ولا تعوجوا وفوق ذلک داع یدعو کلما ھم عبد ان یفتح شیئاً من تلک الابواب قال ویحک لا تفتحہ ان تفتحہ تلجہ ثم فسرہ فاخبر ان الصراط ھو الاسلام و الابواب المفتحۃ محارم اللہ وان الستور المرخاۃ حدود اللہ وان الداعی علی راس الصراط ھو القرآن وان الداعی من فوقہ ھو واعظ اللہ فی قلب کل مومن (مشکوٰۃ المصابیح)	(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مثل بیان فرمائی کہ ایک صراط مستقیم ہے اور اُسکے دونوں طرف دو دیواریں ہیں اُن دیواروں میں جابجا دروازے کُھلے ہوئے ہیں اُن دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اس رستہ کے سر پر ایک داعی کھڑا ہوا کہرہا ہے کہ مسافرو رستہ پر سیدھے چلے چلو ٹیڑھے نہو اس داعی سے اوپر ایک اور داعی ہے کہ جب کوئی آدمی اُن دروازوں کے کھولنے کا قصد کرتا ہے تو وہ کہتا ہے خبردار ہرگز مت کھول اگر کھولیگا تو اسمیں داخل ہو جائیگا۔ پھر مثل کی یوں تفسیر کی کہ سیدھا رستہ تو اسلام ہے اور دیواروں میں جو دروازے کھلے ہوئے ہیں وہ خدا کے محارم ہیں اور جو اُن پر پردے چھوٹے ہوئے ہیں وہ خدا کی حدود ہیں اور دروازہ کے سرے پر جو داعی ہے وہ قرآن ہے اور اسکے اوپر جو داعی ہے وہ خدا کا واعظ ہے جو ہر مومن کے دل میں موجود ہے۔

مبدأ و معاد

(سلسلہ کیلئے دیکھو القاسم نمبر ۵ جلد ۵)

نیز مکتوب دو سو ستاون میں فرماتے ہیں۔ چند کلمات بالاجمال طریق سلوک کے بیان میں لکھتا ہوں غور و توجہ سے سنیں سیادت پناہا جو طریق ہمنے اختیار کیا ہے ابتدا سیر اُس کی قلب سے ہے جو عالم امر سے ہے سیر قلب کے طے کرنے کے بعد مراتب لطیفہ روح میں سیر واقع ہوتی ہے جو قلب سے اوپر ہے اور سیر روح کے بعد یہ معاملہ لطیفہ سر سے متعلق ہوتا ہے جو روح سے اوپر ہے اور اسی طرح خفی اور اخفی کا حال ہے ان پانچوں لطایف عالم کے طے ہونے کے بعد اور جو علوم و معارف ہر یک لطیفہ کی سیر میں منکشف ہوتے ہیں اُنکے حاصل ہونے کے بعد ان پانچوں لطایف کے اصول میں سیر واقع ہوتی ہے اصول ان کے عالم کبیر میں ہیں کیونکہ جو کچھ عالم صغیر یعنی انسان کے اندر ہیں اصل اُسکی عالم کبیر یعنی مجموعہ کائنات میں ہے اصول لطایف کے سیر کی ابتداء عرش عظیم سے ہے عرش عظیم اصل لطیف قلب کی ہے اُس سے اوپر اصل روح انسانی کی ہے اور اُس سے اوپر اصل سرّ انسانی کی اور اُس سے اوپر اصل خفی کی اور اُس سے اوپر اصل اخفی کی ہے اور جب سالک عالم کبیر کے پانچوں اصول لطایف کو بتفصیل طے کر لیتا ہے اور اُسکے آخری نقطہ پر پہنچ جاتا ہے دایرہ امکان کو ختم کر لیتا ہے اور فنا کی اوّل منزل میں قدم رکھتا ہے اس کے بعد اگر ترقی واقع ہوا اسماء و صفات باری تعالیٰ شانہ کی ظلال میں سیر واقع ہوگی ظلال مانند برزخ کے وجوب و امکان کے درمیان اور اصول ہیں عالم کبیر کے پنجگانہ لطایف کے اور ان ظلال کی سیر بھی اُسی ترتیب سے ہوگی جیسا کہ انکی فروع میں مذکور ہوئی اور اگر فضل خداوندی جل شانہ سے ان ظلال کے منزلوں کو بھی طے کر کے اُنکے آخری نقطہ پر پہنچ جاویگا اسماء و صفات حق تعالیٰ جل شانہ میں سیر واقع ہوگی اور تجلیات اسماء صفات ظاہر ہونگے اور شیون و اعتبارات کا ظہور ہوگا اسوقت معاملہ لطائف پنجگانہ عالم امر کو کما حقہ طے کریگا اور حق ان کا ادا کریگا اسکے بعد اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مقام سے بھی ترقی واقع ہوگی اطمینان نفس کا معاملہ واقع ہوگا اور مقام رضا حاصل ہوگا جو مقامات سلوک کی انتہا ہی اس موقع پر شرح صدر حاصل ہوتا ہے اور اسلام حقیقی کے ساتھ مشرف ہوتا ہی اس جگہ جو کمالات حاصل ہوتے ہیں اُنکی نسبت وہ کمالات سابقہ جو عالم امر سے متعلق ہیں حکم قطرہ کا رکھتے ہیں بہ نسبت دریای محیط کے۔ یہ جملہ کمالات جو مذکور ہوئے اسم الظاہر سے متعلق ہیں۔

اسم الباطن کے کمالات دوسرے ہیں کہ اخفا و ستر کے لائق ہیں جسوقت ان ہر دو اسم مبارک کے کمالات بتمامہا حاصل ہوجاوینگے دو بازو اوڑنے کے لئے سالک کو حاصل ہونگے کہ اُن ہر دو بازو کی قوت سے عالم قدس کی سیر فرماویگا اور بے اندازہ ترقیات حاصل کریگا۔ تفصیل اسکی بعض مسودات میں لکھی ہوئی ہے۔ دیگر یہ کہ اگر میسر ہو ایکدفعہ تنہا یہاں آجاویں اور اپنی جگہ اپنے مریدوں میں سے جو لایق ہوں پیشوا اس جماعت کا فرماویں معلوم نہیں پھر فرصت ملے یا نہ ملے۔

نیز مکتوب دو سو چھپن ۲۵۶ میں فرماتے ہیں آپنے دریافت فرمایا ہے کہ قطب اور قطب الاقطاب اور غوث اور خلیفہ کون ہیں اور کس خدمت پر مقرر ہیں اور اپنی خدمت پر مطلع ہوتے ہیں یا نہیں اور قطب الاقطاب ہونے کی بشارت کہ عالم غیب سے پہنچتی ہے اسکی کچھہ اصل ہے یا اختراع وہم وخیال ہے۔ واضح ہو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل پیرو جب کمال اتباع کی وجہ سے مقام نبوت کے کمالات کو تمام کرلیتے ہیں (احقر کہتا ہے کہ مقام نبوت کے کمالات کو تمام کرلینے یا حاصل کرلینے کا مطلب یہ ہے کہ فیوض کمالات نبوت اُسپر وارد ہوتے ہیں اور کمالات نبوت کے انوار و برکات سے وہ مستفیض ہوتا ہے اور عروج کامل کے بعد نزول تام اُسکو حاصل ہوجاتا ہے گویا وہ شخص مصداق علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل کا ہوجاتا ہے اور ہدایت واشاعت سُنت و تبلیغ احکام شریعت و افاضہ فیوض باطنیہ میں نائب پیغمبر ہوجاتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم) اُن میں سے بعض کو منصب امامت پر سرفراز فرماتے ہیں اور بعض کے لئے محض اُن کمالات کے حصول پر اکتفا فرماتے ہیں (یعنی کوئی منصب اُنکو نہیں دیا جاتا) یہ دونوں بزرگ اصل کمال میں برابر ہیں فرق صرف منصب ملنے اور نہ ملنے کا ہے اور جو امور متعلق اُس منصب کے ہیں اُنکے حاصل ہونے اور نہ ہونے کا فرق ہے اور جب متبعین کاملین کمالات ولایت کو بتمامہا حاصل کرلیتے ہیں اُن میں سے بعض کو منصب خلافت کے ساتھ مشرف فرماتے ہیں اور بعض کے لئے صرف اُن کمالات کے حصول پر اکتفا فرماتے ہیں جیسا کہ اوپر گذرا۔ یہ دونوں منصب یعنی منصب امامت و منصب خلافت کمالات اصلیہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور کمالات ظلیہ میں منصب امامت کے مناسب منصب قطب ارشاد ہے اور منصب خلافت کے مناسب منصب قطب مدار ہے۔ گویا یہ دونوں مقام کہ تحت میں ہیں ظل اور عکس اُن دو مقام کے ہیں جو اوپر ہیں۔ شیخ محی الدین ابن العربی کے نزدیک غوث وہی قطب مدار ہے اُنکے نزدیک غوثیت کوئی جداگانہ منصب نہیں ہے اور فقیر کا اعتقاد یہ ہے کہ غوث قطب مدار کے غیر ہے البتہ ممد اور معاون اُسکا ہے قطب مدار بعض امور میں اُس سے مدد لیتا ہے اور ابدال کے مقرر کرنے میں بھی اُسکو دخل ہے اور قطب کو باعتبار اُسکے اعوان و انصار کے قطب الاقطاب بھی کہدیتے ہیں

کیونکہ قطب الاقطاب کے اعوان و انصار قطب حکمی ہیں۔ اسی وجہ سے صاحب فتوحات مکیہ لکھتے ہیں۔

ما من قریۃ مومنۃ کانت او کافرۃ الا و فیھا قطب۔ (یعنی کوئی قریہ نہیں ہے مگر اُس میں ایک قطب ہے خواہ اہل قریہ مومن ہوں یا کافر۔)

جاننا چاہیئے کہ صاحب منصب بیشک صاحب علم ہے کہ اُسکو اپنے منصب کی خبر ہے اور وہ جو کمال اُس منصب کے رکھتا ہے اور منصب نہیں رکھتا ضرور نہیں ہے کہ وہ صاحب علم ہو اور اپنی خدمات سے مطلع ہو۔ اور جو بشارت عالم غیب سے پہنچتی ہے وہ اُس مقام کے کمالات کے حاصل ہونے کی ہے نہ اُس مقام کے منصب کی بشارت کہ وہ متعلق علم سے ہے۔ آپنے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ اس حدیث شریف میں۔ لو اتزن ایمان ابی بکر مع ایمان امتی لرجح۔ (اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان میری تمام امت کے ایمان سے موازنہ کیا جاوے تو ابوبکر صدیق کا ایمان راجح و غالب ہوگا)

ایمان سے کیا مراد ہے اور اُسکی رجحان کی کیا وجہ ہے واضح ہو کہ ایمان کا راجح ہونا بسبب مومن بہ کی رجحان کے ہے اور جبکہ ایمان ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا متعلق تمام امت کے ایمان کے متعلقات سے اوپر ہے تو اُنکا ایمان بھی تمام امت کے ایمان سے راجح ہے مخدوم من عروج کیوقت اُس جگہ تک معاملہ پہنچ جاتا ہے اگر ایک نقطہ اوپر کو عروج واقع ہو تو جو کمالات اُس عروج میں حاصل ہوئی وہ تمام کمالات تحتیہ سے زیادہ اور افضل ہیں کیونکہ وہ نقطہ تمام اُن کمالات سے جو اُس سے نیچے ہیں افضل ہے اسی طرح اُس نقطہ کے اوپر دوسرے نقطہ کا حال ہے کہ نقطہ اولیٰ معہ اپنے کمالات تحت کے بمقابلہ نقطہ ثانیہ کے حقیر و ناچیز ہے اسی طرح آگے کو معاملہ چلیگا پس جس شخص کے ایمان کا متعلق زیادہ اوپر ہوگا اُسکا ایمان بیشک راجح ہوگا اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ عارف کا معاملہ اُس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ طرفۃ العین میں تمام کمالات متقدمہ کو کسب کر لیتا ہے اور فقیر کی تحقیق میں ایک لمحہ میں تمام کمالات متقدمہ سے زیادہ حاصل کر لیتا ہے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم نیز آپنے دریافت کیا تھا کہ شیخ ابن العربی اور اُنکے متبعین نے لکھا ہے کہ جسقدر لڑکے خورد سال حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کی وجہ سے مارے گئے اُن سب مقتولین کی استعدادات حضرت موسیٰ کی طرف منتقل ہو گئیں اسکی تحقیق تفصیل سے ارشاد ہو۔ واضح ہو کہ یہ بات تحقیقی ہے اور صحیح ہے جیسا کہ ایک شخص کو سبب حصول کمالات جماعت کثیرہ کا فرماتے ہیں اسی طرح ایک جماعت کو سبب حصول کمالات شخص واحد کا فرماتے ہیں پیر ہر چند مریدوں کے کمالات کا سبب ہوتا ہے لیکن مریدین بھی سبب کمالات پیر کے ہیں اس مضمون کو یہ فقیر ماکولات و مشروبات میں جو جزو بدن ہوتے ہیں احساس کرتا تھا جو کھانا کھایا جاتا تھا اور پانی پیا جاتا تھا وہ سبب جامعیت

استعداد کا ہوتا تھا اور ایک دوسری قابلیت پیدا کرتا تھا بعض اوقات اگر ارادہ طعام لذیذ کے چھوڑنے کا کرتا تھا تو منع کر دیا جاتا تھا اور اس طعام لذیذ کے چھوڑنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ اُس قابلیت کے حصول کی وجہ سے جو اُس طعام لذیذ کے کھانے میں تھی اور بسا اوقات ایک شخص کی استعداد کل یا بعض دوسرے کی طرف منتقل ہو جاتی ہی اور محسوس ہوا ہی کہ وہ پہلا خالی رہ گیا اور دوسرے کو جمعیت باطنی حاصل ہو گئی آپنے یہ بھی پوچھا تھا کہ شیخ نجم الدین کبریٰ نے اپنے ایک مرید کو ایک بزرگ کے پاس اسلئے بھیجا تھا کہ اُنکے ذریعہ سے دریافت کریں کہ وہ کون سے پیغمبر کے قدم پر ہیں جب وہ مرید اُن بزرگ صاحب کے پاس پہنچا اُنھوں نے یہ کلمہ ارشاد فرمایا جھود تو در چہ کار است شیخ نجم الدین کبریٰ نے اِس کلام سے یہ سمجھا کہ میں حضرت موسیٰ کے قدم پر ہوں صلوات اللہ وتسلیماتہ علی نبینا و علیہ۔ اس عبارت سے یہ مطلب کیونکر معلوم ہوا۔ واضح ہو کہ جھود یہود کو کہتے ہیں جو کہ حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت تھی آپنے پوچھا تھا کہ نفحات الانس میں ہی کہ تمام اولیاء اللہ کی ولایت بعد مرنے کے سلب ہو جاتی ہی مگر چار شخصوں کی۔ جاننا چاہئے کہ ولایت سے مراد تصرفات اور ظہور کرامات لی ہوگی۔ نہ اصل ولایت کہ عبارت قرب الٰہی اجل سلطانہ سے ہی نیز سلب تصرفات وکرامات سے مراد سلب کثرت ظہور کرامات ہے نہ سلب اصل کرامات علاوہ برین یہ قول کشفی ہی اور کشف میں خطا کو بہت گنجایش ہی نہ معلوم کیا دیکھا ہو اور کیا سمجھا ہو آپنے بعض کرامات اولیاء کا ظہور فقیر سے چاہا ہی منتظر رہیں سیجعل اللہ بعد عسر یسرا نزدیک ہی کہ اللہ تعالیٰ عسر کے بعد یسر ظاہر فرماویگا آپنے دریافت فرمایا تھا کہ تفسیر نیشاپوری میں لکھا ہی انّ شانئک ھو الابتر بالیاء تحقیق کیا ہی ہمزہ کے ساتھ ہی یا یا کے ساتھ سو واضح ہو کہ ان شانئک ہمزہ کے ساتھ ہی اور وہ جو یاء کے ساتھ لکھا ہے کوئی قرأۃ غیر مشہورہ ہوگی آپنے لکھا تھا کہ بعض مستورات بیعت ہونا چاہتی ہیں اور توجہ کی طلبگار ہیں اگر محارم میں کیا مضائقہ ہی وگرنہ پردہ میں بیٹھیں اور طریقہ اخذ کریں آپنے دریافت فرمایا تھا کہ ہر یک مہینے میں بعض اہل حدیث نے کچھ ایام منہی عنہا قرار دئے ہیں اور ایک حدیث اس بارہ میں نقل کرتے ہیں اسکی کیا اصل ہی واضح ہو کہ والد ماجد فقیر فرماتے تھے کہ شیخ عبداللہ و شیخ رحمت اللہ کہ اکابر محدثین سے تھے اور حرمین شریفین میں بلقب شیخین ملقب تھے کسی ضرورت سے ہندوستان میں تشریف لائے تھے وہ فرماتے تھے کہ اس حدیث کو کرمانی شارح بخاری نے نقل کیا ہی مگر ضعیف ہے حدیث صحیح اس بارہ میں الایام ایام اللہ والعباد عباد اللہ ہی یعنی سب دن اللہ کے ہیں اور سب آدمی اللہ کے بندے ہیں۔ نیز فرماتے تھے کہ دنوں کی نحوست حضرت رحمۃ للعلمین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی ولادت سے زائل ہو گئی ایام نحسات پہلی اُمتوں کی نسبت تھے۔ اور فقیر کا عمل بھی اسی پر ہے کسی دن کو دوسرے دن پر ترجیح نہیں دیتا جب تک ترجیح کسی دن کی شارع سے معلوم نہ ہو جیسے جمعہ کا دن اور رمضان کا مہینا اور مثل اُنکے۔ آپ نے لکھا ہے کہ جو معارف متعلق حمل بار نبوۃ کے ہیں خواجہ محمد اشرف کے مکتوب میں نہیں ملے اُنکو کہاں تلاش کرنا چاہئے سو واضح ہو کہ وہ بڑا مکتوب ہے اُسکی نقل آپکے پاس نہیں پہنچی فقیر نے کہدیا ہے وہ مکتوب نقل ہو کر آپکے پاس پہنچیگا۔ فقط والسلام

معلم (اُستاد) کا ادب و احترام متعلم (شاگرد) پر واجب ہے

مسئلہ مندرجہ عنوان ایک ایسا مسلم الثبوت مسئلہ ہے کہ اسکو کسی دلیل سے ثابت کرنے کی مطلق حاجت نہیں ہے لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی سے یورپ کی دہریت اور مادّہ پرستی اور حد سے زیادہ حریت کی ظلمت نے ان کے دل و دماغ میں اثر کرکے اسلامی روحانیت اور ایمانی روشنی کو فنا کردیا ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ ایسے مسلمہ شرعیہ امور سے انکار کر بیٹھتے ہیں جنکا توارث زماں برکت قرآن حضور رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آجتک بطور تواتر چلا آتا ہے چنانچہ اسی مسئلہ اُستاد کے حق احترام اور تعظیم کی نسبت ادعا کیا جاتا ہے کہ قرآن و حدیث سے اسکا ثبوت نہیں ہے اور نہ اس بارہ میں کوئی صریح آیۃ اور حدیث موجود ہے حال آنکہ قرآن و حدیث میں جابجا اسکا ثبوت موجود ہے مگر کسی کو نہ معلوم ہو تو اسکا کیا علاج ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

میرے نزدیک یہ ایک ایسا فتنہ ہے کہ اگر خدانخواستہ بڑھا تو دینی تعلیم تعلم کا سلسلہ برباد ہوجانے کے علاوہ انتظام مدنیت جسکا مدار بہت کچھ اخلاق و ادب پر منحصر ہے درہم برہم ہوجاویگا اور ہر شخص شتر بے مہار ہوکر انعام اور دواب کی سی حرکات کرنے لگیگا اس لئے مسلمانوں کو اس فتنہ سے بچانے کیلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کو ایسا واضح طور پر بیان کردیا جاوے کہ اس کے بعد پھر کسی شخص کو گو اُسکی غرض نفسانی کتنا ہی مجبور کرے یہ کہنے کی گنجایش نہ رہے کہ معلم (اُستاد) کا حق احترام قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

اس مسئلہ میں اوّل یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ایک کا حق تعظیم و احترام دوسرے پر کس سبب سے واجب ہوتا ہے قرآن اور حدیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ تعظیم و احترام فضل ہے۔ فاضل کا احترام مفضول علیہ پر واجب ہے اور اگر فضل کے ساتھ فاضل کی جانب سے فیضان نعمت

بھی ہو تو اور بھی زیادہ حق تعظیم بڑھ جاویگا اور جسقدر زیادہ فضل ہوگا اُسی نسبت سے مفضول علیہ پر فاضل کی تعظیم و احترام واجب ہوگا دیکھئے بعد خدائے عزوجل کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت ہے اور آپ کی جانب سے فیضان نعمت ہدایت بھی ہے اسی نسبت سے آپ کی تعظیم بھی بعد خدائے عزوجل کے سب سے زیادہ واجب ہوئی قرآن حکیم میں آپکی تعظیم اور ادب کا یہانتک حکم ہے کہ آپ کے روبرو بلند آواز سے بھی گفتگو نہ کی جاوے آیۃ:-

لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند مت کرو-)

اور اُن لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو وراء حجرات بلند آواز سے آپ کو پکارتے تھے جسمیں ایک قسم کی بے ادبی معلوم ہوتی تھی علی ہذا مرتبہ بمرتبہ اور انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام کی تعظیم اُمت پر واجب ہے- ماں باپ کی جانب سے علاوہ اُنکے اُس فضل کے جو اولاد پر قرآن اور حدیث سے ثابت ہے فیضان نعمت وجود و تربیت بھی ہے اسلئے اُنکی تعظیم کی قرآن پاک میں نہایت درجہ تاکید ہے- فلا تقل لهما اف ولا تنهرهما وقل لهما قولا کریما- (اُنکو اُف بھی مت کہہ اور نہ اُنکو جھڑک اور اُن سے تکریم کی بات کر-)

مرد کو عورت پر اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی ہے چنانچہ ارشاد ہے-

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضهم علی بعض- (مرد عورتوں پر حاکم ہیں بوجہ اُس بزرگی کے جو اللہ تعالیٰ نے بعض آدمیوں کو بعض پر دی ہے)

اور نیز ارشاد ہے- للرجال علیهن درجۃ (مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے-)

اُسکی تعظیم کا یہانتک حکم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو سجدہ کرنیکا حکم کرتا تو عورت کو حکم کرتا کہ شوہر کو سجدہ کرے اسی طرح عمر میں فضل ہونیکی وجہ سے بڑی عمر والے کی تعظیم چھوٹے پر واجب ہے من لم یبجل کبیرنا ولم یرحم صغیرنا فلیس منا- (جس نے ہمارے بڑے کی تعظیم نہ کی اور چھوٹے پر رحم نہ کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے-)

و نیز و لیؤمکما اکبرکما- (دونوں میں جو بڑا ہو وہ امامت کرے-)

الغرض فضل موجب تعظیم ہے اور علم اور اہل علم کی فضیلت ظاہر ہے جس سے قرآن اور حدیثیں مملو ہیں چنانچہ ہم ذیل میں چند آیات اور احادیث سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتسلیمات

درج کرتے ہیں اسلئے سعلم بوجہ فضیلت علم مستحق تعظیم ہے قرآن کریم کی آیتوں میں سب سے پہلی آیت اور سب سے پہلی سورت سے علم کی ہی فضیلت ثابت ہوتی ہے :-

اقرأ باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربك الاكرم الذی علّم بالقلم الخ

(اپنے رب کے نام کی برکت سے پڑھ جس نے پیدا کیا انسان کو پیدا کیا ایک بستہ قطرہ خون سے پڑھ اور تیرا رب بڑی بزرگی والا ہے جس نے انسان کو بذریعہ قلم تعلیم دی۔

هل يستوی الذی يعلمون والذين لا يعلمون (انعام)

کیا اہل علم اور غیر اہل علم برابر ہو سکتے ہیں۔

انما يخشى الله من عباده العلماء (ملائکہ)

بندگان الٰہی میں خدا تعالیٰ سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔

وتلك الامثال نضربها للناس وما يعقلها الا العالمون ۔(سورۃ عنکبوت)

یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور اُنکو عالم ہی سمجھتے ہیں۔

وليعلم الذين اوتوا العلم انه الحق من ربك (سورۃ حج)

تاکہ وہ لوگ جان لیں جنکو علم دیا گیا ہے۔

قد فصلنا الايات لقوم يعلمون (سورۃ بقر)

تفصیل سے بیان کردیں ہمنے آیتیں اُس قوم کیلئے جو علم رکھتے ہیں

كذالك نفصّل الايات لقوم يعلمون (اعراف)

اسی طرح بیان کرتے ہیں ہم آیتیں اُس قوم کیلئے جو علم رکھتے ہیں

فتلك حدود الله يبينها لقوم يعلمون (سورۃ بقر)

یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں اُنکو صاف بیان کردیا اُس قوم کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

نفصل الايات لقوم يعلمون (سورۃ توبہ و یونس)

وما يعلم تاويله الا الله والراسخون فی العلم يقولون آمنا به كل من عند ربنا الخ

اس آیت میں اِلَّا اللہ پر بعض نے وقف کیا ہے اور بعض نے وقف نہیں کیا وقف نہ کرنیکی صورت میں آیت کے معنی ہیں کہ متشابہات کی تاویل سوائے اللہ تعالیٰ اور کامل علم والوں کے اور کوئی نہیں جانتا اس سے علم میں کمال رکھنے والوں کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اور وقف کرنیکی صورت میں والراسخون فی العلم مبتدا ہوگا اور یقولون آمنا بہ کل من من عند ربنا اسکی خبر ہوگی معنی یہ ہونگے کہ علم میں کمال رکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم متشابہات پر ایمان لائے متشابہات اور محکمات سب ہمارے پروردگار کی جانب سے ہیں اس صورت میں بھی فضیلت اہل علم کی ثابت ہوئی ۱۲ منہ

سید الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کی فضیلت میں ارشاد فرمایا:۔

علمك مالم تكن تعلم (سورہ نساء)	(تمکو وہ علم دیا جسکو تم نہ جانتے تھے۔)
اور آپ کو دُعا کرنے کا حکم ہوا:۔	
رب زدنی علماً ط	(اے پروردگار میرے علم کو زیادہ کر۔)

ملائکہ پر حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کی حجت باری تعالیٰ شانہ نے علم کو ہی قرار دیا۔

وعلّم آدم الاسماء کلها ثم عرضهم علی الملائكة فقال انبئونی باسماء هٰؤلاء ان كنتم صادقين (سورہ بقر)	جب آدم علیہ السلام سے ارشاد ہوا کہ تم ان اشیار کے نام بتلاؤ اور آدم علیہ السلام نے بتلادئے اور فرشتے نہ بتلا سکے تو اس سے فرشتوں پر حضرت آدم علیہ السلام کی فوقیت ظاہر کی گئی۔ تفسیر بیضاوی میں ہے ان ہذہ الایۃ قول علی شرف الانسان و مزیۃ العلم وفضلہ علی العبادۃ وان آدم افضل من ھؤلاء الملائکۃ لانہ اعلم منہم۔

حدیثین

ان العلماء هم ورثة الانبياء۔ (صحیح بخاری۔ کتاب العلم)	(علماء انبیا کے وارث ہیں۔)

افضل الخلائق صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص فضیلت علمیت۔

عُلِّمتُ علم الاولين والآخرين۔	(مجھے پہلے اور پچھلوں کا علم دیا گیا۔)
وان فضل العالم على العابد كفضل القمر ليلة البدر على سائر الكواكب	(عالم کی بزرگی عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر)
وان العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء لم يورثوا ديناراً ولا درهما انما ورثوا العلم۔	علماء انبیا کے وارث ہیں اور انبیا علیہم السلام نے وراثت میں دینار اور درہم نہیں چھوڑے انہوں نے وراثت میں علم ہی چھوڑا ہے۔ (ترمذی)
ذكر لرسول الله صلى الله عليه وسلم رجلان احدهما عابد والآخر عالم فقال رسول الله	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو شخصوں کی فضیلت کی نسبت ذکر کیا گیا کہ ایک عابد ہے اور دوسرا عالم ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم۔ (ترمذی)

آپ نے فرمایا عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی جیسے میری فضیلت تمہارے ادنیٰ پر۔

فضل فی علم خیر من فضل فی عبادۃ۔

علم میں بزرگی عبادت میں بزرگی سے بہتر ہے۔

ان آیات بینات اور احادیث سرور کائینات علیہ افضل الصّلوات والتسلیمات سے عموماً علماء کی فضیلت خواہ وہ معلم ہوں یا غیر معلم دوسروں پر ثابت ہوتی ہے خواہ متعلم ہوں یا غیر متعلم اب ہم وہ آیتیں اور حدیثیں پیش کرتے ہیں جن سے بالخصوص معلم کی فضیلت اور حق تعظیم اور برتری اور فرمانبرداری متعلم پر ثابت ہوتی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم اٰیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔ (سورۂ اٰل عمران)

اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا کہ اُن میں اُنہیں میں سے رسول بھیجا جو اُنکو اُسکی آیتیں سُناتا ہے اور اُنکے دلوں کو بُرائی سے پاک کرتا ہے اور اُن کو کتاب الٰہی اور معالم شریعت و معرفت کی تعلیم دیتا ہے یہ لوگ آپ کی بعثت سے پہلے صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔

اس آیت سے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معلم ہونا اور آپ کی فضیلت ظاہر ہے اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ معلم ہونا آپ کی اُن صفات خاصّہ میں سے ہے جنکی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں پر احسان فرمایا۔ اسی آیت کے قریب المعنی دوسری جگہ ارشاد ہے۔

ف۱ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام اُمت دعوۃ کے لئے معلم ہیں اسلئے یہ کہنا غلط ہے کہ جن کفار نے آپ کو بھی نہ مانا اُنکے لئے آپ معلم نہیں ہیں اُنہوں نے آپ کی تعلیم کو قبول نہ کیا تو یہ خود اُن کی بدبختی ہے ۱۲

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم اٰیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین و اٰخرین منھم لما یلحقوا بھم۔ (سورۂ جمعہ)

(وہ ہے جس نے بھیجا اَن پڑھوں میں پیغمبر انہیں میں سے۔ پڑھتا ہے اوپر اُنکے نشانیاں اُسکی اور پاک کرتا ہے اُنکو اور سکھاتا ہے اُنکو کتاب اور حکمت اور تحقیق تھے پہلے اس سے البتہ گمراہی ظاہر میں اور اُن لوگوں کو کہ اُن میں سے کہ ابھی نہیں ملے ساتھ اُنکے۔)

اس آیت میں لمّا یلحقوا بھم سے ظاہر فرمادیا کہ جو لوگ آیندہ آنے والے ہیں اور صحابہ میں سے نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُنکے بھی معلم ہیں ف۱ اُسکے تحت میں بیضاوی نے لکھا ہے

هم الذين جاؤا بعد الصحابة الى يوم الدين فان دعوته وتعليمه يعم الجميع[1]۔ (یہ وہ لوگ ہیں جو بعد صحابہ کے قیامت تک ہونگے کیونکہ آپ کی دعوت اور آپ کی تعلیم عام ہے۔)

ایک اور آیت میں بطریق خطاب صحابہ کو فرمایا ہے۔

يتلو عليكم اٰيٰتنا و يزكيكم و يعلمكم مالم تكونوا تعلمون۔ (سورہ بقرہ) (پڑھتا ہے نبی تپر ہماری آیتیں اور تمہارے دلوں کا تذکرہ کرتا ہی اور سکھلاتا ہی تمکو جو تم نہیں جانتے۔)

اس آیت میں اتنی بات زیادہ ہے کہ کتاب و حکمۃ کی تعلیم کے سوا اور بھی وہ علوم سکھلاے جو صحابہ کو معلوم نہ تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دُعا کی اور وہ دُعا بارگاہ الٰہی میں قبول ہوئی۔ اُس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معلم ہونے کی التجا کی۔

ربنا وابعث فيهم رسولا يتلو عليهم اٰيٰتك و يعلمهم الكتاب والحكمة۔ (اى ہمارے پروردگار توان میں ایک رسول بھیج جو انکو تیری آیتیں بتاوے اور کتاب و معالم دین کی تعلیم دے۔)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فضائل میں بھی و يعلمهم الكتاب والحكمة ارشاد ہے۔ سورہ کہف کی ذیل کی آیات میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ پڑھو اور سمجھو کہ معلم (اُستاد) کا کیا مرتبہ ہے اور متعلم (شاگرد) پر معلم (اُستاد) کی کسقدر تعظیم اور فرماں برداری واجب ہے۔ قال له موسىٰ هل اتبعك علىٰ ان تعلمن مما علمت رشدا۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا کیا میں آپکا اتباع کروں اسلئے مجھے اُس علم میں سے کچھ بتائیں جو آپکو دیا گیا ہے۔)

قال انك لن تستطيع معي صبرا و كيف تصبر علىٰ مالم تحط به خبرا قال ستجدني ان شاء الله صابرا ولا اعصى لك امرا۔ (حضرت خضرؑ نے کہا تم میری معیت میں صبر کی طاقت نہ رکھوگے اور تم اُس چیز پر کیسے صبر کرسکتے ہو جسکا تمکو علم نہیں ہے موسیٰ نے کہا تم مجکو انشاء اللہ صبر کرنے والا پاؤگے اور میں تمہاری نافرمانی کسی امر میں نہ کرونگا۔)

قال فان اتبعتني فلا تسئلني عن شيء (حضرت خضرؑ نے کہا کہ اگر تم میرا اتباع کرتے ہو تو کسی چیز کی

---

[1] تفسیر ابو مسعود میں بھی بعینہ یہی عبارت ہے ۱۲

حتیٰ احدث لك منه ذکرا۔ | نسبت سوال نہ کرنا جب تک میں تجھے اُسکا ذکر نہ کروں۔

پہلی آیت سے بدرجہ غایت معلم (اُستاد) کا ادب و احترام ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر جبکہ حضرت خضر کی شاگردی کا ارادہ کرتے ہیں حال آنکہ ابھی تعلیم شروع بھی نہیں ہوئی تو اُن سے مودبانہ درخواست اُنکے اتباع کی کرتے ہیں اور خود کو مثل ایک نہ جاننے والے متعلم کے اُنکے سامنے پیش کرتے ہیں تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے تحت میں لکھا ہے۔

وقد راعی فی ذٰلك غایة التواضع و الادب فاستجهل نفسه واستأذن ان یکون تابعاله وسأل منه ان یرشده وینعم علیه بتعلیم بعض ما انعم الله علیه۔

(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت درجہ کی انکساری اور ادب ملحوظ رکھا خود کو نہ جاننے والا تصور کیا اور اُن سے (بکمال ادب) اتباع کی اجازت چاہی اور ارشاد اور رہنمائی کا سوال کیا اور اُس نعمت علم میں سے جو اللہ تعالیٰ نے اُنکو دی تھی ایک حصّہ کی درخواست کی۔)

دوسری آیت کے ان الفاظ نے ولا اعصی لك امرا۔ معلم (اُستاد) کی تعظیم اور فرمانبرداری کو حد کو پہونچا دیا میں کسی امر میں بھی تمہاری نافرمانی نکرونگا لك کے لام کی تخصیص اور لفظ امر کی تنکیر نے اور بھی اس معنی میں مبالغہ پیدا کر دیا ہے چنانچہ اہل ذوق عربیت پر ظاہر ہے تیسری آیت سے یہ ثابت ہے کہ معلم (اُستاد) کا حق ہے کہ متعلم (شاگرد) کو تعلیم دینے سے اوّل ہدایت کردے۔ کہ اُسکے خلاف نکرے اسکے بعد حضرت خضر کے الم اقل انك لن تستطیع معی صبرا کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا لا تواخذنی بما نسیت | مجھسے اس امر میں مواخذہ مت کرو جو میں بھول گیا

اس سے معلم (اُستاد) کو مواخذہ کرنیکا حق ثابت ہوتا ہے اور یہ کہ متعلم (شاگرد) کو معذرت کر کے اُستاد کو مہربان کر لینا چاہیئے اسکے بعد پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال کرنے پر حضرت خضرؑ نے مکرر کہا الم اقل لك انك لن تستطیع معی صبرا۔

(اس سے معلوم ہوا کہ متعلم کے خلاف کرنے پر معلم کو سرزنش اور عتاب کرنیکا حق ہے بیضاوی نے اس آیت کے تحت میں لکھا ہے۔)

زاد فیه لك مکافحة بالعتاب علی رفض الوصیة۔

(کہنے کے موافق عمل نہ کرنے پر خطاب میں عتاب کیلئے لفظ لك کا زیادہ کیا۔)

جب تیسری مرتبہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام خاموش نہ رہے تو حضرت خضرؑ نے کہا۔

هٰذا فراق بيني وبينك ۔

(اب یہ مجھ میں اور تم میں جُدائی ہے ۔)

اِس سے یہ معلوم ہوا کہ اُستاد کا حق ہو کہ شاگرد کو خلاف کرنے پر اپنے سے علیحدہ کر دے تفسیر بیضاوی میں منجملہ اس قصہ کے فوائد کے لکھا ہے ۔

ويتذلل للمعلم ويراعی الادب فی المقال ۔ وان ينبه المجرم علی جرمه و يعفوا عنه حتی يتحقق اصراره ثم يهاجره ۔

(معلم (اُستاد) کے سامنے متعلم (شاگرد) عاجزی ہی پیش آوے اور گفتگو میں اُسکے ادب کا خیال رکھے اور معلم (استاذ) متعلم (شاگرد) کو اُسکی خطا پر تنبیہ کرے اور تاوقتیکہ خطا پر اصرار ثابت نہ ہو اُسکو معاف کر دے پھر اصرار ثابت ہونے پر اُس سے جدا ہو جاوے

ان آیات بینات کے بعد اب وہ حدیثیں سُنئے جن سے خصوصیت کے ساتھ معلم (اُستاد) کی فضیلت اور اُسکا احترام اور واجب التعظیم ہونا ثابت ہوتا ہے ۔

قال النبی صلی الله علیه وسلم لا حسد الا فی اثنین رجل اتاه الله مالا فسلطه علی هلكته فی الحق و رجل اتاه الله الحكمة فهو يقضی بها و يعلمها ۔ صحیح بخاری جلد اوّل مطبوعہ مصطفائی صفحہ ۱۷

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صرف دو شخص کی حرص کرنا جائز ہے ایک وہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے مال دیا ہے اور اُسکو خدا کی راہ میں بیدریغ خرچ کرنے کی توفیق دی ہی اور ایک وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ نے حکمت و علم دیا ہے وہ اُسکے موافق حکم کرتا ہی اور دوسروں کو اُسکی تعلیم دیتا ہے ۔)

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله وملٰئكته واهل السمٰوٰت والارض حتی النملة فی جحرها وحتی الحوت ليصلون علی معلم الناس الخ ۔ جامع ترمذی

(اللہ تعالیٰ رحمت بھیجتا ہے اور فرشتے اور آسمان اور زمین کے رہنے والے حتی کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں اُس شخص کے لئے دعا کرتی ہیں جو لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتا ہے ۔)

قال ما بعثنی الله من الهدی و العلم كمثل الغيث الكثير اصاب ارضا فكان منها نقية قبلت الماء فانبتت الكلأ والغيث الكثير و كانت منها اجادب امسكت الماء فنفع الله بها الناس فشربوا وسقوا و

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجکو جو علم و ہدایت دیکر اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اُسکی مثال ایسی ہی جیسے بارش بکثرت زمین پر برسے زمین کا ایک حصہ عمدہ ہی پانی کے جذب کرنے اور روئیدگی کے اوگانے کی قابلیت رکھتا ہے اُس نے گھاس اور سبزہ بکثرت اوگایا اور اُنھیں ایک ٹکڑا ایسا ہے جو پانی کو جذب نہیں کرتا اور روک رکھتا ہی اُس سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو نفع پہونچاتا ہی لوگ پانی پیتے ہیں اور

زرعوا واصاب منها طائفة اخری انما هی قیعان لا تمسك الماء ولا تنبت کلاء فذلك مثل من فقه فی دین الله ونفعه مما بعثنی الله به فعلم وعلم ومثل من لم یرفع بذلك راسا ولم یقبل هدی الذی ارسلت به۔
(صحیح بخاری جلد اول)

(پلاتے ہیں اور اُس سے کھیتی کرتے ہیں اور اُس میں ایک حصہ زمین کا ایسا ہی جو نہ پانی کو روک رکھنے کی قابلیت رکھتا ہی اور نہ گھاس وغیرہ اوگا سکتا ہی (کہ اُسمیں پانی کے جذب کرنیکی قابلیت نہیں ہی) پس یہ مجموعہ مثال اُس شخص کی ہی جس نے دین الٰہی میں سمجھہ حاصل کی اور اُس ہدایت سے نفع اُٹھایا جو مجکو اللہ تعالیٰ نے دیکر بھیجا ہے اُس سے علم حاصل کیا اور دوسرونکو سکھلایا اور مثال اُس شخص کی جس نے اِس ہدایت کی طرف سر اُٹھاکر نہ دیکھا اور اِس ہدایت کو قبول نہ کیا جو مجکو دی گئی ہے)

اس بیان میں زمین کی تین حالتیں ذکر فرمائیں۔ ایک عمدہ زمین جو پانی کو جذب کرکے گھاس وغیرہ اوگانے کی قابلیت رکھتی ہی دوسری وہ کہ جذب کرنیکی قابلیت نہیں رکھتی مگر پانی کو روک رکھنے کی قابلیت اُسمیں ہے۔ تیسری وہ کہ نہ اُسمیں پانی کے جذب کرنیکی قابلیت ہے اور نہ روک رکھنے کی یہ تینوں حالتیں منطبق ہیں تین شخصوں پر ایک وہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ہدایت اور علم خدا کی طرف سے دیا گیا ہے اُس نے خود بھی اُس سے فائدہ اُٹھایا اور دوسروں کو بھی ہدایت اور تعلیم دین کی دی دوسرا وہ کہ حامل علم ہے اُس کے علم سے دوسرونکو فائدہ پہونچتا ہے وہ خود منتفع نہیں ہوتا تیسرا وہ محروم کہ نہ وہ خود اُس سے منتفع ہوا اور نہ دوسروں کو نفع پہونچایا ۱۲

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان مما یلحق المومن من عمله وحسناته بعد موته علما علمه ونشره (مشکوۃ)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کو اُسکے عمل اور حسنات میں سے بعد مرگ جن چیزوں کا ثواب پہونچتا ہے علم ہے کہ اُسکی تعلیم دی ہو اور اُسکو شایع کیا ہو۔)

ان رسول الله صلی الله مر بمجلسین فی مسجده فقال کلاهما علی خیر واحدهما افضل من صاحبه اما هولاء فیدعون الله ویرغبون فیه فان شاء اعطاهم

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر دو مجلسوں میں ہوا ان دونوں کی نسبت آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں نیک کام میں لگی ہیں اور ان میں ایک فریق دوسرے فریق سے افضل ہی ان میں یہ لوگ (جو عبادت میں مصروف ہیں) خدا تعالےٰ سے دعا مانگتے ہیں اور اُسکی طرف راغب ہیں اگر چاہے

وان شاء منعهم واما هولاء فيتعلمون الفقه او العلم ويعلمون الجاهل فهم افضل و انما بعثت[۱] معلما (مشکوٰۃ المصابیح)

وہ قبول کرے اور چاہے نہ قبول کرے (اور یہ دوسرا فریق) فقہ سیکھتے میں فرمایا[۲] یا علم سیکھتے ہیں اور نہ جاننے والوں کو تعلیم دیتے ہیں اسلئے یہ افضل ہیں اور مجھکو معلم ہی بناکر بھیجا گیا ہے۔

قرآن مبین اور احادیث سیدالمرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اسی خصوص میں آثار صحابہ اور اقوال سلف صالحین اور اُنکا طرز عمل ملاحظہ فرمایئے اسی ضمن میں ہم بعض ایسی حدیثیں بھی ذکر کرینگے جنکی اسناد گو قوی نہیں ہے اور اصحاب صحاح نے اُنکی توثیق نہیں کی اس حالت میں بھی اُنکا مرتبہ آثار سے کم نہیں ہے۔

باقی آئندہ

[۱] یہ جو بعض شاگردوں کو اُستاد کے ساتھ گستاخی و بے ادبی کا درس دینے والے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع حیثیت صرف نبوت ہے یہ اُنکی غلط فہمی ہے نبی کے معنی ہیں خدا کی طرف سے خبر دینے والا اور جو حکم خداوند تعالیٰ نے دیا ہے اُسکو پہونچانے والا اور یہی معنی امت کو تعلیم دینے کے ہیں بس جامع حیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معلم ہی ہے شاید معلم کے معنٰی صرف یہی سمجھتے ہوں کہ کوئی شخص کتاب کھول کر سامنے بیٹھے اور معلم اُسکو سبق دے ایسی سمجھہ سے یہ بعید نہیں کہ کہا جاوے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی کتاب کھول کر سبق پڑھنے نہیں بیٹھا اسلئے آپ معلم نہیں ہیں انما بعثت معلما کے الفاظ بالتصریح اسکو ثابت کرتے ہیں کہ آپ کی جامع حیثیت معلم ہی ہے۔ کیونکہ انما کا لفظ حصر کے لئے ہے۔ بس اصلی مقصود بعثت تعلیم ہے۔ باقی امور شرعیہ اسکے تحت میں ہیں ؛ ۱۲ ع

[۲] راوی کا شک ہے ۱۲

تربیت السالک و تنجیۃ الہالک

گذشتہ سے پیوستہ

س - حضرت کو یاد ہوگا کہ بوقت تشریف آوری موضع فتحپور ضلع اعظم گڈہ میں حضور نے فدوی کو بعد نماز مغرب مرید فرمایا تھا لیکن اسوقت کسی قسم کی ہدایت و تلقین تعلیم نہ فرمائی گئی بلکہ حضور نے فرمایا کہ اسوقت بات کرنیکی فرصت نہیں ہی بدینوجہ کمترین کچہ پوچھ نہ سکا آیا فدوی کے لئے وہی ہدایات اور وظیفے عامی مشغول کے جو حسب لیاقت اپنے بموجب حکم تحریری سابق حضور کے کیا کرتا ہوں کافی ہے یا اور کچہ مناسب ہے۔

ج - آپ چونکہ صاحب فہم ہیں اسلئے عالم مشغول کے دستور العمل کو مناسب سمجھتا ہوں۔

حال - حضور نے جس روز سے دست مبارک پر اس غلام کو توبہ کرایا کسی قدر سکون قلب کو ہو گیا ہے قبل اسکے نماز اور وظائف میں بہت جلدی کرتا تھا اب عجلت سے نفرت سی معلوم ہونے لگی۔

تحقیق - الحمد للہ۔

حال - نماز تہجد پڑہنے کیواسطے عام اس سے کہ اول شب میں ہو خواہ اخیر شب میں تعداد رکعات معین فرما دیجئے۔

تحقیق - آٹھ یا دس یا بارہ۔

حال - اسوقت تک میری توجہ فقط ظاہری علوم کی طرف رہی ہی اگر میں باطنی کی طرف دہیان کروں تو ظاہری علوم کا ثمرہ شاید حاصل نہ کرسکوں یعنی تصنیف و ظاہری علوم کا افادہ مثلاً اگر ذکر میں مشغول رہوں تو باقی وقت صرف اپنی روزی کمانے میں خرچ ہوگا اور جس غرض کے لئے میں نے اتنے سال محنت کی ہے وہ حاصل نہ ہوگی۔ اس صورت میں میرے لئے عقبیٰ کے خیال سے اصوب و انسب کیا ہے ظاہری علوم کا افادہ بھی میں صرف عاقبت کے خیال سے چاہتا ہوں۔

تحقیق - علوم ظاہرہ کی تقدیم مناسب ہے۔

س - تلاوت زیادہ مقدار میں بہتر ہے یا کم اور تدبر سے۔

ج - دو جلسے ہونا چاہئے ایک میں زائد دوسرے میں کم مع تدبر۔

س۔ مجھے علائق دنیوی بہت حارج ہوتے ہیں لیکن اگر انہیں چھوڑوں تو میرے والدین کو تکلیف اور میرے متعلقین کو رنج اور عسرت ہوتی ہے کیا کیا جائے۔

ج۔ اس صورت میں یہ علائق محض دنیا نہیں بلکہ دین بھی ہیں۔

سوال ۵ اب کچھ اپنی تباہی کا حال بیان کرتا ہوں اُمیدوار ہوں کہ سمع خراشی کی بابت معاف فرمایا جاؤں جسکا یقین کامل ہے حضرت اب تو نہایت ابتر حالت ہے وظیفہ وغیرہ سب ترک ہے اگر بغرض تسبیح لیکر بیٹھتا ہوں جی گھبراتا ہے قید شمار تسبیح سے جی اوجھتا ہے تب خاموش بیٹھ جاتا ہوں اُس میں البتہ کبھی کچھ عرصہ تک نیند کہوں یا کیا کہوں خیر نہیں رہتی کہ کہاں ہوں اور کیا ہوں ہاں اتنا ضرور ہے کہ شغل اشغال قطعًا بند ہیں کیونکہ دل اُلجھتا ہے لیکن اسکا نہونا ہردم سوہان روح ہے اور ایک بات یہ بھی کہتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے کیونکہ خدا جانے میں کچھ سمجھتا ہوں اور ہو کچھ اور وہ یہ ہے کہ زیادہ اوقات میں اور کبھی کبھی ہر کام میں اور کبھی کبھی نہیں بھی دہیان اللہ کا دل میں رہتا ہے اگر کچھ تسکین اسوقت ہے تو اس سے ہے کہ اگرچہ زبانی یا بقصد تسبیح کے ذکر نہیں کرتا ہوں۔ خیر یہ بھی غنیمت ہے کہ کبھی دہیاں تو اپنے اللہ کا آجاتا ہے بیشتر جو سوز و گداز اور غلبہ رہتا تھا اس کا پتہ بھی نہیں ہے اب فرمائیے کہ یہ کیا حالت واقع ہوئی اور کیا علاج کیا جاوے۔ کل صفحہ ۹۶ رسالہ تعلیم الدین پڑھ رہا تھا کہ ایک موقع جہاں پر حضور نے لغزشات سالک تحریر فرمائی ہیں نظر سے گذرا بجنسہ اپنی حالت کو اعراض حجاب تفاضل سلب مزید سلب قدیم تسلی میں مبتلا پایا مگر الحمد للہ کہ عداوت نہیں پائی جاتی اب فرمائیے کیا ہوا اور کیا کروں آپنے تحریر فرمایا ہے کہ سالک اگر عبادت میں کوتاہی کرتا ہے تو راجع ہو جاتا ہے۔ اب یہ فرمائیے کہ میں کس ذیل میں ہوں للہ جلد جواب دیجئیگا اور علاج فرمائیگا کیونکہ تحریر مذکور الصدر کو دیکھکر میرا دل بیقرار ہو گیا ہے اور بدحواسی سی پیدا ہو جاتی ہے جسکا کیا بیان کروں دل ہی جانتا ہے اگر خدانخواستہ کوئی بات خلاف ظہور میں آوے تو اللہ کو علم ہے کہ میری کیا حالت ہوگی للہ صاف صاف جواب تحریر فرمائیگا ہر چہ بادا باد اللہ آپ کو جزاء خیر عطا فرماویں اور حضور کو مع متعلقین

ع۵ تربیۃ السالک کے خطبہ میں لکھا گیا تھا کہ "امداد الفتاوی میں جو مضامین اس رسالہ کے رنگ کے نقل کر دیئے گئے ہیں اس رسالہ میں اُنکے لینے کا بھی ارادہ ہے" پس یہاں سے وہی مضامین شروع ہوتے ہیں اور جہاں یہ ختم ہونگے حاشیہ ہی میں لکھدیا جاویگا ۱۲ منہ

خوش و خرم رکھیں آمین ثم آمین پیشتر اس قدر تسبیح پڑھتا تھا کہ تیس تیس ہزار تسبیح علاوہ نماز و نوافل کے روزمرہ ہوجاتی تھیں اور ایک ذوق ہوتا تھا اب قسمت میری یہ حالت واقع ہوئی بہرحال اللہ کا شکر ہے پیشتر جوش و خروش ابتدا میں تھا اب ایک معمولی حالت ہوگئی ہے کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوئی بلکہ پیشتر سے اپنے میں بدرجہا کمی معلوم ہوتی ہے۔ میرے خیال میں پیشتر سے بعوض ترقی کے کمی معلوم ہوتی ہے اب آپ تحریر فرمائیے کہ کیا ہے خدانخواستہ جو عبارت تعلیم الدین میں تحریر ہے جسکا حوالہ دیا گیا ہے وہ کیفیت تو نہیں ہے مختصراً یہ عرض ہے کہ اب ذکر وغیرہ کچھہ نہیں بن پڑتا ہے۔ البتہ میرے خیال میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ فکر کچھہ ضرور ہے کیونکہ دل میں اللہ کی یاد کبھی کبھی ضرور رہتی ہے یہ کمی اشغال و معمولات نہ معلوم کیوں ہوگئی براہ کرم مطلع فرمایا جاؤں بعض دفعہ اپنی تصویر مجسم اپنے روبرو بیٹھے ہوئے نظر آتی ہے ہرچند آنکھ بند رہتی ہے کبھی کبھی آنکھ بند کرلینے سے جو چیز روشن ہو یا مثل رنگ آسمان کے ہو آنکھوں پر ہاتھ رکھ لینے سے بھی نظر آتی ہے مثلاً ایک تجربہ یہ کہ ایک روز اپنی چارپائی پر لیٹا ہوا تھا سامنے دروازہ کے ایک چھجہ تھا اور اُس پر کچھہ کھلا ہوا مطلع اندر مکان سے نظر پڑتا تھا آنکھ بند کرکے جو دیکھا تو وہی نقشہ نظر آیا پھر آنکھوں پر ہاتھ رکھکر دیکھا بجنسہ نظر آیا۔ فقط

الجواب، مشفقم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ آپ کا حال اچھا خاصہ ہے عبادت کے مختلف طریقے ہیں فکر بھی عبادت ہے ذکر بلا قید عدد بھی عبادت ہے اپنے کو ذلیل و خوار قاصر و ناقص سمجھنا بھی عبادت ہے غرض مقصود ہر حال میں حاصل ہے ہاں مذموم حالت دو ہیں ایک معصیت دوسری غفلت سو یہ بفضلہ تعالیٰ نہیں ہے رہا غلبہ اور شوق یہ حالات عارضیہ میں سے ہے اس کا فقدان سالک کو مضر نہیں اور نہ یہ کیفیت بعینہ قائم و دائم رہ سکتی ہے جن حجابات کا آپ کو شبہ ہوگیا ہے وہ محض وہم ہے اور کچھہ نہیں ہر آپ بلا دلیل محض تقلید سے میری تحریر پر مطمئن رہئے اور اپنے کام میں سہولت اور راحت سے لگے رہئے پریشانی سے البتہ قلب ضعیف ہوجاتا ہے جس میں مضر ہونے کا احتمال ہے غرض نہ آپ مریض نہ علاج کے محتاج البتہ فن کے نہ جاننے سے صحت کی خبر نہیں سو یہ بھی کوئی ضرر کی بات نہیں۔ اس[1] میں جو تحریر فرمایا ہے وہ تصرف قوت متخیلہ کا ہے اکثر حس

---

[1] یہ جواب ہے اس عبارت کا جس میں سائل نے لکھا تھا کہ لون آسمان وغیرہ کا آنکھ بند کرنے سے نظر آتا ہے ۱۲

مشترک ہیں الوان و انوار مرئی کے رہ جاتے ہیں جو آنکھ بند کرنے سے بھی نظر آتے ہیں یہ نہ محمود ہے نہ مذموم تردد نہ فرماویں۔ فقط

سوال۔ حضرت اقدس مولانا صاحب۔ بعد سلام مسنون آنکہ نامۂ سامی رسید قبول بیعت منکوحہ بندہ معلوم گردید خرسندگی لانہایت حاصل گردید وظیفہ مرقومہ راحسب فرمان جناب تعلیم یافت و بالفعل آن خادمہ جناب امیدوار است از ذکر اذکار نیز ارشاد فرمایند زیادہ از طرف او سلام و اُمید دعا است۔

الجواب۔ عزیزمن۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ زنان را اوراد و وظائف بس است اذکار کہ بطور اشغال می باشند مناسب حال اوشان نیست ہاں اگر نزدیک معلم باشند لاباس بہ است اگر زیادہ اصرار و رغبت یابند اسم ذات اللہ اللہ شش ہزار بار بخلوت نشستہ خواندن امر فرمایند و ہر تغیرے کہ در حالت پیش آید بزودی ہر چہ تمامتر اطلاع دادہ باشند اوشاں را از من سلام و دعا رسانند۔

سوال۔ ربط القلب بالشیخ کے کیا معنی ہیں۔

الجواب۔ حقیقت اسکی شیخ سے ازیاد محبت ہے اور صورت اسکی شیخ کا تصور ہے جو احیاناً سبب محبت کا ہوتا ہے اور فائدہ اُسکی حقیقت کا افاضہ برکات و انوار ہی اور فائدہ اُس کی صورت کا دفع خطرات ہی مگر حقیقت و صورت دونوں میں یہ شرط ہی کہ حدود شرعیہ سے علماً و عملاً متجاوز نہ ہو ورنہ معصیت و بدعت سے نسبت باطنی ظلمانی ہوجاویگی فقط واللہ اعلم۔

سوال۔ جذبہ کی کیا حقیقت ہے۔

الجواب۔ بلاواسطۂ اکتساب و مجاہدہ جو احوال باطنیہ حاصل ہوجاتے ہیں اُسکو جذب کہتے ہیں اور اجتبا و محبوبیت اور مرادیت بھی کہتے ہیں فقط واللہ اعلم۔

سوال۔ ذکر جلی اور خفی کرنیکا کیا طریقہ ہے۔

الجواب۔ بعض کی اصطلاح میں قلبی کو خفی اور لسانی کو جلی کہتے ہیں۔ اور بعض کی اصطلاح میں لسانی کے جہر کو جلی اور غیر جہر کو خفی کہتے ہیں اور طریقے دونوں کے کتب سلوک میں مذکور ہیں مگر بدون تعیین شیخ کے خود کسی طریق کو اختیار کرنا نافع نہیں حصول نسبت میں۔

سوال۔ ذکر جلی کی حد کیا ہے۔

الجواب۔ ادنیٰ کی حد تو معین ہے اصطلاح اوّل پر تو تحریک لسان اور اصطلاح ثانی پر اسماع نفس خود کما صرح بہ الفقہاء لیکن اکثر کی کوئی حد نہیں اپنے نشاط پر موقوف ہے مگر اُسکے جواز کی یہ شرط ہے کہ کسی مصلی یا نائم کو تشویش و ایذا نہ ہو کما صرح الفقہاء بہ۔ فقط واللہ اعلم*

سوال۔ قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم۔ بعد سلام سنت الاسلام آنکہ اس احقر نے اپنے مرشد کی حیات ظاہری میں قریب پانچ سال کے ریاضت شاقہ کر کے کسی قدر دل کی صفائی حاصل کی تھی اور اُمید تھی کہ نقشہ حب الٰہی کا دل پر منقش ہو جائیگا مگر بقول شخصے ؎

تہیدستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

مولانا رح کی عمر نے وفا نہ کی سب بنا بنایا کھیل بگڑ گیا نفس اور شیطان جو انسان کے حقیقی دشمن ہیں اُنکا قابو چل گیا۔ ؎

قافلہ سالار آگے چلدیا قافلہ جنگل میں ٹکراتا رہا

کچھ عرصہ تک تو ذوق و شوق رہا آخر کو اُسمیں کمی شروع ہوئی غرض کہ اب حالت ناگفتہ بہ تک پہونچگئی نہ کہتے بن پڑتی ہے نہ چھپانے سے کام چلتا ہے طبیب حاذق سے مرض چھپانا گویا کہ اپنی موت کا سامان کر لینا ہے چونکہ عرصہ سے احقر کا میلان خاطر حضور پر نور کی طرف ہے اس لئے آپ سے زیادہ کوئی اپنا معالج نہیں سمجھ سکتا اور اللہ کی ذات سے اُمید ہے کہ بہت جلد اصلاح اور درستی ہو جائیگی مفصل حالات تحریر کرنے کیواسطے تو ایک دفتر چاہیئے مگر کسی قدر مجملاً حضور کی اطلاع کیواسطے تحریر کرتا ہوں۔ چھ ماہ کا عرصہ ہوا کہ ایک عورت جسکا چال چلن اچھا نہیں ہے خواہ مخواہ میری طرف بر جوع ہو گئی اوّل تو اپنے ناز و انداز سے میرے دل کو لبھایا اور جب اپنے اوپر اُس نے مجھکو فریفتہ کر لیا تو خود بخود کشش کرنے لگی بس اُسکا کھچنا میرے لئے قیامت کا آجانا ہو گیا۔ یعنی بقول کا مزا در دفراق کی لذت ہجر کی کیفیت وصل کی طلب کا پورا پورا ذائقہ آگیا قصہ حضرت شیخ صنعان رح کا جو منطق الطیر میں پڑھا تھا وہ ہو بہو مجھ پر صادق آگیا جو جو کچھ نہ کرنا تھا کیا۔ **مصرع**

کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کرینگے*

ورد وظائف تو درکنار نماز تک چھوٹ گئی اُسکے ہی نام کا وظیفہ اور باتیں ورد زبان ہونے لگیں اور اُسی کے روئے کتابی کا مطالعہ کرنے لگا ؎

عشق کے مکتب میں آیا ہوں دبستان چھوڑ کر ــــ اب پڑھا کرتا ہوں حسن وعشق قرآن چھوڑ کر

غرض کہ اس جنوں کا اس وقت پورا شباب ہے اُسکے وصل کی تدبیریں ہوں مگر کبھی کبھی خیال میں آجاتا ہے افسوس کیا حال ہوگیا مصرع بتوں کو پوجتا ہوں اور پھر سید ہا مسلمان ہوں۔

اسی خیال میں تھا کہ آج حضور کو خط تحریر کیا اگرچہ بہت روز سے چاہتا تھا کہ آپ کو تحریر کروں مگر وقت نہیں آیا تھا اب اسکا وقت آگیا اور خدا تعالیٰ کی ذات سے اُمید ہے کہ اب اصلاح ہوجائیگی اسلئے عجز وانکسار کے ساتھ عرض ہے کہ اس احقر کو ورطۂ ہلاکت سے نکالئے بِللہ میرے واسطے دُعا فرمایئے آپ پر میرا حق ہے آپ مجھکو اپنا غلام تصور کریں اور دعا کریں یہ امر قابل توجہ ہے کہ میری طبیعت بالکل پھر جائے اور برگشتہ ہوجائے بیشتر اس سے کہ وہ مجھ سے کشش کرے ورنہ میرے لئے قیامت ہوجائیگی گستاخی معاف فرماویں ضروری امر تھا جسکی وجہ سے تحریر کیا گیا یہ سب امور لغویات میں سے ہیں اصل اصول عشق خداوندی ہے اللہ تعالیٰ اپنا عشق اور اپنے حبیب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت عطا فرماوے۔ آمین۔

الجواب مشفقم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اوّل یہ سمجھ لینا چاہئے کہ بدون ہمت کے آسان سے آسان کام بھی نہیں ہوتا دیکھئے امراض ظاہری میں علاج کیلئے دوائے تلخ وناگوار پینا پڑتی ہے چونکہ صحت مطلوب ہوتی ہے اسلئے ہمت کرکے پی جاتے ہیں اور امراض باطنی میں تو زیادہ اسکی ضرورت ہوگی جب یہ امر معلوم ہوگیا تو اب اس کا علاج سنئے اور ہمت کرکے بنام خدا اس کا استعمال کیجئے انشاء اللہ تعالیٰ شفائے کامل حاصل ہوگی۔ علاج اُسکا مرکب ہے چند اجزاء سے۔

(باقی آیندہ)

کہ دعا کے مؤثر ہونے اور وعدہ اجابت کے ساتھ کچھ شرائط و آداب شرع نے ایسے بھی بتلائے ہیں جنکے بغیر دعا مؤثر نہیں ہوتی۔ گویا حقیقت میں دُعا پر دُعا ہونیکا اطلاق اُسوقت ہوتا ہے جبکہ شرائط و آداب کو جامع ہو۔ اسلئے مناسب ہے کہ دعا کے آداب و شرائط کو بھی اسقدر بیان کردیں جس کی ضرورت ہے۔

(۱) دعا سے پہلے تمام خطایا و ذنوب سے توبہ کرے۔ اور ماکول و مشروب و لباس اُسکا طیب و طاہر ہو تا کہ ظاہر دعا اُسکے حال سے مطابق ہو جاوے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اُٹھا کر یا ربّ کہتا ہے۔ لیکن اُسکی دعا کیونکر قبول ہو سکتی ہے جبکہ اُسکا کھانا پینا اور لباس سب حرام ہے۔

(۲) حصول مطلب میں جلدی نہ کرے۔ اور دعا کرنا اس بنا پر نہ چھوڑے کہ میں نے دعا کی تھی قبول نہ ہوئی۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

یستجاب للعبد مالم یدع باثم ولا قطیعۃ رحم ومالم یستعجل۔

(بندہ کی دعا اُسوقت تک قبول ہوتی ہے جب تک کہ معصیت کے کام کی دعا نکرے اور کسی قرابتدار عزیز سے قطع رحم کی دعا نکرے اور جبتک کہ قبولیت دعا میں جلدی نکرے۔) ۳۳

علی ابن منصور قدس اللہ سرہ سے کسی نے پوچھا۔ ہم دعا کرتے ہیں مگر قبول نہیں ہوتی۔ فرمایا کہ قبولیت کیلئے بندہ کا آلائش معاصی سے پاک ہونا شرط ہے۔ بعض علماء سے سوال کیا گیا۔ ہمکو کیا کرنا چاہیے جسکی وجہ سے دعا مقبول ہو۔ فرمایا تمپر ضروری ہے کہ کھانا اور لباس طیب و حلال ہو۔ سائل نے کہا اس زمانہ میں یہ باتیں کیونکر میسر آسکتی ہیں۔ فرمایا کہ جب دعا کرنا چاہو تو برہنہ ہو کر پانی میں گھس جاؤ۔ اور اُسمیں سے چند گھونٹ پی لو۔ یہ پانی لباس اور غذا بن جائیگا۔ اور اُسوقت دعا کرو آثار اجابت ظاہر ہونگے۔ اُسنے ایسا ہی کیا اور مدعا میں کامیاب ہوا۔

(۳) اپنے مطلب کا سوال بلا تردد کرنا چاہیئے۔ اور سوال میں الحاح ہونا چاہیئے۔ یہ نہ کہے کہ الٰہی چاہے تو میری مغفرت کردے یا مجھکو میرا مطلوب عطا فرما دے۔ حدیث شریف میں ہے

اذا دعا احدکم فلا یقل اللھم اغفرلی ان شئت ارحمنی ان شئت

(جب کوئی شخص دعا کرے تو یہ نہ کہے کہ الٰہی تو چاہے تو مغفرت کردے تو چاہے تو رحم فرما تو چاہے تو رزق دے۔)

۱؎ شرح شرعۃ الاسلام صفحہ ۱۶۳ ۱۲ ۲؎ شرح شرعۃ الاسلام صفحہ ۱۶۴ ۱۲

ارزقنی ان شئت - ولیعزم المسئلة انه یفعل ما یشاء ولا مکرہ له -

دعا تو اس جزم و یقین کے ساتھ کرنی چاہیئے کہ خدا تعالےٰ ضرور مدعا کو پورا کریگا - وہ جو چاہتا ہی اپنے اختیار سے کرتا ہے - اُسپر کوئی جبر کرنے والا نہیں ۱۲

حاصل یہ ہی کہ بندہ کو خدا کے فضل اُسکے جود و عطاء اُسکی قدرۃ غیر متناہی اُسکے خزائن بیشمار پر اعتماد کرکے جزم و یقین کے ساتھ سوال کرنا چاہیئے وجہ تردد کیا ہے - کیا وہ قادر نہیں - کیا اُسکے خزانہ میں کمی ہی کیا وہ جواد و مفضال نہیں - ہمارے جزم و یقین سے اُسکے اختیارات سلب نہیں ہو جاتے - ہمکو اس تلقین کرنیکی حاجت نہیں کہ الٰہی تو چاہے تو کردے -

(۴) دعا حضور قلب اور خشوع و خضوع سے کرنی چاہیئے - اور دعا کیوقت اجابت و قبولیت کا یقین ہونا چاہیئے - حدیث شریف میں وارد ہے -

ادعوا الله وانتم موقنون بالاجابة واعلموا ان الله لا یقبل دعاءً من قلب غافل لاہٍ - ۳۴

(خدا سے اس طرح دعا کرو کہ تمکو اجابت و قبولیت کا یقین ہو اور جان لو کہ اللہ تعالےٰ ایسی دعا کو جو غافل اور بے پروا دل سے نکلی ہو قبول نہیں فرماتا -

یہاں پر یہ خلجان ہوسکتا ہے کہ حضور قلب کا دعا کیلئے شرط ہونا تو ظاہر ہے - لیکن اجابت و قبولیت کے یقین کرلینے کو شرائط دعا میں کسوجہ سے داخل کیا گیا ہے - بندہ کا کام سوال کرنیکا ہے اگر دعا کے تمام شرائط و آداب کماحقہ بھی پائے جائیں تو کیا ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ دعا کو قبول ہی فرمائے - کیونکہ وہ قادر مختار ہے - کوئی چیز اور کوئی حالت اُسکو کسی امر پر مجبور نہیں کرسکتی - مگر یہ خلجان عدم تامل و غور کیوجہ سے پیدا ہوا ہے - تفصیل اسکی یہ ہے کہ بندہ کو جیسے اپنی تمام حاجات خداوند تعالےٰ کے سامنے پیش کرنیکا حکم ہے - ایسا ہی اُسکو یہ بھی حکم ہے کہ جب اجابت دعا کے تمام سامان جمع ہیں اور جسکے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے وہاں کوئی امر مانع اجابت دعا نہیں ہے - نہ وہ کسی بڑے سے بڑے مطلوب کو پورا کرنے سے عاجز ہے نہ اُسکے خزانہ میں کسی چیز کی کمی ہے - اور نہ بے خبر ہے کہ کسی داعی کی دُعا کا اُسکو علم نہو - اور وہ کریم بھی ہے اور اُسکا وعدہ بھی ہے کہ تم دعا کیا کرو ہم قبول کرینگے - پھر اگر باوجود ان تمام امور کے وہ اجابت میں تردد کرے تو گویا اُسکو امور مذکورہ بالا میں کسی امر میں تردد و شک ہے -

یہ ظاہر ہے کہ اجابت دُعا کا یقین کر لینے سے خدا تعالیٰ کا اختیار ساقط نہیں ہوتا۔ نہ وہ قبول دعا پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مگر بندہ کا کام یہی ہے کہ اپنی طرف سے یقین کامل کرے۔ ورنہ یا اُس کی بندگی میں نقص ہے یا معاذ اللہ خداوند عالم کی صفات کمال میں سے کسی صفت کے اندر شک ہے۔
روایت ہے کہ ایک فقیہ جسکا نام حسن تھا۔ ابو عثمان کی بیمار پرسی کو گئے اور اُن سے جاکر کہا کہ اے ابو عثمان آپ کو تو وہ روایات پہونچی ہوئی ہیں جو مریض کے دعاء مقبول ہونے کے بارہ میں مروی ہیں۔ پھر آپ اپنے لئے کیوں دعا نہیں کرتے۔ یہ سُنکر اُنہوں نے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور کتاب اللہ کی چند آیتیں تلاوت کرکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجکر دعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے ہمنے بھی ہاتھ اُٹھائے۔ جب دعا سے فارغ ہو چکے تو اُنہوں نے قسم کھاکر کہا مبارک ہو تمہاری دعا قبول ہوگئی۔ میں نے کہا آپ خدا تعالیٰ پر قسم کھاتے ہیں اُنہوں نے جواب میں کہا بیشک میں قسم کھاکر کہتا ہوں کہ دعا قبول ہوگئی۔ بھلا تم کوئی خبر بیان کرو تو ہم اُسکی تصدیق کر لیتے اور تمکو سچا جانتے ہیں۔ حق تعالیٰ ہمسے کچھ وعدہ کرے ہم اُسکی تصدیق نہ کریں۔ حق تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

وقال ربکم ادعونی استجب لکم۔	(تمھارا پروردگار فرماتا ہے مجھسے دعا کیا کرو میں قبول کیا کرونگا) ۳۵

رہی یہ بات کہ باوجود شرائط و آداب دعاء کے مہیا ہونے اور باوجود تیقن اجابت و قبولیت کے بسا اوقات آثار قبولیت ظاہر نہیں ہوتے اسکا جواب ہم دوسرے موقع پر دینگے۔
(۵) دعا کیوقت آواز بلند نہ کرے۔ بلکہ اخفاء کرے اور آواز کو حتی الوسع پست رکھے اور سواء اُن مواقع کے جہاں جہر کا حکم یا اجازت ہے جہر نہ کرے۔ اور مواقع مخصوصہ کے جہر میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھے۔ کیونکہ اول تو خشوع قلب کا اقتضاء یہ ہے کہ زبان بھی پست ہو جائے اور بلند آوازی ظاہری طور پر علامت عدم خشوع کی ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ اواز بلند کرنے میں یہ بھی ایہام ہے کہ کہ خدا تعالیٰ پست آواز کو نہیں سنتا۔ دیکھو حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا	(جبکہ زکریا علیہ السلام نے اپنے رب کو خفی آواز سے پکارا)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ	(اپنے رب کو تضرع کیساتھ مخفی طور پر پکارو۔)

سلہ ماخوذ از شرح شرعۃ الاسلام صفحہ ۱۶۳

ایک حدیث میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قال قدمنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما دنونا من المدینہ کبر وکبر الناس ورفعوا اصواتھم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ایھا الناس ان الذی تدعون لیس باصم ولا غائب ان الذی تدعون بینکم و بین اعناق رکابکم۔

(آئے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ اور جب مدینہ کے قریب پہونچے تو آپ نے تکبیر کہی لوگوں نے بھی تکبیر کہی اور آواز کو بلند کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جسکو تم پکارتے ہو نہ وہ بہرا ہے۔ اور نہ غائب ہے۔ وہ تو تمہارے اور تمہاری سواریوں کی گردنوں کے درمیان میں ہے۔

(۶) دعا کیوقت بہ تکلف قافیہ بندی اور اظہار فصاحت سے پرہیز کرے۔ بلا تکلف وتصنع وبلا ارادہ اگر کلام فصیح وبلیغ مقفی ومسجع زبان پر آجائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ اسلئے کہ کلام کو بہ تکلف مقفی ومسجع کرنا اسکی دلیل ہے کہ دل طلب حاجت کی طرف پوری طرح متوجہ نہیں ہے۔ اور نہ اُسمیں خشوع وخضوع مطلوب موجود ہے۔ اسی طرح اظہار فصاحت بھی خشوع قلب کے منافی ہے دعا کیوقت اپنی ذلت عجز ومسکنت کا اظہار کرنا چاہیئے۔ نہ کہ قادر الکلامی۔ فصاحت۔ اور لسّانی کا۔ بعض اکابر کا قول ہے۔ ۳۶

اُدعُ اللہ بلسان الذلۃ والافتقار لا بلسان الفصاحۃ والانطلاق۔

(خدا تعالیٰ کو ذلت اور احتیاج کی زبان سے پکارنا چاہیئے نہ کہ فصاحت اور گویائی سے۔)

(۷) دعا اصرار اور الحاح کے ساتھ ہونی اور اُسپر مواظبت ومداومت کرنی چاہیئے۔

حدیث شریف میں وارد ہے۔

ان اللہ یحب المُلحِّین فی الدعاء

(خداوند تعالیٰ دعا میں الحاح کرنے والوں اور گڑگڑانے والوں کو پسند کرتا ہے۔)

(۸) نعمت وثروت۔ فراخی وخوش حالی تنعم وترفہ۔ فقر وتنگدستی۔ شدائد ومصائب دونوں حالتوں میں دعا کرتا رہے۔ ایسا نہو کہ اول حالات میں تو خدا تعالیٰ کو بھول جائے اور جب سختی و مصیبت کا وقت آئے تو اُسکو خدا یاد آئے۔ یہ بات شان عبدیت کے بالکل خلاف اور حالات کفار

و مشرکین سے اشبہ و اوفق ہو۔ انکا حال بھی یہی تھا کہ جب جہاز میں سوار ہوتے اور سمندر کے ہیبتناک تموج کو دیکھکر ہوش اوڑتے تو تمام خود تراشیدہ معبودوں کو بھلا کر اسی ذات پاک واحد کو پکارتے تھے۔ لیکن خشکی پر قدم رکھتے ہی پھر شرک شروع کر دیتے تھے۔ اکثر مترفہین و متنعمین اسی بلا میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو جاتے اور اس درجہ پر پہونچ جاتے ہیں کہ سختی و مصیبت کے وقت بھی انابت و رجوع الی اللہ کی نوبت نہیں آتی۔ اور اگر مجبور ہو کر رجوع بھی کرتے ہیں تو گو رحمت عامہ خداوندی سب کیلئے عام و شامل ہے۔ اسمیں صالح و طالح سب حصہ دار ہیں لیکن خدا تعالی نے باوجود رحمت عام کے دونوں کا استحقاق برابر نہیں رکھا۔ وہ اپنے فضل سے جو چاہے کرے۔ مگر وہ شخص اسی بات کا مستوجب ہے کہ سخت توبیخ و زجر کیساتھ اسکو

الآن و قد عصیت قبل و کنت من المفسدین۔	(کیا تو اب توبہ اور رجوع کرتا ہے۔ اور پہلے سے نافرمان تھا اور مفسدین میں سے تھا)

۳۷ سے خطاب کیا جائے۔ حق تعالی خود فرماتا ہے۔

افنجعل المسلمین کالمجرمین۔	(کیا ہم مسلمین کو مجرمین کی برابر کر دیں۔)

مومن کی شان اور حالت کا اقتضا یہی ہے کہ دونوں حالتوں میں خدا تعالی کو نہ بھولے اور اپنے آپ کو بندہ۔ عاجز۔ مجبور۔ محتاج اور مفتقر کے سوا کچھ نہ سمجھے۔ اور مومن کو جو اپنے آپ کو مخلوق و بندہ سمجھتا ہے۔ اسکے سوا سمجھنے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔ وہ کسیوقت بھی دعا سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اوّل تو اسوجہ سے کہ حالت تنعم زیادہ اندیشناک ہوتی ہے۔ کمظرف انسان ثروت و جاہ کی لذتوں سے آشنا ہو کر بہت جلد فرعون بنجاتا اور خدا تعالی کو بھولنے لگ جاتا ہے۔ ایسے وقت اسکو ثبات علی الدین چاہئے اور کبر و نخوت بطر و ریاء سے احتراز کرنا بہت ضروری ہے۔ دوسرے اسوجہ سے کہ دنیا میں کوئی نعمت ایسی نہیں ہو جس سے اوپر کوئی نعمت و دولت نہو۔ پھر وہ نعمت کے کسی درجہ میں ہو اسکو اس سے اعلی درجہ کے حصول کی دعا کرنی چاہیئے۔ حضرت عمر ابن عبد العزیز فرماتے تھے کہ میرا نفس مشتاق مزید نعمت کا رہتا ہے۔ جب ایک تمنا پوری ہو جاتی ہے تو اس سے اوپر کی آرزو کرتا ہے مجھے تمنا تھی کہ چچا کی بیٹی یعنی فاطمہ بنت عبد الملک سے عقد ہو جاے۔ یہ ہو گیا۔

پھر تمنا ہوئی کہ مدینہ منورہ کا والی ہوجاؤں۔ یہ بھی ہوگیا تو اب تمنا ہوئی کہ خلافت ملجائے۔ اب خلافت بھی ملگئی تو اب سب سے بڑی دولت ونعمت یعنی جنت ورضاء خداوندعالم کی آرزو ہے۔

تیسرے اسوجہ سے کہ دنیا میں ہر قسم کی نعمتوں کا مجتمع ہونا کسی ایک فرد میں بظاہر دشوار اور ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ اگر کسی کو مال ودولت حاصل ہے تو صحت نہیں صحت ہے تو فراغ قلب نہیں۔ دشمنوں کے خوف سے ماموں نہیں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور خود اس نعمت کے زوال سے بھی ماموں نہیں ہے۔ ایسی حالت میں اُسکو نعمت موجودہ کی بقاء اور دوسری نعمتوں کے حصول کیلئے دُعا کرنی چاہیئے۔ اُس شخص سے زیادہ ناداں۔ جاہل کودن قدرت خداوندی سے ناواقف کون ہوگا جو موجودہ حالت پر مغرور ہوکر منعم حقیقی اور قادر مطلق کو بھلا بیٹھے۔

ان کے علاوہ یہ ہے کہ جو شخص ایسی حالت میں جبکہ بظاہر اُسکو ہر قسم کی نعمتیں حاصل ہیں برابر خدا تعالےٰ کی درگاہ میں دست سوال دراز کرتا اور اپنی ذلت وافتقار کا اقرار کرتا رہتا ہے وہ حزب اللہ میں داخل اور خواص میں شمار ہوجاتا ہے۔ اور دربار خداوندی میں اُسکی ایسی عزّت ووقعت قائم ہوجاتی ہے کہ اگر وہ کسی بات پر اڑ بیٹھے اور حتمی طور پر اپنی دعا کی قبولیت کا دعویٰ کر بیٹھے تو خدا تعالےٰ کے یہاں بھی اُسکی عزت قائم رکھی جاتی اور اُسکی بات پوری کردی جاتی ہے۔ دیکھو حدیث شریف ۳۸

میں وارد ہے۔

رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَدْ فُوْعٍ بالابواب لَوْ اقسم علی اللہ لَاَبَرَّہٗ[۱] -

(بہت سے پراگندہ بال غبار آلود وہ شخص جسکو دروازوں پر دھکے دیکر نکال دیا جاتا ہے۔ خدا کے یہاں ایسی وجاہت و مرتبہ والے ہیں کہ اگر خدا پر کسی بات کے کرنیکی قسم کھا بیٹھیں تو خدا تعالیٰ اُنکی قسم کو پورا فرما دیتا ہے۔)

یعنی ظاہر میں یہ لوگ کم حیثیت ہیں۔ کوئی اُنکی قدر ومنزلت نہیں جانتا۔ مگر خدا کے یہاں صاحب وجاہت ہیں۔ یہ وجاہت اُنکو کیسے حاصل ہوئی محض عبادت تضرع اور افتقار الی اللہ کی وجہ سے اور یہی وہ دعا ہے۔

پھر جب ایسا شخص شدائد ومحن میں مبتلا ہوکر گڑگڑائیگا اجابت وقبولیت ضرور اُسکا استقبال کریگی۔ عبداللہ[۲] ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

[۱] مشکوۃ صفحہ ۴۴۸ ۱۲ [۲] شرح شرعۃ الاسلام صفحہ ۱۶۶ ۱۲

یا غلام احفظ اللہ فی الخلوات یحفظك فی الفلوات۔ (میاں صاحبزادی حقوق اور فرایض و آداب شریعت کی محافظت خلوت اور تنہائی میں کرتے رہو تو خدا تعالیٰ لق و دق بیابانوں میں تمہاری حفاظت کریگا۔)

اسکا حاصل بھی یہی ہو کہ جب امن و اطمینان کی حالت میں تم اطاعت و بندگی کروگے۔ تمہارا تقرب درگاہ خداوندی میں بڑھیگا۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔

من[۵۱] سرہ ان یستجیب اللہ عند الشدائد فلیکثر الدعاء فی الرخاء۔ (جس شخص کو یہ بات پسند ہے کہ خدا تعالیٰ شدت و سختی کے وقت اُسکی دعا قبول فرمائی تو اُسکو چاہیے کہ خوش حالی اور اطمینان کیوقت بکثرت دعا کرتا رہے۔)

حجاج[۵۲] سفاک کے زمانہ میں ایک شخص گرفتار ہو کر آیا۔ اور محبس میں ڈالدیا گیا۔ لیکن اُسنے محبس میں پہونچکر دو رکعتیں پڑھیں اور کہا اخرجنی الساعة۔ (اے اللہ مجھے ابھی محبس سے نکالدے۔) جبھی مجلس کا دروازہ کہلا اور اُسکو حجاج کے سامنے لیگئے۔ حجاج نے فوراً رہائی کا حکم دیدیا۔ اس شخص نے حجاج سے اجازت لی کہ میں اہل مجلس کو ایک کلمہ نصیحت کا کہدوں۔ کہا بہتر۔ اُسنے مجلس میں جاکر

۳۹ اُن لوگوں سے کہا۔ اذکروا اللہ فی الرخاء یذکرکم فی الضراء۔ (خدا کو راحت اور کشایش کے وقت یاد کیا کرو وہ تمکو شدائد اور سختی کے وقت یاد رکھیگا۔)

بعض[۵۳] فقرا سے روایت ہے کہ جنگل میں ایک بزرگ کانٹے دار درخت کے گرد پھرتے اور اُسمیں سے چھوارے چن چن کر کہا رہے تھے۔ فقیر نے اُنکو سلام کیا۔ اُنہوں نے جواب دیکر کہا لو تم بھی کھاؤ۔ یہ شخص جب کسی چھوارے کو ہاتھ میں لیتا تھا تو وہ کانٹا بن جاتا تھا۔ بزرگ نے تبسم کرکے فرمایا۔ بھائی یہ بات تمکو کیونکر حاصل ہوتی۔ اگر تم خلوتوں میں خدا تعالیٰ کی اطاعت کیا کرتے تو جنگل میں وہ تم کو تر چھوارے کہلاتا۔

ایک[۵۴] مرتبہ اُستاد ابو اسحاق تشریف لیجاتے تھے۔ سامنے سے چند آدمیوں نے حاضر ہو کر دعا کے لئے عرض کیا۔ فرمایا کیا بات پیش آئی۔ کہا والی صوبہ کے یہاں دو عمدہ بچھیرے آئے تھے ایک مرتبہ تو وہ بھاگ کر جرجان تک پہونچے۔ وہاں سے پکڑ کر لائے تھے۔ اب دوبارا بھاگ گئے۔ اگر وہ ہاتھ نہ آئے تو ہم مارے جائینگے۔ اُستاد سواری پر سے اوترے دو رکعتیں پڑھکر دعا شروع کی۔ اتنے میں وہ لوگ آئے اور کہا حضرت وہ ملگئے۔ شیخ کی خدمت میں ایک خادم تھا۔ اُسنے عرض کیا۔ حضرت تیس[۲] برس سے

[۵۱] مشکوۃ صفحہ ۱۹۵ ۱۲ [۵۲] و [۵۳] و [۵۴] شرح شرعۃ الاسلام صفحہ ۱۶۶ ۱۲

خدمت میں حاضر ہوں آپ نے مجھکو یہ دو رکعتیں اور یہ دعا نہ بتلائی۔ جنکے بعد فوراً دعا مقبول ہوگئی فرمایا قبولیت دعا ان دو رکعتوں کا ثمرہ نہیں ہے۔ بلکہ تیس برس کی نماز اور لقمہ حرام سے پرہیز رکھنے کا نتیجہ ہے۔

(۹) دعا کرنے سے قبل خدا تعالیٰ کا ذکر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا بھی آداب دُعا میں سے ہے۔ ابو طالب مکّی نے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

اذا سالتم اللہ عزوجل حاجۃ فابتدؤا بالصلوٰۃ علی فان اللہ تعالیٰ اکرم من ان یسأل حاجتین فیقضی احدھما ویرد الاخر۔	(جب تم خدا تعالیٰ سے اپنی کوئی حاجت طلب کرو تو سوال سے پہلے مجھ پر درود بھیجو۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے ایسا نہیں کریگا کہ اس سے دو چیزیں طلب کی جائیں جنمیں سے ایک کو پورا فرمائے اور دوسرے کو رد کردے۔

سلمۃ[۱] ابن الاکوع صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا شروع کرتے نہیں دیکھا مگر یہ کہ ہمیشہ سبحان ربی الاعلی الاعلی الوھاب سے شروع فرماتے تھے۔ ۴۰

فضالہ[۲] ابن عبید روایت کرتے ہیں۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ ایک شخص آیا اُسنے نماز پڑھی اور دعا کی۔ اللھم اغفرلی وارحمنی آپ نے فرمایا تمنے جلدی کی۔ تمکو چاہئے تھا کہ نماز کے بعد اوّل خدا تعالیٰ کی ثنا کرتے اور مجھپر درود بھیجتے پھر دُعا کرتے۔ اسی درمیان میں ایک دوسرا شخص داخل ہوا۔ اُسنے نماز سے فارغ ہو کر اوّل خدا تعالیٰ کی ثنا کی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا۔ آپنے سُنکر فرمایا۔

ایھا المصلی ادع تجب۔	(اب دعا مانگو قبول ہوگی۔)

(۱۰) دعا میں عام مسلمانوں کو بھی شریک کرنا آداب دُعا میں سے ہے۔ تفصیل اُسکی یہ ہے کہ دُعا یا ایسے اغراض و مقاصد کیلئے ہوتی ہے جسمیں سب شریک ہوتے ہیں۔ مثلاً دُعاء مغفرت یا رفع درجات وغیرہ یا کسی اپنی خاص غرض و مقصد کیلئے ہوتی ہے۔ اور دونوں صورتوں میں اُسکو تمام مسلمانوں کے شریک کرنے سے خود اپنا نفع ہے۔ کیونکہ اوّل صورت میں جب عام مسلمانوں کو شریک کریگا تو اُس عام مقصد کے حصول میں برابر اسکا فائدہ متصور ہے۔ جماعت کے ذیل میں اسکا مطلوب بھی حاصل ہو جائیگا۔

---

[۱] و [۲] شرح شرعۃ الاسلام صفحہ ۱۶۶ ۱۲

نشر الطیب (فی) ذکر النبی الحبیب

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری نہایت صحیح اور مستند روایات سے

(مؤلفہ)

حکیم الامتہ حضرت مولنا شاہ محمد اشرف علی صاحب دامت فیوضہم

وہ کونسا مسلمان ہی جسکے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہی ایسا کسکا دل ہے کہ مدعی اسلام اور آپکے حالات طیبات کا شائق نہو۔ یا آپکی مبارک زندگی کے واقعات و حالات جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں پڑہکر دنیا و آخرت کی بھبود و فلاح کا طالب نہو۔ آپکے حالات طیبات کی ادنے برکت یہ ہے کہ علاوہ منافع آخرویہ کے دنیاوی منافع بھی بکثرت حاصل ہوتے ہیں مصنف قصیدہ بردہ امام بوصیری جنکے نصف بدن کو فالج نے بیکار کردیا تھا اُنھوں نے بالہام ربانی یہ قصیدہ آپ کے حالات میں تصنیف کیا اور رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے آپ نے اپنا دست مبارک انکے بدن پر پھیر دیا فوراً شفایاب ہوگئے۔

سعد الدین خارقی آشوب چشم میں مبتلا ہوئے قریب تھا کہ آنکھیں جاتی رہیں کسی نے خواب میں کہا کہ قصیدۂ بردہ آنکھوں پر رکھو چنانچہ اُسنے ایسا ہی کیا اور بیٹھے بیٹھے اُسکو پڑھا فی الفور اللہ تعالیٰ نے اُسکو شفا بخشی۔

نشر الطیب میں چونکہ آپکے حالات کو صحیح احادیث سے نہایت جامعیت و تفتیش سے جمع فرمایا ہی اسلئے اُردو زبان میں آپکے حالات میں یہ پہلی جامع مانع کتاب ہے جسکے پڑہنے سے نور ایمان میں تازگی اور قلب میں اطمینان پیدا ہوتا ہے مولنا نے اس کتاب میں ابتداءِ صورۃ نوریہ سے دخول جنت کے بعد تک کے حالات درج فرمائیے ہیں جا بجا قصیدۂ بردہ کے شوق انگیز اشعار مع حل مطالب درج کئے ہیں جنکو پڑھکر اہل ذوق وجد میں آجاتے ہیں اور طالب علمانہ طبیعت رکھنے والوں کے لئے موقعہ بموقعہ کچھ لطائف علمیہ بھی موجود ہیں پھر ان سب باتوں کے ساتھ عام واعظوں اور مولود خوانوں کی جھوٹی اور بے اصل روایات سے قطعًا احتراز کیا گیا ہے۔

مطبع قاسمی دیوبند میں تین قسم کے کاغذ پر نہایت خوشخط طبع ہوئی ہی قسم اول عمر قسم دوم عہ قسم سوم ۱ر

ملنے کا پتہ | مولوی عماد الدین ناظم کتبخانہ تجارت مطبع قاسمی دیوبند (ضلع سہارنپور)

قواعد و ضوابط رسالہ القاسم

۱۔ یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑہجاتا ہے۔

۲۔ یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیے آٹھ آنہ پیشگی لیجاتی ہے۔ ممالک غیر سے صرف اُسی قدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۳۔ جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچروپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے۔ اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۴۔ سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کی خدمت میں شروع کا (یا خریدار کا جب سال شروع ہو اُسکا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کرکے ۹؍ کا ویلو روانہ ہوگا۔

۵۔ یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمت میں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسروں کی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمایش کرتے ہیں۔

۶۔ شعبان ۱۳۳۱ھ مطابق جولائی ۱۹۱۳ء سے اس رسالہ کا پانچواں سال شروع ہوا ہے۔ پہلے چار سالوں کی مکمل جلدیں موجود ہیں قیمت ہر جلد کی ۹؍ مع محصولڈاک ہے۔

۷۔ نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں انکے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

۸۔ القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہیئے۔

المشتہر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر رسالہ "القاسم" دفتر القاسم مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

(رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

قیمت سالانہ

مع محصول ڈاک

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

نمبر ۷ بابت ماہ صفر المظفر سنہ ۱۳۳۳ھ جلد ۵

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ صفر ۱۳۳۳ھ

مطابق ماہ جنوری ۱۹۱۵ء

جو حضرت مولانا محمود حسن صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

اور

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مبدأ و معاد

(سلسلے کیلئے دیکھو القاسم نمبر ۶ جلد ۵)

نیز مکتوب دوسوانیس[219] میں فرماتے ہیں. سعادت آثارا انسان کو جب کوئی بیماری امراض ظاہرہ سے عارض ہوتی ہے اور اُسکے کسی عضو کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا آفت آتی ہے تو کسقدر کوشش اور مبالغہ کرتا ہے کہ وہ مرض دفع ہو جاوے اور وہ تکلیف رفع ہو مرض قلبی کہ عبارت ہے ماسوائے حق تعالیٰ کی گرفتاری سے اس طرح اُسپر غالب ہے کہ قریب ہے کہ اُسکو موت ابدی تک پہنچا دیوے اور عذاب دائمی میں گرفتار کرے اُسکے ازالہ کا کچھہ فکر انسان کو نہیں اور اُس مرض باطنی کے دفع کرنے میں کچھہ سعی اور کوشش نہیں کرتا اگر وجہ اسکی یہ ہے کہ اس گرفتاری کو یعنی ماسوائے خدا تعالیٰ کی محبت اور دنیا کی دوستی کو مرض نہیں جانتا بے عقل اور سفیہ محض ہے اور اگر جانتا ہے اور کچھہ پرواہ نہیں کرتا بلید و ناداں ہے درحقیقت اس مرض کے ادراک کے واسطے عقل معاد (آخرت) کی ضرورت ہے عقل معاش اپنی کوتہ اندیشی سے صرف ظاہر کو دیکھتی ہے حقیقت تک اُسکو رسائی نہیں عقل معاش (دنیا) جس طرح باطنی آفتوں اور مرضوں کو بسبب تلذذات فانیہ کے مرض نہیں جانتی اسی طرح عقل معاد ظاہری امراض کو ثواب اُخروی اور رضائے الٰہی کے مقابلہ میں مرض نہیں سمجھتی عقل معاش قصیر النظر ہے کہ نظر اُسکی مقصور ہے اسی حیات فانیہ تک اور عقل معاد حدید البصر ہے کہ نظر اُسکی آخرت سے متعلق ہے عقل معاد انبیاء اور اولیاء کا حصہ ہے اور عقل معاش اغنیاء و ارباب دنیا کو مرغوب ہے (بہ بین تفاوت رہ از کجا است تا بکجا) عقل معاد حاصل کرنے کے اسباب میں سے موت کو یاد کرنا اور آخرت کے حالات کو پیش نظر رکھنا اور اُس جماعت کے ساتھ صحبت رکھنا ہی جو درد آخرت کی دولت سے مشرف ہیں. ــه

دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں   گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

واضح ہو کہ جیسا مرض ظاہری سبب دشواری احکام شرعیہ ہے اور ادائے عبادات سے قاصر رکھتا ہے اسی طرح مرض باطنی مستلزم تعسر کا ہے ادائے عبادات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

کبر علی المشرکین ما تدعوھم الیہ۔	(مشرکین پر بھاری ہے جسکی طرف آپ اُنکو بلاتے ہیں۔)
اور فرماتا ہے وانھا لکبیرۃ الا علی الخاشعین۔	(اور بیشک نماز بھاری ہے مگر اُن پر جو خشوع وخضوع کرنے والے ہیں۔)

ظاہری مرض میں ضعف قویٰ وجوارح مستلزم اُس عسر کو ہے اور باطنی بیماری میں ضعف یقین اور نقص ایمان سبب عدم یسر کا ہے۔ ورنہ تکالیف شرعیہ میں تخفیف ہی تخفیف ہے اور پورا یسر اور کامل سہولت ہے آیۃ کریمہ۔

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔	(اللہ تمپر آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور دشواری نہیں چاہتا)
اور آیہ کریمہ یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا۔	(اللہ چاہتا ہے کہ تمپر تخفیف ہو اور انسان ضعیف البنیان ہے۔)

دونوں گواہ اس مضمون کے اور دلیل اس مطلب کے ہیں۔ ع

(خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست) ٭ پس فکر اس مرض کے ازالہ کا ضروری اور لازم ہے اور اطباء حاذق کی طرف توجہ کرنا اور اُن سے التجا کرنا فرض عین ہی۔ وما علی الرسول الا البلاغ والسلام

نیز مکتوب دوسوا کیس میں فرماتے ہیں۔ الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ الطاہرین اجمعین۔ بعض خصوصیات اور کمالات اس طریقہ علیہ کے بضمن علوم بلند ومعارف ارجمند معرض تحریر میں لاتا ہے اگرچہ جانتا ہی کہ اس قسم کے علوم ومعارف بالفعل سُننے والوں کے کانوں سے بعید ہیں لیکن دو وجہ سے اظہار کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے ایک یہ کہ مخاطب مستمع میں قابلیت ان علوم کی ہے اگرچہ بالفعل فہم میں آنا دشوار ہے اور بیان کرنا اُنکا دور از کار معلوم ہوتا ہے دوسری وجہ یہ کہ اگرچہ ظاہر میں مخاطب معین ہے لیکن حقیقت میں مخاطب وہ شخص ہے جو محرم ہے ان معاملات سے السیف للضارب مثل مشہور ہے۔ ای برادر اس طریقہ عالیہ کے سرحلقہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو انبیاء علیہم الصلوات والسلام کے بعد جملہ

اولادِ آدم سے بالتحقیق افضل ہیں اس طریقہ کے اکابر کی عبارات میں واقع ہوا ہے کہ ہماری نسبت سب نسبتوں سے اوپر ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ انکی نسبت کہ عبارت حضور و آگاہی خاص سے ہے وہی نسبت وحضور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ سب حضور و آگاہی سے اوپر ہے اور اس طریق میں اندراج نہایت بدایت میں ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ؎

ما نہایت را در بدایت درج میکنیم قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اگر دریافت کریں کہ جب دوسروں کی انتہا اُن حضرات کی ابتدا میں درج ہوئی تو اُن حضرات کی نہایت کیا ہوگی اور نیز یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نہایت دوسرے بزرگواروں کی ہرگاہ وصول بحق سبحانہٗ ہے پس اس طریقہ کے بزرگوں کی سیر حق سے کس طرف جاویگی مثل مشہور ہے۔

لیس وراء العبادان قریۃ۔ عبادان کے بعد کوئی قریہ نہیں۔ غرض یہ ہے کہ وصول الی اللہ سبحانہٗ سب کا مقصود ہی جبکہ ہر ایک طریق کی انتہا اسی کا نام ہے۔ پس فرق کچھ نہیں، جواب اس شبہ کا یہ ہے۔ کہ اس طریقہ کی نہایت اگر میسر ہو وصل عریاں ہی اور اس وصل کے حصول کی علامت نا اُمیدی ہے حصول مطلوب سے یہ مضمون خواص بلکہ اخص الخواص کے سمجھنے کا ہی اس ولایت عظمےٰ کے حصول کی علامت کو اسوجہ سے ذکر کیا کہ ایک جماعت کو اس طریقہ سے یہ خیال ہے کہ ہمکو وصل عریانی حاصل ہی اور ایک دوسری جماعت کا یہ گمان ہی کہ مطلوب حاصل ہی نہیں ہوسکتا اگر ان دونو دولتوں کے جمع ہونے کو اُن پر پیش کیا جاوے قریب ہے کہ اُن کے اجتماع کو اجتماع ضدین گمان کریں اور محالات میں سے شمار کریں وہ جماعت کہ دعوے وصل کا کرتی ہی یاس کو محرومی جانتی ہے اور وہ جماعت کہ یاس کی مدعی ہے وصل کو عین فصل سمجھتی ہی۔ یہ سب علامت اسکی ہے کہ اس مقام عالی و مرتبہ بلند پر نہیں پہنچی غایۃ ما فی الباب ایک پرتوہ اُس مقام عالی کا اُنکے باطن پر چمکا ہے اُنھوں نے اُسکو وصل خیال کیا اور دوسری جماعت نے اُسکو یاس اور نا اُمیدی گمان کیا۔ یہ فرق بسبب تفاوت استعداد کے ہے۔ ایک جماعت کی استعداد کے مناسب وصل ہی۔ اور دوسری جماعت کی لیاقت کے موافق یاس ہی۔ اس حقیر کے نزدیک استعداد یاس بہتر ہے استعداد وصل سے ہرچند کہ وہاں وصل و یاس ملازم یکدیگر ہیں اس جواب سے دوسرے سوال کا جواب بھی ظاہر ہوگیا کیونکہ وصل مطلق اَور ہے اور وصل عریاں اَور۔ شتان ما بینھما اُن دونوں میں بہت

فرق ہے اور ہماری غرض وصول عریانی سے تمام حجابوں کا اوٹھ جانا اور تمام موانع کا زایل ہوجانا ہے اور جبکہ بڑا حجاب اور قوی تر حجاب تجلیات متعددہ او ظہورات مختلفہ ہیں تو ضرور ہے کہ وہ تمام تجلیات وظہورات ختم ہوجاویں برابر ہے کہ وہ تجلیات اور ظہورات امکان کے آئینہ میں ہوں یا وجوب کے جلوہ گاہ میں کہ وہ دونوں نفس حجاب ہونے میں مساوی ہیں اگرچہ شرف و رتبہ میں متفاوت ہیں کہ یہ امر طالب کی نظر سے خارج ہے۔ اگر یہ سوال کیا جاوے کہ اس بیان سے لازم آتا ہے کہ تجلّیات کے لئے نہایت ہو حالانکہ مشایخ طریقت نے تصریح فرمائی ہے کہ تجلیات کے لئے نہایت نہیں (احقر کہتا ہے کہ حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

(اے برادر بے نہایت درگہیست | ہرچہ بروے میرسی بروی مایست)

اُسکے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ تجلیات کا غیر متناہی ہونا اُس تقدیر پر ہے کہ اسماء وصفات کی سیر تبفصیل واقع ہو اس تقدیر پر ذات پاک و برتر تک پہنچنا میسر نہیں اور وصل عریاں حاصل نہیں ذات حق تعالیٰ تک پہنچنا بطریق اجمال اسماء وصفات کے طے کرنے پر موقوف ہے نہ بالتفصیل طے کرنے پر پس تجلیات کے لئے نہایت ہوئی اگر یہ کہا جاوے کہ تجلیات ذاتیہ کو بھی بے نہایت فرمایا ہی چنانچہ حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے شرح لمعات میں اسکی تصریح فرمائی ہی پس تجلیات کے لئے نہایت کہنا کسوجہ سے صحیح ہوسکتا ہی اُسکا جواب یہ ہے کہ وہ تجلیات ذاتیہ بھی بدوں لحاظ شیون و اعتبارات کے نہیں ہیں کیونکہ تجلی بدون اُس لحاظ کے نہیں ہوسکتی اور جس امر کو ہم بیان کرنا چاہتے ہیں وہ ماوراء تجلیات کی ہی خواہ وہ تجلیات صفاتیہ ہوں یا ذاتیہ کیونکہ وہاں اطلاق تجلی کا درست نہیں کوئی سی تجلی ہو کیونکہ تجلی سے غرض ظاہر ہونا شے کا دوسری مرتبہ یا تیسری یا چوتھی میں ہی جہانتک اللہ چاہے اور یہاں مراتب سب ساقط ہوچکی ہیں (یعنی ثانی وثالث ورابع کی گنجایش نہیں) اور مسافت تمام طی ہوچکی ہی۔ اگر دریافت کریں کہ اُن تجلیات کو ذاتی کس اعتبار سے کہا جاتا ہے ہم کہتے ہیں کہ تجلیات اگر بلحاظ معانی زائدہ ہیں تجلیات صفات ہیں اور اگر بلحاظ معانی غیر زائد ہیں تجلیات ذات ہیں اسی وجہ ظہور وحدت کو کہ تعین اوّل ہے اور زاید ذات برتر پر نہیں ہی تجلی ذات کہتے ہیں اور ہمارا مطلب ذات مقدسہ و برتر سے یہ ہے کہ اُس موطن میں معانی کا لحاظ بالکل نہیں وہ معانی زائدہ ہوں یا غیر زائدہ ہوں کیونکہ معانی بتمامہا بطریق اجمال طے ہوکر وصول ذات پاک برتر میسر ہوچکا ہے۔

واضح ہو کہ وصول اُس موطن میں مثل مطلوب بے چون و بے کیف کے بے کیف و بے چگون ہے وہ اتصال اور وصل کہ عقل میں آسکے بحث سے خارج ہے اور لایق اُس بارگاہ مقدس کے نہیں کیونکہ چون کو بے چون کی طرف راستہ نہیں ہے۔

لا یحمل عطایا الملك الا مطایاہ۔ | (بادشاہ کی عطاؤں کو اُسی کی سواریاں اُٹھا سکتی ہیں)

۵ اتصال بے تکیف بے قیاس | ہست رب الناس را با جان ناس *

اس طریق کے مشایخ میں سے کسی نے اپنے طریق کی انتہا سے خبر نہیں دی ابتداء طریق سے خبر دی ہے کہ نہایت اُسمیں مندرج ہے جبکہ اُنکی بدایت نہایت امیز ہے نہایت بھی چاہیئے کہ مناسب اُسی بدایت کی ہو اور وہ وہی ہے کہ اس فقیر نے اُسکے اظہار کے ساتھ امتیاز پائی۔ ۵

اگر بادشہ بر در پیر زن | بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

والحمد للہ علیٰ ذلك۔

اے برادر اس نہایت کے واصل اس طریق سے کہ دوسرے طریقوں سے اقل قلیل ہیں اگر اُنکی افراد کی تعداد بیان کی جاوے قریب ہے کہ اہل قرب دوری کے جویاں ہوں اور بعیدوں کے انکار سے پھر کیا استبعاد ہے۔ یہ سب بسبب وصول کے ہے نہایۃ النہایۃ کی طرف بصدقہ حبیب خدا علیہ الصلوات والتسلیمات اور منجملہ خصایص اس طریق کے ہے سفر در وطن کہ عبارت سیر انفسی سے ہے ہر چند سیر انفسی تمام مشایخ کے طرق میں ہے۔ لیکن وہ سیر انتہا میں میسر ہوتی ہے بعد قطع کرنے سیر آفاقی کے اور اس طریق میں ابتداء اسی سیر سے ہے اور سیر آفاقی اس سیر کے ضمن میں قطع ہوتی ہے۔ پس منشاء اس سیر کا کہ ابتداء میں حاصل ہوتی ہے اندراج النہایۃ فی البدایۃ ہے اور دوسرا خاصہ خلوت در انجمن ہے کہ سفر در وطن پر متفرع ہے۔ پس انجمن تفرقہ میں بھی خلوت خانہ وطن میں سفر کرتا ہے اور آفاق کا تفرقہ حجرہ انفس میں راستہ نہیں پاتا یہ خلوت اگرچہ دوسرے طرق کے منتہیوں کو بھی میسر ہے لیکن اس طریق میں چونکہ ابتداء میں حاصل ہوتی ہے۔ اسلئے اس طریق کے خواص میں سے ہوئی جاننا چاہیئے کہ خلوت در انجمن اُس صورت میں ہے کہ خلوتخانہ وطن کے دروازوں کو بند کئے ہوئے ہو اور روزنوں کو مسدود کیا ہو یعنی انجمن تفرقہ میں کسی کی طرف متوجہ نہ ہو اور کسی سے کلام نہ کرے اور مخاطب نہ ہو اسکی ضرورت

نہیں کہ آنکھیں بند کرے اور حواس کو معطل کرے کہ یہ امر منافی اس طریق کے ہے۔ اے برادر یہ تمام تکلف اور تحمل ابتداء اور وسط میں ہی اور انتہاء میں ان تکلفات میں سے کچھ درکار نہیں عین تفرقہ میں جمعیت ہے اور عین غفلت میں حضوری ہی اس جگہ سے کوئی گمان نہ کرے کہ منتہی کے حق میں تفرقہ اور عدم تفرقہ مطلقاً برابر ہے یہ نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اصل جمعیت باطن دونوں حالتوں میں حاصل ہے باوجود اسکے اگر ظاہری جمعیت کو باطنی جمعیت کے ساتھ مجتمع کرے اور تفرقہ کو ظاہر سے بھی دفع کرے تو اولیٰ و انسب ہے اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا ہے۔

واذکر اسم ربك وتبتّل الیه تبتیلا۔ | (اور یاد کر اپنے رب کو اور منقطع ہو جا اُسکی طرف سب سے علیحدہ ہو کر)

واضح ہو کہ بعض اوقات تفرقہ ظاہری ضروری ہی۔ کہ مخلوق کے حقوق ادا ہو سکیں پس تفرقہ ظاہر بعض اوقات مستحسن ہو الیکن تفرقہ باطن کسی وقت جایز نہیں کہ باطن بتمامہ خالص واسطے حق تعالیٰ شانہٗ کے ہے۔ پس بندوں کے تین حصے اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں باطن بتمامہ اور نصف ظاہر میں سے باقی نصف مخلوق کے حقوق کے ادا کرنے کیلئے باقی رہا اور اُسمیں بھی چونکہ فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کے حکم کی ہے اسلئے وہ بھی راجع حق تعالیٰ کی طرف ہوا۔

الیه یرجع الامر کله فاعبده وتوکل علیه وما ربك بغافلٍ عما تعملون۔ | (یعنی اُسی کی طرف جملہ امور لوٹتے ہیں۔ پس اُسی کی پرستش کر اور اُسی پر بھروسہ کر اور تیرا رب تمھارے عملوں سے بیخبر نہیں ہے)

اور اس طریق میں جذبہ مقدم ہے سلوک پر اور ابتداء سیر عالم امر سے ہے نہ عالم خلق سے بخلاف اکثر دیگر طرق کی اور منازل سلوک ضمن مراتب جذبہ میں طے ہو جاتے ہیں اور سیر عالم خلق سیر عالم امر میں میسر ہوتا ہے۔ پس اگر اس اعتبار سے اس طریق میں اندراج البدایۃ فی النہایۃ بھی کہیں تو گنجایش ہے۔ پس معلوم ہوا کہ سیر ابتداء اس طریق میں سیر انتہا میں درج ہے نہ یہ کہ انتہاء سے سیر ابتداء کیلئے نیچے اُترتے ہیں اور نہایت کی سیر ختم کر کے بدایت کی سیر کرتے ہیں۔ اس جگہ سے باطل ہوا گمان اُن لوگوں کا جو کہتے ہیں نہایت اس طریق کی بدایت ہے دوسرے تمام مشایخ کے طریقونکی۔ اگر کوئی کہے کہ بعض مشایخ طریق ہذا کی عبارت میں واقع ہے کہ اُنکو اسماء و صفات کی سیر بعد تمام ہونے نسبت کے واقع ہوئی ہی۔ پس یہ کہنا صحیح ہوا کہ اُنکی نہایت دوسروں کی بدایت ہے تو جواب اُسکا یہ ہے کہ اسماء اور صفات کی سیر تجلیات ذاتیہ کی سیر کے بعد نہیں ہے کہ سیر اسماء و صفات کی ابتداء میں

ہوتی ہے۔ بلکہ اسی سیر کے ضمن میں وہ سیر بھی واقع ہوتی ہے غایت مافی الباب چونکہ اسماء وصفات کی سیر بسبب عارض ہونے بعض عوارض کے ظہور کرتی ہے۔ تجلیات ذاتیہ کی سیر مستور ہوجاتی ہے اور متخیل ہوتا ہے کہ اُس سیر کو تمام کرکے تجلیات اسماء وصفات میں داخل ہوا ہے اور حالانکہ ایسا نہیں ہے البتہ تمامی سیر درجات ولایت کے بعد عالم کی طرف رجوع واقع ہوتا ہے واسطے دعوۃ خلق کے حق جل وعلیٰ کی طرف اگر اُس رجوع کو اُنکی نہایت سمجھکر اپنی بدایت خیال کیا ہو تو بعید نہیں لیکن وہ اِسمیں کیا کہیگا کہ اُسکے مشایخ کو بھی نہایت میں یہ ہی رجوع پیش آتا ہے اور نیز یہ کہ مراد بدایت اور نہایت سے بدایت اور نہایت ولایت کی ہے اور یہ سیر رجوع ولایت سے متعلق نہیں بلکہ ایک حصہ ہے دعوۃ اور تبلیغ کے مرتبہ میں سے۔ اور یہ طریق اقرب طرق ہے اور یقیناً موصل ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے ہمارا طریق قریب تر ہے سب طرق سے اور فرمایا ہے کہ کہ میں نے حق تعالیٰ سے ایسا طریق چاہا ہے کہ جو ضرور موصل ہو اور یہ درخواست اُنکے قبول ہوئی چنانچہ رشحات میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہ سے یہ مضمون منقول ہے۔ کیونکر نزدیک تر نہ ہو اور کیونکر موصل نہ ہو کہ انتہا اُسکی ابتداء میں مندرج ہے سخت بیدولت ہے وہ شخص کہ اس طریق میں داخل ہو اور استقامت اختیار نہ کرے اور بے نصیب رہجاوے۔ ع خورشید نہ مجرم ارکسے بینا نیست البتہ اگر کوئی طالب خدا تعالیٰ ناقص پیر سے بعیت ہوجاوے تو قصور طریق کا کیا ہے اور تقصیر طالب کی کیا ہے کیونکہ حقیقت میں موصل رہنما اور مرشد ہے صرف طریق موصل نہیں (احقر کہتا ہے کہ غرض یہ ہے کہ راستہ بدون چلے طے نہیں ہوتا اور چلنے کے لئے کوئی چلا[illegible] واقف راہ ہونا ضرور ہے جو عبارت ہے مرشد کامل سے ورنہ مصداق اس شعر عارف شیرازی کا ہوگا۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی | کیں رہ کہ تو میروی بترکستاست

اور یہ جو ارشاد فرمایا کہ درصورت ناقص ہونے پیر کے قصور طریق کا کیا ہے اور تقصیر طالب کی کیا ہے تقصیر طالب کی اُسوقت تک نہیں کہ نقص پیر سے واقف نہ ہو اور بعد واقف ہونے نقصان پیر کے اور جو علامات مرشد کامل کے عارفین محققین نے مقرر فرمائی ہیں اُنکے نہ پائے جانے کی صورت میں علیحدگی پیر ناقص سے اور رجوع کرنا پیر کامل کی طرف لوازم سلوک سے ہے حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی قدس سرہٗ کا ارشاد ہے۔

باہر کہ نشینی و نہ شد جمع دلت	وز تو نہ رہید صحبت آب وگلت
زنہار زصحبتش گریزاں مے باش	ورنہ نکند روح عزیزاں بحلت

حاصل یہ ہی کہ جسکی صحبت میں جمعیت باطنی وسکون قلبی حاصل نہ ہو اور لذات فانیہ کی الفت دل سے نہ نکلے اُسکی صحبت سے دور رہ ورنہ حضرت خواجہ عزیزان قدس سرہٗ کی روح تجھکو معاف نہ کریگی اور معذور نہ رکھے گی یا ارواح عزیزان یعنی مشایخ سلسلہ تجھکو معذور نہ سمجھیں گی۔ حاصل یہ ہے کہ تیرا یہ عذر مسموع نہ ہوگا کہ مجھکو پیر ناقص ملا تھا اسلئے میں محروم رہا قول جمیل کے فوایدمیں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہٗ سے منقول ہے مرشد کی شرط یہ ہے کہ واصل بمقام مشاہدہ ہو اور نورانی بہ تجلیات ذاتیہ ہو جسکے دیکھنے سے ذکر کا فائدہ حاصل ہو بموجب اس حدیث صحیح کے هم الذين اذا رؤا ذكر الله | (یعنی اولیاء اللہ وہ ہیں جن کے دیکھنے سے خدا تعالےٰ یاد آوے۔) اور جن کی صحبت فوائد صحبت کو مفید ہو بموجب اس حدیث کے ہم جلساء اللہ کہ اولیاء جلیس ہیں خدا تعالیٰ کے اور بمقتضاے اس حدیث کے۔

هم قوم لا يشقى جليسهم۔ | (یعنی اولیاء اللہ ایسی قوم ہیں جنکا جلیس اور ہم صحبت بدبخت نہیں ہوتا)

اور اس طریق میں ابتداء میں لذت اور حلاوت اور وجدان ہے اور انتہا میں بے مزگی اور فقدان ہے کہ لوازم یاس سے ہے بخلاف دوسرے طریقوں کے کہ ابتداء میں بے مزگی اور فقدان رہتا ہے اور انتہا میں حلاوت اور وجدان ہے اور اسی طرح اس طریق میں ابتداء میں قرب وشہود ہے اور اور انتہا میں دوری اور حرمان ہے بخلاف تمام مشایخ کے طریقوں کے تفاوت طرق کا اس جگہ سے قیاس کرلیا جاوے۔ اور اس طریق کی بزرگی کو معلوم کیا جاوے کیونکہ قرب وشہود اور حلاوت ووجدان دوری اور جدائی سے خبر دیتا ہے اور بعد وحرمان اور بے حلاوتی اور فقدان نہایت قرب سے خبر دیتا ہے۔ فَهِمَ مَنْ فَهِمَ۔ (احقر کہتا ہے النہایۃ ہے الرجوع الی البدایۃ مسئلہ مسلمہ ہے۔ نزدیکانرا بیش بود حیرانی مقولہ صادقہ ہے۔

دور بینان بارگاہ الست	بیش ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

—— باقی آئندہ ——

معلم (اُستاد) کا ادب واحترام متعلم (شاگرد) پر واجب ہے

گزشتہ سے پیوستہ

حضرت[۱] عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں۔

ذللت طالبا فعززت مطلوبا۔

(میں نے طالب علمی کی حالت میں خود کو اُستاد کے سامنے حقیر سمجھا تو مطلوب ہونے کی حالت میں جبکہ اُستاد ہوا مجھے عزّت حاصل ہوئی۔)

حضرت معاذ بن جبل کا قول ہے۔

تعلیمہ لمن لا یعلم صدقة۔

(علم کی تعلیم بے علم کو صدقہ کا ثواب رکھتی ہے۔)

قال الشعبی صلے زید بن ثابت علی جنازة فقربت الیه بغلته لیرکبها فجاء ابن عباس فاخذ رکابه فقال زید خل عنه یا ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابن عباس ھکذا امرنا ان نفعل بالعلماء والکبراء فقبل زید بن ثابت یده فقال ھکذا امرنا ان نفعل باھل بیت نبینا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

(شعبی کہتے ہیں زید[۲] بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھی بعد نماز اُنکا خچر اُنکی سواری کیلئے لایا گیا حضرت عبداللہ بن عباس نے خچر کی رکاب تھام لی حضرت زید نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی رکاب چھوڑ کر الگ ہو جائیے حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا ہمکو علماء اور بڑے لوگوں کی تعظیم کا اسی طرح حکم ہے حضرت زید نے حضرت عبداللہ بن عباس کا ہاتھ چوم لیا اور کہا ہمکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ اسی طرح پیش آنیکا حکم ہے۔)

قال علی رضی اللہ عنہ ان من حق العالم

(حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں عالم کا حق یہ ہے کہ

---

[۱] یہ سب آثار اور بعض حدیثیں احیاء العلوم کی کتاب العلم سے منقول ہوئے ہیں ۱۲

[۲] زید بن ثابت انصاری کاتب وحی بڑے جلیل القدر فضلاء صحابہ میں سے ہیں انکی جلالت شان اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں انکو خصوصیت سے قرآن کریم کے جمع کرنیکی خدمت سپرد کی تھی جسکو انہوں نے نہایت عمدہ طور سے انجام دیا

ان لا تکثر علیہ بالسوال ولا تعنتہ فی الجواب ولا تلح علیہ اذا کسل ولا تاخذ ثوبہ اذا نھض ولا تفشی لہ سرا ولا تغتابن احدا عندہ ولا تطلبن عثرتہ وان زل قبلت معذرتہ وعلیك ان توقرہ وتعظمہ للہ تعالیٰ مادام یحفظ امر اللہ تعالی ولا تجلس امامہ وان کانت لہ حاجۃ سبقت القوم الی خدمتہ۔

تو اُس سے کثرت سے[1] سوال نہ کرے اور جواب کے لئے اُسے مجبور نہ کرے اور اگر کسی وقت (تعلیم دینے میں) کاہلی کرے تو اس سے اصرار نہ کرے اور جب وہ اُٹھے تو اُسکا کپڑا (ٹھہرانیکے لئے) نہ پکڑے اور اس کے کسی بھید کا افشاء نہ کرے اور اُسکے سامنے کسی کی غیبت نہ کرے اور اگر کوئی لغزش ہو جاوے تو اُسکی معذرت قبول کرے اور اُسکی تعظیم اور توقیر کرے تاوقتیکہ وہ حکم خداوندی کا محافظ ہو اور اُسکے آگے نہ بیٹھے اور اگر اُسکو کوئی ضرورت ہو تو سب لوگوں سے اول اُسکی خدمت کے لئے موجود ہو جاوے)

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیس من اخلاق المومن التملق الا فی طلب العلم۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے اخلاق میں نہیں ہے کسی کی حد سے زیادہ خوشامد اور چاپلوسی کرے مگر صرف طلب علم میں کہ اُستاد کے سامنے نہایت انکساری سے پیش آوے۔)

عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے۔

من علم وعمل وعلم فذلك یدعیٰ عظیما فی ملکوت السموات۔

(جس شخص نے علم پڑھا اور اُسپر عمل کیا اور دوسروں کو تعلیم دی تو اس شخص کو آسمانوں کے فرشتے بہت بڑا شخص کہتے ہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

علیٰ خلفای قیل من خلفائك قال الذی یحیون سنتی ویعلمونہا۔

(میری خلفاء کو میری پاس لاؤ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپکے خلفاء کون ہیں آپنے فرمایا جو میری سنت کو دوست رکھتے ہیں اور دوسروں کو اُسکی تعلیم دیتے ہیں۔)

امام مالکؒ سے منقول ہے۔ قال دخلت علی ہارون الرشید فقال لی یا ابا عبد اللہ

امام مالک کہتے ہیں میں ہارون الرشید کے پاس گیا اُس نے مجھسے کہا کہ اے ابو عبد اللہ مناسب ہے کہ آپ ہماری پاس

[1] پوچھنا اُستاد سے ممنوع نہیں مگر موقع بے موقع کثرت سے سوال کرنا خلاف ادب ہے ۱۲

ينبغى لك ان تختلف الينا حتى يسمع صبياننا منك الموطاء قال فقلت اعزك الله مولانا الامير ان هذا العلم منكم خرج فان انتم اعززتموه عز وان انتم ذللتموه ذل والعلم يؤتى ولا ياتى فقال صدقت اخرجوا الى المسجد حتى تسمعوا مع الناس -

آتے جاتے رہیں تاکہ ہمارے بچے آپسے کتاب موطا سن سکیں امام مالک کہتے ہیں میں نے کہا مولانا امیر اللہ تعالیٰ آپکو عزت دے یہ علم آپکے گھرانے سے نکلا ہے اسکو اگر آپ عزت دینگے تو عزت حاصل ہوگی اور اگر آپ ہی اسے ذلیل کرینگے تو ذلیل ہوجاویگا اور علم کی شان یہ ہے کہ علم کے پاس جانا چاہیے علم کسی کے پاس نہیں جاتا یہ سنکر ہارون رشید نے کہا آپ سچ کہتے ہیں اور اپنے بچوں کو حکم دیا کہ جاؤ مسجد میں جاکر دوسرے لوگوں کے ساتھ موطا سنو -)

(۱) امام غزالی فرماتے ہیں (۱) تعليم العلم من وجه عبادة الله تعالىٰ ومن وجه خلافة الله تعالىٰ وهو اجل خلافة الله تعالىٰ فان الله تعالىٰ قد فتح على قلب العالم العلم الذى هو اخص صفاته فهو كالخازن لانفس خزائنه ثم هو ماذون فى الانفاق منه على كل محتاج اليه فاى رتبة اجل من كون العبد واسطة بين الله سبحانه وبين خلقه فى تقربهم الى الله زلفى و سياقهم الى الجنة -

(علم کی تعلیم ایک وجہ سے عبادت الٰہی ہے اور ایک وجہ سے خلافت خداوندی ہے اور یہ سب سے بڑی خلافت الٰہی ہے اللہ تعالیٰ نے عالم کے دل پر علم کا دروازہ کھول دیا جو اللہ تعالیٰ کی خاص ترین صفات میں سے ہے وہ مثل بہترین خزانہ کے خزانچی کی ہے جسکو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اس خزانہ میں سے ہر ایسے شخص کو دیتا رہے جو اسکا حاجتمند ہے بس اس سے زیادہ کونسا رتبہ ہے کہ بندہ مخلوق الٰہی کے لئے خدا سے تقرب اور انکو جنت کی طرف پہونچانے کا واسطہ ہو -)

(۲) ان لا يتكبر على العلم ولا يتامر على المعلم بل يلقى اليه زمام امره بالكلية

(مناسب ہے کہ متعلم علم پر تکبر نہ کرے اور معلم پر حکومت نہ کرے بلکہ جملہ امور میں اپنے اختیار کی باگ

لہ مطلب یہ ہے کہ متعلم کو معلم کے پاس علم حاصل کرنیکو جانا چاہیے نہ یہ کہ معلم متعلم کے پاس تعلیم دینے کو جاوے ۱۲

سہ خلیفہ ہارون الرشید وہ شخص ہے جسکی سلطنت آدھی دنیا کو محیط تھی اور دنیا کے بادشاہ اُس سے لرزتے تھے وہ اپنے لڑکوں کو غریب طالبعلموں کے ساتھ مسجد میں جاکر امام مالک سے موطا کا درس لینے کے لئے حکم دیتا ہے یہ ہے اُستاد کا احترام اور علم کی تعظیم ۱۲

فی کل تفصیل و یذعن لنصیحته
اذعان المریض الجاہل لطبیب
المشفق الحاذق و ینبغی ان یتواضع
لعلمه و لطلب الثواب والشرف بخدمته

(۳) فلیکن المتعلم لمعلمه کارض
دمثة نالت مطرا غزیرا فتشربت بجمیع

اُستاد کے ہاتھ میں دیدے اور اُسکی خیر خواہی کا ایسا یقین
رکھے جیسا کہ ایک جاہل مریض مہربان اور حاذق طبیب کا یقین رکھتا
ہی اور لازم ہی کہ اُستاد کے سامنے عجز و انکساری سے پیش
آوی اور اُسکی خدمت میں ثواب اور شرف[۱] حاصل کرے۔)

(شاگرد کو چاہیئے کہ اُستاد کے سامنے مثل نرم زمین
کے ہوجاوے جس پر کثرت سے مینہ برسا وہ سب کو

[۱] امام صاحب اُستاد کی خدمت کو موجب ثواب اور شرف فرماتے ہیں اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد سے جو اوّل مذکور ہوا کہ اُستاد کی خدمت کے لئے سب سے پہلے دوڑنا چاہیئے حد درجہ کی تاکید خدمت کی معلوم ہوتی ہے لیکن بدقسمتی سے ایک غلط اور بالکل غلط یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ اُستاد کی خدمت کرنے سے طبیعت میں دنائت پیدا ہوتی ہے اور عزت نفس اور خودداری کا وصف زائل ہوجاتا ہے مگر تجربہ اور مشاہدہ ایک ایسی چیز ہے کہ اسکے سامنے ظن و تخییل کوئی چیز نہیں ہے زمان سعادت قران بعثت نبوۃ سے اساتذہ کی خدمت کا طریقہ چلا آتا ہے اور اُسکے برکات مشہود و موجود ہیں آج تک ہم نے نہیں سُنا اور نہ دیکھا کہ کسی کو اُستاد کی خدمت نے دنی النفس بنا دیا ہو جبکہ اُستاد محسن ہے اور محسن کی خدمت کرنا عین مقتضائے عقل ہے کوئی عاقل اُستاد کی خدمت کو موجب دنائت نہیں کہہ سکتا بس نقلاً و عقلاً خدمت اُستاد موجب ثواب و شرف و سعادت ہے خدمت خواہ کسی طرح کی ہو۔ ایک نوعمر امیرزادے کو ہمنے یہ کہتے سُنا کہ اُستاد کی جوتیاں اُٹھانی بڑی بات ہے۔ ایسے لوگوں کو تاریخ سے سبق لینا چاہیئے خلیفہ مامون جسکی سلطنت کا رعب دنیا پر چھایا ہوا تھا اُسکے شاہزادے اُستاد کی جوتیاں اُٹھاتے ہیں اور مامون خوش ہوتا ہے اور فخر کرتا ہے تفسیر فتح العزیز میں لکھا ہے کہ اخفش امام نحو سے ایک متعلم نے سورۃ والفجر کی آیۃ وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ میں یسر کی یاء کے ساقط ہوجانیکی وجہ دریافت کی اخفش نے کہا اگر تو ایک سال تک میری خدمت کریگا تو میں اسکی وجہ تجھے بتادونگا چنانچہ ایک سال خدمت کرنے کے بعد اُسکو وجہ بتلاوی غور سے دیکھا جاوے تو خدمت اُستاد شاگرد کے لئے اعلیٰ درجہ کی کامیابی کا ذریعہ ہے کیونکہ اسکی وجہ سے اُستاد کی توجہ خصوصیت سے شاگرد کی جانب مائل ہوجاتی ہے اور اُستاد کی توجہ ہی علم میں کمال اور کامیابی کا ذریعہ ہے ۱۲ +

اجزائها واذعنت بالكلية بقبوله مهما اشار عليه المعلم بطريق في التعليم فليقلده وليدع له رايه فان خطاء مرشده انفع من صوابه في نفسه اذ التجربة تطلع على دقائق يستغرب سماعها مع انه يعظم نفعها۔

(۴) كل متعلم استبقى لنفسه رأياً واختياراً دون اختيار المعلم فاحكم عليه بالاخفاق والخسران۔

(۵) لا ينال العلم الا بالتواضع

پی گئی اور بے اختیار اُسکے قبول کرنیکو آمادہ ہوگئی اور جبکہ اُستاد کسی طریقہ تعلیم کے بارہ میں مشورہ دے تو اُسے مان لے اور اپنی رائے کو چھوڑ دے کہ اسکے رہنما (اُستاد) کی خطا اسکے حق میں اسکے صواب سے سود مند تر ہے کیونکہ تجربہ ایسے نکات پر آگاہ کر دیتا ہے جنکے سُننے تعجب آتا ہے باایںہمہ اُنکا نفع عظیم ہوتا ہے۔)

(جو شاگرد اُستاد کی رائے اور اختیار کے سوا خود رائی اور اپنے اختیار سے کام لے اُسپر نامرادی اور زیاں کاری کا حکم لگا دو۔)

(علم انکساری اور ہمہ تن گوش ہو کر اُستاد کی بات سُنے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔)

خاتمہ مضمون میں ہم زمانہ قریب کے بعض ورثہ انبیاء کا قول اور طرز عمل بھی نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں حضرت اقدس مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ جو آیۃ من ایات اللہ تھے اور صرف اپنے ہی زمانہ میں فرد نہ تھے بلکہ صدیوں میں ایک دو ایسے صاحب فضل وکمال پیدا ہوتے ہیں اُن کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا ہی کہ مجھے جو کچھ آتا ہے اُستاد کے ادب کی بدولت آتا ہے یہ بھی اُنہوں نے فرمایا کہ مجھے بارہا اتفاق ہوا کہ اُستاد کی خدمت میں گیا اور آخر وقت تک بیٹھا رہا اور سبق نہیں ہوا مگر کبھی یہ نہیں کہا کہ حضرت کئی روز سے سبق نہیں ہوا بعض ایسے بزرگ بھی تھے کہ حضرت اقدس نے زمانہ صغر سنی میں ان سے بعض ابتدائی کتابیں کچھ پڑھی تھیں لیکن اب آپ کے علم وفضل اور کمال کے سامنے اُنکو کوئی نسبت نہیں تھی مگر جب اُن سے ملتے تو نہایت تعظیم واحترام کے ساتھ ملتے تھے حتیٰ کہ اگر کسی سے فارسی کتاب کا سبق بھی پڑھا تھا تو اُسکا بھی ادب کرتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض تصانیف میں حفظ قرآن کی بحث میں لکھا ہے کہ جو شخص استاد کی خدمت میں بے ادب ہوتا ہے اُسکو علم نہیں آتا ہی اسی مضمون کو اکابر سلف میں سے کسی نے اس شعر میں ادا کیا ہے۔ ؎

العلم حرب للفتى المتعالى — كالسيل حرب للمكان العالى

متکبر شخص کا علم دشمن ہے جس طرح — سیلاب بلند مکان کا دشمن ہے

جس طرح دشمن دشمن کے ساتھ موافقت نہیں کرتا اسی طرح علم بھی ایسے شخص کے ساتھ موافقت نہیں کرتا جو اُستاد کی خدمت میں متکبر و بے ادب ہو۔ اب ہم اس مضمون کو اس متبرک شعر پر ختم کرتے ہیں

از خدا خواہیم توفیق ادب | بے ادب محروم ماند از لطفِ رب فقط

بندۂ احقر عبدالحق عفی عنہ

تربیۃ السالک و تنجیۃ الہالک

گذشتہ سے پیوستہ

اوّل۔ اُس مردار سے قطعاً تعلق ترک کر دیجئے یعنی اُس سے بولنا چالنا اُسکو دیکھنا بھالنا اُسکا جانا آنا حتی کہ دوسرا شخص بھی اگر اُسکا تذکرہ کرے قطعاً رو کر دیا جاوے۔ بلکہ قصداً بتکلف کسی بہانہ سے اُسکو خوب بُرا بھلا کہکر اُس سے خلاف و خصومت کرلیجاوے اس طور پر کہ اُسکو ایسی نفرت ہو جاوے کہ اصلاً اُسکو ادھر میلان و توقع رام ہونے کی باقی نہ رہے اور اُس سے ظاہراً اس قدر دوری اختیار کیجاوے کہ کبھی غلطی سے بھی اُس پر نظر نہ پڑے غرض اُس سے انقطاع کلی ہو جاوے۔

دوم۔ ایک وقت خلوت کا مقرر کرکے غسل تازہ کرکے صاف کپڑے پہنکر خوشبو لگا کر تنہائی میں روبقبلہ ہوکر اوّل دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھکر اللہ تعالیٰ کے روبرو خوب استغفار اور توبہ کیجاوے اور اس بلاسے نجات بخشنے کی دعا و التجا کیجاوے پھر ۵۰۰ سے لیکر ۱۰۰۰ مرتبہ تک لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا ذکر اس طرح کیا جاوے کہ لَآ اِلٰہ کے ساتھ تصور کیا جاوے کہ میں نے لَآ اِلٰہ کے ساتھ سب غیر اللہ کو قلب سے نکالدیا اور اِلَّا اللہ کے ساتھ خیال کیا جاوے کہ میں نے محبت الٰہی کو قلب میں جمالیا یہ ذکر ضرب کے ساتھ ہو۔ **سوم** جس بزرگ سے زائد عقیدت ہو اُسکو اپنے قلب میں تصور کیا جاوے کہ بیٹھے ہیں اور سب خرافات کو قلب سے نکال نکال کر پھینک رہے ہیں۔ **چہارم** کوئی حدیث کی کتاب کا ترجمہ ہو یا ویسے ہی کوئی کتاب ہو جسمیں دوزخ اور غضب الٰہی کا جو نافرمانوں پر ہوگا ذکر ہو مطالعہ کثرت سے کیا جاوے۔ **پنجم** ایک وقت معین کرکے خلوۃ میں یہ تصور باندھا جاوے کہ میں حق تعالےٰ

کے روبرو میدان قیامت میں حساب کیلئے کھڑا ہوں اور حق تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ای بیحیا تجھکو شرم نہیں آئی کہ ہمکو چھوڑکر ایک مردار کی طرف مائل ہوا کیا ہمارا تجھپر یہ ہی حق تھا کیا ہمنے تجھکو اسی لئے پیدا کیا تھا ای بیحیا ہماری ہی دی ہوئی چیزوں کو آنکھ کو دل کو ہماری نافرمانی میں تو نے استعمال کیا کچھ شرم بھی آئی۔ بڑی دیر تک اس مراقبہ میں غرق و مشغول رہنا چاہئے اور یہ میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ گو نفس کو تکلیف پہونچے مگر اس نسخہ کو ہمت کرکے نباہ کر کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ شافی مطلق ہیں والسلام فقط

سوال۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اگرچہ ہم ذکر برابر کئے جارہے ہیں لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ حضور نے ذکر جہر ارشاد فرمایا ہی یا کیا اور ہم ابھی تک برابر ذکر جہر کئے جارہے ہیں اور وہ ہی حالت ہے لیکن نور نیلگوں بہت کثرت سے ظاہر ہوتا ہی اور حضور نے جو بارہ ہزار ارشاد فرمایا تھا وہی برابر کرتا ہوں اور پیر جو مرید کو توجہ دیتے ہیں اگر مرید دور ہے تب بھی توجہ پیر کی ہوتی ہی یا نہیں یوں تو توجہ ہونا پیر کا ضروری نہیں بلکہ وہ توجہ جیسا کہ مرید کے حاضر رہنے میں جس سے مرید کے قلب پر حرارت پیدا ہوتی ہے اُس قسم کی توجہ دور کے مرید کو بھی دے سکتے ہیں یا نہیں۔

الجواب۔ عزیزم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ذکر دونوں طرح مفید ہے لیکن جہر اچھا معلوم ہوتا ہے آپ بھی جہر کریں مگر اس قدر جہر نہ ہو کہ لوگوں کو تکلیف پہونچے۔ یہ نور نیلگوں وغیرہ اہل طریقت کے نزدیک انوار لطائف کے ہیں جو ذکر سے منور ہوجاتے ہیں گو یہ مقصود نہیں مگر علامت محمود ہے انشاء اللہ تعالیٰ روز بروز ثمرات نیک مرتب ہوتے رہینگے حتی کہ مقصود حقیقی تک وصول میسر ہوجاویگا اپنے کام میں لگے رہیں ان حالات میں غور و فکر نہ کریں کہ یہ کیا چیز ہے کیا بات ہے سب سے قطع نظر کرکے ذکر کو مقصود سمجھنا چاہئے اگر فرصت ہو تو چھ ہزار اسم ذات اور بڑھادیں اور توجہ کی حقیقت اور اُسکے اقسام اور حاضر و غائب سے اُسکا اثر ہونا یہ بات زبانی بیان کرنے کے قابل ہے تحریر سے سمجھ میں نہ آویگی فقط

سوال۔ یہاں ایک حافظ صاحب ہیں کہ پیشہ نعلبندی کا کرتے ہیں اور درویش دوست اور ذاکر و شاغل آدمی ہیں کل اُنہوں نے بندہ سے کچھ اپنے حالات کہے اور اصلاح چاہی بندہ نے عذر کیا کہ میں طفل مکتب ہوں اصلاح اور علاج سے کیا علاقہ اور حضور کا پتہ بتلادیا اُنہوں نے اصرار کیا کہ تو ہی ایک عریضہ لکھ۔ حال یہ ہے کہ یہ صاحب ایک پنجابی درویش صاحب خاموش صاحب

نامی کے پاس کسی وقت میں حاضر ہوئے تھے طبیعت کے نہایت غبی ہیں لیکن قرآن شریف حفظ کرنیکا شوق بیحد تھا درویش صاحب نے دعا کی جس سے بالکل خلاف امید اسی سال میں قرآن شریف حفظ ہوگیا تب انہوں نے انہیں کی صحبت چند روز اختیار کی بعیت تو نہیں ہوئے مگر کچھہ سیکھ لیا۔ جب سے ان کی یہ حالت تھی کہ صرف اپنی سد رمق کی مقدار پیشہ نعلبندی میں کمالینا اور جب اتنا ملگیا تو نعل باندہنے سے بھی انکار کر دینا ان کے بیوی بچے بھی مرگئے مگر ان کو مطلق پروا نہیں نعل باندہتے ہیں اور جماعت قضا نہیں ہوتی اگر کوئی اہل اللہ ملجاتا ہے تو نعلبندی کی بھی پروا نہیں قرآن شریف نہایت اچھا پڑہتے ہیں اب چند روز ہوئے کہ ایک فقیر صاحب بجنور میں آئے تھے ظاہرا پابند شریعت تھے بہت لوگ اُن کی طرف رجوع تھے چند اشخاص نے ان سے بھی کہا کہ مل لو انہوں نے اوّل انکار کیا مگر لوگوں کے اصرار سے چلے گئے فقیر صاحب نے ان کو پاس بُلا کر دوزانو بٹھلایا اور کہا آنکھیں بند کرو اور زبان کو تالو سے لگا کر سانس میں خیال کرو کیا آواز معلوم ہوتی ہے انہوں نے اسی طرح کیا معلوم ہوا کہ نیچے اوپر دونوں سانسوں میں اللہ اللہ نکلتا ہے فقیر صاحب نے فرمایا اسی طرح ذکر کیا کرو انہوں نے چند روز کیا اب کہتے ہیں کہ میرے سینہ میں سوزش ہے اور قلب میں وحشت اسقدر ہوگئی ہے کہ کسی کام میں دل نہیں لگتا حتی کہ نماز و تلاوت میں بھی دل گھبراتا ہے کہتے ہیں کہ قریب ہے کہ نماز چھوڑ دوں احقر نے ہر چند عذر کیا مگر انہوں نے کہا ضرور کچھہ بتلا دو اب حضور کوئی علاج ارشاد فرماویں۔

الجواب۔ ان صاحب سے کہد یجئے کہ گھبراویں نہیں اور وہ ذکر اگر اب بھی کیا کرتے ہوں تو ان سے کہد یجئے کہ اسکو بالکل چھوڑ دیں اور بجائے اُسکے اوتنا وقت تلاوت قرآن یا درود شریف میں صرف کریں اور چلتے پھرتے بھی درود شریف پڑھیں اور ہر نماز کے بعد اور رمضان شریف میں صرف مغرب و عشا کے بعد اور سحر کھا کر درود شریف گیارہ مرتبہ پانی پر دم کر کے پیا کریں اور خلوت میں بیٹھکر اپنے قلب پر چاند کا تصور کیا کریں اور آب تازہ یا آب گرم سے جو موافق مزاج ہو روزانہ غسل کر لیا کریں اور تین چار روز کے بعد اپنے حالات سے پھر اطلاع دیں انشاء اللہ تعالی بالکل سکون ہوجاویگا اور آیندہ سے اس کا خیال رکھیں کہ ہر شخص کی تعلیم پر خصوصًا سیاحوں کی ہرگز عمل نہ کریں کسی شیخ محقق کو اپنا عروہ وثقی بنالیں۔ والسلام +

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(سلسلے کیلئے دیکھو القاسم نمبر ۴ جلد ۵)

اور پھر تمام امصار و بلاد کے مسلمانوں اور والیوں کو عام اطلاع بدیں مضمون فرمادی۔

انی لم اعزل خالدا عن سخطة ولا خیانة ولکن الناس فخموہ و فتنوا به فخفت ان یوکلوا الیه فاحببت ان یعلموا ان الله ھو الصانع ولا یکونوا لعرض فتنة۔

(میں نے خالد کو ناراضی یا خیانۃ کی بناء پر معزول نہیں کیا لیکن لوگوں کے دلوں میں انکی عظمت زیادہ ہوگئی ہے اور وہ فتنہ میں مبتلا ہوگئے تھے مجھے اندیشہ ہوگیا تھا کہ انہیں پر بھروسہ نکر بیٹھیں اسلئے میں نے پسند کیا کہ وہ جان لیں کہ کرنیوالا محض اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ فتنہ میں مبتلا نہوں)

اسکے بعد بیس ہزار کی رقم جو حضرت خالد سے لیکر بیت المال میں داخل کی تھی وہ انکو واپس فرمادی معزولی اور حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہونے پر حضرت خالد کے ان کارناموں کا جس سے دنیا متحیر تھی اختتام ہوتا ہے۔ اسکے بعد حضرت عمر نے اگرچہ بار بار اصرار فرمایا کہ وہ کوئی عہدہ ولایت ملک یا سپہ سالاری افواج قبول فرمائیں۔ مگر انکار کرتے رہے اور کسی عہدہ کو قبول نہ فرمایا۔ عزلۃ و یکسوئی کی حالت میں بقیہ عمر کو گذار دیا۔ ۲۱ھ ہجری میں بمقام حمص (ملک شام) یا مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

حضرت خالد کو حسرۃ تھی کہ میدان کارزار میں انکی وفات نہوئی۔ بلکہ بزدلوں یا کاہل اور سست لوگوں کی طرح بستر راحت پر جان دی۔ وہ اپنی آخری حالت میں فرماتے تھے کہ ہر موقع پر اپنے قتل و موت کا متلاشی رہا۔ مگر نصیب نہوا اور آج میں بستر پر جان دیتا ہوں۔ یہ بھی فرمایا کہ میں سو معرکوں میں شریک ہوا ہوں اور میرے بدن پر بالشت بھر جگہ بھی ایسی نہیں جسمیں تلوار یا نیزہ یا تیر کا زخم نہ لگا ہو۔ مگر آج اونٹ کی طرح بستر پر مرتا ہوں۔ خدا بزدلوں کی آنکھ کو لذت سے آشنا نکرے یعنی بزدل اور راحت پسندوں کو راحت و عیش نصیب نہو۔

حضرت خالد کے ان حالات کی طرف جو ایک مومن کامل صاف باطن آلایش کدورات نفسانی سے طاہر و مطہر ہوچکا ہو اور جسکے جسم و روح اوصاف کمال سے متصف جلال و جمال خداوندی کے

سامنے اپنے اختیار و ملکات سے منسلخ ہو چکی ہوں ہمارے بیان مذکورہ میں کافی اشارہ ہو چکا ہے۔ اُنکے علاوہ اور بھی واقعات ایسے ہیں جنسے آپکی مقبولیت عند اللہ اور حب دنیا و مافیہا سے کامل یکسوئی کا پورا ثبوت ملسکتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اسلام لانیکے بعد ہی سے آپ اپنا تعلق دنیا کی لذتوں اور راحتوں۔ مال و دولت اولاد و رفقاء سے منقطع کر چکے تھے۔ یہانتک کہ وہ ضروری اسباب معیشت کو جنکی ہر متنفس کو ضرورۃ ہوتی ہے۔ اور اُس سامان حرب و ضرب کو جو عرب کی زندگی کا ایک لازمی جزو تھا۔ اور بالخصوص اُس شخص کیلئے جو اپنی جان کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کیلئے سپر بنائی ہوئے ہو نہایت ہی لازمی تھا مستعار حیثیت سے زیادہ رکھنا پسند نفرماتے تھے۔

اصابہ میں صحیحین سے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خالد نے اپنی زرہ اور سامان کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا ہے۔ یعنی اپنی ملکیت سے نکالدیا اور بطور متولی اپنا قبضہ باقی رکھا جسکا حاصل یہی ہے کہ جس طرح مملوک مال میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ اِنمیں نہوگی۔ یہ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک کا واقعہ ہے۔ جو حضرت خالد کے اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا لیکن اسکے بعد بھی آپ اپنا سامان اسی طرح فی سبیل اللہ وقف کرتے رہے۔ سیاق حالات اسکی شہادۃ دیتا ہے کہ آپ نے ہمیشہ اسکا خیال رکھا ہے کہ سب سے بہتر اور مرغوب بنفس اشیاء کو اپنے ملک میں باقی نرکھیں۔ وفات کے وقت گھوڑا اور آلات حرب جو اُنکی ملک میں تھے اُنکو بھی وقف فرمادیا۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی بیسری اولاد موجود تھی مگر دنیا سے یکسوئی اور بے تعلقی نے یہ رنگ دکھلایا کہ تھوڑے ہی زمانہ بعد سلسلہ اولاد منقطع ہو گیا۔ اور آج اُس نام آور شہ مرد اور فدائے اسلام کی کوئی یادگار موجود نہیں۔ اُنکا قلب جس طرح دنیا سے بے لگاؤ تھا۔ اِسی طرح اُنکے تعلقات جسمانی بھی روے زمین سے منقطع کر دے گئے۔ اور سوا اُس اصل اصول تعلقات اسلامی اور مذہبی قوی علاقہ کے کوئی علاقہ باقی نرہا۔ اور یہی وہ علاقہ ہے جسکی وجہ سے آج اُنکی یاد دلوں میں اسی طرح تازہ ہے جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھی۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے بے اختیارانہ کرامات کا صدور بھی ہوا مثلاً زہر کی ڈلی کو نگل جانا۔

جسکا بیان گذر چکا ہے۔ یا شراب کا سرکہ بنجانا۔ ایک شخص شراب کا مشکیزہ لئے ہوئے آپکے سامنے آیا۔ دریافت کیا اسمیں کیا ہے اُسنے کہا یہ سرکہ ہے آپنے فرمایا:۔

جعلہ اللہ خلا۔ | (خدا تعالیٰ اسکو سرکہ بنا دے۔)

دیکھا تو وہ سرکہ ہی تھا۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب آپ کی دعا سے شہد بنگئی۔ ممکن ہی کہ واقعات متعدد ہوے ہوں ایک موقع پر شراب کا سرکہ بنگیا ہو اور ایک موقع پر شہد اور یہ بھی ممکن ہی کہ واقعہ ایک ہی ہو اور یہ اختلاف روایت کا اختلاف ہو۔ بہرحال نفس قبولیت دعا میں شک کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپکو معزول ضرور کیا۔ اور وہ معزولی جیسا کہ وہ خود فرما چکے تھے کسی بدظنی کی وجہ سے نہ تھی اور نہ حضرت خالد پر کوئی الزام تھا۔ اگر ظاہری طور پر الزام تھا بھی تو اُنکے پاس ایسا جواب موجود تھا جسکو سُنکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مان لیا تھا۔ اور باوجود حضرت عمر کے اصرار کے معزول نکیا تھا معزولی کے اسباب کو حضرت عمر نے مختلف مواقع میں خود ظاہر فرمایا ہی اور سب سے بڑے سبب کو ہم ابھی حضرت عمر کے الفاظ میں نقل کر چکے ہیں لیکن آپ کو اُن سے وہی تعلق باقی تھا اور وہی محبت قلب میں مرکوز تھی جو صادق الایمان افراد میں ہونی چاہیے اور جو حضرت عمر جیسے صاحب فراست مدبر اور صاحب باطن کو حضرت خالد جیسے بہادر اور کارگذار و جان نثار کے ساتھ ہونی چاہئے تھی۔ معزولی کے بعد قبول عہدہ پر اصرار اسی کی دلیل ہے۔ حضرت خالد نے وقت وفات حضرت عمر کو اپنا وصی مقرر کیا۔ جو اسکی کافی شہادت ہے۔ کہ حضرت کے دل میں اس معزولی جسکا ظہور ظاہر بینوں کے خیال میں بدعنوانی یا بالفاظ دیگر تہتک آمیز طریقہ سے ہوا تھا کچھ اثر باقی نہ تھا۔ بلکہ جن حکم و مصالح کو حضرت عمر سمجھتے تھے اُن کو حضرت خالد بھی خوب جانتے تھے۔ آخر سب کے سب ایک اُستاذ (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے شاگرد۔ ایک مرشد کے حلقہ بگوش ایک ہی مدرسہ کے تعلیم یافتہ ایک خانقاہ کے فیضیاب تھے۔ کیوں نہو۔ ارشاد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم | (میرے اصحاب ستاروں جیسے ہیں تم جسکا اقتدار کروگے ہدایت پاؤگے۔)

حضرت خالد کو معرکہاے قتال سے یہ شغف اور خدمت اسلام کا یہ ذوق و شوق جو خود فرماتے ہیں

کہ کلمہ توحید و شہادت کے بعد کوئی عمل میرے نزدیک اُس رات سے زیادہ کارآمد اور موجب اجر نہیں کہ میں اندھیری رات میں جبکہ آسمان سے بارش بھی ہو رہی ہو۔ ڈھال تلوار لگائی۔ صبح کا انتظار کر رہا ہوں۔ اور پھر کسی ایسی خدمت کو قبول نکرنا جسمیں اُنکی دلی تمنائیں پوری ہوں۔ خود اسی کی دلیل ہو کہ معاملہ عزل میں جن حکمتوں اور مصلحتوں پر حضرت عمر کی نظر تھی اُنکو حضرت خالد بھی ایسا ہی سمجھے ہوئے تھے۔

حضرت خالد کی وفات پر حضرت عمر نے کمال اندوہ و ملال کا اظہار فرمایا۔ خاندان بنی مخزوم کو ایسے نامور فدائی اسلام کی مفارقت کا قلق اور بڑا انتہا قلق ہونا لازمی اور ضروری امر تھا۔ انکے خاندان کی عورتیں سب کی سب اس جانگداز صدمہ پر حزن و ملال کے لیئے جمع ہو کر ماتم کر رہی تھیں حضرت عمر وہ شخص ہیں کہ صدیق اکبر کی وفات پر اُنکے پس ماندوں نے کچھہ اضطراب کا اظہار کیا تو اُسیوقت بشدۃ روکدیا۔ اور گو اُنکا اضطراب حد جواز میں داخل ہو مگر آپنے صدیق اکبر کے گھر میں اسکو بھی پسند نکیا۔ اور آج جبکہ نساء بنی مخزوم خالد جیسے شیر مرد پر رونے اور آنسو بہانے کیلئے جمع ہوئیں تو آپنے حضرت اتنا فرمایا:۔ ماعلیھن ان یبکین ابا سلیمان مالم یکن نقع او لقلقۃ۔ (کیا حرج ہے اگر وہ ابو سلیمان پر روئیں بشرطیکہ آواز نیا بلند نہو۔ ماتم کی صداؤں سے شور برپا نہو۔)

حضرت عمر نے ایک شخص کو رجز میں حضرت خالد کے اوصاف و مدائح کرتے سنا تو اُسکو حد نوحہ میں داخل نہ سمجھا اور نہ ممانعت فرمائی۔ بلکہ خود بھی زبان مبارک سے فرمایا:۔

رحم اللہ خالدا۔ (اللہ تعالیٰ خالد پر رحمت نازل فرمائیے۔)

حضرت طلحہ ابن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی زبان سے اُنکا ذکر خیر سُنا تو بطور تمثیل یہ شعر پڑھا۔

لا الفینک بعد الموت تندبنی
وفی حیوتی ما زودتنی زادی

(ایسا نہو کہ مرنے کے بعد مجھے یاد کرو اور زندگی میں مجھے میرے توشہ اور مایحتاج واجبی سے بھی محروم رکھا۔)

اسمیں اشارہ تھا کہ زندگی میں تو آپنے اُنکے ساتھہ بے رخی اور اعراض کا معاملہ کیا اور اب اُن کے اوصاف سنتے اور بیان کرتے ہیں۔ حضرت طلحہ ابن عبید اللہ کا یہ فرمانا جو عشرہ مبشرہ میں ایک فرد اور کامل و مکمل درجہ کے صحابی تمام رموز و اسرار شریعت سے واقف اور حکم و مصالح انتظامی کے محرم راز تھے۔ حضرت عمر کی ایمانی فراست اور دور بینی و دور اندیشی کو بخوبی جانتے اور سمجھتے تھے۔ بطور اعتراض ہرگز نہ تھا۔ بلکہ بطور مزاح اور خوش طبعی تھا حضرت عمر بھی اس کو اعتراض نہ سمجھتے تھے

تاہم آپ نے حضرت خالد کے بارہ میں اپنی رائے کے اظہار کو مناسب سمجھا - اور فرمایا :-

انی ما عتبت علی خالد الا فی تقدمه وما کان یصنع فی المال -	(میں نے خالد پر سوا اسکے کسی بات پر عتاب نہیں کیا کہ وہ استقلال رائے سے کام کر بیٹھتے تھے اور مال کو بھی اپنے اختیار سے صرف کرتے تھے -)

فتوحات اسلام کی توسیع اور اسلام کی تقویۃ وتائید میں حضرت خالد کی دلیرانہ شجاعت وبسالت اور فوق الفطرۃ شہادت وقوۃ کے حالات اکثر باخبر حضرات سے مخفی نہیں ہیں - اور جیسا کہ تقاضاء عقل وتجربہ ہے یہ حالات اُنکے ذاتی اوصاف وملکات کی طرف منسوب ہیں اور ہوسکتے ہیں - زمانہ جاہلیت میں جبکہ وہ خود ہادی برحق سے برسر مقابلہ ڈھال تلوار لئے ہوئے تھے اُنکی شجاعت کے کارنامے سب ہمچشموں سے فائق وبرتر تھے - اسلام نے اُنہیں ملکات وقویٰ میں ایمان کی تازہ روح پھونکدی تھی - اُنکے وہ ملکات جو دنیا اور جاہ وریاست کی طلب وتقویۃ میں صرف ہوتے تھے اب تلوثات بشری سے معرا ومنسلخ ہوکر خدا کی راہ میں صرف ہونے لگے - یہ سب کچھ صحیح ہے اور اسکو اسی طرح مان لینا چاہیئے - مگر حضرت خالد اپنی تمامتر کامیابیوں کو موئے مبارک کی برکت کا ثمرہ سمجھتے تھے جو اُنکی کلاہ میں ٹکے ہوئے تھے جسکو سر پر رکھکر میدان کارزار میں نکلتے تھے - ایک بار میدان یرموک میں یہ کلاہ گم ہوگئی - حضرت خالد کے قلق واضطراب کی کوئی انتہا نہ تھی - لوگوں کو اُسکی تلاش پر مامور کیا - نملی تو پھر تاکید کی کہ جس طرح ہوسکے تلاش کرکے لاؤ - خود بھی اسی جستجو میں برابر گشت کرتے رہے - آخر مل گئی - لوگوں نے اسقدر اضطراب اور فکر کا سبب پوچھا - فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار عمرہ میں فرق مبارک کے بال منڈائے لوگ اُنکے لینے کیلئے دوڑے مگر میں نے سب سے آگے بڑھکر لیلیا - اور اپنی ٹوپی میں رکھ لیا - اسکے بعد جب کبھی کسی معرکہ میں شریک ہوا ہوں - تو یہ ٹوپی میرے ساتھ رہی ہی اور اُسکی برکت سے نصرۃ وفتح کے آثار نمایاں ہوتے رہے ہیں -

یہ تھا صحابہ کا ایمان کامل اور اپنے ہادی کے ساتھ عقیدت ومحبت کا حال - ایک شیر دل - جاں باز - مدبر وفرزانہ جسکی ساری عمر انہیں بھادرانہ کاموں ہیں گذری ہو - جو معرکہائے جنگ وقتال کو بچوں کے کھیل سے زیادہ نہ سمجھتا ہو - نور ایمانی نے اُسکے دل ہیں حقائق اور ممکنات کے راز کو منکشف کردیا اور اب کسی فعل کو اپنی ذات یا صفات کی طرف سے نہیں سمجھتا - اس زمانہ کے روشن خیال تو

اسکو توہم پرستی یا عامیانہ عقیدۃ پر محمول کر سکتے ہیں۔ مگر حقیقت الامر یہی ہے جو وہ سمجھے اور ہر مومن کامل کو ایسا ہی سمجھنا چاہئیے۔

حضرت خالد کے تینوں زمانوں کا حال مختصراً ہمارے اس بیان میں آچکا۔ ہم اسوقت اُن کے تاریخ لکھنے کے درپے نہیں ہیں۔ ورنہ اور بھی کچھ حالات لکھ سکتے تھے۔ ہمارے اس بیان میں اُن کے دو بار معزولی کے حالات بھی گذر چکے ہیں۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ اُنکی معزولی کے اسباب کو تفصیل سے بیان کرکے ایک تنقیدی نظر ڈالیں جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ اصلی سبب اُسکا کیا تھا۔

حضرت خالد ایک دلیر اور جانباز سپاہی تھے۔ اور ایسے شخص سے بمقتضاء جرءۃ بعض افعال ایسے بھی سرزد ہو جاتے ہیں جو بظاہر تدبر۔ انجام بینی کے خلاف معلوم ہوتے ہیں حضرت خالد معاملات حربیہ کے اندر تدبیر میں بھی آگے بڑھے ہوئے تھے چنانچہ گذشتہ بیانات سے اسکا ثبوت ملچکا ہی تاہم اُن سے بعض ایسے امور بھی صادر ہوئے۔ جو خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا مبارک کے خلاف اور مصلحت اسلام کے منافی تھے۔ سب سے پہلا واقعہ تو وہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی جذیمہ کی طرف اُنکو بھیجا۔ اُنکو دعوت اسلام کیلئے بھیجا گیا تھا نہ مقاتلہ کے لئے لیکن وہاں پہونچکر بمقتضاء حالات حضرت خالد نے بنی جذیمہ کے چند افراد کو قتل کر دیا جسکی خبر پہونچنے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر فرمایا۔

اللهم انی ابرء الیك مما صنع خالد | (الٰہی میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں۔)

لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود اس اظہار ناراضی کے اُنکی اس حرکت کو غلطی رائے کے سوا کسی امر پر محمول نہیں فرمایا۔ اور اسی وجہ سے اُنکو پھر بھی ایسی ہی اہم خدمات کیلئے مامور فرماتے رہے۔ چنانچہ دومۃ الجندل کے نواب اکیدر ابن عبد الملک کے مقابلہ کیلئے بھیجے گئے اور وہ اُسکو قید کر لائے۔ اسی طرح نجران کی طرف قبیلہ مذحج کی ہدایت و تبلیغ اور در صورۃ عدم انقیاد و تسلیم مقاتلہ کیلئے بھیجے گئے۔ آپ وہاں گئے اُنکو دعوت اسلام دی۔ وہ لوگ مسلمان ہوگئے۔ اور آپ اُنکو ارکان اسلام کی تعلیم کیلئے خود تو وہاں اقامت پذیر رہے مگر ان حالات کی اطلاع تحریری جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں بھیجدی جسپر ارشاد صادر ہوا کہ خود معہ اُن لوگوں کے جو آنا چاہیں یہاں حاضر ہو جائیں۔ آپ ایک جماعت کو لیکر حاضر خدمت ہوگئے۔

اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی وفات تک برابر اہم خدمات انجام دیں۔ اور ہر ممکن سعی سے آپ کی رضا حاصل کرتے رہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ سب حالات پیش نظر تھے۔ ایک طرف آپ حضرت خالد کے جوہر ذاتی سے واقف دوسری جانب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد کا جو اُن پر تھا حال جانتے تھے۔ بارگاہ رسالت پناہ سے جو خطابات اُنکو عطا ہوئے تھے اُنکا بھی علم تھا۔ اسلئے مسند خلافت حقہ پر متمکن ہوتے ہی صدیق اکبر نے بھی مہمات اسلامیہ کے سرانجام کے لئے اُن پر اعتماد فرمایا فتنہ ارتداد کا انسداد۔ مسیلمہ کذاب جیسے سخت اور قوی ترین دشمن اسلام کی سرکوبی اُن کے ہاتھ سے انجام پذیر ہوئی۔

مگر اس زمانہ میں بھی اُن سے بعض امور ایسے سرزد ہوئے جنکی اگر صحیح تاویل نکی جاتی تو وہ مورد اعتراض بن سکتے تھے۔

۵ا مالک ابن نویرہ اور اُس کے رفقاء کا قتل کس طرح ہوا اُسکی کیفیت اول عرض ہو چکی ہی ۱۲

مالک ابن نویرہ بھی اُنہیں لوگوں میں تھا جسنے خلافت صدیق اکبر میں فتنہ ارتداد کے اندر حصہ لیا تھا حضرت خالد نے مختلف اقوام وقبائل کو سیدھا کرتے ہوئے موضع بطاح کی طرف جہاں مالک بن نویرہ کا قیام تھا رخ کیا تو اب مالک کو فکر ہوئی وہ اپنی حرکت پر نادم تھا اُسنے اپنی قوم کو جمع کر کے نصیحت کی اور کہا بہتر یہ ہے کہ ہم اپنی حرکت کا تدارک کر کے حلقہ بگوش بنجائیں۔ یہاں تو مشورہ کے بعد یہ طے ہوا۔ اُدھر حضرت خالد نے بطاح کی طرف بڑھنا چاہا تو انصار نے متابعت سے بدینوجہ انکار کیا کہ قبیلہ بزاخہ سے فراغت کے بعد ہمکو بارگاہ خلافت سے یہ حکم ہے کہ تاصدور حکم ثانی اسی جگہ مقیم رہیں حضرت خالد فرماتے تھے کہ اول تو مجکو پیش قدمی کی اجازت مل چکی ہے اور اگر اجازت بھی نہ ملتی اور میری رائے میں یہی امر مناسب ہوتا تب بھی مجھے کرنا چاہیئے تھا۔ ہمکو وقت فرصت ہاتھ سے ندینا چاہیئے یہ واقعہ بھی اُنہیں امور میں داخل ہو سکتا ہے جو حضرت خالد بمقتضاء مصلحت وقت بلا استفسار و اجازت اپنی رائے سے کر بیٹھتے تھے۔ اور ایسے ہی امور کو حضرت عمر نے تقدم کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

حضرت خالد تو روانہ ہو گئے۔ انصار اول تو رُکے لیکن بعد میں وہ بھی جا کر شریک ہو گئے۔ مالک فی الحقیقت اپنے خیالات ترک کر چکا تھا ادھر سے حضرت خالد کا لشکر پہونچگیا اور کچھ سوار مالک کو معہ ہمراہیوں کے اسیر کر لائے جو رات کو حضرت خالد کے حکم سے قتل[۵ا] کر دئے گئے مالک کے قتل

کے بعد حضرت خالد نے اُسکی زوجہ سے نکاح کر لیا۔

اِدھر تو مالک کا قتل اُدھر اُسکی زوجہ سے نکاح کر لینا۔ یہ دونوں امر ایسے تھے جسپر اکثر صحابہ کے خیالات اُنکی طرف سے بدل گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ناراضی انتہا کو پہونچگئی۔ آپ نے صدیق اکبر سے اُنکو معزول کر دینے پر اصرار کیا۔ مگر صدیق اکبر نے حضرت خالد کے عذر اور تاویل کو صحیح مان کر معزولی سے انکار فرما دیا اور یہ فرمایا میں اُس تلوار کو کیونکر میان میں کر دوں۔ جسکو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعداء اسلام کے لئے میان سے نکالا ہے۔

دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے وقت سے وفات تک تمام زمانہ سرفروشی و جاں نثاری میں دو معاملے اُن سے ایسے سرزد ہوے تھے جنمیں وہ متہم ہو کر قابل عزل سمجھے جا سکتے تھے۔ ایک بنی جذیمہ کا قتل جو خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا۔ جسپر آپنے اظہار ناخوشی بھی فرمایا۔ اور اسی واقعہ کی وجہ سے اُن میں اور حضرت عبد الرحمن ابن عوف میں تیز کلامی اور مناقشہ بھی ہوا جسکی تفصیل گذر چکی ہے۔ دوسرا یہ واقعہ جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں پیش آیا۔ اوّل واقعہ میں تو اُن پر یہ گمان ہو سکتا تھا کہ اُنھوں نے بنی جذیمہ کو اپنے چچا فاکہ ابن المغیرہ کے عوض قتل کیا ہے۔ اور دوسرے میں یہ گمان ہو سکتا تھا کہ مالک ابن نویرہ کو معہ رفقاء کے اسوجہ سے قتل کرا دیا کہ اُسکی حسین و جمیل بیوی سے نکاح کرنا تھا۔ اور یہ دونوں باتیں ایسی سخت تھیں کہ اُن سے کسی طرح درگذر نہو سکتا تھا یہی وجہ تھی کہ دونوں واقعوں میں مہاجرین و انصار نے اُنکا ساتھ ندیا بلکہ بگڑ بیٹھے۔ مگر باوجودیکہ یہ دونوں فعل نہایت ہی ناگوار تھے اور وہ عمداً انہیں اغراض کی تحصیل کیلئے کئے جانے جسکا ظاہرا گمان ہو سکتا تھا صادر ہوتے تو اُن سے کسی طرح درگذر نکیا جاتا۔ مگر حضرت خالد نے جو کچھ کیا اُسمیں اُنکی غرض کو ہرگز دخل نہ تھا۔ بنی جذیمہ کا قتل صرف اس وجہ سے ہوا کہ اُنھوں نے اپنے اسلام کو ایسے الفاظ میں ظاہر کیا۔ جنسے مفہوم ہوتا تھا کہ وہ اسلام سے پھر گئے۔ ایسی حالت میں اُنکا قتل جائز تھا۔ ہاں توقف اور تامل کیا جاتا اُن سے اُنکے مطلب کی توضیح کرائی جاتی تو بہتر اور مقتضاء احتیاط تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ اُنکے اس فعل سے برارت ظاہر فرمائی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ بہت سا مال بھیجکر سارے قبیلہ کا خوں بہا اور نقصان مال ادا کیا۔ مگر حضرت خالد کو بھی معذور سمجھا۔

(باقی آیندہ)

کَلِمَۃُ الحق

گذشتہ سے پیوستہ

قرآن مجید کی تعلیم جس احسن طریق پر ہے وہ کسی منصف کے دیدہ و دل سے مخفی نہیں ہے۔ اصول اعتقادی اور عملی کلیات امور۔ قواعد و ضوابطِ حلت و حرمت۔ طریق سیاست و تمدن۔ طرز معاشرت۔ فرائض واجبات۔ اوامر و نواہی۔ حدود و محارم نصائح۔ وعظ و تذکیر ایقاظ و تنبیہ۔ امثال و حکم۔ قصص و عبر پر اس طرح مشتمل ہے کہ کسی دیدۂ حق بیں و دل حقیقت شناس کو اُسکے بعد کسی دوسری تعلیم کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

وہ ایک مطب ہے جسمیں بندوں کے جسمانی و روحانی امراض کا علاج موجود ہے اُسمیں مومنین کیلئے ہر درد دکھ سے شفا ہے۔ اُسمیں گذشتہ اُمتوں کے واقعات موجود ہیں جنسے آنیوالی نسلیں عبرت کا سبق پڑھ سکیں۔ اُسمیں پیشین گوئیاں ہیں کہ مومن اُسکا اذعان کہیں اور مخالف اُنکی مطابقت کا معائنہ کرکے اپنے تمرد سے باز آئیں اُسنے حق و باطل کے درمیان ایک آہنی دیوار کھڑی کردی کہ کوئی ملحد ہوا پرست اُسکو ہلا نہیں سکتا۔ اُسنے خدا پرستی کے رستہ کو صاف کردیا۔ ہدایت کی مشعلیں روشن کردیں کہ کوئی مسافر صراط مستقیم سے گمراہ نہو سکے۔ وہ تمہارے دینی و دنیاوی امور کے لئے ایک زبردست حاکم ہے وہ تمہارے اختلافات میں حکم ہے وہ حق و باطل کے درمیان فاصل ہے وہ کلام لغو نہیں ہے اُسکا معجزہ ہے کہ اُسمیں سب کچھہ موجود ہے وہ اپنا پیارا لقب تِبیَانًا لکلّ شیٔ لیکر آیا ہے۔ اور وہ خود حضور سرور عالم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی کا زندہ معجزہ ہے۔

پھر سونے پر سہاگہ یہ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکی تفہیم اور توضیح اور تیسیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں فرمایا اپنے اقوال سے افعال سے احوال سے قرآن پاک کا اتباع سکھا دیا اور ولقد یسرنا القراٰن للذکر فھل من مُدّکر (ہمنے قرآن کو پند پزیری کے لئے آسان کردیا۔ کیا کوئی نصیحت قبول کرنیوالا ہے۔) کا مطلب اور مراد آنکھوں سے دکھا دیا۔

اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت کہ بندوں کی ہدایت کے لئے قرآن جیسی جامع اور علوی شافی وافی کتاب نازل فرمائی اور اسکے پیارے رسول اور حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رافت کہ ضعفا اور اغبیا قسم کے افراد امت کو ملحوظ رکھکر ایسی طرح اسکو سمجھایا کہ ہندی کی چندی کردی ؎

یارب تو کریمی و رسول تو کریم	صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں وہ ہوائے نفس سے نہیں فرماتے وہ امور تبلیغیہ میں جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وحی الٰہی سے فرماتے ہیں خود قرآن پاک خبر دیتا ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ	(محمد صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہیں کہتے جو کچھ کہتے ہیں وہ وحی سے کہتے ہیں۔)

سنت اپنے پہلے سال میں وحی اور اسکی عظمت کو اچھی طرح ثابت کر چکا ہے اور اس کے اتباع کی ضرورت بتلا چکا ہے اعادہ کی حاجت نہیں ہاں القاسم کے عام ناظرین کے حالات کو پیش نظر رکھکر اسوقت یہ بتلا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا وحی اور کلام اللہ ہونا دلیل تواتر سے ثابت اور قرآن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا وحی ہونا معلوم اب آپ کے کلام کے منقول ہوکر ہم تک پہونچنے کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) یا آپ کا کوئی قول یا فعل تواتر کے ذریعہ سے ہمکو ملا یہ افادۂ یقین اور ایجاب عمل میں مثل قرآن کے ہوگا اور تواتر کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے وقت سے لیکر اسوقت تک ہر زمانہ اور ہر طبقہ میں اسکے نقل کرنے والے اسقدر کثرت سے ہوں کہ عقل انکا جھوٹ پر متفق ہونا باور نکر سکتی ہو اور جس شئی کی وہ خبر دے رہے ہیں وہ مشاہدہ اور حس پر مبنی ہو یا طبقہ طبقہ سے روایت کرے یعنی ہر زمانہ کے لوگ اپنے زمانہ کے لوگوں سے ایسی کثرت سے روایت کریں کہ عقل انکی کذب کو باور نہ کرے

(۲) یا آپ کا کوئی قول و فعل ایسی جماعت سے تو منقول نہیں ہوا مگر ہر درجہ میں اسکے روایت کرنے والے موجود رہے علماء کی اصطلاح میں ایسی حدیث کا نام مشہور اور مستفیض ہے۔

(۳) یا اسکے بیان کرنے والے اس سے بھی کم ہیں مگر ہر زمانہ اور ہر طبقہ میں دو سے کم نہیں ہوئے۔ ہر راوی سے دو آدمی روایت کرنے والے ہر زمانہ میں موجود رہے اسکا نام اصطلاح میں عزیز ہے۔

(۴) یا اسکے بیان کرنے والے دو دو تین تین برابر رہے ہے مگر کسی درجہ میں ایک ہی شخص روایت کرنیوالا رہا ایسی حدیث کو اصطلاح میں غریب کہتے ہیں۔

یہ بات بدیہی ہے کہ دین کا مدار نقل پر ہے اور نقل کی صحت اور مطابقت نفس الامری اُسکے ناقل کی دینداری اور فہم و فراست پر مبنی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہمکو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذریعہ سے ملا ہے صحابہ کرام کا تدین اور فہم و فراست محتاج بیان نہیں ہے وہ بلا واسطہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تحصیل علم فرماتے تھے اور فہم و فقاہت کے مدارج مختلفہ کے ساتھ متصف تھے اور کوئی مسلمان دل میں یہ خیال لانا گوارا نہ کریگا کہ وہ روایت حدیث یا بیان واقعات یا تفہیم مسائل میں نفسانیت یا کذب یا مداہنت کو دخل دیتے تھے یا تراش خراش کرتے تھے اُنکے اوصاف ہمکو معلوم ہیں گو ہمنے اُنکو جسمانی آنکھوں سے نہیں دیکھا گو ہمنے اُنکا زمانہ نہیں پایا۔ مگر آج اُنکے حالات ہمارے پیش نظر ہیں اور نہایت صحیح اور موثوق واسطوں اور قابل قبول ذریعوں سے ہمکو ملے ہیں اُنکو پڑھکر ہم دنگ رہجاتے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو دیکھتے ہیں۔ ہم اپنے معاصرین کو دیکھتے ہیں۔ ہم ہندوستان کے اندر گشت کرتے ہیں اور ہندوستان سے باہر نکلکر چار دانگ عالم کی سیر کرتے ہیں ہر ملک کے باشندوں کی حالت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ہمکو اُن بزرگوں کی نظیر نظر نہیں آتی۔ بیشک وہ ہم جیسے مجسم تھے ہاتھ پاؤں ناک کان صورت شکل رکھتے تھے وہ کھانے پینے پہننے اوڑھنے کے محتاج تھے اُنکے بیویاں تھیں وہ دنیاوی کاروبار بھی کرتے تھے۔ وہ زمینداری کاشتکاری صنعت و حرفت تجارت میں بھی مصروف پائے جاتے تھے۔ مگر باللہ ثم باللہ وہ ہم جیسے انسان نہ تھے وہ جسم و اعضا رکھتے تھے مگر اپنے اعضائے ظاہری و باطنی کو اُسی کام میں لگاتے تھے جس کام کے لئے خدا نے اُن کو بنایا ہے وہ کھانے پینے پہننے اوڑھنے کے محتاج تھے مگر نہ ہماری طرح۔ وہ سب کے سب نو مسلم تھے اور اُنکی عمریں کفر اور شرک کے اندر گذری تھیں اُنکی گھوٹی میں جاہلیت کی چاشنی تھی اُنھوں نے لات و عزیٰ کی حکومت کے زمانہ میں جنم لیا تھا وہ عرب کی زمین کے سخت پتھروں سے صلابت اور شدت میں اشبہ تھے وہ لٹیرے لڑاک ڈاکو۔ سفاک۔ شراب خوار۔ قمار باز۔ ہوا و ہوس کے پابند رسوم و رواج کی سخت سخت قیدوں میں جکڑ بند تھے مگر جب اُنھوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ایمان لائے تو

وہ درحقیقت خدا کے لئے آپ کے ہاتھوں پر بک گئے اصلی حریت کے حلیہ سے آراستہ ہو کر محمدی حلقہ بگوشی کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار سمجھنے لگے۔ اُنکی کایا پلٹ ہوگئی اور یکلخت و دفعتاً اُنکی طبیعت اور جبلت میں غیر معمولی تغیر پیدا ہوگیا۔ اُنھوں نے افعال اختیاریہ سے قوائے حیوانیہ وانسانیہ سے اعضائے ظاہرہ و باطنہ سے کہدیا کہ اب ہم مع تمہارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نادرم خریدہ غلام ہیں۔ جو گلچھرے اوڑانے تھے اوڑا چکے خدا تعالیٰ معاف فرمائے۔ اب ہم تم سے وہی کام لینگے جو خدا کے ہاں سے تمھارے سپرد ہوئے ہیں۔

اب اُنکی یہ حالت ہے کہ اُنھوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو سر تسلیم خم کیا ہے اور اپنے مرغوب غذاؤں کو ترک کردیا ہے کیوں اسلئے کہ قرآن اُسکی اجازت نہیں دیتا محمد صلی اللہ علیہ وسلم منع فرماتے ہیں۔ وہ شراب جو اُنکی گھونٹی میں پڑی تھی جو بجائے پانی کے پیجاتی تھی۔ حرمت کا حکم نازل ہوتے ہی مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں بہی پھرتی ہے۔ شراب کے برتن توڑے جارہے ہیں۔ قمار کے پاسوں کی ہٹی خراب ہے قمار خانے بند ہیں۔ کیوں اسلئے کہ قرآن میں آج آیت اوتری ہے اُس میں بیان کیا گیا ہے کہ شراب گندی چیز ہے شیطانی کام ہے قمار گندی چیز ہے شیطانی کام ہے وہ شراب جسکے کبھی متوالے تھے جسکے خُم کے خُم اوڑا جاتے تھے اب اگر کپڑے پر لگ جاتی ہے تو اُسکو پاک کیا جاتا ہے۔ کیوں اسلئے کہ شریعت میں وہ گندی چیز قرار دی گئی ہے۔ ہمارے آزاد منشوں کی طرح اُنھوں نے کبھی نہ کہا کہ انگور یا جو کھجور کا شیرہ ہی تو ہے۔ اُسمیں ناپاکی کہاں سے گھس گئی۔ اُنھوں نے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم سے سن لیا کہ شرابی کی نماز چالیس روز تک قبول نہیں ہوتی۔ دل سے تسلیم کیا اور شراب چھوڑ دی۔ اُنھوں نے سُن لیا کہ مرد ریشمی لباس نہ پہنیں۔ تہ بند یا پائجامہ ٹخنہ سے نیچا نہونا چاہیئے۔ اگر ہوگا تو دوزخ میں اسکی سزا بھگتنی پڑے گی۔ سُنا اور توبہ کرلی۔ ازادانہ کوئی اعتراض نکیا کہ ٹخنہ سے نیچا پائیچہ ہوگیا تو اسمیں کیا خرابی ہوگئی۔ اُنھوں نے سود کی حرمت کی آیت سُنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسکی خرابیاں معلوم کیں۔ لینے والے اور دینے والے اور کاتب و شاہد پر لعنت کا حال سُنا لرز گئے توبۃ النصوح کرلی اور جو سود جس کسی پر باقی تھا معاف فرمادیا۔

بیویوں سے محبت تھی مگر خدا کے لئے شہوت پرستی اور غفلت شعاری کا دخل نہ تھا۔ صنعت

وحرفت تھی زراعت وتجارت تھی مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق وہ بایں ہمہ باوجود ظاہر میں اچھے خاصے دنیا دار اور باطن میں سچے فرمانبردار آنکھ مخلوق سے اور دل خالق سے مصروف معاملہ۔

رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ۔	(وہ ایسے لوگ ہیں کہ تجارت اور خرید و فروخت انکو خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔)

اُن سے کوئی گناہ ہوتا ہے تو خود حاضر ہو کر حضور میں عرض کر دیتے ہیں کہ ہم سے یہ گناہ ہوا ہے ہم پر خدا کی حد جاری کر دیجے۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا قصہ صحیح روایتوں سے کتب حدیث میں منقول ہے کہ وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھکو پاک کر دیجے یعنی گناہ کی سزا دیکر مجھے بری فرما دیجے آپنے اُنکے کلام کو یہ سمجھکر کہ کوئی کم درجہ کا گناہ ہوگا جو توبہ و استغفار سے معاف ہو جائیگا فرمایا کہ میاں جاو توبہ استغفار کرو اُنہوں نے پھر کہا کہ حضرت مجھے پاک کیجے آپنے پھر وہ ہی ارشاد فرمایا اور ماعز برابر عرض کرتے رہے چوتھی مرتبہ میں آپنے فرمایا کہ اے ماعز کس گناہ سے تجھکو پاک کروں۔ عرض کیا زنا سے۔ یہ سُنکر حضور نے دریافت فرمایا کہ اسکو جنوں تو نہیں ہو گیا لوگوں نے عرض کہ جنوں نہیں ہے پھر آپنے تحقیق کی کہ شراب تو نہیں پی ہے ایک شخص اُٹھا اور اُسکا مونہ سونگھا تو شراب کی بو نہ پائی تو آپنے فرمایا کہ ماعز تمنے زنا کیا ہے۔ عرض کیا کہ حضور ہاں زنا کیا ہے آپنے اُسکو (رجم) سنگسار کرنیکا حکم فرمایا اور وہ فوراً پتھروں سے مارا گیا عزیز و قریب یار و اغیار سب خدا کے حکم کی تعمیل میں مصروف ہو گئے یہ تھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سچے فرمانبردار۔ آپنے لوگوں سے فرمایا کہ ماعز کے لئے دعائے خیر کرو اُسنے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک اُمت پر تقسیم کیجاے تو سب کی نجات کے لئے کافی ہو۔

ایک صحابیہ دربار نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہے۔ کہ یا رسول اللہ مجھسے گناہ ہوا ہے مجھے پاک کر دیجے (حد جاری فرما دیجے۔) آپ فرماتے ہیں۔ (کوئی اور گناہ سمجھکر) جا توبہ استغفار کر وہ مکرر عرض کرتی ہے دو چار مرتبہ یہی کلام ہو کر وہ کہتی ہے کہ حضور کیا آپ ماعز کی طرح مجھے بھی رد کرنا چاہتے ہیں۔ یا رسول اللہ میں زنا سے حاملہ ہوں۔ آپ نے فرمایا تُو۔ عرض کیا حضور ہاں میں۔ آپنے فرمایا کہ جب تک بچہ پیدا نہو حد جاری نہیں ہو سکتی۔ ایک شخص اُسکا کفیل ہو گیا

اور اُسکو اپنی حفاظت میں رکھا جب پورے دن ہو گئے اور بچہ پیدا ہو لیا تو عرض کیا کہ حضور اُس عورت کے بچہ پیدا ہو لیا ہے تو آپنے فرمایا کہ ابھی ہم اُسکو اس وجہ سے سنگسار کرنا مصلحت نہیں سمجھتے کہ معصوم بچہ کے لئے دودھ پلانے والی کوئی نہیں ایک انصاری صحابی اُٹھے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ اس بچہ کے دودھ پلانے کی کفالت میں کرتا ہوں تب آپنے اُس کو سنگسار کرادیا۔ ایک دوسری صحیح روایت میں ہے کہ آپنے اُس عورت سے فرمادیا کہ جا جب بچہ پیدا ہو جائیگا تب حد جاری کیجاویگی۔ جب وہ جنکر فارغ ہوئی تو حاضر ہوئی کہ یارسول اللہ اب بچہ پیدا ہو لیا مجھپر حد جاری فرمادیجے۔ آپنے فرمایا کہ جا اسکو دودھ پلا جب اسکا دودھ چھٹ جائیگا تب حد جاری کیجاویگی۔ چلی گئی اور جب اُس بچہ کا دودھ چھڑایا تو پھر آئی بچہ گود میں تھا اور اُسکے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا۔ عرض کرتی ہے یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ملاحظہ کیجے یہ بچہ موجود ہے روٹی کھانے لگا ہے۔ آپنے اُس بچہ کو کسی صحابی کی کفالت میں دیا اور اُسکو سنگسار کرادیا اور بعد کو اُسکی توبہ کی تعریف فرمائی کہ اگر کوئی صاحب مکس (ظالم عشر و محصول لینے والا) بھی ایسی توبہ کرتا تو باوصف حقوق العباد اُسکی گردن پر ہونے کے اللہ تعالیٰ اُسکی مغفرت فرماتا۔ اللہ اللہ یہ تھے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ صحابہ کرام کے قصص و حکایات سے کتب لبریز ہیں یہ موقع اُنکے نقل کا نہیں ہے کچھ تھوڑی سی جھلک اُنکے حالات کی دکھا دینی کافی ہے۔ الحاصل جب واقعات اور حالات دیکھتے ہیں تو گویا ہم صحابہ کو دیکھتے ہیں اور یقین کے مدارج طے ہو جاتے ہیں۔ اور ہمکو اُنکی دیانت میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا ہم سمجھتے ہیں وہ انسان کامل تھے اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسے راستباز کامل مصاحبوں کی ضرورت تھی وہ سب اوصاف خدا کے دئے ہوئے اُنکی ذات میں موجود تھے اور اسپر جب اُن مناقب کا اضافہ ہوتا ہے جو خود حضور نے اُنکی نسبت ارشاد فرمائے تو پھر ہمارے عقیدت کیشی اور نیازمندی اُن بزرگوں کی نسبت اُس اوج عالی کی چوٹی پر پہونچ جاتی ہے کہ کوئی اُسکو ہمارے قلوب سے زائل نہیں کرسکتا مخالف اگر دلائل کی بھرمار کردے تو وہ کامیاب نہیں ہوسکتا ہم میں سے بھی اگر کوئی راہ گم کردہ ہمارے مقابلہ میں آئے تو موہنہ کی کھائے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعض مناقب ناظرین کی ازدیاد بصیرت کے لئے یہاں

لکھدینا مصلحت معلوم ہوتا ہے۔

(۱) عن ابی سعید الخدری قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا صحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھبا ما بلغ مُدَّ احدھم ولا نصیفہ۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اصحاب کو بُرا نہ کہو اگر تم میں سے کوئی شخص اُحُد (پہاڑ ہے قریب مدینہ منورہ کے) کی برابر خدا کی راہ میں سونا خرچ کردے تو میرے اصحاب کے مُد (پیمانہ ہے تقریبًا ادہ سیر وزن اُس میں سماتا ہے) اور نصف مُد کی برابر بھی نہیں ہوسکتا۔

صحابہ کا کمال ایمان۔ نہایت اخلاص۔ اُنکی استقامت اُنکا حسن نیت۔ اللہ اکبر کس درجہ میں مقبول ہی کہ کوئی بعد کو آنیوالا اُن کی برابری نہیں کرسکتا۔ وہ باوجودیکہ مفلس تھے اُنکو مال کی احتیاج بدرجہ اتم تھی مگراس فاقہ مستی میں وہ فی سبیل اللہ انفاق مال کو ہی مقدم رکہتے تھے۔ کسی نے ایسی روایت باوجود تلاش نہ پائی ہوگی کہ اُنھوں نے دینی ضرورت کے وقت بخل کیا ہو ایسے واقعات کتب سیر وحدیث میں بکثرت ملیں گے کہ بعض نے اپنا کل مال دیدیا بعض نے نصف دیا۔ اپنے گھر بار عزیز وقریب زمین جائداد چھوڑ چھوڑ کر فقر وافلاس کے عمامے اور پٹکے باندہکر توکل وقناعت کے عصا ہاتھ میں لیکر چلدیئے اور مدینہ میں داخل ہوگئے یہ صرف اور یہ ترک مال آخر دیکھو تو سہی کس عالی حوصلگی اور کس علوئے ہمت کی خبر دیتا ہے مدینہ طیبہ (زادہا اللہ شرفًا وتکریمًا) ایک معمولی شہر ہے وہاں جوق جوق مہاجرین چلے آتے ہیں۔ انصار مدینہ کس اخلاص اور محبت سے اپنے مہاجر بھائیوں کی مدارات کرتے ہیں۔ اسلام کا پہلا دور ہے مسلمانوں کی قلت ہے مال کی ضرورت ہے ہر قسم کے سامان کی احتیاج ہے اور وہ رسول کے فدائی اور اسلام کے شیدائی اپنے ذاتی ضرورتوں سے قطع نظر کرلیتے ہیں۔ اور مال سی محبوب شے سے دریغ نہیں کرتے کیا اعلاء کلمۃ اللہ کا اس سے بہتر کوئی اور منظر دنیا میں کبھی کسی نے کہیں دیکھا ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ نہیں دیکھا ہوگا۔ اُنھوں نے اپنے مال جان زن وفرزند کو اسلام پر قربان کردیا تھا اور اپنی احتیاج اور اسلام کی ضرورت کے وقت امتحان میں۔ دربار رسالت سے کامیابی کے تمغے اور سرکار خداوندی سے معزز لقب حاصل کئے تھے اور قرآن پاک میں اپنے تذکروں کا استحقاق حاصل کیا تھا۔

(۲) اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ (رزین)

(میرے اصحاب تاروں کی طرح فیض رساں ہیں۔ اُن میں سے جس کسی کی اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے۔)

(۳) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایہ یا ابن الخطاب والذی نفسی بیدہٖ مالقیک الشیطان سالکا فجا قط الا سلک فجا غیر فجک (بخاری ومسلم)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے فرمایا کہ ای عمر مجھے قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے۔ جب کبھی شیطان کسی رستہ میں چلتا ہے اور اتفاق سے تمسے مڈبھیڑ ہوجاتی ہے تو وہ رستہ چھوڑکر دوسرا رستہ اختیار کرلیتا ہے۔)

اس حدیث سے حضرت عمر کی صلابت اور قوت ایمانی اور حق پرستی پر پوری روشنی پڑتی ہے کہ اُنکی صورت دیکھکر شیطان سا شخص بھی خوف زدہ ہوکر چلدیتا ہے۔ بیشک یہ ہیں خدا کے مخصوص بندے جن کا تذکرہ قرآن پاک میں ان وقیع الفاظ میں فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ عبادی لیس لک علیھم سُلطان

(ہمارے مخصوص مطیع بندوں پر شیطان تیرا کچھ تسلط نہیں ہوسکتا)

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مناقب قرآن پاک کی آیات اور صحیح صحیح حدیثوں میں ملتے ہیں جب اُنکی نسبت ایسے عام اور ماقل ودل الفاظ پائے جاتے ہیں کہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔) تو کیا کوئی عاقل یہ خیال کرسکتا ہے کہ اُنہوں نے قرآن وحدیث کی تبلیغ میں کوتاہی کی یا اُنکی فہم میں غلطی ہوئی۔

قرآن پاک میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں ارشاد ہے۔

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک

(ای رسول جو تمپر خدا کی طرف سے نازل ہوا اُسکو پہونچادو۔)

اور آپ کا اپنے اصحاب کرام کو یہ ارشاد۔

بلغوا عنی ولو آیۃ

(مجھسے اگر کوئی ذراسی بات بھی پہونچی ہو تو اُسکو میری اُمت کو پہونچادو۔)

بیشک آپ نے (صلی اللہ علیہ وسلم) سب کچھ پہونچادیا اور اپنے زمانہ میں اعلان عام کردیا۔ کافر بادشاہوں کو بھی فرمان واجب الاذعان بھیجدیئے اور اپنے صحابہ کو بھی قرآن کی آیات کے مطالب حقیقی مراد اسلامی اصول وفروع سب ہی کچھ بتادیا اور سمجھادیا اور اسکا ایک مجمع عظیم میں اعلان بھی کردیا۔

رسالہ جمعہ اہلحدیث کے فتویٰ ثبوت جمعہ در قریٰ
کا جواب ۱/
سبیل الرشاد چند مسائل مختلفہ حنفیہ و اہلحدیثین
منصفانہ محاکمہ ۱/
ہدایۃ المعتدی بحث قراءت فاتحہ مقتدی ۲/۰۲/
حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے علم لدنی کا
نمونہ اثبات توحید و رسالت کے بمثل مضامین و تقریرات
عرصہ ہوا بہت کم درجہ کاغذ پر معمولی طرز سے چھپا تھا
قیمت اسکی (۳/) تھی اب حضرت مولانا محمود حسن صاحب
مدظلہم نے ابتداء میں چار صفحہ کا دیباچہ تحریر فرما کر اور موقعہ
بموقعہ توضیح مطالب کیلئے عنوانات قائم کرکے نہایت مفید
بنا دیا ہے اور نہایت عمدہ کاغذ پر ۰۰ صفحات پر جمعیۃ الانصار
کے اہتمام سے خوبصورت طبع ہوا ہے اہل علم اور صاحبان
وسعت اسکو ضرور طلب فرما کر محظوظ ہوں قیمت ۶/

مباحثہ شاہجہانپور ۶/	حقانیت اسلام کا عقلی ثبوت
میلہ خدا شناسی ۰۲/	مناظرات مخالفین اسلام
انتصار الاسلام ۰۳/	بدلائل عقلی و
قبلہ نما ۶/	منطقی

قصائد قاسمی ۲/ جمال قاسمی ۱/
مناظرہ عجیبہ در رد شبہات تحذیر الناس ۰۴/
فیوض قاسمیہ ۰۲/ احسن القریٰ ۱۲/
جہد المقل ہر دو حصہ ۱۲/ چہل حدیث ۲/
اتمام النعم ۱۰/ تعلیم الدین قدیم ۶/

اکسیر در اثبات تقدیر ۶/ صفائی معاملات ۰۱/
جزاء الاعمال ۱۰/ مکتوبات امدادیہ ۲/
بسط البنان ـ/ فروع الایمان ۰۲/
تحقیق تعلیم انگریزی انگریزی پڑھنے کے منافع و مضار ـ/
حق السماع گانا سننے پر محققانہ مضمون ۱/
اصلاح الخیال نیچریہ خیالات کی اصلاح ۲/
رسالہ تجوید القرآن ۱/ قول بدیع ۰۱/
اصلاح ترجمہ نذیریہ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے ترجمہ اغلاط
کی اغلاط فقہی و اصولی ۱۰/ فتاوی اشرفیہ بہت سے
مسائل کے جوابات حصہ اول ۴/ حصہ دوم ۴/
حقوق الاسلام اہل اسلام کے باہمی حقوق ۰/
خطاب الملیح قادیانی کا رد ۱/
رونمای مثنوی ۱/ مناجات مقبول مطبوعہ کانپور
کاغذ سرخ ۲/ کاغذ سفید ۶/
کلید مثنوی شرح اردو مثنوی مولانا روم دفتر اول حصہ اول عہ
ایضاً دفتر اول حصہ دوم عہ
شوق وطن ۳/ حیات خضر ۳/
الجواب المتین باحادیث سید المرسلین ۵/
گلزار سنت ۱/ مفید الوارثین اردو فرائض کی نہایت
عمدہ کتاب ہے عہ تنبیہ قادیانی ۱/
ایضاح الادلہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب صدر المدرسین
کی نہایت عجیب کتاب طلبہ کے لئے نہایت کار آمد عہ
مواعظ اشرفیہ ۱/

ملنے کا

تذکرۃ الرشید یعنی مولانا گنگوہی کی سوانح

حضرت قطب الارشاد مولانا الحافظ الحاج الشیخ رشید احمد محدث گنگوہی قدس سرہ العزیز کی مقدس زندگانی کا نمونہ اس کتاب مین موجود ہے جس سے ظاہر اور باطن کی اصلاح اور شریعت وطریقت کی تحصیل کا طریق معلوم ہوتا ہے جسنے حضرت ممدوح کی زیارت کی ہو وہ اس کتاب کو آپکی حالات کا نقشہ پاکر زیادہ محبت کا ثمرہ پائے گا اور جسنے آپکو نہین دیکھا وہ آپکی حالات سے جان لیگا کہ آپ کس پایہ کے علامہ اور کس مرتبہ کے امام تھے جسمین آپکے نسب شریف۔ ولادت۔ طفولیت۔ شباب نکاح۔ بیعت۔ خلافت۔ ایام تکلیف گرفتاری۔ رہائی صدمات اموات۔ نکاح صاحبزادہ وصاحبزادی۔ حج اول ودوم وسوم کے تاریخی واقعات کے علاوہ مطب نسخجات طبی مجرب اور علمی مضامین مین علماء کے شبہات فقہی سوالات قرآن وحدیث کے نکات فتاوی مراسلات تدریس ودورہ حدیث کی تقریرین انکل سمے ڈیڑھ سو سے زیادہ مقدار مین درج ہین یہ حصہ (۲۵۴) صفحہ پر ختم ہوا ہے اور دو عکسی فوٹو شامل کتاب ہین جسمین ایک سہ دری وصحن کا وہ نظارہ ہے جسکو شام کا جلوس کہنا چاہئے دوسرا اندرون حجرہ شریفہ کا فوٹو ہے جسمین مولانا مرحوم کے ملبوسات کی ہر شے اپنی جگہ رکھی ہوئی دکھلائی ہے قیمت ایک روپیہ دو آنہ عہ/۲

ایضا حصہ دوم جسمین طریقت اور سلوک کو بیان کیا گیا ہے ۲۴۴ صفحہ اور دو فوٹو ایک نقشہ جامع مسجد وروضہ قدسی اور دوسرا نقشہ مزار اقدس کا ہے قیمت عہ/۲

حصہ سوم مکاتیب رشیدیہ حضرت مولانا مولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ڈیڑھ سو خطوط مین جنکے پڑہنے سے قلب کو عجیب مسرت حاصل ہوتی ہے۔ قیمت ۴۰/

فتاوی رشیدیہ حصہ دوم ۸/

فتاوی رشیدیہ حصہ سوم ۸/

اعمال قرآنی ہر سہ حصہ یہ کتاب نہایت صحت کیساتھ مطبع قاسمی مین طبع ہوئی ہے قیمت ہر حصہ ۴/

البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ ردبدعت مین ایسی بسوط اور عجیب کتاب نہ دیکھی نہ سنی بدعت وسنت مین امتیاز کیلئے ایک واقعی معیار اور کافی ذریعہ ہے جسقدر مروجہ رسوم ہین اُن سب کی مفصل تحقیق درج ہے ۱۲/

ہدایۃ الشیعہ بجواب اعتراضات شیعہ ۳۰/

زبدۃ المناسک در مسائل واحکام حج ۳/

لطائف رشیدیہ استفسارات متعلقہ آیات قرآنی معہ پردہ مروجہ شرفاے ہند ۱۰/

کراہت جماعت ثانیہ تکرار جماعت کی کراہت ۱/

رسالہ تراویح بیس رکعت تراویح کا احادیث صحیحہ سے ثبوت اور غیر مقلدین کا رد ۱/

فتوی میلاد در علم میلاد مروجہ ۱/

ملنے کا پتہ } **مولوی محمد عماد الدین** ناظم کتبخانہ تجارتی مطبع قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور

نور الایضاح

فقہ کی مشہور کتاب ہے جسکی خدمت سے آجتک ہندوستان کے تمام مطابع محروم رہے اسکی عظمت وشان اس سے معلوم ہو سکتی ہے کہ مراقی الفلاح اور طحطاوی جیسی مستند شروح اسکی کی گئیں غنیۃ المصلی آجتک مدارس میں متداول ہے مگر اسمیں اقوال مختلف فیہا اور روایات متعارضہ کا ایسا اجتماع ہے جس سے مبتدی تو کجا ئی خود اوسط درجہ کی استعداد رکھنے والے بھی بسا اوقات کسی خاص صورت کو معمول بہا قرار نہ دے سکتے تھے اسلئے ضرورت تھی کہ ابتدا میں مبتدیوں کو کوئی ایسی کتاب پڑھائی جاوے جسمیں معمول بہا مسائل کا ذخیرہ کافی موجود ہو۔ الحمد للہ کہ اس ضرورت کو نور الایضاح نے بالکل ہی پورا کردیا صاحب نور الایضاح نے اس کتاب میں صرف مسائل صلوۃ وصوم پر اکتفا کیا تھا اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ اسکے ساتھ زکوۃ وحج کے مسائل بھی ملحق کر دیئے جائیں۔ صاحب مراقی الفلاح نے اپنے ماتن کے طرز کو پسند کرکے اسی طریقہ پر زکوۃ وحج کے مسائل چند ورقوں میں سلیس عبارت میں جمع کئے تھے یہ اوراق بھی نور الایضاح کیساتھ طبع کر دیئے گئے ہیں قیمت (۶)

کفایۃ المتحفظ

علم ادب میں ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں مولف علام نے ایک ایک چیز کے مختلف اوقات میں مختلف نام بتا کر ایسا سلسلہ قائم کر دیا ہے کہ اگر ابتدا ہی میں بچوں کو یاد کرا دیا جائے تو انکی ادبیت میں خالص عربیت کی جھلک آ نیگی اور اگر حضرات مدرسین اسکی تعلیم میں تھوڑی سی تکلیف برداشت کریں تو علم ادب جس کی کساد بازاری مسلم ہے بہت کچھ فروغ پا سکے دار العلوم دیوبند میں پڑھائی جاتی ہے تمام مدارس میں داخل درس کے قابل ہے ۲/

جامع الآثار

حضرت مولانا اشرفعلی صاحب مدظلہ کی عربی زبان کی کتاب طلبہ علوم فقہ وحدیث کیلئے نہایت مفید وجامع ہے مولانا نے استقرا تام کے بعد ان احادیث کو جنسے ائمہ حنفیہ استدلال کرتے ہیں جمع کرکے ہر باب کی احادیث کو علیحدہ کر دیا ہے طلبہ کیلئے اس کتاب کا اپنے مطالعہ میں رکھنا نہایت ضروری ہے قیمت .... (۶/) - (زیادہ خریداری پر بہ کفایت دی جاسکتی ہیں)

وجوہ المثانی اس عربی کتاب میں حضرت مولانا اشرفعلی صاحب مدظلہم نے ترتیب وار تمام سورتہائے قرآنیہ کے اختلاف قرات کو بیان فرما کر خاتمہ میں کسیقدر قواعد واصول متعلقہ ہمزہ وادغام واظہار وتفخیم وترقیق حروف تحریر فرمائے ہیں اخیر میں ایک رسالہ زیادات علی کتب الروایات کی غیر مشہور سندیں اور مسلسل بالاولیت وغیرہ جمع فرمائی ہیں اور دوسرا رسالہ جسمیں مولانا نے اپنا سلسلہ بیعت ونسب اور مدنی مدکا مستند سلسلہ بیان فرمایا ہے قیمت ۱۲/

ملنے کا پتہ مولوی محمد عماد الدین انصاری ناظم کتبخانہ تجارتی مطبع قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور

بہشتی زیور کامل گیارہ حصے

یہ کتاب عمدۃ الکملاء زبدۃ الفضلاء اشرف العلماء علیم الامۃ حضرت مولانا مولوی حاجی قاری محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدفیوضہم کی تصنیف کردہ ہے۔ مولانا نے ضرورت زمانہ کے لحاظ سے دینی و دنیوی تمام امور اس مین جمع فرما دئیے ہیں۔ یہ کتاب تعلیم نسواں (عورتوں کی تعلیم) کیلئے ازبس مفید ہے۔ بحمد اللہ اس کتاب کو اسقدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ ابتک بارہا چھپ چکی ہے اور ستر ہزار سے بھی زائد اشاعت ہو چکی ہے۔

مسلمانو! ہمیں اس کتاب کی اشاعت سے محض تجارت ہی مقصود نہیں بلکہ آپ حضرات کے کانوں تک اسکے فوائد گوشگزار کرنا اور آپکو احکامات دینیہ کا عالم بنانا مقصود ہے۔ اب اسکی طرف توجہ فرمانا اور اپنی آنیوالی نسلوں کو سنوارنا انکو دینی ضروری احکام سے کماحقہ آگاہ کرنا آپکا کام ہے وما علینا الا البلاغ مولانا مدظلہ العالی نے یہ کتاب محض اسلامی ضروریات اور مذہبی عقائد و معاملات کی تکمیل کیلئے صرف عورتوں کے پڑھنے اور عمل کرنیکے واسطے تالیف فرمائی ہے۔

یہ کتاب قرآن مجید فرقان حمید و صحاح ستہ (حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) و فقہ حنفی کا اردو میں لب لباب ہے اور تمام اہل اسلام بالخصوص حنفیوں کیلئے بیحد مفید و نافع ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معمولی تعلیم یافتہ اردو کا عالم بن سکتا ہے اور ہر قسم کے مسائل شرعیہ اور دنیوی امور سے واقف ہو سکتا ہے۔ اس نصاب کی تکمیل کیلئے زیادہ عمر زیادہ وقت کی ضرورت نہیں اردو پڑھی ہوئی عورتیں اور تعلیم یافتہ مرد بلا مدد استاد کے اس کتاب کو بہت اچھی طرح پڑھ سکتی ہین اور جو لڑکیاں اور بچے اردو خوان نہیں ہین وہ تھوڑی عرصہ میں ابجد پڑھکر اس کتاب کو بخوبی پڑھا اور سمجھ سکتی ہین (حصہ اول حروف تہجی ابجد سے شروع ہوتا ہے) قرآن مجید کیساتھ اسکی بھی تعلیم جاری کر دی جائے اور قرآن مجید کے ختم ہونیسے پیشتر انشاء اللہ یہ کتاب اختتام کو پہنچ جائیگی (اسیطرح اکثر مکاتب و مدارس اسلامیہ مین ہو رہا ہے) اس نصاب کی تعلیم لڑکیوں کیلئے ازبس مفید ثابت ہوئی ہے لہذا اس کتاب کا لڑکیوں اور عورتوں کے پاس رہنا ضروری ہے کیونکہ بچے جبتک اچھی طرح بولنے چلنے پھرنے بات چیت کرنیکے قابل نہیں ہوتے ان کی تربیت و پرداخت انکی دیکھ بھال انکی پرورش کی کفیل بھی عورتیں ہوتی ہین۔ اب اگر ماں دیندار سلیقہ والی در صاف ستھری رہتی ہے تو وہ اپنے بچوں کو بھی والدین اور بزرگوں کا ادب اور دینی باتوں کی ہدایت اور پاک و صاف رہنے کی تاکید کریگی لیکن جو عورتیں مذہبی اخلاقی علمی تعلیم سے بے بہرہ ہوتی ہین وہ بجائے لا الہ الا اللہ کے گالیاں اور بجائے سلام و نیاز کے تمرد و سرکشی اور طرح طرح کی خرافات و اہیات کی تعلیم کرتی ہین۔ بسا اوقات انکی اقوال و افعال کفر تک پہنچ جاتے ہین اور یہ عورتوں کی لاعلمی اور کم عقلی اور علوم شرعیہ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اور اس لاعلمی کیوجہ سے اگی بجائے اُنکے اولاد و بچوں کی تربیت نہوئی۔ اسلیئے وہ دولت علم سے محروم رہگئے اور دین و دنیا دونوں جہان کی ذلت و رسوائی نصیب ہوئی + معاذ اللہ منہا +

اس کتاب مین نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ عبادات۔ معاملات لین دین لکھنا پڑھنا سینا پرونا کھانا پکانا حقوق والدین حقوق زوجین حقوق ہمسایہ وغیرہ وغیرہ کا ضروری بیان بھی نہایت ہی سلیس اور سہل عبارت میں موجود ہے +

تقلید و بیعت (پیری مریدی) کو بھی خوب ثابت کیا ہے۔ بچوں اور عورتوں۔ مردوں کے اکثر امراض اور انکی سہل اور آسان علاج کے مجرب المجرب نسخے بھی درج کر دئیے ہین جنسے عورتین گھر بیٹھے اپنے بچوں کا اور اپنا علاج بڑی آسانی کے ساتھ کر سکتی ہین +

الغرض اس کتاب سے بہتر کوئی دوسری کتاب عورتوں اور بچوں بالخصوص لڑکیوں کی تعلیم کیلئے ہندوستان مین نہین ملسکتی دس حصوں پر منقسم ہے قیمت ... گیارہواں حصہ بہشتی گوہر ہے جسمین مردوں کے مخصوص مسائل و امراض و علاج مذکور ہین جسکی قیمت علاوہ دس حصہ مذکورہ بالا کے صرف ... مجموعہ گیارہ حصے ... کو روانہ ہوتی ہین۔

اطلاع بعض زیور اس سے کم صفحوں پر طبع ہوئی ہین قیمت ... وہ بھی ہمارے یہاں ملتی ہین۔ +

ملنے کا پتہ مولوی محمد عماد الدین انصاری ناظم کتبخانہ تجارتی مطبع قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور +

تعلیم یہ وہ مضمون ہے جسکو حضرت مولانا مولوی حبیب الرحمن صاحب مدیر القاسم و مددگار مہتمم دارالعلوم دیوبند نے جلسہ موتمر الانصار مراد آباد میں سنا کر حاضرین کی معلومات میں اضافہ فرمایا تھا جس میں اول ایک تمہید ہے جسمین مذہبی بہت سی معلومات خصوصاً متعلقہ تعلیم سے بہت سے نتائج اخذ کرکے ظاہر کیا ہو کہ ہر زمانہ مین ایک مصلح اور مجدد کی ضرورت ہوتی ہے آخر مین بنار دارالعلوم دیوبند کی کیفیت اور اُسکا انتظام دکھلایا گیا ہے۔ نہایت عمدہ کاغذ پر مطبع قاسمی دیوبند نے طبع کیا ہی۔ قیمت صرف ار

اصلاح الرسوم رسوم مروجہ کی خرابیان انکی اصلاح کا طریقہ شرعی قواعد سے مدلل و مفصل بیان فرمایا ہے اہل انصاف کو مجال دم زدن نہین مطبع قاسمی نے چھاپکر طیار کیا ہی قیمت ۴ر

زیارت الشام والقدس سیاحۃ المصر والعراق یہ رسالہ جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہے ممالک اسلامیہ کا سفرنامہ ہے جسکو مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے اپنی چشم دید معلومات سے مرتب فرمایا ہی حجاج اور ممالک اسلامیہ کے سفر کرنیوالون کے لئے یہ رسالہ رہنما ہے۔ قیمت فی جلد ۸ر

المجموعۃ العجیبہ ملاجلال میرزاہد ملاجلال حواشی بحرالعلوم و قاضی مبارک بر میرزاہد ملاجلال کا مجموعہ عمدہ کاغذ پر نہایت خوشخط کانپور مین طبع ہوا تھا۔ قیمت عصہ

علامہ آخرالزمان علامہ شبلی کے عقائد ان کی تصنیفات سے نقل کرکے مولانا عماد الدین صاحب ناظم مدرسہ خادم العلوم خورجہ نے دکھلائے ہین قیمت فی نسخہ ۰ر

علامہ شبلی کا فتویٰ خود اپنے الحاد و زندقہ پر جسکو مولانا محمد کفایت اللہ صاحب مدرس اول مدرسہ امینیہ نے مرتب فرمایا ہی قیمت ۰ر

رُقی احمدیہ اس کتاب مین امراض جسمانی اور معالجہ روحانی کا علاج آیات قرآنیہ اور احادیث معتبرہ سے معہ حوالہ کتب قلمبند کیا گیا ہی تمام معالجات منقولہ از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درج کئے گئے ہین قیمت ار

تصحیح اللغات زبان اردو مین بہت سے لغات فارسی و عربی و ترکی داخل ہین اور بکثرت غلط مستعمل ہوتے ہین عوام و خواص اس مین مبتلا ہین اس رسالہ مین اس کی پوری تصحیح کی گئی ہی جو شخص اسکو اپنے پاس رکھیگا غلطی نہ کریگا۔ قیمت ۳ر

نزہۃ القاری علم تجوید و فن قرأت مین یہ رسالہ مفید ہے قیمت ۲ر

ادلہ کاملہ اہل حدیث کے جواب مین ۲۲ صفحہ کا نہایت دقیق عالمانہ رسالہ ہے قیمت ار

میلاد کا صحیح طریقہ اور شروط وغیرہ قیمت ۲ر

اقتصاد یعنی تقلید و اجتہاد کا مفصل عام فہم مدلل بیان۔ قیمت ۳ر

فروع الایمان ۲ر

ملنے کا پتہ مولوی محمد عماد الدین انصاری ناظم کتبخانہ تجارتی مطبع قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور

الشہاب الثاقب علی مسترق الکذاب حسام الحرمین کا تحقیقانہ مفصل جواب از مولانا حسین احمد صاحب مہاجر ۔ ۱۲ر اسکات المعتدی
اہل بدعت کے علمی سوالات جنکا جواب سوائے اہل حق کے کوئی نہین دیسکتا قیمت ۸ر اختصار الرجم ۱ر الیوم الموعود ۲ر رد التکفیریہ
تنزیہ جسمین مولانا مرتضی حسن صاحب نے خانصاحب بریلوی کی جواب مین تمام ان کے دعاوی کی تردید فرمائی ہی قیمت ہر سہ ۱۰ر
قاصمۃ الظہر بلند شہر کے مناظرہ کا واقعہ ۱ر الفتین اللازب بریلی میں اہل حق کا قیام اور خانصاحب کا مناظرہ سے گریز آر
تنزیہ الاز السبوح خانصاحب کے سبحان السبوح کا لاجواب رد ۳ر
التسہیل علی الجہل سیف العرفان کا جواب ۰ر
احدی العشرۃ المستعین قابل دید رسالہ جسمین خانصاحب کے مسلمات سے ان کو کوئے متعلق پندرہ ۱۵ سوال ہین ۱۱ر
الکوکب الیمانی علی اولاد الزوانی جسمین خانصاحب کے کلام سے ثابت کیا گیا ہی کہ خانصاحب اور انکی تبعیہ کا دنیا مین کسی سے نکاح نہین ہو سکتا ۱۰ر
قطع الوتین من تقول علی الصالحین جو اتہامات خانصاحب نے اکابر اہل اسلام پر لگائے تھے انکا جواب جو خود اہل اسلام نے دیا ہی جسکے بعد کوئی شبہ ہی باقی نہین رہ سکتا ۔ ۲ر السحاب المدرار فی توضیح اقوال الاشیاء تحذیر الناس ۔ براہین قاطعہ ۔ حفظ الایمان کی عبارات کا صحیح مطلب جسمین خانصاحب کی عمر بھر کی کمائی خاک مین مل گئی
اسکا ملاحظہ نہایت ضروری ہی ۵ر
تسہیل الاستمداد فی مسئلۃ الاستمداد مسئلہ استعانت بالغیر مین ایسا نفیس و جامع رسالہ شاید ابتک تصنیف نہ ہوا ہو قابل دید ہی ۱۲ر
ثار الغضنافی جوالخ الرضا خانصاحب کے ابحاث اخیرہ کا جواب ہی آر
الطامۃ الکبری علی من کذب وتولی خانصاحب سے جو سوقت تک مناظرہ ہوا ہی اُس کی پوری کیفیت ۱ر
القسورہ علی الحمر المستنفرہ خانصاحب کی ایک جسٹری کا جواب ۰ر
کوکب الیمانین علی الجعلان والخراطین جلسہ بالاساتہ کی کیفیت آر تحذیر الاخوان عن رضاء الشیطان ۔ ر
فصل الخطاب مکہ مکرمہ کے فرمایشی خط کا جواب ۔ ر
بریلوی کا نادان دوست ۔ ر

التکشف عن مہمات التصوف

حکیم الامۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرفعلی صاحب دام فیضہم کا مفید عوام وخواص اور افراط و تفریط سی پاک سچی تصوف کی حقیقت مین نہایت ضروری جدید کتاب جسکا شایقین کو مدت سی انتظار تھا مطبع قاسمی نے پانچ جلدون مین طبع کیا ہی ۔ جسکی ہر جلد مستقل کتاب ہی اور مختلف مضامین پر مشتمل ہی ۔ جلد چہارم مین لسان الغیب حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ کے دیوان کی ردیف فائک شرح ہے ۔ یہ کتاب نہایت ضروری اور قابل دید ہی پانچون جلدون کی قیمت للعہ

ان کے علاوہ ہر قسم کی کتابین مطبع قاسمی سی بکفایت ملسکتی ہین اور خریدارون کیساتھ نہایت خوش معاملگی کیجاتی ہی جسکو آپ ایک مرتبہ مین تجربہ کرینگے ۔ + مدارس اسلامیہ اور طلبہ کیساتھ نہایت رعایت کیجاتی ہے ۔ کثیر مقدار کی خریداری کرنیوالے حضرات

بذریعہ خط وکتابت
معاملہ کرین

نشر الطیب (فی) ذکر النبی الحبیب

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری نہایت صحیح اور مستند روایات سے

(مولفہ)

حکیم الامۃ حضرت مولٰنا شاہ محمد اشرف علی صاحب دامت فیوضہم

وہ کونسا مسلمان ہے جسکے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہے۔ ایسا کسکا دل ہے کہ مدعی اسلام ہو اور آپکے حالات طیبات کا شائق نہ ہو۔ یا آپکی مبارک زندگی کے واقعات و حالات جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں پڑھکر دنیا و آخرت کی بہبود و فلاح کا طالب نہو۔ آپکے حالات طیبات کی ادنی برکت یہ ہے کہ علاوہ منافع اخرویہ کے دنیوی منافع بھی حاصل ہوتے ہیں۔ مصنف قصیدہ بردہ امام بوصیری جنکے نصف بدن کو فالج نے بیکار کردیا تھا اُنہوں نے بالہام ربانی یہ قصیدہ آپکے حالات میں تصنیف کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے آپنے اپنا دست مبارک انکے بدن پر پھیر دیا فوراً شفایاب ہوگئے +

سعد الدین خارقی آشوب چشم میں مبتلا ہوئے قریب تھا کہ آنکھیں جاتی رہیں کسی نے خواب میں کہا کہ قصیدہ بردہ آنکھوں پر رکھو چنانچہ اُسنے ایسا ہی کیا اور بیٹھے بیٹھے اُسکو پڑھا فی الفور اللہ تعالی نے اُسکو شفا بخشی ۔

نشر الطیب میں چونکہ آپکے حالات کو صحیح احادیث سے نہایت جامعیت اور تفتیش سے جمع فرمایا ہے اسلیئے اردو زبان میں آپ کے حالات میں یہ پہلی جامع مدلل کتاب ہے جسکے پڑھنے سے نور ایمان میں تازگی اور قلب میں اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ مولٰنا نے اس کتاب میں ابتداء صورۃ نوریہ سے دخول جنت کے بعد تک کے حالات درج فرمائے ہیں۔ جابجا قصیدہ بردہ کے شوق انگیز اشعار معہ حل مطالب درج کیئے ہیں جنکو پڑھکر اہل ذوق وجد میں آجاتے ہیں اور طالبعلمانہ طبیعت رکھنے والوں کے لیے موقعہ بموقعہ کچھہ لطائف علمیہ بھی موجود ہیں پھر ان سب باتوں کے ساتھ عام واعظوں اور مولودخوانوں کی جھوٹی اور بے اصل روایات سے قطعاً احتراز کیا گیا ہے ۔

مطبع قاسمی دیوبند میں تین قسم کے کاغذ پر نہایت خوشخط طبع ہوئی ہے۔ قسم اول ۸؍ قسم دوم ۴؍ قسم سوم ۳؍

احسن المواعظ جسمیں آٹھ وعظ ہیں مولانا محمد ابراہیم صاحب واعظ دہلوی کی یہ تالیف واعظین کیواسطے عمدہ کتاب ہے قیمت ۳؍

افضل المواعظ یہ احسن المواعظ کا دوسرا حصہ ہے جسمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات رضاعت سے وفات اور شفاعت تک لکھے ہیں۔ قیمت ۲؍

پتہ کا مولوی محمد عماد الدین انصاری ناظم کتبخانہ مطبع قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور

حجۃ الوداع میں آپ اونٹ پر سوار ہیں احکام سنا رہے ہیں اور صحابہ کرام سے فرماتے ہیں کہ تمسے میری تبلیغ کے متعلق سوال ہوگا تو تم کیا کہوگے وہ عرض کرتے ہیں ہم خدا کی جناب میں شہادت دینگے کہ آپ نے فرض تبلیغ کو خوب ادا فرمایا آپ نے رسالت اور تبلیغ کا حق ادا کردیا آپ نے نصیحت میں کوئی فروگذاشت نہیں فرمائی - آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرتے ہیں اور اور جناب الٰہی میں تین بار عرض کرتے ہیں - اللّٰھمّ اشھد ای اللہ تو گواہ رہ کہ میں اپنی خدمت کو انجام دیچکا -

الحاصل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے وہ علم قرآن وحدیث کہ جو اصل علوم ہے اور اسکے مقابلہ میں کسی علم کی کوئی حقیقت نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا سمجھا عمل کیا اور دعوت میں مصروف ہوئے اور سرمو کوتاہی نہ کی نہ وہ مداہن تھے کہ کسی سے ڈر کر کچھ دغل فصل کردیں نہ وہ شہوت پرست تھے کہ دین کو بدلدیں نہ وہ محض عقل کے تابع تھے کہ احکام الٰہی کا انکار کردیں وہ عاقل تھے انکی عقول سلیمہ تھیں فیض صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن میں ملکات اور قابلیت اور استعداد پیدا ہوئی تھی آفتاب نبوت سے بلاواسطہ انکے سینے پُرنور تھے وہ قرآن کے وہ ہی معنی بیان کرتے تھے جو بالکل صحیح تھے وہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل صحیح سمجھے اور جو کچھ کہا بالکل صحیح کہا اُن سے تابعین نے علم لیا اور تابعین سے تبع تابعین نے اور پھر یہ گنجینہ بذریعہ نقل ثقات امت ہم تک پہونچا - اب میں چاہتا ہوں کہ تابعین اور تبع تابعین کے متعلق بھی ناظرین کو ایک مختصر اور نہایت صحیح اطلاع کردوں -

(باقی آیندہ)

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

۱۔ یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھجاتا ہے۔

۲۔ یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ آٹھ آنہ پیشگی لیجاتی ہے۔ ممالک غیر سے صرف اسی قدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۳۔ جو حضرات بطور امداد واعانت اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچروپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے۔ اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۴۔ سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کی خدمت میں شروع سال (یا خریدار کا جب سال شروع ہوا ہوگا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کرکے عہ کا ویلو روانہ ہوگا۔

۵۔ یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمت میں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسروں کی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمایش کرتے ہیں۔

۶۔ شعبان ۱۳۳۱ھ مطابق جولائی سنہ ۱۹۱۳ء سے اس رسالہ کا چوتھا سال شروع ہوا ہے۔ پہلے تین سالوں کی مکمل جلدیں موجود ہیں قیمت ہر جلد کی عہ مع محصولڈاک ہے۔

۷۔ نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں ان کے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

۸۔ القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہئے۔

المشتہر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر رسالہ القاسم دفتر القاسم مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

قیمت سالانہ

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

جلد ۵ بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ نمبر ۸

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

مطابق ماہ فروری ۱۹۱۹ء

جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

(اور)

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہے

تقریظ

اکرم المواعظ یہ ایک علمی مذہبی نایاب کتاب ہے جو ہماری مکرم مولانا مولوی محمد ابراہیم صاحب دہلوی کی تصنیف ہے، وحدانیت کو دلائل عقلی سے ثابت کیا ہے بیان نہایت شستہ و صاف ہے عبارت سلسل ہے کتاب در واقع نافع ہے بالخصوص اُن حضرات کیلئے جو وعظ میں کمال پیدا کرنا چاہیں کہ سب مواد اُن کو یکجا مجتمع ملجائیگا۔ ایک سو ساٹھ صفحات پر ختم ہوئی ہے قیمت ایک روپیہ ہے اور القاسم والرشید کے خریداروں کو آٹھ آنہ میں ملتی ہے۔ قاری محمد یوسف صاحب متعلم دار العلوم دیوبند حجرہ نمبر ۸ واقع مطبخ سے طلب کیجے۔ خاکسار معتمد المدیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک حامی اسلام کی وفات

زمانہ کا انقلاب بھی عجیب اثر رکھتا ہے۔ کچھ زیادہ دن نہیں گذرے کہ ہمنے القاسم کے صفحات کو اُس سپاسنامہ کے اندراج سے زینت دی تھی جو عالیجناب نواب سرخواجہ سلیم اللہ خاں صاحب مرحوم کی خدمت میں علماء دیوبند کے ایک نہایت مبارک اور مقتدر وفدنے ڈھاکہ جاکر پیش کیا تھا۔ اور آج قضاء الٰہی نے یکایک ہمکو اِس پر مجبور کیا ہے کہ ہم اُسی القاسم کے اوراق میں اُنکا تعزیت نامہ لکھیں۔ اور اُن کی وفات پر اشک ہائے حسرت بہاکر اپنے دل کو ٹھنڈا کریں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم نے نواب صاحب مرحوم کے انتقال پرملال کی خبر ناگہاں صدمہ اور دلی رنج وقلق کے ساتھ سنی جیساکہ فطرۃ انسان کا اقتضاء تھا۔ لیکن ساتھ ہی ہمکو یہ خیال آکر خوشی اور تسلی بھی ہوئی کہ ہر آنے والیکے لئے یہاں سے جانا توضروری ہے۔ مگرہاں آخر میں آدمی کچھ زادراہ (یعنی عمل صالح) اپنے ہمراہ لیکر جائے تو یہ اُس کے اعلیٰ درجہ کی سعادت اور خوش نصیبی ہے۔ سو نہایت شکر اور اطمینان کا مقام ہے کہ مرحوم کی زندگی کی آخری ساعتیں۔ مدرسہ دیوبند کی محبت۔ تعمیر دارالحدیث کے فکر وخیال اور احیاء وابقاء سنتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگرم کوششوں میں صرف ہوئیں۔ جو اُمید ہے کہ اُن کے حق میں خداتعالیٰ کے فضل ورحمۃ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعتہ طیبہ کے لئے

انشاء اللہ تعالیٰ جاذب ہوں گے۔

طبقات الشافعیۃ میں علامہ ابن السبکی نے ایک عالم کا تذکرہ لکھا ہے کہ وہ شب و روز حدیث کی تعلیم و تدریس میں مشغول رہتے تھے اور یہ ہی چاہتے تھے کہ کسی طرح اسی مشغلہ میں میرا دم آخر ہو جاوے۔ چنانچہ اُنکی کوشش۔ اور صدق نیت اور تعلیم حدیث کی برکت کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ حدیث کی تعلیم دے رہے تھے اور ایک متصل سند بیان کرکے مستفیدین کے روبرو اُنھوں نے روایت کے صرف اتنے الفاظ پڑھے تھے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان آخر کلامہ لا الٰہ الا اللہ ؕ کہ روح قبض ہو گئی (اور گویا کہ فرشتۂ اجل نے اُس کا جواب دیا کہ دخل الجنۃ)

ہمکو خدا تعالیٰ کے فضل سے توقع ہے کہ علاوہ دوسرے دینی کارناموں کے تعمیر دار الحدیث کی جو سب سے آخری تمنا اور آرزو مرحوم اپنے دل میں لیکر چلے گئے ہیں۔ وہ ہی انشاء اللہ تعالیٰ اُن کے لئے باعث نجات اور ذریعۂ فلاح بن جائینگے۔ اور اُنکے سعید و صالح جانشین صاحبزادہ نواب خواجہ حبیب اللہ خان صاحب سلمہٗ صبر جمیل کے ساتھ اپنے جلیل القدر باپ کے وصایا میں اُنکی اس تمنا کو بہت بڑی اہم اور بابرکت وصیت تصور فرمائینگے۔

آخر میں سب ناظرین سے التماس ہے کہ وہ نواب صاحب مرحوم کے حق میں دعاء مغفرت و ترقی درجات فرمائیں اور اُنکے متعلقین کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ صبر و تحمل کو شعار بناکر اُنکے جائز جانشین اور وارث بننے کی کوشش کریں۔

الاحادیث الموضوعہ

یوں تو جن قلوب میں اسلام کی الفت کی ایک ادنیٰ جھلک بھی پائی جاتی ہے وہ ہرگز ہرگز اس امر کے انکار کی جرأت نہیں کرسکتے کہ حدیث حدیث ہونے کے اعتبار سے سر اور آنکھوں پر رکھے جانے کی قابل ہے یہ دوسری بات ہے کہ باعتبار قوت وضعف احادیث میں باہم کچھ فرق مراتب ہو لیکن اگر اسپر نظر ڈالی جاوے کہ احادیث موضوعہ کے احوال سے بحث کرنا بھی حالانکہ وہ پایۂ اعتبار سے بالکل ساقط ہیں دین میں کچھ کم رتبہ نہیں رکھتا تو حدیث کی عظمت واہمیّت کا اور زیادہ اعتراف کرنا پڑتا ہے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ۔

فان من مہمات الدین التنبیہ علی ماوضع من الحدیث واختلق علی سید المرسلین۔

(دین کے اہم کاموں میں سے ایک کام اُن موضوع حدیثوں اور من گھڑت روایتوں کے احوال سے خبردار کرنا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں۔

اگر احادیث صحیحہ کے ضخیم ضخیم مجلدات سے فن حدیث کی الماریاں مزین ہورہی ہیں تو احادیث موضوعہ کی کثیر التعداد کتابوں نے بھی وبضدہا تتبین الاشیاء کے قاعدہ سے محدثین سلف کے تابناک کارناموں کو چمکا رکھا اور دودھ اور پانی کے امتیاز کو نمایاں طور پر قائم کر رکھا ہے اور اگر احادیث صحیحہ کے حفظ کرنے میں ائمہ دین نے اپنی اپنی عمریں صرف کردی ہیں تو احادیث موضوعہ نے بھی حفظ و اشاعت میں ان سے کچھ کم درجہ نہیں پایا بلا شبہ ان دونوں اشاعتوں میں باہم اغراض کا بے حد اختلاف ہے لیکن اس قسم کا اختلاف ہمارے مدعا کی توجیہ میں کچھ مضر نہیں ہوسکتا مشہور ہے کہ امام ابویوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بارہ ہزار موضوع حدیثیں یاد تھیں اس ہی آپ اندازہ کریں گے کہ احادیث صحیحہ کسقدر یاد ہونگی غرض یہ کہ مقصد کے اعتبار سے گو کچھ ہی فرق کیوں نہو مگر احادیث موضوعہ کا فن باوجود ایک مستقل فن کی حیثیت رکھنے کے بہت سے امور میں فن حدیث کا مقابل بلکہ یوں کہو کہ گویا اُسی کا ایک شعبہ ہے اس اہتمام اشاعت اعتنا بالحفظ اور مہمات دین میں سے ہونیکو غور سے دیکھو تو اسکے سوا اور کیا کہہ سکو گے کہ احادیث موضوعہ کی حفظ و تنقیح بحث و تفتیش میں یہ اہتمام

صرف احادیث کے انتساب کی بدولت ہے۔ ۵

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا | بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس ست

قبل اسکے کہ ہم احادیث موضوعہ کی تحقیق و تفصیل شروع کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ احادیث صحیحہ کی قوت و صحت پر ایک اجمالی نظر ڈالیں۔ وبضدہا تتبین الاشیاء پر نظر رکھنے والی نظریں ان دونوں کے تناسب کو ملحوظ رکھکر غالباً اسکو خارج از مبحث نہ کہیں گی۔

تصحیح حدیث اور اخذ حدیث کے تین دور سلف میں ہوئے ہیں۔

دور اوّل | اس دور میں برابر یہی رہا کہ کبار ائمہ سے حدیث لیجاتی تھی۔ انہیں کو صحیح کہا جاتا تھا لیکن اسکے ساتھ ہی اس سے بھی قطع نظر نہ کیجاتی تھی کہ سلف کا عمل بھی ان روایتوں کے موافق ہو یا نہیں گویا سلف کا عمل ان روایات کا مُعدِّل عــہ تھا۔ اگر کوئی روایت طرق صحیحہ اور رواۃ ثقات کے ذریعہ سے روایت کیجاتی مگر سلف کا عمل اُسکے موید نہوتا تو اُسکو یا منسوخ کہا جاتا تھا یا وہم راوی پر محمول کیا جاتا تھا اور وہ حدیث بے کھٹکے قابل عمل نہ سمجھی جاتی تھی یہی طرز اہل حجاز میں سے امام مالک اور اہل عراق میں سے سفیان ثوری۔ سفیان بن عینیہ۔ حماد بن زید۔ حماد بن سلمہ عبدالرحمن بن مہدی۔ علی بن مدینی۔ یحییٰ بن سعید القطان۔ عبداللہ بن المبارک امام احمد بن حنبل امام اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا رہا ہے اور یہی ان حضرات کا معیار تصحیح تھا بے شک یہ طریق تصحیح حدیث کا اسلم الطرق ہے راوی کی عدالت قوت حفظ وغیرہما حدیث کی تصحیح اسقدر نہیں کر سکتے جسقدر کہ مساعدت عمل سلف سے ہو سکتی ہے کیونکہ جب ایک وہ حکم دربار نبوی سے امت محمدیہ تک پہونچایا گیا جسکی اشاعت بلغ ما انزل الیك من ربك اور بلغوا عنی ولو آیة کے موجب پر نظر رکھتے ہوئی ضروری تھی اور اسی لئے زبان مبارک سے فریضہ تبلیغ کو کما حقہ ادا کرنیکے بعد بار بار اللهم هل بلغت اللهم هل بلغت کے کلمات صادر ہوئے ہیں جسپر گہری نظر ڈالنے سے اشاعت احکام الٰہیہ کا وہ اہتمام جو سرور کائنات (روحی وروح ابی وامی فداہ) نے اپنے زمانہ حیات میں کیا ہوگا صاف ظاہر ہے پھر جب اس اہتمام سے آپ نے اشاعت احکام اسلام فرمائی۔ اور کرائی ہو۔ تو اسکی کوئی وجہ نہیں کہ سلف امۃ کا عمل اسپر نہو مساعدت عمل نہونیکی

عــہ معدل وہ شخص ہے جسکو حاکم وقت کسی کی عدالت جانچنے کے لئے مقرر کر دے ۱۲۔

صورت میں یا تو ان حضرات کے موافق حدیث کو منسوخ کہوا دریا وہم راوی ورنہ تبلیغ میں نقصان یا سلف کے اتباع سنت میں تہاون ماننا پڑیگا وحاشا ثم حاشا عن ذلک مثلاً امام ترمذی نے روایت کیا۔

عن ابن عباس قال جمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین الظھر والعصر وبین المغرب والعشاء بالمدینۃ من غیر خوف ولا مطر قال فقیل لابن عباس ما اراد بذلک قال اراد ان لا تحرج امتہ۔

(حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی نماز ایک وقت میں اور عشا اور مغرب کی نماز ایک وقت میں ساتھ ملا کر پڑھی حالانکہ نہ کچھ خوف تھا نہ بارش تھی حضرت ابن عباس سے عرض کیا گیا کہ اس سے آپ کا کیا مطلب تھا فرمایا یہ کہ آپ کی اُمت پر تنگی نہو۔)

دوسری حدیث۔

انہ قال اذا شرب الخمر فان عاد فی الرابعۃ فاقتلوہ۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص شراب پیے اور (باوجود شرعی سزا دئے جانے کے باز نہ رہتا ہو تو چوتھی مرتبہ اُسکو قتل کردو۔)

ان دونوں حدیثوں کے بارے میں خود امام ترمذی نے کتاب العلل میں تصریح کردی ہے کہ۔

جمیع ما فی ھذا الکتاب من الحدیث ھو معمول بہ وبہ اخذ بعض اھل العلم ماخلا الحدیثین۔

(اس کتاب میں ساری حدیثیں معمول بہا ہیں سوائے ان دو حدیثوں کے۔

دیکھو امام ممدوح نے کوئی جرح باعتبار رواۃ اسمیں نہیں کی باوجود اسکے پھر یہ دونوں حدیثیں معمول بہا نہوئیں اسلئے یہ دونوں مثالیں ہماری اس قول کی تائید کیلئے شاہد عدل ہیں کہ صرف رواۃ میں صحت روایت کی ساری شرطیں جمع ہوجانا حدیث کے قابل عمل ہونیکا ضامن نہ تھا یہی وجہ تھی کہ اگر کوئی صحیح الحفظ راوی کسی حدیث کی روایت کرتا تھا گو وہ کسی درجہ میں دوسرے راوی سے کم ہی کیوں نہو مگر جب عمل سلف سے اُسکی تقویت ہوجاتی تھی تو اُسکو صحیح اور قابل عمل مانا جاتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ مراسیل اور مرفوعات اور موقوفات بلانکیر احتجاج اور مواقع استدلال میں ان کے یہاں پیش ہوتے ہیں یہی طرز امام مالک اور امام محمد بن الحسن رحمہما اللہ

نے اپنی تصانیف میں ملحوظ رکھا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ نے یہ مدنظر رکھا کہ وہ مرفوع احادیث کو جمع کردیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اسکا التزام کیا کہ وہ صحیح صحیح حدیثوں کو جمع کریں اسکے بعد غالبًا یہ بھی مخفی نہ رہا ہوگا کہ تصحیح احادیث کے سلسلہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو موجع تصحیح احادیث نہیں کہا جاسکتا بلکہ تصحیح احادیث کا بازار ان سے پہلے گرم ہوچکا تھا۔

اس طرز کے موافق متواتر حدیثوں کا قحط بالکل باقی نہیں رہتا ہے۔ مثلاً فقہا وضو ہی میں مضمضہ استنشاق مسواک وغیرہ کو متواتر کہتے ہیں اسوقت ایک دو میں حدیث متواتر کا انحصار تو بجائے خود ابتو اُن کی فہرست مرتب کرنا بھی دشوار ہوجاویگا۔

بہت ممکن ہے کہ ہماری اس ساری التماس پر صرف یہ کہکر پانی پھیر دیا جاوے کہ محدثین کے یہاں متواتر کا وجود اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے اور اس تقدیر پر احادیث متواترہ لاتعد ولاتحصی ہوجاوینگی۔ لیکن یہ شبہ وہ عقلیں کرسکیں گی جنھوں نے ہماری معروض پر سرسری نظر ڈالی ہوگی ہم ان حضرات کے طرز کے موافق تواتر کا مبنی عمل سلف قرار دیتے ہیں اور محدثین رحمہم اللہ تواتر میں تواتر فی الاسناد کا لحاظ کرتے ہیں۔ محدثین کے ضابطۂ اسناد سے بہت سے متواترات میں تواتر نہیں ہوسکتا ہے۔ تواتر میں صرف یہ مطلوب ہوتا ہے کہ مجموع طبقہ نے طبقہ سے لیا ہو نہ یہ کہ کس شخص نے کس سے لیا۔

قال فی التوجیہ (وقد وقع ههنا من الابهام والایهام ما قد یضر المبتدئ فانه ربما توهم منها انه لیس فی السنة متواتر مع ان ما تواتر منها سواء کان من جهة اللفظ او من جهة المعنی کثیر یعسر احصاؤه غیر ان الائمة المتعرضین لضبط السنة لم یتعرضوا له لانه لیس من مباحثهم والخلاف المذکور انما وقع فی احادیث ذکرت فی کتب السنة

صاحب توجیہ النظر فرماتے ہیں (یہاں یعنی بحث تواتر میں کچھ اس قسم کا ابہام اور اجمال ہوگیا ہے کہ جس سے مبتدی کو بجائے فائدہ کے ضرر پہونچ جاتا ہے۔ اس لئے کہ ان مباحث کو دیکھکر بسا اوقات اُسکے ذہن میں یہ بات آجاتی ہے کہ سنت نبوی میں متواتر کا وجود ہی نہیں حالانکہ سنن متواترہ خواہ باعتبار الفاظ کے ہوں یا باعتبار معنی کے اسقدر کثیر ہیں کہ اُن کا شمار کرنا سخت دشوار ہے ہاں اُسمیں شک نہیں کہ جن ائمہ نے ضبط ارشادات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت انجام دینے کا تہیہ کیا تھا انھوں نے اسطرف اسلئے توجہ نہیں فرمائی کہ اُنکے مباحث میں یہ بحث داخل نہ تھی اور اختلاف مذکور

ولها اسانيد شتى اتفقت لها الفرط العناية بها والا فالمتواتر ليعسر ايراد اسناد له على قواعد المحدثين فضلاً عن اسانيد وذلك ان الاسانيد انما يحرص عليه في اخبار الاحاد لما يعرض فيها من الشك)

صرف اُن چند حدیثوں میں ہوا ہے جنکا ذکر سنن کی کتابوں میں ہے چونکہ اسطرف توجہ زیادہ کیگئی اتفاق سے انکی اسناد بھی حاصل ہوئیں ورنہ متواتر کی ایک سند کا قواعد محدثین کیموافق بیان کرلینا ہی دشوار ہے زیادہ سندوں کا تو ذکر ہی کیا ہے اور اس کی لم اور کنہ یہی ہے کہ اسناد کی کوشش صرف اخبار آحاد میں کیجاتی ہے اس لئے کہ اسی میں شک پیدا ہوسکتا ہے۔

تقریظات

القمر دارالسلطنت دہلی میں ایک نیا چاند طلوع ہوا ہے یعنی القمر نامی ایک ماہور مذہبی علمی ادبی رسالہ زیر ادارت مولانا عبدالعزیز صاحب جیندوی شائع ہوا ہے اس کا ایک نمبر ہمنے دیکھا مضامین مناسب مفید و سلیس ہیں کاغذ لکھائی چھپائی بہت خوب ہے رسالہ اپنی صورت کے اعتبار سے ایک تصویر ہے جو دیکھنے والے کو اپنے مطالعہ سے شائق بنا لیتا ہے۔ اخبار و رسائل کی کمی نہیں ہے مگر باایں ہمہ اہل ملک کو ابھی ایسے جراید کی ضرورت ہے کہ جو محض مذہبی اور سچی اسلامی تعلیمات سے مملو ہوں اس دور میں قوم کا مذاق بدلگیا ہے اُسکی اصلاح کے لئے کوئی ایک مفرح کافی نہیں ہوسکتا اور نہ سب اُس سے سیراب ہوسکتے ہیں ضرورت ہے کہ اہل علم اٹھیں اور اپنے مسلمان بھائیوں کی اصلاح میں حصہ لیں خدا تعالیٰ مولوی عبدالعزیز صاحب کی اس سعی کو قبول فرمائے اور رسالہ کے اجرا میں جو صعوبتیں سد راہ ہوں انکو آسان فرماوے اور یہ رسالہ ایسے ہی مضامین کی اشاعت کرے جو مسلمانوں کو سچا اسلام سکھاویں۔

دینیات کا پہلا اور دوسرا رسالہ

یہ دو رسالے آنریری سکریٹری صاحب شعبۂ تعلیم نسوان علیگڈھ نے ہمارے پاس بغرض تقریظ بھیجے ہیں میں نے ان رسالوں کو دیکھا۔ میری رائے میں یہ رسالے مسلمان لڑکیوں کی ابتدائی تعلیم

کے لئے مفید ثابت ہونگے۔ سیدھی سیدھی سچی سچی باتیں اپنے قدیم طریق کے موافق ان رسالوں میں لکھی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد و نعت سے رسالوں کی ابتدا کی گئی ہے ارکان اسلام بیان کئے گئے ہیں اور وضو غسل تیمم اوقات نماز۔ اذان۔ شروط نماز نماز پڑھنے کی ترکیب عام فہم عبارت میں سمجھائی گئی ہے۔ خدا کرے کہ اور ضروری دینی رسائل بھی اپنے اسی پرانی ڈگر پر تصنیف ہوکر لڑکیوں کو تعلیمی برے اثر سے محفوظ رکھیں اور یہ خدا کی بندیاں اپنی ابتدائی تعلیم سے ہی اپنے مذہب سے آشنا ہوتی رہیں اور یہ مذہبی معلومات ان کو عالم کے اس سمی اور مہلک اثر سے جو عموماً مسلمانوں کے عقاید کو مضمحل کر دیتا ہے بقدر اپنی قوت کے محفوظ رکھ سکے اور ابتدا ہی سے ان میں مذہبی خالص روح پھونکی جاوے اللہ تعالیٰ ایسی تجویز کو کامیاب فرمائے اور مؤلفین اور مصنفین کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

مختصر الاصول ایک قدیم کتاب اصول فقہ کی عربی زبان میں ہے اب حال میں اسکا بامحاورہ ترجمہ اردو زبان میں جناب مولانا محمد نجم الغنی خاں صاحب رامپوری نے فرمایا ہے اور مطبع نیر اعظم مرادآباد میں طبع ہوئی ہے۔ ایڈیٹر صاحب نیر اعظم نے ایک نسخہ بغرض تقریظ دفتر القاسم میں روانہ فرمایا ہے کتاب ضخیم ہے ۳۸۶ صفحات پر ختم ہوئی ہے اصول فقہ کے مسائل کو اردو زبان میں سمجھانیکی خاطر خواہ کوشش کی ہے گو علمی مضامین ترجمہ ہوکر اپنے اصلی قالب سے منتقل ہوکر غریب الوطن ہو جاتے ہیں تاہم مترجم نے عرقریزی سے کام لیا ہے اہل علم کو گو اردو ہونے کی وجہ سے اس ترجمے سے غنا ہو مگر کم استعداد طلبہ کی استعداد بڑہانے میں اور کتب اصول فقہ کے زمانہ تعلیم میں اسکا مطالعہ ضرور مفید ہوگا قیمت اس رسالہ کی ۱۲ہے ایڈیٹر صاحب نیر اعظم سے مل سکتا ہے

خاکسار معتمد المدیر

مبدأ و معاد

(سلسلے کیلئے دیکھو القاسم نمبر ۴ جلد ۵)

اسکی شرح میں اسقدر ظاہر کرتا ہوں کہ کوئی شخص اپنے نفس سے زیادہ اپنے سے نزدیک نہیں۔ باوجود اسکی نسبت قرب وشہود اور حلاوت و وجدان اپنی ذات کے حق میں مفقود ہے اور اپنے سے غیر کی نسبت کہ جو اس شخص سے مباینت رکھتا ہے یہ نسبتیں موجود ہیں فالعاقل تکفیہ الاشارہ۔ اور اس طریق کے اکابر نے احوال و معارف کو احکام شرعیہ کے تابع کیا ہے اور ذوق وشوق کو خادم علوم دینیہ کا رکھا ہے۔ جواہر نفیسہ شرعیہ کو اطفال کی مانند وجد و حال کے میوہ سے نہیں بدلتے اور صوفیاء کے کلمات مزیفہ پر مغرور و مفتون نہیں ہوتے ممنوعات شرعیہ کے ارتکاب سے اور مخالفت سُنّتہ سَنیہ سے جو احوال حاصل ہوں اُنکو قبول نہیں کرتے اِسی جگہہ سے ہے کہ سماع و رقص کو جایز نہیں رکھتے اور ذکر جہر کی طرف توجہہ نہیں کرتے اُن کا حال ہمیشہ یکساں ہے اور اُنکا وقت مستمر ہے تجلی ذاتی کہ دوسروں کو مثل برق کے ہے اُنکو دائمی ہے وہ حضور کہ اُسکے ساتھ غیبت ہو ان بزرگواروں کے نزدیک حیز اعتبار سے ساقط ہے بلکہ اُنکا کارخانہ حضور تجلی سے بلند تر ہے جیسا کہ اُسکی طرف اشارہ کیا گیا حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ خواجگان سلسلہ ہذا قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ہر کہ زراق و رقاص کے ساتھ کچھہ نسبت نہیں رکھتے اُنکا کارخانہ بلند ہے۔ اور اس طریق میں پیری اور مریدی تعلیم اور تعلم طریقت سے ہے نہ کلاہ و شجرہ سے کہ اکثر طرق میں رسم ہوگئی ہے یہانتک کہ اُنکے پچھلوں نے پیری اور مریدی کو منحصر کلاہ و شجرہ کے ساتھ کر رکھا ہے یہ ہی وجہ ہے کہ تعدد پیر کو جائز نہیں رکھتے اور معلم طریق کا نام مرشد رکھتے ہیں پیر نہیں جانتے اور آداب پیر کو اُسکے ساتھ ملحوظ نہیں رکھتے یہ امر انکی کمال جہالت اور نارسائی سے ہے یہ نہیں سمجھتے کہ اُنکے مشایخ نے پیر تعلیم اور پیر صحبت کو بھی پیر کہا ہے اور تعدد پیر کو جائز رکھا ہے بلکہ پیر اول کی حیات میں بھی اگر کوئی طالب اپنا نفع اور ہدایت و رشد دوسری جگہ دیکھے بدون انکار پیر اول کے دوسرا پیر بنانا اور اُسکی طرف رجوع کرنا درست ہے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اس امر کے جائز ہونے میں علماء بخاری سے فتویٰ

مرتب کیا ہے۔ البتہ اگر ایک پیر سے خرقہ ارادت لیچکا ہے تو دوسرے پیر سے خرقہ ارادت نہ لے اگر لیوے خرقہ تبرک لیوے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا پیر بالکل نہ بناوے بلکہ جائز ہے کہ خرقہ ارادت ایک سے لے اور تعلیم طریقت دوسرے سے کرے اور صحبت تیسرے کے ساتھ رکھے اور اگر یہ تینوں دولت ایک پیر سے میسر ہوں تو کیسی بڑی نعمت ہے۔ اور جائز ہے کہ تعلیم اور صحبت کا استفادہ مشایخ متعدد سے کرے۔ جاننا چاہیئے کہ پیر وہ ہے جو مرید کو حق تعالیٰ کی طرف رہنمائی فرماوے یہ امر تعلیم طریقت میں زیادہ تر موجود وملحوظ ہے پیر تعلیم استاذ شریعت بھی ہے اور رہنمائے طریقت بھی بخلاف پیر خرقہ کے پس پیر تعلیم کے آداب کی زیادہ تر رعایت کرنی چاہیے اور اُسکے آداب کو پوری طرح بجالانا چاہیے پیر کہنے کا وہ زیادہ تر مستحق ہے۔ اور اس طریق میں ریاضات ومجاہدات نفس امارہ کے ساتھ احکام شرعیہ کے بجالانے اور متابعت سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لازم پکڑنے سے ہے اسلئے کہ مقصود پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل فرمانے سے خواہشات نفس امارہ کو اٹھانا ہے جو کہ اپنے مولے جل سلطانہ کی مخالفت اور عداوت پر قائم ہے۔ پس خواہش نفس کا دور ہونا احکام شرعیہ کے اتباع میں ہے جسقدر شریعت میں راسخ تر اُسی قدر خواہشات نفس سے دور تر ہے نفس پر کوئی امر اوامر ونواہی شرعیہ کی فرمانبرداری اور پیروی سے دشوار تر اور بھاری نہیں ہے نفس کی بربادی اور خرابی صاحب شریعت کی تقلید اور اتباع کے سوا متصور نہیں۔ ریاضات اور مجاہدات جو ماسوائے تقلید سنت اختیار کئے جاویں معتبر نہیں کیونکہ جوگیہ اور براہمہ ہند اور فلاسفہ یونان اس امر میں یعنی ریاضات ومجاہدات میں شریک ہیں اور یہ ریاضات مجاہدات اُنکے حق میں سوائے گمراہی کے کچھ نہیں بڑھاتے اور بجز خسارہ کے اس سے اُنکو کچھ حاصل نہیں۔ اس طریق میں طالب کا سلوک پورا کرانا شیخ مقتدر کے تصرف اور توجہ اور عنایت سے ہے بدون اُس کے تصرف کے کام نہیں چلتا اور یہ راستہ طے نہیں ہوتا کیونکہ اندراج نہایت در بدایت شیخ مقتدا کی توجہ شریف سے ہے اور حصول معنی بیچونی وبیچگونگی کا نتیجہ کمال تصرف کا ہے بیخودی کی کیفیت کہ اُسکو راہ مخفی اعتبار کیا ہے اُس کا حاصل ہونا مبتدی کے اختیار میں نہیں ہے اور وجود اُس توجہ کا کہ معرا ہے شش جہت سے مبتدی کے حوصلہ طلب کی موافق نہیں ہے

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند	کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

یہ حضرات جیسا کہ حق تعالیٰ نے ان کو قدرت کاملہ اعطار نسبت کی دی ہے اور حضور و آگاہی تھوڑی مدت میں طالب صادق کو انکی ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے اسی طرح یہ حضرات اُس نسبت کے سلب کرنے کی بھی قدرت تامّہ رکھتے ہیں اور ایک بے توجہی و بے التفاتی سے صاحب نسبت کو مفلس اور خالی کر دیتے ہیں البتہ جو دیتے ہیں وہ لیتے بھی ہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اپنے غصہ سے اور اپنے اولیار کرام کے غصہ سے۔ اور اس طریقہ عالیہ میں زیادہ تر افادہ اور استفادہ سکوت سے ہے مشایخ نے فرمایا ہے کہ جسکو ہمارے سکوت سے نفع نہ ہوا اُسکو ہمارے کلام سے نفع نہوگا اور اس سکوت کو تکلف سے اختیار نہ کیا ہے بلکہ اُن کے طریق کے لوازم میں سے ہے کیونکہ ابتدار سے توجہ ان بزگواروں کی احدیت مجرّدہ کی طرف ہے اسم اور صفت سے سوائے ذات کے نہیں چاہتے اور معلوم ہے کہ مناسب اُس توجہ کے اور ملائم اُس مقام کے سکوت و خرس ہے من عرف اللہ کل لسانہ جس نے اللہ کو پہچانا اُسکی زبان بند ہوئی۔ مصداق اس کلام کا ہے اور اس مقال کو اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُسکے حبیب صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ کے اوپر درود شریف پڑھنے پر ختم کرتا ہوں الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ الطاہرین اجمعین والسلام۔

نیز مکتوب دوسو بائیس میں فرماتے ہیں۔ اے اللہ ہمکو اپنی رضار کی توفیق عطا فرما اور اپنی عبادت پر ثابت رکھ بحرمتہ سید الاولین والآخرین علیہ وآلہ الصلوات والتسلیمات۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مرید صادق وہ ہے کہ بیس برس تک کاتب شمال کوئی گنہ اُسکا نپاوے جسکو لکھے اور یہ فقیر بقصیر ذوق و وجدان سے اپنے اندر یہ امر پاتا ہے کہ بیس برس کی مدۃ میں کوئی نیکی نہیں کی جسکو کاتب یمین لکھے اور میرے نامہ اعمال میں درج کرے خدا تعالیٰ علیم ہے کہ یہ بات تکلف اور تصنع سے نہیں کہتا اور نیز ذوقًا اپنے اندر یہ امر پاتا ہے کہ کافر فرنگ اُس سے بمراتب بہتر ہے اگر اُسکی لم کوئی پوچھے تو بتلا سکتا ہوں اور نیز بطریق ذوق اپنے آپ کو گناہوں سے گھرا ہوا اور سیآت کے ساتھ مشتمل پاتا ہوں اور جو نیکیاں ظاہر ہوتی ہیں اُسکو اس لائق سمجھتا ہوں کہ کاتب شمال جو سیآت کے لکھنے پر مامور ہے اُن کو لکھے اور میں دیکھتا ہوں کہ کاتب شمال ہمیشہ کام میں ہے یعنی سیآت لکھتا رہتا ہے اور کاتب یمین معطل اور بیکار ہے اور نیکیوں کا نامۂ اعمال خالی اور سفید نظر آتا ہے اور گناہوں کا اعمالنامہ بھرا ہوا اور سیاہ دیکھتا ہوں سوائے رحمت باری تعالیٰ کے کچھ امید گاہ نہیں

اور اُسکی مغفرت کے سوا کوئی ٹھکانا نہیں دعا۔

اللھم مغفرتك اوسع من ذنوبی	اے اللہ تیری مغفرت زیادہ واسع ہے میری گناہوں سے
ورحمتك ارجیٰ عندی من عملی۔	اور تیری رحمت کی زیادہ امید ہے میری نزدیک اپنے عملوں سے

میرے حال کے موافق ہے عجب کاروبار ہے فیوض و واردات الٰہی کہ علی الدوام فائض و وارد ہیں اور مدارج کمال و تکمیل حاصل ہوتے ہیں مویداس دید قصور کے ہوتی ہیں اور تقویت اس عینیت کی کرتے ہیں عُجب کی جگہ نقص بڑھاتے ہیں اور ترفع کی جگہ تواضع اور فروتنی کا راستہ کھولتے ہیں ایک وقت میں کمالات ولایت کے ساتھ بھی مشرف ہے اور دید قصور کے ساتھ بھی متصف ہے جسقدر اوپر جاتا ہے زیادہ نیچا اپنے آپ کو دیکھتا ہے بلکہ وہی اُوپر جانا سبب نیچا دیکھنے کا ہو رہا ہے اہل عقل اسکا یقین کریں یا نہ کریں اگر اُسکے راز کو جان لیں تو ممکن ہے کہ باور کریں۔

سوال۔ اس ضدین کے اجتماع کا راز کیا ہے اور ایک ضد کا وجود دوسرے ضد کے وجود کا سبب کیونکر بنگیا۔

جواب دو متنافی امر کا مجتمع ہونا محال اُسوقت ہے کہ ایک محل میں ہو یہاں محل متعدد ہے اوپر جانے والے عالم امر کے لطائف ہیں انسان کامل سے اور نیچے اترنے والے اُسکے عالم خلق کے لطائف ہیں۔ لطائف عالم امر جسقدر اوپر چڑھتے ہیں غیر مناسب تر ہوتے ہیں عالم خلق سے اور یہی عدم مناسبت سبب فروتر آنے عالم خلق کا ہے۔ اور عالم خلق جسقدر فروتر ہوتا ہے سالک کو بے حلاوت تر کرتا ہے اور عیوب و نقائص کی دید کو زیادہ تر کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ جو منتہی ہدایت کیلئے عالم کی طرف رجوع کرتے ہیں اُس لذت اور حلاوت کی تمنا کرتے ہیں جو اُن کو ابتدا میں میسر ہوئی تھی اور انتہا میں وہ حالت نہ رہی اور اُسکی جگہ بے مزگی حاصل ہوئی۔ اور اسی وجہ سے عارف کافر فرنگ کو اپنے سے بہتر جانتا ہے کیونکہ کافر میں بسبب امتزاج عالم امر و عالم خلق کے ایک نورانیت نظر آتی ہے اور عارف میں یہ امتزاج زائل ہو چکا ہے عالم خلق جدا ہو چکا ہے جسپر اطلاق انا کا ہوتا ہے اور وہ سراسر ظلمت و کدورت سے پُر ہے اور ہر چند لطائف عالم امر بوقت نزول عارف نیچے اُترتے ہیں مگر عالم خلق سے اُن کو وہ اختلاط و امتزاج نہیں ہوتا جو ابتدا میں تھا۔

(باقی آئندہ)

تربیۃ السالک و تنجیۃ الہالک

—— گذشتہ سے پیوستہ ——

خط ہدایت نمط نزد عزیزے کہ از ہجوم وساوس و خطرات عاجز و مغلوب آمدہ قصد خودکشی کردہ بود

از اشرف علی عفی عنہ بخدمت مومن کامل مجاہد النفس بارک اللہ فی ایمانکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ کئی روز ہوئے آپ کا خط آیا حالات معلوم ہوئے ماشاء اللہ آپ کا ایمان بالکل کامل ہے اُس میں کسی طرح کا نقصان وخلل نہیں ہے جو حالت آپ نے لکھی ہے اور اُسکو موجب نقصان ایمان سمجھا ہے یہی حالت آپ کے کمال ایمان کی دلیل ہے مگر چونکہ آپ کو ابھی علم کم ہے اسوجہ سے اندیشہ اور قلق کا ہجوم ہوگیا ہے ۔ ورنہ آپ کی حالت بڑی خوشی کے قابل ہے یہ حالت وسوسہ کی خواہ وہ ایک وسوسہ ہو یا ہزار ہوں کچھ آپ کو اوّل پیش نہیں آئے کوئی ایسا سالک و واصل الی اللہ نہیں ہے جسکو رستہ میں یہ گھاٹی نہ آتی ہو ۔ پس اُن میں جو خود عارف ہے یا کسی عارف سے تعلق و محبت و اعتقاد کا رکھنے والا ہے اُس کی نظر میں تو یہ لاشئے محض معلوم ہوتا ہے اور جو ناواقف ہیں وہ تل کو پہاڑ کرکے طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں ۔ اے عزیز صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بڑھ کر کسی عالم کا کسی عارف کا رتبہ نہیں ہوا اُن تک کو یہ قصہ پیش آیا کہ انواع انواع وساوس نے گھیرا اور وساوس بھی ایسے جسکو وہ زبان پر لانا جلکر کوئلہ ہوجانے سے بدتر اور سخت تر و گراں تر و ناگوار تر جانتے تھے آخر اُنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضور میں اس کو ذکر کیا حضور نے فرمایا ذالك صريح الايمان یعنی یہ تو کھلی نشانی ایمان کی ہے ۔ دو وجہ سے اوّل اسلئے کہ چور وہاں جاتا ہے جہاں متاع پاتا ہے پس اگر متاع ایمان اس شخص کے قلب میں نہ ہوتا تو ہرگز شیطان اسکے پیچھے نہ پڑتا یہی وجہ ہے کہ اکثر نیک لوگوں کو وساوس پیش آتے ہیں اور جو فساق و فجار و اشرار ہیں اُنکو کبھی اس کا اتفاق بھی نہیں ہوتا کیونکہ شیطان ان سے جب گناہ کرا رہا ہے تو اُسکو کیا ضرورت ہے کہ وہ ایسے امر میں مبتلا کرے

جس میں کسی قسم کا گناہ بھی نہیں نرا رنج ہی رنج ہے۔ دوسرے اسلئے علامت ایمان کی ہے کہ مومن نے جب اس کو برا سمجھا پس اگر اس شخص کے ایمان میں خلل ہوتا تو اُن خیالات کفریہ کو حق سمجھتا اور اُن کو دل سے قبول کرتا اور اُن پر مطمئن ہوتا اور اُن میں اُس کے قلب کو انشراح ہوتا کراہت نہ ہوتی جیسا کہ تمام کفار کو دیکھا جاتا ہے جب اس شخص نے اُنکو مکروہ سمجھا تو اُن کے اضداد کو حق سمجھتا ہے اور یہی ایمان ہے۔ غرض ان وجوہ سے یہ علامت ایمان کی ہے ہرگز ہرگز کفر نہیں بلکہ گناہ و معصیت بھی نہیں کیونکہ گناہ وہ فعل مذموم ہے جو باختیار خود کرے اور چونکہ وساوس پر اختیار نہیں ہے اسلئے وہ گناہ نہیں ہوسکتا جب گناہ نہیں پھر اُس پر پریشان ہونا فضول ہے یہ تو تحقیق ہے وسوسہ کی بُرے یا بھلے ہونے کی رہا اس کا علاج بس سب معالجات سے بہتر علاج جسکو اکسیر اعظم کہنا چاہئے یہی ہے کہ اس کا کچھ علاج نہ کیا جاوے بلکہ جرأت و دلیری کے ساتھ اور یقین و عزم کے ساتھ یہ سمجھے اور دل میں خیال کرے کہ جب یہ عند اللہ گناہ نہیں اور شرعاً کوئی مرض نہیں پھر کیا غم بلکہ جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہ دلیل ایمان ہے تو اُس پر اُلٹا خوش ہونا چاہئے جب یہ شخص خوش ہوگا تو شیطان نے وہ وسوسہ تو خاص اس لئے القا کیا تھا کہ یہ شخص محزون ہوگا جب وہ دیکھے گا کہ یہ شخص تو خوش ہوتا ہے اور اس کا خوش ہونا اُس کو پسند نہیں پس وہ وسوسہ ڈالنا چھوڑ دیگا اور بہت آسانی سے اس شخص کو اس سے نجات ہوجاوے گی اور اگر نجات نہ بھی ہو تو بھی پروا نہیں کیونکہ جب یہ معصیت نہیں تو اُس سے نجات کی ضرورت کیا ہے اور جیسا بے پروائی و دلیری اور بے توجہی سے یہ قطع ہوجاتا ہے اسی طرح اگر اس سے ڈرا کرے اور اُس کے غم میں پڑ جاوے اور یہی فکر و ذکر رکھے اور سوچا کرے تو یہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے گو اُس کے بڑھنے سے گناہ تو نہیں ہوتا مگر خواہ مخواہ ایک واہیات پریشانی ہوتی ہے پس عمدہ علاج یہ ہے اور ہر وسوسہ کا بالتفصیل جواب سوچنا یا کسی سے پوچھنا یہ طریقہ مضر ہے اُس میں اگر فوری تسلی بھی ہوجاتی ہے تو دو چار روز کے بعد پھر اُس جواب میں کوئی خدشہ ہوجاتا ہے پھر وسوسہ ستانے لگتا ہے اور نفس میں اچھا خاصہ ایک مناظرہ کا میدان گرم ہوجاتا ہے اسلئے اس طریق کو ہرگز اختیار نہ کرنا چاہئے بلکہ بجائے اس سوچ بچار کے ذکر اللہ کا شغل رکھئے کہ وہ قاطع وسوسہ بھی ہے جیسا حدیث میں آیا ہے اور اس سے قلب میں بھی قوت پیدا ہوتی ہے جس سے وہ ایسے

خرافات سے متاثر نہیں ہوتا پس خلاصہ تمام تقریر کا تین امر ہوئے۔ نمبر ۱ ایسے وساوس کی کچھ پروانہ کریں نہ اُن کے رفع کی فکر کریں نمبر ۲ اُس کا جواب نہ سوچیں نہ کسی سے وجہ پوچھیں۔ کتاب و سنت کو بلا دلیل حق سمجھیں اور اس کے خلاف کو اعتقاداً باطل سمجھیں گو کسی بات کی وجہ سمجھ میں نہ آوے گو قلب میں اُس کا خطرہ آوے نمبر ۳ ادھر سے اعراض کرکے اللہ کے ذکر میں متوجہ رہیں خواہ درود شریف خواہ استغفار یا اور کچھ اُسی میں خیال لگائے رہیں انشاءاللہ تعالیٰ آپ کے قلب کو ایک ہی روز میں بلکہ ایک ہی منٹ میں پوری تسکین و راحت حاصل ہو جاوے گی اور پھر کبھی عمر بھر بھی تشویش نہ ہوگی۔ اگر اور کوئی بات پوچھنا ہو بے تکلف ظاہر کریں۔ والسلام۔

ایک خط اور اس کا جواب ۔ میرے مولانا مرشدنا۔ السلام علیک۔ مجھ پر اس وقت ایک حادثہ بہت بڑا گذرا ہے کہ جس کے بار گراں کا تحمل میرا قلب نہیں ہوتا ہے میرا فرزند جگر بند بعمر ۱۹ سال کہ اس نے اپنی ذاتی لیاقت سے انٹرنس پاس بھی کر لیا تھا۔ اب زمانہ اُس کے پھل پھول کا آیا تھا ایک لخت بمرض ہیضہ مبتلا ہو کر راہی ملک عدم ہوا چونکہ وہ میرے ایک ہی لڑکا تھا دنیا میں میرا قصہ ختم ہو گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا | بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

آپ للہ میرے واسطے دعا صبر فرمائیگا ورنہ مجھکو وحشت ہوا چاہتی ہے یا کچھ پڑھنے کو بتلائیگا۔

الجواب مجمع اخلاق والطاف دام لطفہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ صاحبزادہ کے انتقال سے رنج ہوا اللہ تعالیٰ اُنکی مغفرت فرماویں اور آپ کو صبر جمیل بخشیں آپ کیمیائے سعادت یا اس کے ترجمہ اکسیر ہدایت کا باب صبر نکال کر بتکرار مطالعہ کیجئے اور لاحول اُٹھتے بیٹھتے کثرت سے پڑھئے اور احیاء میں جس کے ساتھ زیادہ عقیدت ہو اُنکی صورت کا بکثرت خیال رکھئے انشاءاللہ تعالیٰ سکون ہو جائیگا میں بھی دعاء خیر کرتا ہوں چونکہ آپ کو میرے ساتھ دینی تعلق ہے جس سے خیر خواہی میں تکلف کی اجازت نہیں اسلئے یہ بھی لکھنا ضرور ہوا کہ اس انتقال کے رنج سے زیادہ اس بات کا رنج ہے کہ آپنے وجہ تأسف میں اقتضائے طبعی سے تجاوز کرکے وجہ عقلی اُنکی یہ لکھی کہ انٹرنس پاس کر لیا تھا اور اب زمانہ اُسکے پھل پھول کا آیا تھا دنیا میں اب میرا قصہ ختم ہو گیا۔ اھ تو معلوم ہوا

کہ زیادہ تاسف کی وجہ حظوظ دنیا کا فوت ہوجانا ہے تو گویا اعظم مقصود دنیا ہے طالب حق کی زبان وقلم سے ایسے کلمات نکلنا ایسا ہے جیسا موحد کی زبان سے کلمات شرک نکلنا اس مصیبت سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ قلب ایسا کیوں ہے جس کی یہ آرزوئیں ہیں اسکی اصلاح ضروری ہے۔

سوال۔ حضرت مخدومی و معظمی جناب مولانا مولوی اشرف علی صاحب تسلیم باعث تحریر آنکہ میں ایک بلا میں مبتلا ہوں ایک دوست کی خفگی و ناراضی نے مجھے تباہ کردیا ہے للہ میری دستگیری فرمایئے توجہ خاص کے ساتھ دعا فرمایئے کہ وہ مجھسے راضی ہوجاوے اس بارہ میں اگر کوئی وظیفہ و عمل مجرب مرحمت ہو تو عین بندہ نوازی ہے میرا تعلق اس کے ساتھ اضطراری ہے اختیاری نہیں فسق و فجور کا وہاں خیال نہیں محض میری اوقات گذاری کیلئے واسطہ و ذریعہ ہے اگر یہی حال رہا تو خدا معلوم میرا کیا حال ہوگا اور میرے حال پر نظر فرمایئے اور جلد جواب سے سرفراز فرمایئے۔ زیادہ والسلام

الجواب۔ عنایت فرمائے بندہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ چونکہ آپ سے تعلق پیر بھائی ہونے کا ہے اس لئے گستاخانہ مگر خیرخواہانہ عرض ہے ؎

عشق ہائے کز پے رنگے بود | عشق نبود عاقبت ننگے بود
عشق بر مردہ نباشد پائدار | عشق را باحی و با قیوم دار
غرق عشقے شو کہ غرق است اندریں | عشق ہائے اولین و آخریں
عشق آن بگزیں کہ جملہ انبیا | یافتند از عشق او کار و کیا

طلب حق اور غیر پر نظر اللہ سے ڈریئے اور شرمایئے۔ مانا کہ تعلق اضطراری ہے لیکن نظر اور تخیل اور اکتساب تدابیر قرب یہ تو سب اختیاری اور شرعاً معصیت ہے معصیت کے ساتھ قرب حق و رضائے حق کہاں اور اوقات گذاری سے مراد اگر لذت نظر و قرب ہے تو معصیت شریعت ہے اور اگر کفالت رزق و مصارف ہے تو خلق پر نظر معصیت طریقت و خلاف توکل ہے اور یہ جو فرمایا کہ کیا حال ہوگا سو حال کیا ہوتا نہایت سے نہایت موت۔ سو من عشق فعف ثم کتم فمات فھو شہید آپ نے سنا ہوگا اور اگر حال فقر ہے تو ؎

خدا اگر بحکمت بہ بندد درے | کشاید بفضل و کرم دیگرے

غرض توبہ کیجئے مجھکو یہی تعویذ اور عمل آتا ہے گستاخی معاف فرمایئے۔ والسلام۔

(باقی آئندہ)

والشمس تجری لمستقر لها ذلك تقدیر العزیز العلیم

(اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جاتا ہے۔ یہ اندازہ خدا کا باندھا ہوا ہے جو زبردست اور (بڑے) علم والا ہے)

سجود شمس

منجملہ اُن پیچیدہ اور معرکۃ الآرا مباحث کے جنمیں فلسفہ طبعی نے ہمیشہ حکمت الٰہیہ سے مزاحمت کی ایک مسئلہ آفتاب کے زیر عرش سجدہ کرنیکا ہی جسکا تعلق صحیح روایات حدیثیہ کی موافق اُس آیت سے ہی جو مضمون ہذا کے عنوان میں لکھی گئی۔ اسکا مفصل واقعہ وہ ہے جو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ۔

كنت مع النبی صلی الله علیه وسلم فی المسجد عند غروب الشمس فقال یا اباذر اتدری این تذهب هذه الشمس قلت الله ورسوله اعلم قال تذهب لتسجد[ع] فتستاذن فیؤذن لها (فی الرجوع كما جاء كما فی الروایة للترمذی واحمد) ویوشك ان تسجد فلا یقبل منها وتستاذن فلا یؤذن لها فیقال لها ارجعی من حیث جئت فتطلع من مغربها فذلك قوله عزوجل والشمس تجری لمستقر لها۔

میں غروب آفتاب کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں تھا آپ نے فرمایا کہ ابوذر جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے میں نے (از راہ ادب) عرض کیا کہ خدا اور خدا کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ جاتا ہی اور چلتا رہتا ہے یہانتک کہ زیر عرش اپنے ٹھکانے پر پہونچ جائی پس سجدہ میں گرتا ہی اور خدا سے اسکی اجازت حاصل کرتا ہے کہ جیسے آیا ہے اسی طرح چلا جائی۔ چنانچہ اسکو اجازت دیجاتی ہی اور قریب ہے کہ (قیامت کے نزدیک) وہ سجدہ کریگا لیکن قبول نہوگا اور اجازت چاہیگا مگر نہیں ملیگی اور کہا جائیگا کہ جدہر سے آیا ہی ادہر ہی پھر لوٹ جا۔ چنانچہ وہ مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا۔ اسی مضمون کیطرف اشارہ ہے خدا تعالیٰ کے اس قول میں والشمس تجری لمستقر لها۔

یہ روایت جسکو ہمنے فقط صحاح کی کتابوں سے نقل کیا ہی اپنے ثبوت میں نہایت محکم اور مضبوط اسناد رکھتی ہی اور ہر ایسے شخص کے حق میں برہان قاطع ہی جو روایات کے رد و قبول میں کسی معقول ضابطہ کا پابند ہو بالخصوص آج کل جبکہ ملک میں متواتر تجربوں کے باوجود رلوٹر کی تار برقیوں سے متاثر ہونیوالوں کی تعداد خوش قسمتی سے بہت زیادہ پھیل چکی ہے۔

مفسرین اور ارباب حدیث نے اس بارہ میں اگرچہ اور بھی روایات بکثرت فراہم کی ہیں جنکا استیعاب غالبًا شیخ جلال الدین سیوطی کی کتاب الہیئۃ السنیہ سے زیادہ کسی دوسری جگہ نہ ہوگا۔

[ع] وفی روایة تجری حتی تنتهی الی مستقرها تحت العرش فتخر ساجدة ۱۲

لیکن افسوس ہے کہ عامہ محدثین بلکہ مفسرین تک کو بھی ان کی صحت پر چنداں اطمینان نہیں۔
اور بالفرض اگر ایسی نقول کا اعتبار ہو یا فرقہ امامیہ کی بے سروپا مگر عجیب و غریب روایات پر وثوق کیا جائے تو انھوں نے اپنی نام نہاد احادیث میں سورج کے سجدہ کرنے اور روزانہ طلوع کی اجازت چاہنے کا جو فلسفہ بیان کیا ہے اُسکا سُننا فن ہیئت کے ایک طالب علم کے واسطے نہایت دلچسپ ہوگا۔
ان روایات میں بتلایا گیا ہے کہ سُورج کے اندر ستر ہزار کلالیب (آنکڑی) لگے ہوئے ہیں اور اُن میں سے ہر ایک کو ستر ہزار فرشتے تھامے رہتے ہیں۔ اور آسطرح سے یہ لاکھوں فرشتوں کا لشکر جرار آفتاب کو کھینچ کر مشرق سے مغرب کو لیجاتا ہے پھر وہاں پہونچکر اُسی میں سے یہ فرشتے نور کھینچ لیتے ہیں یہانتک کہ سورج کالا تواسا ہو کر سجدہ میں گرتا ہے تب فرشتے اپنے پروردگار سے اُس کو دوبارہ خلعت نورانی پہنانیکی بابت دریافت کرتے ہیں اور یہ بھی پوچھتے ہیں کہ آیا اُسکو پورب کی طرف سے نکالا جائے یا پچھم سے۔ اور آج کے دن کیواسطے روشنی کی کتنی مقدار اُسمیں ودیعت کیجائے۔
ان سب سوالات کا خداتعالیٰ اپنی مرضی کیموافق جیسا چاہتا ہے جواب مرحمت فرماتا ہے اور وہ ملائکہ اس حکم کو نہایت مستعدی کے ساتھ بجالاتے ہیں اور طلوع و غروب کی عجیب و غریب داستان بارہ مہینے اسی طرح دہرائی جاتی ہے۔
مگر میرے خیال میں اس قسم کی مذہبی حکایات جو سراپا حکمت ریاضی کو شرمندہ کرنے والی ہیں شاید اتنی زیادہ عجیب نہ سمجھی جائیں جتنا کہ رئیس طائفہ امامیہ کا یہ حیرت انگیز دعویٰ کہ تحقیق جو سورج کی نسبت اوپر بیان ہوئی۔ اہل ہیئت کے اقوال سے سر مو بھی مخالفت نہیں رکھتی۔
ہم نہیں کہہ سکتے کہ موجودہ ہیئت کے مسائل دیکھنے والے کو اس قسم کے ادعا پر زیادہ ہنسنے کا استحقاق ہے یا خود ہیئت والوں کے قہقہہ لگانے پر۔

ہاں یہ بہت ممکن ہے کہ اہل ہیئت سے اس رئیس الطائفہ کی مراد نہایت ہی قدیم زمانہ کے وہ یونانی لوگ ہوں جنکا خیال سر رابرٹ بال کے الفاظ میں یہ تھا کہ "یہ ہماری زمین ایک بڑا ہموار اور مسطح میدان ہے جو ہر طرف بیحد پھیلا ہوا ہے۔ اسلئے وہ بڑی حیران و پریشان ہوتے تھے کہ سورج دن کو تو نکلتا اور آسمان پر گردش کرتا ہے مگر رات کو کہاں چلا جاتا ہے۔ اُن کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اُترتے اُترتے کہیں دور سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہوتا تو سورج کی گرمی پانی میں ساری بجھ جاتی اور اسکی تپش ہی جاتی رہتی۔ قدیم زمانہ کے بعض لوگ یہانتک کہا کرتے تھے کہ جب آفتاب شام کے وقت سمندر میں جاکر ڈوب جاتا ہے تو ہمکو اسکی بڑی خوفناک سنسناہٹ کی آواز تک سُنائی دیتی ہے جیسی کہ جب تپا ہوا لوہا پانی میں بجھایا جاتا ہے۔ مگر اس خیال میں ایک بڑی خرابی پیش

آتی تھی کہ اگر سورج ہر روز شام کے وقت مغرب میں سیکڑوں کوس کے فاصلہ پر سمندر میں جاکر ڈوب جاتا اور بالکل ٹھنڈا ہو جاتا ہی تو پھر کس طرح دوسرے روز صبح کو سیکڑوں کوس پرے مشرق میں بالکل ویسے ہی زور کی تپش کے ساتھ نکلکر چمکنے لگتا ہے۔ اس معمہ کو کوئی حل نکر سکتا تھا بعض یہ کہتے تھے کہ نہیں صاحب۔ یہ سورج جو آج صبح کو پورب میں چمکتا ہوا نکلا ہی وہی سورج نہیں ہی جو کل شام کے وقت مغرب میں ڈوب گیا تھا بلکہ ایک دوسرا نیا سورج ہے دیوتا لوگ ہر روز صبح کو بڑی دور مشرق میں ایک نیا آفتاب چلا دیتے ہیں۔ پھر وہ دن بھر اپنا دورہ پورا کرکے شام کے وقت مغرب میں جاکر مر جاتا ہی پھر رات بھر دیوتا لوگ اُسی کام میں مشغول رہا کرتے ہیں تاکہ دوسری صبح کیلئے ایک نیا سورج بنا کر تیار کریں مگر اس قیاس کی نسبت اور لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ اس طرح تو ایک بڑا سورج ہر روز ضائع ہوتا ہے اس لئے اوروں نے ایک اور قیاس باندھا جس میں کفایت رہے اور بیفائدہ کچھ نقصان نہ اُٹھایا جائے اور وہ یہ ہے کہ قدیم زمانے کے لوگوں کو اپنے علم کیموافق یہ یقین تھا کہ بڑے بڑے خشکی کے قطعات جو بر اعظم کہلاتے ہیں اُنکے چاروں طرف ایسے بڑے سمندر پھیلے ہوئے ہیں جنکی حد کہیں ختم نہیں ہوتی اُنکا خیال تھا کہ زمین کے شمال میں بڑے بڑے پہاڑ اور یخ اور برف ہی اسوجہ سے شائستہ ملکوں کے لوگوں کی اس سمندر تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

ایک دیوتا جسکا نام وَل کَن ہی وہ اس سنسان سمندر پر جہاز رانی کا مالک ہی۔ یہ بڑا ذمہ داری کا کام اسی کے سپرد ہے کہ آفتاب کو حفاظت کے ساتھ اس سمندر سے پار لیجائے اور صبح کو سلامت منزل مقصود پر پہنچا دے اور ہلاکت سے بچالے۔ اس کام کو انجام دینے کیلئے وَل کَن کے پاس ایک بڑا جہاز تیار رہتا تھا جب وہ دیکھتا تھا کہ اب غروبِ آفتاب کے وقت سورج سمندر میں ڈوبنے کو ہی تو وہ آن کر اُسکو جھٹ سنبھال لیتا تھا اور اپنے جہاز میں سوار کرکے راتوں رات سمندر میں جہاز رانی کرتا ہوا شمال کی راہ سے اپنی عظیم الشان سواری کو لیجایا کرتا تھا۔ جب سورج کی سواری اس طرح شمال کی راہ سے گذرا کرتی تھی تو اُسکی چمک بعض وقت گرمیوں میں شمالی پہاڑوں پر سے دکھائی دی جایا کرتی تھی غرض متقدمین کا خیال تھا کہ عین گرمیوں میں جو رات کے شفق کی روشنی بہت عرصہ تک رہا کرتی ہی اُسکی وجہ یہ ہی ہی۔ اس طرح ول کن رات بھر جہاز چلاتا ہوا آخر کار صبح ہوتے ہوتے ٹھیک وقت پر سورج کو مشرق میں پہونچا دیا کرتا تھا اور وہاں اُسکو ایسے زور کے ساتھ اوپر کیطرف دھکیل دیتا تھا کہ وہ اُسی زور میں بھرا ہوا دن بھر اپنا دورہ کئے جاتا تھا۔ پھر وہ بڑا محنتی دیوتا یعنی وَل کَن آفتاب کو مشرق میں روانہ کرکے اُلٹے پیروں اپنی ساری قوت خرچ کرکے اُسی سمندر کی راہ واپس آجاتا تھا کہ شام کو آفتاب کی سواری کے لئے پھر مغرب میں تیار رہے۔ یہ دھندا بیچارے ول کن کو رات دن برابر رہتا تھا۔

آفتاب کی ظاہری گردش کو سمجھانیکے لئے ول کن اور اُسکی کشتی کا حال جو ہمنے بیان کیا اچھا تو معلوم ہوتا ہے مگر اُسمیں ایک تو نقص یہ ہے کہ بیچارے ول کن کو رات دن محنت کرنے سے ایک لمحہ کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ اسکے سوا بعض اور مشکلیں بھی تھیں مثلاً جہازوں کے کپتان کہا کرتے تھے کہ ہم تو سارے بڑی بڑے سمندروں پر چاروں طرف پھرے مگر ہمکو تو یہ نہیں معلوم ہوا کہ سمندر آگے ہی کی طرف برابر پھیلتے چلے جاتے ہیں اور کبھی ختم ہونے میں نہیں آتے بلکہ ہمکو یہ معلوم ہوا ہے کہ سمندر کی سطح جُھک کر خمدار ہو جاتی ہے کیونکہ ہمارے جہاز ایک ہی طرف کو بہت دور تک چلتے چلتے آخر کار پھر اُسی جگہ آپہونچے جہاں سے ہم پہلے روانہ ہوئے تھے اُن جہازرانوں نے یہ بھی کہا کہ ہمکو شمال کا حال بھی کسی قدر معلوم ہے کہ وہاں کوئی ایسا سمندر نہیں جسمیں ول کن اپنا جہاز چلا سکے۔ یہ بات بھی لوگوں کو معلوم ہوئی کہ جہازراں لوگ رات دن کرۂ زمین پر سمندروں میں ہر طرف سفر کرتے پھرتے ہیں مگر اُنھوں نے کبھی سورج کو سمندر میں اُترتے نہیں دیکھا اور گو ول کن اپنا جہاز لئے روایت مذکورہ بالا کی موافق رات دن سمندر میں سفر کرتا رہتا ہی مگر ان جہازرانوں کو کبھی اسکا سایہ تک نہیں دکھائی دیا۔ غرض ان باتوں سے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ زمین ایسی ہموار سطح نہیں ہے کہ جو برابر آگے کو پھیلتی چلی جاتی ہو بلکہ وہ ضرور گول کُرہ ہے جو آسمان میں معلق دھرا ہوا ہے اور کسی چیز کے ساتھ بندھا ہوا نہیں جس سے وہ تھما ہوا ہو۔ اسکے بعد لوگوں کو یہ خیال آیا کہ رات سے بدل کر دن اور دن سے بدل کر رات جو پیدا ہوتی ہے اُسکا سبب یہ ہے کہ آفتاب درحقیقت آسمان میں زمین کے گرد پھرتا ہے اور دن کو ہمارے سر کے اوپر اور رات کو ہمارے پیروں کے تلے کی طرف گردش کرتا ہے" اھ۔

لیکن اس اخیر خیال کو درست ماننے کی صورت میں حدیث کا جو عقدہ ہم حل کرنا چاہتے تھے وہ جُوں کا تُوں باقی ہے۔ کیونکہ بقول امام الحرمین رضی اللہ عنہ وغیرہ کے یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ آفتاب جسوقت ایک قوم کے یہاں غروب ہوتا ہی اُسی وقت دوسروں کے یہاں طلوع ہوتا ہے۔ اور رات کسی ملک میں چھوٹی ہوتی ہے تو کسی میں بڑی یہانتک کہ بلغار کے علاقہ میں بعض اوقات شفق غائب بھی نہیں ہونے پاتی کہ صبح صادق نکل آتی ہے۔ اور جیسا کہ اپنے موقع میں ثابت کیا گیا ہے عرض تسعین میں ہمیشہ چھ مہینے کی رات اور چھ مہینے کا دن ہوتا ہے۔ غرض کہ اسپر دلائل قائم ہیں کہ غروب کے وقت آفتاب ساکن نہیں ہوتا۔ ورنہ لازم آئے کہ طلوع کے وقت بھی ساکن ہو (بلکہ ہر وقت ساکن ہی رہے) کیونکہ اب ایک اُفق کا غروب بعینہ دوسرے اُفق کا طلوع ہے پھر یہ بھی براہین سے ثابت ہو چکا ہے کہ سورج اپنے آسمان سے کسی حالت میں جدا نہیں ہوتا

تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ طلوع ہو کر ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر اور وہاں سے تیسرے پر اور اسی طرح عرش معلی تک جا پہنچے۔ جو کوئی ایسی بدیہی البطلان بات کا دعویٰ کرے وہ گویا روز روشن میں سورج کے نہ نکلنے کا اقرار کرتا ہے اس موقع پر یہ امر بھی فراموش کرنے کے قابل نہیں کہ آفتاب ہمیشہ عرش کے نیچے ہی رہتا ہے کیونکہ عرش تمام آسمانوں کو (جن میں فلک شمس بھی داخل ہے) محیط ہے اور وہ سب اُسکے جوف میں واقع ہیں۔ پھر فقط غروب کے وقت اُسکے تحت العرش جانے کے کیا معنیٰ۔

اسی قسم کے شبہات پر نظر کرکے سید محمود آلوسی بغدادیؒ صاحب روح المعانی نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ

وقد سألت كثيرا من اجلة المعاصرين عن التوفيق بين ما سمعت من الاخبار الصحيحة وبين ما يقتضي خلافها من العيان والبرهان فلم اوفق لان افوز منهم بما يروي الغليل ويشفي العليل۔

میں نے اپنے بہت سے جلیل القدر ہمعصروں سے ان روایات صحیحہ اور مشاہدات و دلائل عقلیہ کے درمیان تطبیق کی صورت دریافت کی لیکن میری قسمت میں کسی ایسے جواب سے فائز ہونا نہ تھا جو کسی تشنہ کام کی پیاس کو فرو کردے یا کسی بیمار کو شفا بخشے۔

اسکے بعد اُنھوں نے جو کچھ اپنی ذاتی تحقیق اس بارہ میں بیان کی اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ آفتاب اور اسی طرح تمام ستارے ہمارے نزدیک عقل و ادراک رکھتے ہیں۔ جیسا کہ کتاب و سنت کے شواہد کثیرہ سے ہویدا ہوتا ہے۔ اور جب یہ بات ہے تو کچھ بعید نہیں کہ آفتاب کے لئے انسان کی طرح کوئی نفس ناطقہ بھی ہو۔ بلکہ بعض صوفیہ نے تو اسکی تصریح کر دی کہ اُسکے واسطے نہایت اعلیٰ درجہ کا کامل نفس ناطقہ ہے۔ اور حکمانے بھی افلاک کے حق میں تو عموماً کہا ہے کہ اُن کے اندر نفوس منطبعہ موجود ہیں لیکن بعض حکمانے کواکب کیلئے بھی ایسا ہونا بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو عالم علوی میں ہے خواہ وہ کواکب ہوں یا افلاک کلیہ۔ یا افلاک جزیہ۔ یا تداویر۔ یا اور کچھ۔ حیٌّ و ناطق ہے۔

اور انسان کا نفس ناطقہ گاہ بگاہ مقدس ہو کر بدن سے نکل جاتا ہے اور پھر اپنے بدن کی یا کسی اور کی صورت میں متمثل ہو کر ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام صحیح روایات کے موافق حضرت وحیہ کلبی یا بعض اعراب کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے۔ اور ایسے حالات میں جبکہ انسان کے نفس ناطقہ کیفیت تجرید پیش آئی اپنے اصلی جسم کے ساتھ بھی اُسکو ایک درجہ کا تعلق باقی رہتا ہے جسکی وجہ سے اُسکے جسم اصلی سے بھی افعال و حرکات سرزد ہوتے ہیں چنانچہ بعض اولیاء اللہ کی نسبت ایسی بہت حکایات منقول ہیں کہ

وہ ایک ہی وقت میں متعدد جگہ دیکھے گئے۔ اور اسکا سبب اُن کے نفوس قدسیہ کی قوۃ تجرد کے سوا اور کچھ نہ تھا جسکی بنا پر وہ ایک موقعہ پر متمثل ہو کر ظاہر ہوتے تھے اور دوسری جگہ اُن کا اصلی جسم پایا جاتا تھا۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ حضرات صوفیہ کے درمیان مشہور اور مشاہد اور مسلم ہے۔ اور احادیث معراج وغیرہا میں جو بعض انبیا علیہم السلام سے آپکی ملاقات کے تذکرے آئے ہیں اُن سے بھی اسی اصول کی تائید ہوتی ہے۔

پس اب ہم اسی اصول کی بنا پر کہسکتے ہیں کہ آفتاب کیلئے بھی ممکن ہے کہ ایک ایسا ہی نفس مقدس ہو جو اُسکے مشاہد جسم سے اس طرح جدا ہو کر کہ ایک نوع کا تعلق اُس سے بھی باقی رہے عرش تک جا پہنچے اور بلا واسطہ اُسکے نیچے سجدہ کرے اور اجازت مانگے اور اس حالت میں اُسکا جسم مشاہد برابر چلتا رہا اور ایک منٹ کیلئے بھی ساکن نہو جیسا کہ اہل ہیئت دعوی کرتے ہیں۔ اور اُسکے عروج الی العرش کا یہ واقعہ اُسوقت پیش آتا ہو جبکہ وہ اُفق حقیقی کے اعتبار سے غروب ہوتا ہوا اور ربع مسکون کے لوگ عموماً اُسکے دیکھنے سے محروم ہو جاتے ہیں اگرچہ عرض تسعین میں وہ اُسوقت طلوع ہو رہا ہو۔ کیونکہ یہ ہمارے لئے اب کچھ مضر نہیں۔ اور یہ بھی ایک احتمال ہے کہ غروب کا اعتبار خاص اُفق مدینہ کے اعتبار سے کیا جائے۔ اھ واللہ اعلم بالصواب۔

ان تمام توجیہات کے بعد جو اوپر مذکور ہوئیں یہ عرض کرنا بیجا نہوگا کہ جس صحیح حدیث کا مطلب حل کرنے کیلئے مسائل ہیئۃ کے مقابلہ میں اسقدر جد وجہد کام میں لائی گئی اگر اُس سے پہلے خود الفاظ حدیث کا منطوق متعین کرنیکی سعی کیجاتی تو میری خیال میں بہت سی تاویلات سے نجات ملجانیکا امکان تھا۔ اگر یوں کہا جاتا تو کیا حرج تھا کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الحقیقۃ خداوند ذو الجلال کی عظمت و جبروت اور مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق کی عجز و بیچارگی کو واضح فرمایا ہے۔ اور ربط حادث بالقدیم کے اس مسئلہ کی تقریر کی ہے جسکو محققین اہم المسائل کہتے ہیں۔ اور جسکا حاصل یہ ہے کہ مخلوقات کو جو علاقہ (استفادہ وجود کا) اپنے خالق جل علاسے ہے وہ اگر بالفرض ایک لمحہ کیلئے بھی منقطع ہو جائے تو عالم میں کسی چیز کا وجود اُسی طرح باقی نہیں رہسکتا جس طرح آفتاب کی شعاعوں کا تعلق زمین سے رک جانے پر زمین کا روشن رہنا ممکن نہیں۔ اسی لئے اسلام کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ ہر قسم کے وجود اور تمامی حرکات و سکنات کی باگ فقط خدائے واحد کے قبضۂ اقتدار میں ہے یہانتک کہ کوئی متنفس جو سانس لیتا ہے۔ اور ہر پتہ جو درخت پر ہلتا ہے! اور ہر ایک تنکا جو اپنی جگہ سے سرک جاتا ہے اُسمیں بھی اُسی کی اجازت اور اُسی کا ارادہ درکار ہے۔

وہ آفتاب درخشاں (جسکو اُن تمام اجرام علویہ کا بادشاہ کہنا چاہئے جو کل اجسام سفلیہ پر اپنی حکومت

رکھتے ہیں) اُسی وحدہٗ لاشریک کی ادائے طاعت کیلئے محیط کے پردہ سے باہر آتا ہے۔ اور دنیا کا یہ سب سے زیادہ روشن ستارہ (جسکے محکم نظامِ حرکت نے حضرت خلیل اللہ کے مقابلہ میں نمرود مغرور کو ہکا بکا کردیا اور جسکی آب وتاب کے سامنے سبا کی بہت بڑی ملکہ (بلقیس نے) باوجود اوتیت من کل شیئی ولہا عرش عظیم کی شان رکھنے کے جبینِ نیاز جھکا دی۔ اور سرِ سجود خم کردیا) جب مشرق سے مغرب کو روانہ ہوتا ہے (اور ہر وقت روانہ ہوتا رہتا ہی) تو اپنی حرکت کی ہر ہر آن میں اور مسافت کے ہر ہر قدم پر عرش کے نیچے اور رب العرش کے سامنے سجدہ میں گرتا ہے اور (علی اختلاف الآرا) حالاً یا قالاً ہر لحظہ آگے بڑھنے کی اجازت طلب کرتا رہتا ہی۔ یہ مجال نہیں کہ اُس عزیز وعلیم کا اذن حاصل کئے بغیر وہ ایک قدم ادہر یا اُدہر رکھ سکے۔ چنانچہ صبح سے شام اور شام سے صبح تک جو چکر چوبیس گھنٹہ میں وہ پورا کرتا ہے اُسمیں ایک ساعت بھی ایسی نہیں آتی کہ وہ رب العزت کے حکم سے بے نیاز ہوسکے۔ یا اُس سے سرتابی کا خیال لاسکے۔

اُسکا یہ سلسلۂ رفتار اسی طرح روزمرہ چل رہا ہے اور یونہیں ہمیشہ چلتا رہیگا۔ یہانتک کہ اہلِ اسلام کے معتقدات کے موافق امرِ الٰہی آن پہونچے۔ اور عالم کی تباہی کی گھڑی نزدیک آجائے۔ اور اپنے جس مستقر (جاے قرار وسکون) کی تلاش میں یہ آفتاب سرگرداں رہتا تھا اُس کو پاچکے۔

اُسوقت اِسکو حکم ہوگا کہ قدم آگے مت اُٹھاؤ۔ اپنی حرکت کو روک لو۔ اور جسطرف سے آئے تھے اُسی طرف پھر اُلٹے پاؤں لوٹ جاؤ۔ وما ابلغ ما قال سبحانہ وتعالیٰ۔ والشمس تجری لمستقر لہا۔ ذٰلک تقدیر العزیز العلیم۔ والقمر قدرناہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم۔ لا الشمس ینبغی لہا ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النہار وکل فی فلک یسبحون (ترجمہ) اور آفتاب ہے کہ اپنے ٹھکانے کی طرف کو چلا جارہا ہے۔ یہ اندازہ خدا کا باندھا ہوا ہی جو زبردست (اور ہر چیز سے) آگاہ ہی۔ اور چاند ہی کہ ہمنے اُسکے لئے منزلیں ٹھیرادیں یہانتک کہ (آخر ماہ میں گھٹتے گھٹتے پھر ایسا ٹیڑھا اور پتلا) رہجاتا ہی جیسے کھجور کی پُرانی ٹہنی نہ تو آفتاب ہی سے بن پڑتا ہی کہ چاند کو جالے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہی اور کیا چاند اور کیا سورج (سب اپنے اپنے) مدار (آسمان ہیں (پڑے) تیر رہے ہیں۔

ہماری اس تقریر کے موافق جو ہمنے حدیث مذکور کے متعلق عرض کی آفتاب کا ہر وقت زیرِ عرش رہنا یا ہر آن میں طلوع وغروب کا ہونا یا لیل ونہار میں اختلاف پایا جانا وغیرہ امور جنکو ملاحدہ نے شبہہ کے موقع پر پیش کیا تھا کچھ مضر نہیں بلکہ مفید ہیں۔ البتہ تجری حتی تنتہی الی مستقرھا تحت العرش الخ والی روایت میں تحت العرش کو

برخلاف تصریحات قوم نحوی کے متعلق کرنا پڑتا ہے جسمیں قواعد عربیت کے لحاظ سے کوئی قباحت نہیں۔ باقی مستقر کے جو معنی لئے گئے ہیں وہ بعض اجلہ مفسرین کے قول کے بالکل موافق ہیں۔

اسکے بعد اگر گفتگو کی کچھ گنجایش باقی رہتی ہے تو فقط اس بارہ میں کہ جب ہر لمحہ آفتاب کی یہی حالت تھی کہ وہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا رہتا اور اجازت مانگتا رہتا ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ذر سے خطاب کرنیمیں غروب آفتاب کی خصوصیت کو کیوں ملحوظ رکھا لیکن اسکا جواب نہایت سہل ہے۔ کون نہیں جانتا کہ سورج کے تنزل اور بیچارگی کا نمایاں سے نمایاں منظر اور اسکی ادھر سے اُدھر حرکت کا ظاہر سے ظاہر پہلو دیکھنے والوں کو انکے اعتبار سے صرف غروب ہی کیوقت دکھائی دیتا ہے۔ اور اس لحاظ سے اگر آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے تخاطب کیلئے اسوقت کی رعایت فرمائی تو نہایت ہی مناسب ہوا۔

الغرض اس حدیث سے علاوہ دوسرے فوائد کے اسکی بھی بخوبی وضاحت ہو گئی کہ دیکھا کہ عام مشاہدات میں علویات سفلیات سے اشرف ہیں اور پھر آفتاب تمام علویات میں بھی اشرف و اعلیٰ ہے کوئی شخص دھوکا نہ کھائے کہ آفتاب بھی کسی درجہ میں قابل عبادت ٹھیر سکتا ہے ایسے شخص کو یاد رکھنا چاہئے کہ آفتاب بہر حال عرش کے نیچے ایک مزدور کیطرح جو کسی کام پر لگایا گیا ہو پڑا چکر کھا رہا ہے۔ اور مستحق عبادت تنہا وہی نور السموات والارض ہو سکتا ہے جو عرش سے بھی اُدھر ہے اور جسکی روشنی سے تمام آسمان و زمین اور عرش و کرسی جگمگا رہے ہیں۔ وَمن ایاته اللیل والنهار والشمس والقمر لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقهن ان کنتم ایاه تعبدون (ترجمہ) اور خدا کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند (بھی) ہیں (سو) نہ تو تم سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور اگر تم کو خدا کی ہی عبادت کرنی ہے تو اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ **ولنعم ما قیل**

لنا شمسٌ وللآفاق شمسٌ	وشمسی خیر من شمس السماء
فشمس الناس تطلع بعد فجر	وشمسی تطلع بعد العشاء

(**تنبیہ**) اس مبحث کے متعلق بعض دوسرے محققین کی تقریرات ضیق مقام کیوجہ سے ترک کیگئیں اور واضح رہے کہ ان تمام مضامین کی بنا عرش کو کری الشکل ماننے پر ہے جیسا کہ امام الحرمین کی رائے ہے ورنہ اسکے خلاف بھی اقوال مؤید بالنصوص موجود ہیں واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

الراقم
شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند
۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ یوم السبت
(منقول از تقویم شرعی)

کلمۃ الحق

گذشتہ سے پیوستہ

تابعی وہ مسلم ہے کہ جو صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہوا ہو اور تبع تابعی وہ شخص ہے کہ جسنے تابعی کی زیارت کی ہو جمہور کے نزدیک صرف رویت شرط ہے جیسے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس شخص مسلم نے دیکھا اور اسلام پر خاتمہ ہوا وہ صحابی ہے ایسے ہی جسنے صحابی کو دیکھا وہ تابعی اور جسنے تابعی کو دیکھا وہ تبع تابعی ہے اور بعض علما روایت کو بھی شرط کرتے ہیں اس قول کیموافق تابعی وہ شخص ہوا کہ جس نے صحابی کی زیارت بھی کی ہو اور اُن سے کوئی حدیث بھی روایت کرے علی ہذا تبع تابعی وہ شخص ہے کہ جس نے تابعی کو دیکھا بھی ہو اور اُس سے روایت بھی کرتا ہو۔

حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق صحابہ کرام کے بعد تابعین اور تبع تابعین سے ہوتا ہے اور خیریت کا زمانہ تبع تابعین پر ختم ہو جاتا ہے اور ان دونوں گروہ کی فضیلت حدیث شریف سے بصراحت ثابت ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

عن عمران بن حصین قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر امتی قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم بخاری و مسلم	(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اُمت کے بہترین لوگ میرے زمانہ کے مسلم ہیں پھر وہ جو اُن سے متصل ہیں (یعنی تابعی) پھر وہ جو اُن سے متصل ہیں (یعنی تبع تابعی)

اس حدیث سے بصراحت بہتری اور فضیلت صحابہ و تابعین و تبع تابعین کی ثابت ہوئی۔
ایک حدیث میں ارشاد ہوا کہ بعد میں کذب پھیلجائیگا۔ ایک اور حدیث میں ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاتی علی الناس زمان فیغزو فئام من الناس فیقولون ہل فیکم من صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیقولون نعم فیفتح لہم ثم یاتی علی الناس	(حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا زمانہ آویگا کہ ایک جماعت غزوہ کریں گے اور باہم دریافت کریں گے کہ تم میں کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی بھی ہے لوگ کہیں گے ہاں ہے تو اس صحابی کی برکت سے فتح نصیب ہوگی پھر ایک

زمان فیغزو فیام من الناس فیقال هل فیکم من صاحب اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فیقولون نعم فیفتح لهم ثم یأتی علی الناس زمان فیغزو فیام من الناس فیقال هل فیکم من صاحب اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فیقولون نعم فیفتح لهم (بخاری ومسلم)

ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ غزوہ میں جائیں گے اور باہم سوال ہوگا کہ تم میں کوئی ایسا شخص ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ساتھ رہا ہو تو کہا جائیگا کہ ہاں ہے، تو ایسے بزرگوں کی برکت سے فتح حاصل ہوگی پھر اسکے بعد ایک زمانہ آئیگا کہ لوگ جہاد کریں گے اور پوچھیں گے کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے دیکھنے والوں کے ساتھ رہا ہو کہا جائیگا کہ ہاں ہے بس ان بزرگوں کی وجہ سے فتح نصیب ہوگی۔)

صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین کی شدت ایمان اور فضیلت اچھی طرح سے ثابت ہوئی کہ فتوح ان کے قدموں سے لگی ہوئی تھیں جانبازی اور اعلاء کلمۃ اللہ اُن کا نصب العین تھا مشکوٰۃ نبوت سے جو کرنیں توحید کے آفتاب کی چمکی تھیں اُن کا مہبط ان کے نورانی سینے تھے۔ دنیا کی سمی ہواؤں کا اثر ان کے قلوب پر نہ تھا ان کے دل گنجینہ علوم تھے اور یہ پاکیزہ نفوس احیاء سنت کے لئے پیدا ہوئے تھے قرآن و حدیث کا صحیح مفہوم اور واقعی مراد اُسی کو معلوم ہو سکتی ہے جو ان کا ربقۂ تلمذ اپنی گردن میں ڈالے اور ان کا نا درم خریدہ غلام بنجائے۔ خیریت کا زمانہ ان پر ختم ہوگیا شر کے دروازے کھلگئے کلی اعتماد دنیا سے اُٹھگیا۔ فضیلت اور برکت کے مجسمے تیسرے قرن میں ناپید ہوگئے۔ اور وہ نفوس قدسیہ کہ جنکی خیریت منصوص تھی باقی نہ رہے۔

چونکہ یہ فضیلت تعلم و تعلیم اور ارشاد و ہدایت پر مبنی ہے اسلئے یہ کہنا پڑے گا کہ قرن اول قرن ثانی سے افضل ہے اور قرن ثانی قرن ثالث سے یعنی صحابہ تابعین سے افضل ہیں اور تابعین تبع تابعین سے۔ اور صحابہ کرام کے علاوہ تابعین اور تبع تابعین کی اقتدا میں دوسری خصوصیات بھی ضرور ملحوظ ہونگی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نسبت جبکہ طغراے۔

اصحابی کالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم۔

میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں اُن میں سے جس کسی کی اقتدا کروگے ہدایت پا جاؤگے۔

ثبت ہوچکا تو اہل سنت والجماعت باسانی اس نتیجہ پر پہونچے کہ۔

الصحابة کلهم عدول

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب عادل ہیں۔

مگر تابعین اور تبع تابعین کے متعلق چونکہ ایسی کوئی نص صریح نہ تھی اور نہ وہ حقیقت میں اس مرتبہ میں تو غایت دیانت اور منتہا، احتیاط یہ ہوا کہ اُن کے حالات میں غور اور تحقیق سے کام لیا جائے اور اُن کے عقاید اعمال اقوال احوال کو تنقید کی نظر سے دیکھا جائے جو بزرگ ارشاد

ما انا علیه واصحابی۔ (نجات منحصر اُس طریق میں ہے جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں)

کے حلیہ سے مزین و آراستہ ہوں جنکے سیمائے منور پر صحابیت کے انوار کا انعکاس محسوس ہو جنکے جبین مقدس پر اتباع سنت کی افشان چنی ہوئی ہو۔ جنکے اقوال و اعمال اُن کے عقاید کے مخبر صادق ہوں وہ اس میدان کے مرد اور یکہ تاز صاحب نبرد ہیں۔

اور اسکے ساتھ اخذ روایت حدیث میں اور بہی شروط کا اضافہ کیا گیا۔ مثلاً ثقاہت اور عدل و ضبط کے ساتھ یہ بھی کہ وہم و نسیان کے اندر مبتلا نہو۔ حافظہ قوی ہو۔ بعض نے ان سب کے ساتھ راوی میں تفقہ اور درایت کو بھی ملحوظ رکھا غرض رواۃ حدیث کے متعلق قواعد منضبط ہو گئے اور روایت کے طرق معین کر دئے گئے۔

تابعین کے زمانہ میں فرق باطلہ کا وجود ہو گیا تھا صحابہ کے تلمیذ بحمدہ تعالیٰ اس ہوا پرستی سے محفوظ تھے مگر چونکہ زمانہ واحد تھا اور تابعی کی تعریف میں جمہور نے محض رویت کا اعتبار کیا ہے اسلئے بعض نام کے تابعی جو متادب باداب السلف نہیں ایسے نکلیں کہ وہ تابعیت کی خیریت سے محروم ہوں ملیں ایسا غالباً کوئی نہ ملیگا کہ جسکو رویت کے ساتھ روایت و تادب باداب السلف کا شرف بھی حاصل ہو اور وہ بدعات کی اختراع میں ملوث پایا جائے ایسے لوگوں کا وجود باعث ہوا کہ ہر شخص کی روایت آنکھ میچکر قبول نکیجائے اسی دور اندیشی پر اصول حدیث کے قواعد مرتب ہوئے اور روایت و رواۃ میں بال کی کھال نکالی گئی۔ روایت حدیث کے متعلق صحابہ کرام سے ہی احتیاط کامل تھی اُن کو حدیث

من کذب علیّ متعمداً فلیتبوء مقعدہ من النار۔ (جو مجھپر عمداً جھوٹ بولے اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے)

پیش نظر تھی وہ روایت حدیث میں بہت ہی احتیاط کرتے تھے جو مکثرین روایت تھے وہ بھی نہایت تدبر اور تیقن اور اعتماد حفظ پر روایت کرتے تھے اور اکثر کی عادت تھی کہ ختم حدیث پر او کما قال فرما دیا کرتے تھے کہ اگر لفظ میں کوئی فرو گذاشت ہوئی ہو تو وعید سے محفوظ رہیں۔

جب قواعد و ضوابط حدیث کے ممہد ہوے اور اسناد کو ضروری سمجھ لیا گیا تو کسی غرض کی یہ مجال نہ تھی کہ گاجروں میں گٹھلیاں ملادے۔ جب تک علم حدیث کی روایت کا سلسلہ عالم میں جاری رہا اور علم حدیث کتب میں مدون نہوا علمائے حدیث کی کوششیں برابر کامیاب رہیں اگر کبھی کسی بدمذہب نے کوئی چالاکی کی تو مبصرین اور ناقدین کی جماعت نے دودھ میں سے مکھی کو نکال کر پھینکدیا۔ جس کا کذب معلوم ہوگیا جسکی چالاکی کا علم ہوگیا جسکو وہم میں مبتلا پایا جسکی ثقاہت و عدالت میں نقص محسوس ہوا جسکا حافظہ خراب نکلا اُسکی روایت بھی عالم میں ممتاز ہوگئی۔ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ زادہما اللہ شرفا و تکریما اور ایسے ہی کوفہ بصرہ شام مرو وغیرہ کے علما معلوم تھے اُن کی تدریس کے حالات طشت از بام تھے تابعین کے اخذ حدیث کا حال کہ کسکو کس صحابی سے تلمذ اور اخذ روایت ہے اور ایسے ہی تبع تابعین کے سلسلے مخفی نہ تھے مثلاً مدینہ منورہ کے علمائے حدیث زہری اور امام مالک وغیرہ تھے اور اُن کا سلسلہ تلمذ اُن صحابہ کرام سے ملتا تھا کہ جو مدینہ طیبہ میں موجود تھے ایسے ہی محدثین کوفہ ابراہیم نخعی علقمہ اعمش حماد۔ ابوحنیفہ سفیان ثوری سفیان بن عُیَیْنہ وغیرہم کے سلاسل روایت منتہی حضرت ابن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہم سے ملتے ہیں جو کوفہ میں رہے ہیں اور باقی دوسرے صحابیوں سے جا ملتے ہیں کوفہ میں پندرہ سو صحابیوں کا قیام کرنا کتب سیر سے معلوم ہے اسی لیے اہل کوفہ کا علم وسیع ہوا۔

حجاز و عراق و شام کے مختلف مقامات میں شیوخ حدیث کا درس ہوتا ہے اور جوق جوق طلبہ چلے آتے ہیں ان میں ممتاز وہ ہیں کہ جنکو شیخ سے امتداد صحبت اور سماع مدید حاصل ہوا ہو جو سفر و حضر میں ساتھ رہے ہوں اور جنکی قدامت مشہور ہو۔ اگر یہ پتہ چلجاے کہ اس سفر میں یہ شیخ کی ہمراہ نہ تھے تو ان کی روایت پر بحث شروع ہوجائیگی اور جب تک یہ معلوم نہو جاے کہ انھوں نے دوسرے وقت شیخ سے سُنا یا کسی ہمراہی سے سماع ہوا یا سفر متعدد تھے اور بعض میں یہ ہمراہ تھے جب تک ان کی روایت معرض توقف میں رہے گی۔ اگر ایسے بزرگوں کی روایت کے خلاف کوئی ایسا شاگرد روایت کرے جو اس مرتبہ کا نہو نظرانداز کردی جاتی ہے۔ ہاں ثقہ کا تفرد قبول کرلیا جاتا ہے کہ ممکن ہے اسکے سماع کے وقت دوسرے موجود نہوں۔ حافظا اور متوہم کی زدایت

میں جب مقابلہ ہوتا ہی تو حافظ کی روایت کو شرف قبول نصیب ہوتا ہی سیئی الحفظ کی چھان بین ہوتی ہو کہ سوحفظ دائمی ہی یا بعد کو عارض ہوا ہی اگر دائمی ہے تو وہ ساقط الروایت قرار دیا جاتا ہے اور اگر بعد کو کبرسن یا مرض کی وجہ سے عارض ہوا ہے تو تحقیقات شروع ہو جاتی ہے سوحفظ سے پہلے شاگردوں کی روایت قبول کیجاتی ہے اور جو مرض کے زمانہ کے شاگرد ہیں اُن کی روایت نظرانداز کر دیجاتی ہے۔

امام مالک اور یحییٰ بن سعید قطان رحمۃ اللہ علیہما کی خصوصیت ہے کہ ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں غیر ثقہ سے احتراز کرتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قبول روایت میں یہ شرط لگاتے ہیں کہ جسوقت سے حدیث کو اپنے شیخ سے سُنتا ہے اور جب بیان کرتا ہے اس زمانہ میں برابر اس کو یاد ہو وقت اخذ سے وقت ادا تک کبھی اُسکو نسیان نہوا ہو۔ اگر درمیان میں بھول گیا ہے اور بعد کو یاد آگئی ہے تو امام کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے ان کے نزدیک سہو کے بعد کا تذکرہ اس درجہ میں نہیں ہے۔ اللہ اکبر اس احتیاط کا کچھ ٹھکانا ہے۔ امام مسلم نے یہ شرط مقرر کی ہے جو شخص کسی سے روایت کرے دونوں میں معاصرت اور امکان لقا ہو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اور سختی کی کہ جب تک راوی اور مروی عنہ یعنی اُستاد و شاگرد کا لقا ثابت نہو۔ روایت قابل اعتبار نہیں ہے۔ الحاصل حدیث کی روایت میں نفس حدیث سے پہلے سلسلہ اسناد کی وہ وہ تنقیدیں کیگئیں کہ آج دنیا میں اُسکی نظیر نہیں اور نہ اس سے پہلے کوئی امت اسکی نظیر پیش کر سکتی ہے۔ زمانہ صحابہ اور تابعین کے صدر اول میں حدیث شریف کے جمع اور تدوین کی عادت نہ تھی نیز اسوجہ سے کہ حدیث قرآن عزیز کے ساتھ خلط نہو جائے اور وحی متلو اور غیر متلو کی شناخت دشوار ہو جائے اور نیز اسوجہ سے کہ عموماً حافظے ایسے قوی تھے کہ لکھنے کی حاجت نہ تھی۔ با ایںہمہ بعض صحابہ سے کتابت حدیث ثابت ہے۔ آخر عصر تابعین میں حدیث کی تدوین شروع ہوئی۔

خوارج روافض معتزلہ قدریہ جبریہ مرجیہ وغیرہم فرق باطلہ کا شیوع ہوا اور ان سے تحریف و تبدیل کا اندیشہ پیدا ہوا اہل بینش نے بالہام ربانی ذخائر احادیث کو مجتمع کرنا شروع کر دیا چنانچہ ربیع بن صبیح اور سعید بن عروبہ وغیرہما نے اول قلم پر قط لگایا اور احادیث منتشرہ کو جمع کر دیا۔ اور خوارج وغیرہ کی عنایت سے اسناد کی وہ حفاظت کی گئی کہ اُس کو دین سے شمار کیا گیا اور رد رواۃ حدیث پر رد و قدح جرح و تعدیل کا باب مفتوح ہو گیا سچ ہے ؎ عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد + کبار تبع تابعین

نے اس ضرورت کو اور زیادہ محسوس کیا اور کمر ہمت باندھ کر مستعد ہو گئے چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ طیبہ میں موطا تالیف فرمایا اور احادیث اہل حجاز صحیح صحیح اسمیں جمع کیں۔ اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور فتاویٰ تابعین کا اضافہ بھی از دیاد بصیرت اور تسہیل فہم کے لئے مناسب سمجھا اور مکہ مکرمہ میں ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے اور شام میں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے کوفہ میں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اور بصرہ میں حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے تالیفات کیں اب کیا تھا رحمت الٰہی کا ایک جھونکا آسمان سے نازل ہوا اور اس نے تابعین تبع تابعین کے دلوں پر گذر کر احیائے حدیث کی روح پھونکدی اور دلوں کو بیدار کر دیا ضرورت کو محسوس کرا دیا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الحج موطا۔ کتاب الآثار وغیر ذلک جمع کیں اور ہر طرف جمع و تالیف حدیث کے ذخائر موجود ہو گئے اور تحقیق و تفتیش کا دروازہ کھل گیا۔ ایک ایک حدیث کے لئے منزلونکے سفر پیادہ پا کئے گئے جہاں کوئی شک ہوا اسکو فوراً ازالہ کیا گیا۔ اور پھر جب یہ منتشر مواد حدیث کے مجتمع ہو گئے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے بعض ائمہ حدیث کو یہ القا ہوا کہ صرف حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کیا جائے۔ موقوف و منقطع سے بحث نہ کیجاوے چنانچہ سنہ ۲۰۰ہجری میں عبید اللہ بن موسیٰ عبسی کوفی نے مسدد بن مسرہد بصری اور نعیم بن حماد وغیرہ نے اپنے اپنے مسند کی تالیف کی اور ان کے بعد امام احمد بن حنبل اسحٰق بن راہویہ عثمان بن ابی شیبہ ابوبکر بن ابی شیبہ کے مسانید کا بھی اضافہ ہو گیا۔ اب عالم میں حدیث کے ذخائر موجود ہو گئے اور بکھرے ہوئے موتی ایک ہار کی لڑی میں پرو دئے گئے۔ جواہر حدیث کی نمائش کھلگئی تماشائیوں کا ہجوم اور نقاد اور صیرفیوں کی جانچ پرکھ نے کچھ ایسا سماں دکھا دیا کہ کسی آنکھ نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ حقیقت میں یہ بھی رسول مکی مدنی صلی اللہ علیہ وسلم و روحی فداہ کی ایک خصوصیت تھی بلکہ ایک زندہ معجزہ تھا جو کسی مذہب و ملت اور کسی امت کو نصیب نہیں ہوا اور انشاء اللہ تعالیٰ جب تک دنیا میں اسلام باقی ہے اور قرآن پاک باقی ہے یہ بھی بایں آب و تاب باقی رہے گا۔ گو علم کی کساد بازاری کا کیسا ہی زمانہ آجائے مگر یہ زر کامل عیار خود اپنی طرف اپنے اہل کو مائل کرتا رہے گا اور بگڑنے میں بھی اسکی زلف سنورتی اور اپنے شیدائی دلوں کو اپنی کمندوں میں پھانستی رہے گی۔

ابتک حدیث کی کثیر التعداد تصانیف جمع ہو گئی تھیں مگر ایسی کتاب کی ضرورت باقی تھی کہ جسمیں

اہل احادیث صحیح ہوں۔ ان ذخائر سے اہل علم وبصیرت کو بیشک نفع تھا کہ وہ ان مجموعوں میں سے تحقیق وتنقید کرکے صحیح حدیث کا پتہ لگا سکتے تھے مگر ایک طالب علم جسکو ابھی مہارت حاصل نہیں ہوئی ہے اور ایک معمولی استعداد کا شخص ضرور اپنے لئے ایک مشکل کا احساس کرتا تھا اور حقیقت میں ضرورت تھی کہ ان جواہر کو جدا جدا مرتب کر دیا جائے اور اشد ضرورت تھی کہ ایک جامع صحیح مؤلف ہو کہ اسمیں ہر باب کے متعلق صحیح صحیح حدیثوں کے ذخائر موجود ہوں۔

ایک فرہاد تنقید کا تیشہ ہاتھ میں لیکر اُٹھے اور کوہستان حدیث کو کھود کر ایک جوئے شیر تیار کر دے جسکا منبع مشکوٰۃ نبوت ہو اور وہ خالص دودھ (حدیث) جو انسان کے لئے غذای روح اور دوای امراض ہے اسمیں جاری کر دے تشنہ لب آویں اور سیراب ہو جاویں اہل فن دیکھیں اور انگشت بدنداں رہجاویں امام اسحٰق بن راہویہ کے دل میں القا ہوتا ہے اور وہ اپنے حلقہ تدریس میں اپنے تلامذہ کو خطاب کرتے ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ تم ایک مختصر کتاب حدیث صحیح کی جمع کردو۔ سب نے سُنا مگر ایک ہونہار شاگرد رشید کے دل میں اُستاد کا یہ ارشاد گھبگیا اور وہ کمر ہمت کو باندھکر تعمیل ارشاد پر تُل گئے۔ کیا اسحٰق بن راہویہ یہ خدمت خود انجام دینے سے قاصر تھے۔ نعوذ باللہ ہرگز نہیں۔ خوب کرسکتے تھے مگر کیا یہ ضرور ہے کہ سب اچھے کام آدمی خود ہی کرے دوسروں کو اسمیں شریک نہ کرے بالخصوص شاگردونکا کام تو اُستاد کا ہی شمار ہوتا ہے۔ پھر انسان کو موانع بھی بہت سے کاموں سے روکدیتے ہیں اور بعض ایسے امور کہ جنکا ترک مناسب نہیں ہوتا۔ دوسرے بعض حسنات کی بجا آوری سے معذور کردیتے ہیں اچھا وہ فرہاد تیشہ تنقید بکف کون ہے جس نے کوہستان حدیث میں جوی شیر نکالنے کا بیڑا اُٹھایا ہے اور امام اسحٰق بن راہویہ کا وہ روحانی فرزند اور شاگرد رشید کون ہے جو اس زریں خدمت کے انجام دہی کے لئے اپنے کو وقف کرتا ہے۔ صاحبو وہ امام ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری ہیں رحمۃ اللہ علیہ جو امام بخاری کے برگزیدہ لقب سے آج علمی دنیا میں مشہور وممتاز ہیں اور یہ لقب اُن کے لئے بمنزلہ علم ہو گیا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مختصر حال اور بعض خصوصیات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ناظرین کر دئے جاویں اسلئے بھی کہ ہمارے موضوع اور اصل مقصد کے لئے معین ہے اور اسلئے بھی کہ ایسے امام جلیل الشان کا ذکر جب نوک قلم پر آئے تو ہمارا بیچین دل نہیں مانتا کہ ہم اپنے

ناظرین کے سامنے کچھ اُن کا حال نہ بیان کریں۔

آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور نام نامی محمد ہے آپکے والد کا نام نامی اسمٰعیل اور اُن کے والد کا نام مبارک ابراہیم ہے۔ آپ دیکھئے کہ قدرت نے امام بخاری علیہ الرحمۃ کے نسب میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسقدر مناسبت پیدا کر دی ہے جب آپ پیدا ہوے تھے کسکو یہ خبر تھی کہ یہ ہونہار بچہ پروان چڑھے گا محدث ہوگا حدیث کی اشاعت کریگا علم نبوت سے ایک وافر حصہ کا مستحق ہوگا ان امور کا کسی کو علم نہ تھا کہ نام رکھنے والوں کے دل میں القا ہوا کہ نام محمد رکھا جاے اور ہمنام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو ان کے والد کا نام اسمٰعیل ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ وسلم حضرت اسمٰعیل ذبیح علی نبینا وعلیہ الصلوٰہ والتسلیم کی اولاد میں آپ فرماتے ہیں

انا ابن الذبیحین (شامی کتب سیر) | (میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔)

یعنی ایک اپ کے والد عبداللہ جو مقتول ہوے دوسرے حضرت اسمٰعیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو راہ خدا میں اُن کے ذبح کا حکم ہوا تھا اور ذبح کی تیاری ہو چکی تھی ہاتھ پانوں باندھ دیے گئے تھے آپنے آنکھوں پر پٹی باندھلی تھی چھری تیز کیجا چکی تھی اور پیارے بیٹے کے نازک گلے پر بسم اللہ اللہ اکبر کہکر اُس کو پھیرنا شروع کر دیا تھا۔ تعمیل حکم الٰہی میں جب باپ بیٹے ثابت قدم رہے تو بامر الٰہی حضرت اسمٰعیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اُٹھا لئے گئے اور ایک بکرا فدا کر دیا گیا۔

حضرت اسمٰعیل ذبیح کے والد حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں علیہم الصلوات والتسلیمات۔ الحاصل امام بخاری علیہ الرحمۃ کا نام اور نسب کے دو پشتوں میں جو مناسبت اور یکجہتی کے آثار ہویدا ہیں وہ کوئی شاعرانہ خیال یا کوئی معما نہیں ہے۔ بیشک متبرک لوگونکے نام پر نام رکھنا ضرور برکت کا سبب ہوتا ہے۔

شامی میں ایک حدیث نقل کی ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر (محمد) نام رکھے گا اُسکی قیامت میں آپ شفاعت کریں گے۔ شامی نے اسکی تحسین کی ہے اور بعض کتب میں اسکو ضعیف قرار دیا ہے مگر شامی کی تحسین اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔ اس حدیث سے یہ ضرور نکلا کہ حضور کے نام پر نام رکھنا مفید تر ہے کہ حضور کی شفاعت نصیب ہوتی ہے اس سے بڑھکر اور کیا برکت اور نفع ہوگا۔ (باقی آیندہ)

فن تجوید کی ضرورت پر ایک سرسری انتباہ

ہمارے اس بدنصیب عہد میں کلام اللہ کی غلط خوانی ہر ایک طبقہ میں اس درجہ مروج ہوگئی ہے کہ قرآن مجید کی عظمت و جلالت اور اسکی ضرورت و اہمیت کو دیکھکر جو کہ ہر ایک مسلمان کے اعتقاد میں ہونی چاہیئے یہ خیال کبھی کسی کو نہیں گذر سکتا تھا کہ ہماری قوم پر کوئی ایسا وقت بھی آئیگا جس میں عوام سے لیکر خواص تک قواعد تجوید اور تصحیح مخارج کو اس طرح پس پشت ڈالدینگے کہ بعض دفعہ تو اُسی قرآن جسکو قرآناً عربیاً فرمایا گیا ہے ہماری تلفظ اور لہجے کی بدولت عجمیت کا شبہ گذرنے لگیگا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگر ایک تقریر اردو یا فارسی یا انگریزی زبان میں ہو اور اسکے پڑھنے اور ادا کرتے وقت اُس زبان کی خصوصیات تلفظ وغیرہ کو زندہ نہ رکھا جائے یا کم از کم نمایاں نہ کیا جاوے تو ہر شخص کو اس پڑھنے والے پر ایک طرح کی نکتہ چینی کا استحقاق ہوتا ہے لیکن کیا اندھیر ہے کہ قرآن شریف جو کہ ایک صاف اور روشن عربیت میں اُتارا گیا ہے اسکی تلاوت و قراءۃ میں مطلقاً مخارج کی اصلاح اور حروف کی تصحیح اور صفات کے التزام کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ ایک انگریزی میں تقریر کرنے والا شخص تو اسوقت اپنے فن میں کامل سمجھا جاتا ہے کہ قواعد سے گذر کر اُس کے تلفظ اور لہجہ تک میں بھی خالص یورپین انگریزوں کے لہجہ کی جھلک آنے لگے لیکن عجب تماشہ ہے کہ قرآن مجید کے پڑھنے میں ایک مسلمان عربوں کے لہجہ اور تلفظ کے خصوصیات کا تتبع تو درکنار نفس حروف کی صحت اور مخارج کی درستی اور قواعد ضروریہ کی رعایت میں بھی واقفیت کا ثبوت دیتا ہے ہمنے کتابوں میں پڑھا تھا کہ قرآن شریف کے متعلق متواتر قرائتیں اصولی طور پر کل سات ہیں مگر ہندوستان میں پھرنے اور ہندیوں کا قرآن سُننے سے معلوم ہوتا ہے کہ سات نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں ہیں اور اگر یوں کہا جائے تو بیجا نہیں کہ جتنے پڑھنے والے ہیں اُسیقدر تصنیف شدہ قرائتیں ہیں۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ ہر شخص اُن میں سے اپنے کو امام وقت بھی سمجھتا ہے اور اپنی یہ فضیلت اوروں سے منوانے کی بھی پوری خواہش رکھتا ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ ہم خوش الحانی یا بدآوازی کا نام قرأۃ و تجوید رکھتے ہیں کیونکہ نفس قواعد تجوید پر اس کا اثر فی الحقیقت کچھ بھی نہیں ہے بلکہ ہمارا منشا یہ ہے کہ لوگ قواعد تجوید کی طرف جنکو بڑے بڑے ائمۂ فن نے اپنی تصانیف میں ترتیب دیا ہے توجہ کریں اسکے بعد اگر کوئی شخص فطرۃً خوش الحان بھی ہو تو اُس سے بیشک یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تم بدآواز بنکر آؤ تو تم تجوید سیکھ سکتے ہو روایات و آثار میں موسیقی نوازی کی ممانعت ہے نہ کہ قدرتی خوش آوازی کی بلکہ علمانے تو لیس منا من لم یتغن بالقرآن بھی اسپر منطبق کیا ہے عام مسلمانوں سے قطع نظر کر کے حضرات علماء کرام کے لئے جو اکثر منصب امامت سنبھالتے ہیں اس فن کی ضرورت اور بھی زیادہ شدید ہے۔ لیکن افسوس کہ وہ بھی حضرات اسکی طرف سے بہت زیادہ غفلت اور بے اعتنائی برتتے ہیں کتب تجوید جو زیادہ تر عربی زبان میں ہیں اور اردو میں بعض ہیں بھی تو ناکافی ہیں اسلئے ہمارے اُستاذ محترم جناب مولانا قاری عبد الوحید صاحب مدرس دار العلوم دیوبند نے اس فن میں ایک کتاب ہدیۃ الوحید اردو زبان میں لکھکر مسلمانوں کے واسطے بہت آسانی بہم پہنچا دی ہے۔ ہمکو امید ہے کہ لوگ اس سے فائدہ اُٹھانے میں ضرور مسارعت فرمائیں گے۔ قیمت صرف ۔/۳

خاکسار محمد یوسف صدیقی عفا اللہ عنہ متعلم دار العلوم دیوبند

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

۱- یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا - بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھجاتا ہے -

۲- یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیے آٹھ آنہ عـ۲/۸ پیشگی لیجاتی ہے - ممالک غیر سے صرف اُسی قدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے -

۳- جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچروپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائیں گے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہوں گے - اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہے گی -

۴- سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کی خدمت میں شروع کا (یا خریدار کا جب سال شروع ہو اُسکا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کر کے عـہ کا ویلو روانہ ہوگا -

۵- یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمت میں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسروں کی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمایش کرتے ہیں

۶- شعبان ۱۳۳۱ھ مطابق جولائی ۱۹۱۳ء سے اس رسالہ کا پانچواں سال شروع ہوا ہے پہلے چار سال کی مکمل جلدیں موجود ہیں - قیمت ہر جلد کی عـہ مع محصول ڈاک ہے -

۷- نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں انکے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائیں گے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں -

۸- القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہئے -

المشتہر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر رسالہ القاسم دفتر القاسم مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

(رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۳)

کاتب بندہ محمود سعید الرحمن میرٹھی کاپی نویس

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

قیمت سالانہ

محصول

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی ماہوار رسالہ

نمبر ۹ بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ جلد ۵

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ

(مطابق ماہ مارچ ۱۹۱۵ء)

جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

اور

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہی

تقریظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فلسفہ اور علم کلام

العقل والنقل

(سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو القاسم جلد دویم نمبر ۷)

مدت ہوئی کہ القاسم میں اس معرکۃ الآرا مضمون کے کچھ حصص طبع ہوئے تھے۔ اہل ملک اور بالخصوص انگریزی داں طبقہ پر جو گردیدگی اور قبول کے آثار ہویدا ہوئے تھے اُن کی صداقت اُن خطوط سے معلوم ہوتی ہے جو اس مضمون کے متعلق دفتر میں موصول ہوئے تھے۔ مولانا شبیر احمد صاحب نے عنان توجہ دوسرے امور کیطرف منعطف کی تھی یہ مضمون ناتمام رہ گیا اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اُن حضرات کو جنکے اصرار نے آج ہماری دیرینہ آرزو کو پورا کیا اور یہ نایاب اور مفید مضمون تمام ہو کر ہمکو ملا جو درج ذیل ہے۔ اور علیحدہ پورا مضمون بطور رسالہ طبع ہو رہا ہے کہ سب مستفید ہو سکیں (خاکسار معتمد المدیر)

اور آپ حیرت کریں گے جب یہ سنیں گے کہ جیسا کہ میں اس شق کو تسلیم نہیں کرتا خود سرسید بھی اُسکے اعتراف کرنے پر تیار نہیں ہیں چنانچہ اسی مضمون کے دوسرے حصہ میں وہ لکھتے ہیں " اس بیان سے جو ظاہرا بالکل سیدھا اور صاف ہے اور کچ اور پیچ اُسمیں کچھ نہیں ہے اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ کانشنس فی نفسہ کوئی چیز نہیں ہے اور نہ وہ ابتداءً کسی مذہب کا اصل اصول قرار پانے کے لائق ہے اور نہ وہ فی حد ذاتہ رہنما ہونے کے مستحق ہے۔ ہاں بلاشبہ سچے اصول پر انسان کی طبیعت تربیت پا جائے یا سچے خیالات سے اُسکی طبیعت موثر ہو جاوے اور طبیعت سچائی کے مطابق حالت پیدا کرے تب وہ حالت طبیعت یعنی کانشنس انسان کا رہنما ہوتا ہے" (ایضا تہذیب الاخلاق صفحہ ۱۲۰) دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ۔

" ہاں یہ سچ ہے کہ قانون قدرت پر غور اور فکر کرنے سے وہ صحیح اخلاق جو انسان کی طبیعت کو ایسی حالت پر کر دیں جو کبھی دھوکہ نہ دے دریافت کر سکتے ہیں۔ مگر کب جبکہ انسان کی معلومات کو ایک کافی ترقی اور قوانین قدرت پر اور اُن مختلف قویٰ کے اوپر جو اُس کے بانی نے انسان میں رکھے ہیں ایک معتدبہ آگاہی حاصل ہو۔ تمام انسان اُن دقائق پر نہیں پہنچ سکتے اور جو پہنچ سکتے ہیں وہ معدودے چند

کے سوا نہیں ہوسکتے اور وہ بھی نہ اپنی عمر میں بلکہ پشتوں در پشتوں اور صدیوں در صدیوں میں پس اسلئے تاکہ اُس قادر مطلق کی حکمت بیکار نہ رہے ضرور ہوا ہے کہ وقتاً فوقتاً ملک اور زمانہ کی حالت کے لحاظ سے ایسے ہادی پیدا کئے جائیں جنہیں خلقتی ایسا مادہ دیا گیا ہو اور جو باعتبار اپنی فطرت کے اُن سچے اخلاق کے بیان کا مخزن ہو" (ایضاً صفحہ ۱۲۲)

اِن دونوں عبارتوں سے بھی اور اُن کے اور بعض تصریحات سے بھی یہ ثابت ہوگیا کہ جملہ احکام شرعیہ کے لم اور علت کو سمجھلینا گو مطلق عقل انسانی سے خارج نہیں ہو لیکن ہر عقل شخصی کا یہ منصب بھی نہیں کہ ہر ایک حکم کی حقیقت اور کنہ کے سمجھ لینے کا وہ دعویٰ کر بیٹھے۔ تو سرسید کے اصول کے موافق سوال یہ ہے کہ سوائے اون معدودے چند انسانوں کے جو دقائق شریعت سے خبردار ہوں (جیساکہ سرسید بزعم خود تھے) اور لوگوں کو جو ایسے نہیں ہیں مکلف بنانا کیونکر صحیح ہوا۔ حالانکہ جن باتوں کے کرنے یا چھوڑنے پر اُن کو برانگیختہ کیا جاتا ہے وہ اُن کی عقل شخصی سے یقیناً خارج ہیں۔

پس اسکے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ ہم گرفتاران ہوا و ہوس اور مریضان عقل و ادراک۔ اُن ارباب عقول سلیمہ کو جنکے کچھ اوصاف ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں اطبار روحانی سمجھکر اپنے لئے کم از کم اسی طرح موت دائمی اور ہلاکت ابدی سے نجات دلانے والا تصور کریں جیساکہ ایک جاہل بیمار جو بغرض تداوی کسی طبیب حاذق کے آستانہ پر حاضر ہوکر اسکی نسبت خیال رکھتا ہے۔ اور جس طرح ایک دیہاتی مریض اپنے معالج ڈاکٹر کے کہنے سے فقط اِس اعتماد پر کہ وہ اُسکے خواص اور منافع و مضار سے کما حقہ آگاہ ہوگا کونین کے (بلکہ کسی نامعلوم الاسم دوا کے) کھانے کیلئے بلا پس و پیش آمادہ ہوجاتا ہے (حالانکہ ذاتی طور پر وہ اُس سے کچھ بھی واقفیت نہیں رکھتا) ٹھیک اسی طرح ارباب عقول سقیمہ کو لازم ہے کہ وہ ارباب عقول سلیمہ کے احکام کے سامنے بالکل گردن ڈالدیں اور اُن نسخہ جات کے استعمال کرنے اور پرہیز کے قائم رکھنے میں جنکا ارباب عقول سلیمہ نے امر فرمایا ہو ایک لمحہ کیلئے بھی توقف۔ تردد اور تنگدلی کو دخل نہ دیں بشرطیکہ طبیب کے طبیب اور اُن نسخہ جات کی بامر طبیب ہونے میں اُن کو کوئی شبہہ باقی نہ رہ گیا ہو۔

فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم	پس قسم ہے تیرے پروردگار کی کہ یہ لوگ ایمان سے ہرگز بہرہ یاب نہیں ہوسکتے۔ تاوقتیکہ تمکو (اے پیغمبر) اپنے باہمی منازعات میں حکم نہ

حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما ۔ ٹھیرادیں اور پھر تمہارے فیصلہ کے سامنے بغیر کسی قسم کی دل تنگی کے گردن تسلیم خم کردیں

ممکن ہو کہ یہ سوال اٹھایا جاوے کہ جب ارباب عقول سقیمہ کو محض اپنے عقلوں پر اعتماد کرنا اور اُن کی ہدایات اور احکام پر چلنا ہی روا نہیں رہا اور نہ کسی شرعی معاملہ میں اُن کے اقتضاآت عقلیہ کی توثیق وتصویب ضروری قرار دیگئے تو آخر اسکے باور کرلینے کی ہی ہمارے پاس کیا ضمانت ہے کہ عقل سلیم وسقیم کے امتیاز اور طبیب و مریض کے تشخیص اور معالج و مستعلج کی جستجو میں وہ ہی مریض عقلیں صحت واستقامت کے ساتھ ضرور کامیاب ہوجائیگی اور اسکا احتمال باقی نہ رہے گا کہ جس شخص کو انھوں نے تندرست شمار کیا ہے وہ فی الحقیقت بیمار ہو۔ اور جسکو اپنا نجات دہندہ طبیب سمجھے ہیں وہ ایک نااہل اور خطرہ جان ہلاکو ہو۔

لیکن ایسا سوال پیش کرنیوالوں کو تھوڑی دیر کے واسطے اسپر غور کرنا چاہئے کہ اگر کسی اجنبی بستی میں کوئی اجنبی طبیب آجائے اور وہاں کے لوگوں سے اپنے فن کی حیثیت میں تعارف پیدا کرانا چاہے (حالانکہ وہ لوگ نہ تو نظریات طب سے خبردار ہیں اور نہ انواع مرض سے واقفیت رکھتے ہیں اور نہ اُن کے لئے طرق علاج کے صحت وغلطی کا دریافت کرنا آسان کام ہی) تو ایسی صورت میں اُس طبیب کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کیلئے کیا تدابیر اختیار کرنا پڑتی ہیں۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ سب سے پہلے تو وہ مجامع ومجالس میں موقع بموقع اپنے طب دانی کا تذکرہ کریگا۔ اپنے مطب پر ایک بڑا سا سائین بورڈ لگائے گا۔ اور وقتاً فوقتاً اپنے اسانید کو جو کسی معتبر مدرسہ سے اسکو دستیاب ہوئے ہونگے خواص کے روبرو پیش کرتا رہیگا اور اسکے بعد کچھ لوگ تو عام چرچا سُنکر اور محض شہرت پر ایمان لاکر اور کچھ محض امتحان اور جانچ کرنے کی نیت سے اور کچھ طبیبوں کے احوال واطوار سے قدرے واقفیت رکھنے کی وجہ سے اُسکے پاس بغرض معالجہ آنے لگیں گے۔ اور بہت سے مریضوں کے پاس اپنا اعتبار بڑھانے اور مطب کو چمکانے کیلئے وہ بذات خود بغیر کسی قسم کی فیس اور مالی معاوضہ کے دور دراز کے تعلقات جتلا کر چلا جائیگا۔ اب اس ساری جدوجہد اور دوادوش میں اگر کچھ بیماروں کی شفا اُسکے ہاتھ سے مقدر ہے تو وہ اسکی اولین کامیابی کا باعث ہوگی۔ اور جوں جوں کہ یہ سلسلہ ترقی کرتا جائیگا اسی قدر اسکی عزت اور مقبولیت کو چار چاند لگتے جائیں گے۔ انتہا یہ ہے کہ وہ کچھ زمانہ کے بعد شہرت عامہ کے اس درجہ پر پہنچ جائیگا کہ مریضوں کو اُسکے یہاں پہنچنے کیلئے استدلال اور غور فکر کی ضرورت باقی

نہ رہے گی اور عوام کے محاورات میں شفاو صحت تو اُسکے معالجانہ کوششوں کی طرف اور موت وہلاکت خالی بخت واتفاق یا مشیت ایزدی کی طرف منسوب ہونے لگی گی بلکہ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ دوسرے نئے طبیبوں کی مقبولیت کا معیار ہی اب اُسکے تسلیم وتصدیق قرار پاجائیں گے۔

بعینہ اسی پر اطبار روحانی (انبیا علیہم والصلوٰۃ السلام) کے حالات کو قیاس کرو۔ جب وہ عالم کی ہدایت واصلاح کے لئے مبعوث ہوتے ہیں تو سب سے اول وہ اپنے من اللہ بشیر ونذیر ہونیکا نہایت زور شور اور تحدی کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اپنی دعوت وتبلیغ کا غلغلہ اہل وعیال ذخویش واقارب سے شروع کرکے مشارق ومغارب میں ڈالدیتے ہیں۔ جسکو سُنکر کچھ لوگ تو اُن کے سابق چالیس سالہ زہد وریاضت پاک وصاف اخلاق۔ دیانت وراستبازی اعراض عن المال والجاہ شرافت حسب ونسب اور روشن خوارق یا آیات بنیات وغیرہ امور کی وجہ سے اور بہت سے محض ازراہ امتحان وتفتیش ہی فطرۃً اُن کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔ اور بہت سے وہ خوش قسمت ہیں کہ خود انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قوت قلبیہ اور ہمت باطنی کے زور سے باذن اللہ اُن کو اپنی طرف جذب کرلیتے ہیں۔ اور اسی اثنا میں جب یہ لوگ روحانی امراض سے یکایک شفایاب ہونے لگتے ہیں اور اُن کے دلونکی تاریکی دور ہوکر جمال خداوندی کا عکس اُن میں پڑنے لگتا ہے تو وہ اپنے ہادی کی نسبت فوراً چلا اُٹھتے ہیں کہ

ما ھٰذا بشرا ان ھذا الا ملك كريم

اُسوقت ان مریضوں کو بھلا چنگا دیکھکر اور اُن کے حالات سابقہ میں ایسا انقلاب عظیم پاکر اوروں کے دل بھی نرمانے لگتے ہیں اور اُن کو ان کی صحت کی بحالی پر رشک آنے لگتا ہے۔ پھر تو مخلوق خدا فوج در فوج اور جوق درجوق ہوکر اس پاک بندے کے گرد جمع ہوجاتی ہے اور اپنے اپنے امراض کا مرافعہ اسکی طرف کرتی ہے۔ اور جیسے جیسے کہ یہ سلسلہ وسیع تر ہوتا جاتا ہے اندھونکی آنکھیں کھلتی جاتی ہیں اور غافلوں کو عبرت حاصل کرنے کا موقع ہاتھ آتا رہتا ہے اُسکے بعد اُسکے طبیب حاذق (یا نبی مرسل) سمجھنے کے واسطے نہ کسی استدلال کی ضرورت رہتی ہے اور نہ اُسمیں بہت زیادہ تدقیق اور غور وخوض کو کام فرمانے کی۔

الغرض جسوقت طبیب حاذق (نبی) کی شناخت کیلئے انسان کو اپنے دماغ پر کچھ زور ڈالنے کی ضرورت تھی اُسوقت تو چند قدرتی اسباب کی بنا پر یہ شناخت بغیر زور ڈالے ہی حاصل ہوگئی اور اب جبکہ اُسکے

حذاقت کے نتائج متمثل ہو کر گویا آنکھوں کے سامنے نمودار ہو گئے ہیں تو اس بحث میں کد و کاوش کی مطلقاً حاجت ہی باقی نہیں رہی۔ ہر شخص اُن محسوس و مشاہد نتائج کو دیکھکر اسی طرح اُسکے طبیب حاذق (نبی) ہونے کا یقین کرسکتا ہے جیسا کہ کسی گھر کے صحن میں دہوپ نکلی ہوئی دیکھکر آسمان پر آفتاب کے نکلنے کا۔ اور اس بدیہی بلکہ اجلی البدیہیات کے سمجھنے کے واسطے انسان میں ذراسی عقل بھی خواہ وہ کتنی ہی علیل کیوں نہو کفایت کرتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس سے کام لینے کی کوشش کرے اور حق کے دیکھنے سے جو اُسکو جمٹنا چاہتا ہے بالکل آنکھیں بند نہ کرے۔ اور جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں ارباب عقول سقیمہ سے یہ مطلب ہمارا ہرگز نہیں ہو کہ اُن میں کسی موٹی سے موٹی اور روشن سے روشن بات کے سمجھنے کی بھی قابلیت باقی نہ رہی ہو اور محسوسات کے ادراک کی استعداد بھی اُن سے سلب کرلی گئی ہو۔

تم خود خیال کرو کہ اگر طبیب کے کسی ہاتھ پر تپ کہنہ کے پانچ چار مریض (جو زندگانی سے مایوس ہو چکے ہوں) شفایاب ہو جائیں تو گھر گھر میں اُسکا چرچا پھیل جاتا ہے اور دور دراز شہروں کے مایوس العلاج بیمار اُسکی طرف رجوع کرنے لگتے ہیں اب اگر فرض کرو کہ ایک طبیب کے دست شفا سے کوئی بستی کی بستی یا ملک کا ملک تپ کہنہ سے صحت یاب ہو جاوے تو اُسکی شہرت اور اُسکی طرف لوگوں کی توجہ کیا کسی منطقی استدلال کے محتاج رہے گی۔ مثلاً سرخیل اطبار روحانی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالۃ الاسلام میں نہایت مفصل بیان کیا ہے اور یہاں پر صلحتاً ہم اپنے زمانہ کے ایک (اصطلاحی) روشن خیال مولف کے الفاظ میں لکھتے ہیں) ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے جبکہ دنیا ایک عجیب روحانی سکتے کی حالت میں تھی۔ اور آپ ایسے ملک میں مبعوث ہوئے جہاں اخلاقی تعلیم کا کچھ سامان نہ تھا۔ اور ایسی قوم کی اصلاح آپ کے ذمہ کیگئی جو سوا اوہام اور فاسد عقیدوں اور باطل خیالات اور غلط رایوں اور وحشیانہ اعمال اور بداخلاقی اور نفاق اور جنگ جوئی کے کسی قسم کی اخلاقی خوبی نہ رکھتے تھے۔ مگر آپ کے الہامی بیان اور خدائی قوت نے ان پر ایسے عجیب و غریب تاثیر کی کہ اُس سے اُن کی تمام ظاہری و باطنی حالتیں بدل گئیں۔ برسوں کے بھٹکے ہوئے خدا کی راہ پر چل نکلے اور مدتوں کے سوتے ہوئے غفلت کی نیند سے چونک پڑے۔ جو مشرک تھے وہ موحد ہو گئے جو کافر تھے ایمان لائے جو بُت پرست تھے وہ بُت شکن بنگئے جو گمراہ تھے

وہ خدا کی راہ دکھانے لگے۔ جاہلانہ حمیت اور وحشیانہ عصبیت کا ان میں نام نہ رہا۔ خاندانی جھگڑے اور پشتینی عداوتیں جاتی رہیں۔ دماغ غرور ونخوت سے خالی ہوگئے۔ اور اُن کے دل صبر و توکل حلم و بردباری۔ زہد و پرہیزگاری اور جمیع اخلاقی صفات سے بھر گئے۔ آپ کی تعلیم و ہدایت نے ایک ایسا گروہ خداپرست پاک طبیعت۔ راست باز۔ نیک دل لوگوں کا قائم کردیا جنکی کوششوں سے شرک وبُت پرستی کی آواز جو تمام جزیرہ نمای عرب میں گونج رہی تھی بند ہوگئی اور اُسکے بدلے ایک بیچون وبیچگوں بے شبہ وبے نمون خدا کی منادی پھر گئی۔ بتوں نے عدم کا راستہ لیا۔ نیرانوں کا نشان مٹ گیا۔ آتشکدے ٹھنڈے پڑ گئے۔ تثلیث کا طلسم ٹوٹ گیا اوہام پرستی کا باطل خیال باطل ہوگیا۔

جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔	حق ظاہر ہوگیا اور باطل مغلوب بے شک باطل مغلوب ہے

کیا اس سے اس امر کا مشاہد اور درخشان ثبوت نہیں ملتا کہ آپ حقیقت میں سچے رسول (طبیب حاذق) اور خدا ہی کی طرف سے مؤید تھے ورنہ انسان کا کام نہ تھا کہ وہ ایسا انقلاب عظیم عرب کی روحانی اور اخلاقی حالت میں پیدا کردیتا۔ اور ایسے جنگ جو ستم پیشہ لوگوں کو جو بات بات پر لڑتے اور جھگڑتے تھے اخوۃ کے ایک رشتہ میں باندھ دیتا۔ اور اُن کی پشتینی عداوتوں اور کینوں سے اُن کے دلوں کو ایسا صاف کردیتا کہ اُسکا کچھ اثر باقی نہ رہا۔ بلکہ دنیا میں اُن کو اخلاق اور انسانیت کا نمونہ بنا دیتا۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کی ایسی عجیب وغریب تاثیر اور ایسے حیرت انگیز نتائج کو دیکھکر منکرین بھی اس بات کے معترف ہیں کہ درحقیقت یہ بات بشری قدرت سے خارج تھی چنانچہ کوئی اُن میں سے کہتا ہے کہ وہ پیام جو آپ لائے وہ ایک سچا اور حقیقی پیام تھا جسکا مخرج وہی ہستی تھی جسکی تھاہ کبھی کسی نے نہیں پائی کوئی لکھتا ہے کہ قرآن ہی کی تعلیم کا یہ اثر ہے کہ عرب کے رہنے والے ایسے بدل گئے جیسے کسی نے سحر کردیا ہو متعصب سے متعصب عیسائیوں میں سے سخت سے سخت متعصب یہ اقرار کرتا ہے کہ دین مسیحی کی ابتداء سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے وقت تک کبھی حیات روحانی ایسی برانگیختہ نہیں ہوئی تھی جیسی کہ اسلام کی تعلیم سے ہوئی"

پھر کیا ایسے ایسے موشگاف ثبوتوں اور کھلی کھلی دلیلوں کے بعد بھی کوئی محروم البصیرۃ ایسا نکلیگا جو باوجودیکہ اپنے کو مریض سمجھتا ہو اور کسی نباض اور ماہر طبیب کی طرف رجوع کرنے کا خواہشمند بھی ہو۔ لیکن طبیب عرب (نہیں بلکہ طبیب عرب و عجم) کے ان چمکتے ہوی کارناموں سے منہ پھیر لے۔ اور اُسکی تجویز اور تشخیص کے سامنے (جو لاریب خدا کی ہی تجویز و تشخیص ہی) بے چون و چرا اور بے ریب و تردد گردن نہ ڈالدے اور کم از کم تجربہ ہی کے طور پر اُسکے بتلای ہوئے تدابیر و معالجات و پرہیز پر چند روز عمل کرکے نہ دیکھے۔ ایسے ہی کور باطنوں کی نسبت (جو ابھی تک اس طرح کی بدیہی صداقت کے تسلیم کے واسطے نہایت پیچیدہ اور دور از کار مسائل و دلائل کی تلاش میں فضول سرگردان رہ کر عمر عزیز ضائع کر رہے ہیں اور ان سے زیادہ روشن واقعات کی طرف آنکھ نہیں اُٹھاتے) عارف باللہ حضرت شیخ محی الدین بن العربی قدس اللہ سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "ہمارے نزدیک سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہی کہ انسان (ہر بات میں) خدا کو چھوڑ کر محض اپنی نظر و فکر کی ہی تقلید کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اُسکی یہ فکر بھی خود اُسکی ذات کی طرح ایک امر حادث اور مخلوق ہی اور اُن قوی میں سے ایک قوۃ ہے جو خدائی تعالیٰ نے انسان کے اندر ودیعت کی ہیں (اُسی معلوم ہی) کہ اللہ تعالیٰ نے قوۃ مفکرہ کو عقل انسانی کے واسطے ایک خادم بنایا ہے (لیکن اسپر بھی) عقل خود اُسکے (خادم بنکر) پیچھے ہو لیتی ہی باوجودیکہ وہ یہ بھی جانتی ہی کہ قوۃ مفکرہ جو کچھ اُسکو عطا کرتی ہے وہ اُسمیں اپنے حد و مرتبہ سے ذرا بھی تجاوز نہیں کر سکتے اور وہ اس سے عاجز ہے کہ کسی دوسری قوۃ کی حد میں قدم رکھ سکے۔ مثلاً قوۃ حافظہ یا مصورہ کا کام اُس سے نکل سکے یا قوت متخیلہ کے قائم مقام بن سکے یا حواس خمسہ (لمس۔ طعم۔ شم۔ سمع۔ بصر) میں سے وہ کسی ایک کے فرائض کو انجام دی سکے یہ سب کچھ ہے اور قوت مفکرہ کی حدود و اختیارات کی یہ تنگی بھی سب کو معلوم ہی۔ مگر اسپر بھی یہ کسقدر حیرت انگیز بات ہی کہ عقل انسانی اپنے پروردگار کی معرفت کے بارہ میں اُسی فکر ناقص کی تقلید پر اڑی ہوئی ہی اور اُسکا پروردگار خود جو کچھ اپنی کتاب میں اور اپنے رسول کی زبانی اپنی نسبت بیان فرماتا ہی اُسکی تقلید سے برابر کتراتی ہے۔

عالم میں جو غلطیاں مختلف طرح کی پھیلی ہوئی ہیں عقل کی یہ غلطی اُن سب میں عجیب تر ہے اور تماشہ ہے کہ سوائے اُن معدود لوگوں کے جنکی بصیرت کی آنکھیں خدا تعالیٰ نے روشن کر دی ہیں۔ ہر صاحب فکر اسی عام غلط کاری میں مبتلا ہے۔ ہاں ارباب بصیرت خوب جانتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ

نے ہر چیز کی ایک خاص فطرت بنائی (اور اُسی خاص فطرۃ کے اعتبار سے اُس شے کی عمل و حرکت کی حد بندی کر دی ہے) مثلاً قوت سامعہ (یا کانوں) کی فطرت مسموعات (آوازوں) کے ادراک سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ اور عقل انسانی فقط اسی حلقہ میں اُسکے محتاج اور آوازوں کی شناخت۔ حروف کے قطع و برید۔ الفاظ کے تغیرات۔ اور لغات کی تقسیم میں اُس سے امداد کے طالب ہے۔ چنانچہ عقل انسانی قوۃ سامعہ ہی کے ذریعہ سے پرندوں کے چہچہے۔ ہواؤں کی سائیں سائیں کوآ اڑونکی چوں چوں پانی کی خرخر۔ انسان کی چیخ پکار اور دوسرے جانوروں کی بولیوں میں تفریق کرتی ہے۔ ورنہ عقل انسانی میں بجائے خود یہ قدرت کہاں کہ بغیر توسط سمع کے ان چیزوں کے باہمی امتیازات کو قایم رکھ سکے۔

اسی طرح قوۃ باصرہ (آنکھوں) کو خیال کرو کہ اُسکا دائرہ عمل محض مبصرات (دکھائی دینے کے قابل چیزوں) تک محدود ہی۔ یعنی عقل کو انکی امداد کے بغیر سبزی کو زردی سے اور زردی کو سفیدی سے اور سفیدی کو سیاہی سے اور اسی طرح ہر ایک رنگ کو دوسرے رنگ سے جدا کرنا عادۃً ممکن نہیں ہے اور یہی حال ان دونوں کے ماسوا دوسری اُن تمام قوتوں کا ہے جو حواس کے نام سے مشہور ہیں اور نیز قوت خیالیہ کا جسکو اپنی کارگذاری میں حواس خمسہ کی احتیاج ہے۔ کیونکہ تخیل فقط اُن چیزوں کے ساتھ ہی متعلق ہو سکتا ہے جو حواس کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس قوۃ حافظہ اگر خیال کی حاصل کی ہوئی اشیا کو روکے نہ رکھے۔ تو خیال کے خزانہ میں کچھ بھی باقی نہ رہے۔ اس حیثیت سے جیسا کہ وہ حواس خمسہ کا محتاج ہے ایسے ہی قوۃ حافظہ سے بھی بے نیاز نہیں۔ پھر قوت حافظہ کو بہت سے ایسے موانع پیش آتے ہیں جو اُسکے اور خیال کے درمیان حائل ہو کر قوت حافظہ کے ضعف اور اُس سے امور کثیرہ کے فوت ہونے کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس لئے ایک قوۃ مذکرہ کی حاجت ہوئی جو قوۃ حافظہ کی مددگار بنکر اُسکو وہ باتیں یاد دلاو یا کرے جن سے ذہول ہو گیا ہو۔

ان سب کے بعد قوۃ مفکرہ خیال کی طرف متوجہ ہوتی ہے تاکہ قوۃ متصورہ کے توسط سے خیال کے حاصل کردہ امور کو اس طور پر ترکیب دے کہ اُس سے کسی دعوی کے متعلق ایسی دلیل پیدا ہو جاوے جسکی انتہا اُن محسوسات اور بدیہیات پر ہوتی ہو جو آدمی کے جبلۃ میں مرکوز ہیں اس طرح سے جب فکر دلیل کو ایک اچھی معقول صورت پر قائم کر دیتا ہے تو اب عقل انسانی اُس بنی بنائی چیز کو لیکر

دعوی پر منطبق کردیتی ہے۔

لیکن وہاں سے یہانتک پہنچنے میں جتنی قوتوں کو کچھ بھی دخل رہا ہے اُن میں سے کوئی ایسے نہیں جسکے کام میں بہت سے موانع اور بہت قسم کی غلطیوں کا اسا غ نہو اور جسکے لئے کسی ایسے معیار کی ضرورت نہ پڑے جو صحیح کو فاسد سے اور مغز کو پوست سے جدا کرسکے۔

پس تم غور کرو کہ عقل فی حد ذاتہ کس قدر جاہل کیسی بے بس اور دوسری قوتوں کی کتنی حاجتمند ہے اور ان قوتوں میں سے ہر ایک کو جو اغلاط پیش آتے ہیں اور جہانتک کہ اُسکے دائرۂ عمل کی تحدید کیگئی وہ بھی سب پر روشن ہوچکی لیکن اسپر بھی جب اُسکو کوئی بات اس مخدوش اور پر خطر طریق سے بہت سی ٹھوکریں کھاکر حاصل ہوتی ہے اور اُسکے مقابلہ میں دوسری جانب خود خداوند رب العزۃ کوئی خبر دیتا ہے تو یہ کہکر وہ خدا کی بتلائی ہوئی بات کو ٹالدیتی ہے کہ میرا غور و فکر اسکو رد کرچکا ہے اللہ اکبر۔ یہ عقل خدا تعالیٰ کے مرتبہ سے کسقدر جاہل ہے کہ اُس نے اپنے فکر ناقص کی تقلید میں خدا تعالیٰ پر جرح کرنے کو آسان سمجھا۔ حالانکہ تم پہلے سمجھ چکے ہو کہ عقل کے پاس بجای خود کسی طرح کا اور کسی شے کا بھی علم موجود نہیں۔ اُسکا کام محض حواس خمسہ۔ قوۃ خیالیہ قوۃ مصورہ۔ اور علی ہذا القیاس دوسری قوتوں کی عطا کئے ہوئے علوم کو قبول کرنا ہے۔ تو ایسی حالت میں اُس کے لئے نہایت ہی مناسب تھا کہ وہ بجائے قوت فکریہ وغیرہ اپنے خدام کے سامنے دست سوال دراز کرنے اور اُن کے عطایا کو قبول کرنیکے اپنے آقا رب العزۃ کے روبرو ہاتھ پھیلاتے اور اُسی کے بخششوں کو لیکر سر اور آنکھوں پر رکھتے۔

اور جبکہ اُسے معلوم ہے کہ اُسکا فکر خیال کا مقلد ہے اور خیال حواس خمسہ کا اور اُسکے ساتھ ہی اُسکو اپنی امداد کیلئے قوۃ حافظہ اور مذکرہ کی بھی حاجت ہے اور یہ بھی علم ہے کہ یہ تمام قوی اپنی اپنی سرحد فطرۃ نظر اور دائرۂ عمل سے باہر ایک قدم نہیں رکھ سکتے (مثلاً خوبصورت بدصورت کے ادراک میں کانوں سے کام نہیں چل سکتا۔ اور آوازوں کے بُرے بھلے کو آنکھیں نہیں سمجھ سکتی۔ خوشبو اور بدبو کا امتیاز زبان کے حدود عمل سے خارج ہے اور تلخ و شیریں کی تفریق سے ناک کو کوئی سروکار نہیں اور علی ہذا القیاس خود عقل کو اپنی ذات کے اعتبار سے اُن چند ضروریات کے سوا جنکا علم فطرۃ ہوتا ہے اور کوئی چیز معلوم نہیں) تو بھلا تمام قوتوں کے اِس طرح کی تنگ میدانی اور بیچارگی کے باوجود بھی کیا وجہ ہے کہ ہماری عقل اُس شخص کے قول کو قبول نہیں کرتی جو انسان میں قوۃ مفکرہ

کے سوا ایک اور ایسی قوت کا قائل ہے جسکے احکام قوۃ مفکرہ کے احکام سے بالاتر ہوں اور جسکو اُن طریقوں کے استعمال کرنے سے جو اس فن کے تجربہ کاروں نے لکھے ہیں بموہبت الٰہی اہل اللہ (ملائکہ انبیا اور اولیاء کاملین اپنے اندر پاتے ہیں اور کل کتب سماویہ جسکے وجود کی خبر دینے میں بآواز دہل ناطق ہیں۔

اس لئے تمکو چاہئے کہ اخبار آلہیہ کے ماننے میں اپنی عقول (ناقصہ سقیمہ) کی کچھ پروانہ کرو اور مخلوق کے مقابلہ میں خالق کی تقلید کو بہتر سمجھو کیونکہ کثیر التعداد انبیاء و اولیا نے انھیں چیزوں کو قبول کیا۔ اور انھیں پر وہ ایمان لائے۔ اور انہیں کی تصدیق کی۔ اور ہمیشہ وہ اسی کو پسند کرتے رہے کہ اپنے رب کی معرفت میں خود اسی کی تقلید کرنا اپنے اوہام و افکار کی تقلید سے اولی وانفع ہے۔ پھر۔ او عقلمند بنکر اخبار آلہیہ سے انکار کرنے والے۔ تجھکو کیا ہوا کہ خدا کے بارہ میں تو خود خدا کی او اُسکے برگزیدہ بندوں کی نہیں سُنتا اور اپنے خیالات کے پیچھے پڑا پریشان ہو رہا ہے۔

دیکھو جب یاایھا الذین امنوا امنوا کے سننے والوں کو یہ معلوم ہوا کہ علاوہ اُس ایمان کے جو دلائل و افکار سے ہمکو حاصل ہو چکا کوئی دوسرا ایمان بھی مطلوب ہے تو اُنھوں نے معارضت خلوۃ اور مجاہدہ کا طریق اختیار کیا اور خدا کو فراموش کرنے والے تعلقات کو یکلخت منقطع کر کے دنیا میں رہکر ہی وہ دنیا سے الگ ہو بیٹھے۔ اور دل کو سب گڑھوں سے خالی اور قلب کو شوائب افکار سے پاک کر کے خالص خدا کی طرف متوجہ ہوے کیونکہ انبیا و مرسلین سے یہ ہی راستہ اُن کو معلوم ہوا تھا اور اُنھوں نے سُن رکھا تھا کہ بندہ جب سارے دل سے خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو حق تعالیٰ بھی اُس پر اپنی مہربانی اور رحمت کا سایہ ڈالتا ہے اور اپنے دامن عطوفت میں لے لیتا ہے اِس سے اُنھوں نے سمجھ لیا کہ خدا کے طرف جانیوالوں کے لئے فکر کے راستے سے یہ راستہ زیادہ نزدیک ہے کیونکہ خود خداوند رب العزۃ نے اپنے رسول کے زبان سے یہ منادی کرادی کہ جو کوئی ہماری طرف لپک کر آتا ہے ہم اُسکی طرف دوڑ کر جاتے ہیں۔ اور یہ کہ نہ آسمان میں۔ نہ زمین میں۔ بلکہ فقط قلب مومن میں یہ وسعت ہے کہ وہ ہماری عظمت و جلال کا تحمل کر سکے۔

اس بنا پر یہ لوگ اپنے سارے دل سے خدا کی بارگاہ میں متوجہ ہوئے اور تمام قوہی و افکار کے دہندوں کو چھوڑ دیا۔ اُس وقت خدا تعالیٰ نے اپنے نور میں سے علم صادق کی ایک روشنی اُنکے

دلوں پر ڈالدے۔ اور اُن کو خالص اپنا ہی والہ و شیدا بنالیا۔ پھر کیا تھا۔ نظر و فکر کی وہ ساری کمزوریاں کافور ہوگئیں اور خالق اکبر کے ارشادات و قوانین کے سامنے اُنھوں نے اپنی عقلوں کے تیار کئے ہوئے قانون کو بھلادیا۔ آہ۔

تم خود سوچو اور انصاف کرو کہ اگر ہر کس و ناکس اپنی عقل شخصی کے بتائے ہوئے قانون پر چلنے کا مجاز کردیا جاوے جیسا کہ آزاد خیالی کے مدعی آج کل چاہتے ہیں تو دنیا میں کیا کچھ خرلطہ ہو اور ہزاروں لاکھوں خود تراشیدہ قوانین کی کشمکش میں (جو ہر گروہ اپنے پیمانۂ فکر اور اندازۂ فہم کے موافق تیار کرسکتا ہے) لوگونکی زندگی کیا کچھ دشوار ہوجاے۔

بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب عقل و نقل میں مزاحمت واقع ہوا کرے اس وقت ہمکو یہ اختیار ملنا چاہیئے کہ ہم عقل کے احکام کو نقل صحیح کی تسلیم سے مقدم سمجھیں کیونکہ نقل کے ماننے کا اصل ذریعہ عقل ہی ہے۔ تو خدانخواستہ عقل کو بے اعتبار ٹھیرانیکے معنی یہ ہوں گے کہ ہم عقل و نقل دونوں کی طرف سے بدگمان ہوگئے ہیں۔

لیکن اس شبہ کا جواب آپکو ہماری تقریر سابق سے بوجہ احسن معلوم ہوچکا ہے کیونکہ ہم مدلل طور پر بتلاچکے ہیں کہ عقل سلیم و نقل صحیح میں تعارض ہو ہی نہیں سکتا ہاں اگر عقل کی سلامتی یا نقل کی صحت مخدوش ہوجاوے تو بیشک ایسا ہونا ممکن ہے مگر اُسوقت ہمارا پہلا فرض یہ ہوگا کہ یا تو اپنی عقل کو مرض سے چھڑانے اور سلامتی پر لانے کی کوشش کریں اور یا نقل کے ثبوت کیواسطے کوئی قابل وثوق ذریعہ بہم پہنچائیں ودونہ خرط القتاد۔

اس جواب کی پوری تفصیل شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے اپنی بیش بہا اور ضخیم کتاب عہ موافقہ صریح المعقول لصحیح المنقول میں لکھی ہے جسکے جستہ جستہ اقتباسات بھی ہم باوجود قصد کے تطویل کسی کے خیال سے قلم انداز کرکے آخر میں یہ گذارش کرتے ہیں کہ جو کچھ ہمنے اس مضمون میں یہانتک بیان کیا ہے اُس کا یہ منشا ہرگز نہیں کہ فکر و استدلال ایک محض عبث اور لغو چیز ہے یا اُس سے تعرض کرنا کوئی شرعی گناہ ہے۔ لیکن ہاں کسی فرد بشر کے واسطے ہم یہ جائز نہیں رکھتے کہ وہ اپنی عقل شخصی اور فکر ناقص کو اصل اصول ٹھہراکر انبیا علیہم السلام کے پاک وصاف صحیح و صادق اور

عہ یہ کتاب اہل مصر نے منہاج السنۃ کے حاشیہ پر طبع کی ہے ۱۲ منہ

اور بلند و برتر تعلیمات کو زبردستی اُن پر منطبق کرنے کی کوشش کرے جسپر اکثر اوقات اُسکا ضمیر بھی خود اندر سے نفریں کر رہا ہو اسکے برخلاف نہایت ضروری ہے کہ انسان خدا اور اُسکے رسولوں کے ارشادات کو اصل قرار دیکر اپنی عقلی معلومات کو اُن کے تابع بنا دے اور جو کچھ وہ فرمائیں اُسکو اپنے امراض روحانی کے حق میں اکسیر شفا تصور کر کے سمعاً و طاعۃً کہتا ہوا بلا حجت و تکرار سر اور آنکھوں پر رکھے۔

والذین یحاجون فی اللہ من بعد ما استجیب لہ حجتہم داحضۃ عند ربہم وعلیہم غضب ولہم عذاب شدید

اور جو لوگ اللہ کے بارہ میں نبی سے جھگڑا کرتے ہیں جبکہ آدمی اُسکی بات قبول کر چکے تو اُن کی حجت باطل ہے اور اُن پر خدا تعالیٰ کا غضب ہے اور ان کیلئے سخت عذاب ہے۔

تنبیہ جو کچھ ہمنے اس رسالہ میں اپنے نزدیک اختصار جامع اور متانت و معقولیت کے ساتھ لکھا ہے اُسکا زیادہ تر زور (جیسا کہ ناظرین محسوس فرمائیں گے) عقل کی صحت و سلامتی پر رہا ہے لیکن نقل کی صحت و ضعف کے قواعد و شرائط وغیرہ سے یہاں مطلقاً بحث نہیں کیگئی جسکے واسطے اوّل تو علم اصول حدیث کی کتابوں کا مطالعہ انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہوگا اور اگر وقت نے مساعدت اور قادر مطلق نے امداد فرمائی تو ہم ایک مستقل رسالہ اس موضوع کے متعلق بھی لکھکر اہل ملک کے روبرو پیش کرینگے جسمیں مولانا عبد اللہ العمادی کے رسالہ علم الحدیث پر بھی مبسوط تبصرہ کیا جاویگا۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

الراقم

شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

دار العلوم۔ دیوبند

۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۳ ہجری

الاحادیث الموضوعۃ

گذشتہ پیوستہ

ابتو غالبًا یہ بھی مخفی نرہا ہوگا کہ تواتر لفظی کے یہ معنی ہرگز ہرگز نہیں کہ روایت کے الفاظ بعینہا باقی رہیں بلکہ اگر الفاظ روایت مختلف بھی ہوں جب بھی اسکو تواتر لفظی ہی کہا جاویگا اور تواتر معنوی کی یہ صورت ہے کہ ایک حکم یا خبر مختلف واقعات سے ثابت ہو جیسے حاتم کی سخاوت کہ اسکا ثبوت مختلف واقعات سے قدر مشترک کے طور پر ہوتا ہے۔

تواتر لفظی و معنوی کا یہ فرق ہمارا مستحدث نہیں بلکہ محققین کے کلام میں اسکی تصریح موجود ہے۔

قال فی توجیہ النظر ینقسم التواتر الی قسمین لفظی و معنوی فاللفظی ھو ما اتفقت الفاظ الرواۃ فیہ مثل ان یقولوا فتح فلان مدینۃ کذا سواء کان بھذا اللفظ او بلفظ اخر یقوم مقامہ مما یدل علی المعنی المقصود صریحًا والمعنوی ھو ما تختلف فیہ الفاظ الرواۃ بان یروی قوم منھم واقعۃ وغیرہ واقعۃ اخری وھلم جرا غیر ان ھذہ الوقائع تکون مشتملۃ علی قدر مشترک فھذا القدر المشترک یسمی المتواتر المعنوی او المتواتر من جھۃ المعنی وذلک مثل ان یروی واحد ان حاتما وھب مائۃ دینار و اخر انہ وھب مائۃ من الابل و اخر انہ وھب عشرین فرسا وھلم جرا حتی

صاحب توجیہ النظر فرماتے ہیں کہ تواتر دو طرح کا ہوتا ہے لفظی اور معنوی تواتر لفظی تو یہ ہے کہ راویوں کے الفاظ اسمیں ایک سے ہوں مثلاً یوں کہیں کہ فلاں بادشاہ نے فلاں شہر فتح کرلیا خواہ یہی الفاظ بعینہ سب کی روایت میں ہوں یا دوسرے لفظ جو اُن کے قایم مقام ہوں اور اُن سے بھی اسی مقصود کی تصریح ہوتی ہو۔ تواتر معنوی یہ ہے کہ راویوں کے الفاظ اسمیں مختلف ہوں مثلاً ایک جماعت کسی کا ایک واقعہ نقل کرے دوسری جماعت اُسی شخص کے دوسرے واقعہ کو نقل کرے اور تیسرا اُسی کے کسی اور واقعہ کو علی ہذا القیاس مگر ان سب واقعات سے ایک قدر مشترک ضرور نکلتی ہے یہی قدر مشترک تواتر معنوی یا متواتر من جہۃ المعنی سے موسوم ہوگی اسکی صورت یہ سمجھیے مثلاً ایک شخص تو یوں بیان کرے کہ حاتم نے فلاں شخص کو سو دینار ہبہ کئے دوسرا یوں کہے کہ سو اونٹ فلاں کو دئے تیسرا یوں کہے کہ فلاں شخص کو حاتم نے بیس گھوڑے دئے علی ہذا القیاس اس طرح کہ

يبلغ الرواة حد التواتر فهذه الاخبار تشترك في شيء واحد وهو هبة حاتم شيئًا من ماله وهو دليل على سخائه وهو ثابت بطريق التواتر المعنوي وقال الامام ابو اسحٰق ابراهيم الشيرازي في اللمع اعلم ان الخبر ضربان متواتر وآحاد فاما المتواتر فهو كل خبر علم مخبره ضرورة وذلك ضربان تواتر من جهة اللفظ كالاخبار المتفقة عن القرون الماضية والبلاد النائية وتواتر من طريق المعنى كالاخبار المختلفة عن سخاء حاتم وشجاعة على رضي الله عنه وما اشبه ذلك ويقع العلم بكلا ضربين۔

اُنکے اس قسم کی مختلف عطایا کا ثبوت حد تواتر کو پہونچ جاوے یہ سارے قصص و حکایات اتنی بات کے اثبات میں متحد ہیں کہ حاتم نے اپنا مال ہبہ کیا اور اسی سے اُسکی سخاوت پر استدلال کیا جاسکتا ہے اور یہی بات بطریق تواتر معنوی کہا جاویگا۔ امام ابو اسحٰق ابراہیم شیرازی اپنی کتاب مسمی باللمع میں فرماتے ہیں کہ یاد رکھو خبر کی دو قسمیں ہیں متواتر۔ آحاد۔ متواتر تو وہ ہے جسکا مضمون بالبداہۃ معلوم ہو اسکی دو قسمیں ہیں اوّل تواتر من جہۃ اللفظ مثلاً اعصار گذشتہ اور بلاد بعیدہ کی متفق خبریں۔ دوم تواتر من طریق المعنی جیسے وہ اخبار مختلفہ جو سخاوت حاتم یا شجاعت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو مثبت ہوں یا اسی طرح کی اور خبریں۔ علم یقینی ان دونوں صورتوں میں حاصل ہو جاتا ہے۔

دوسرا دور اس دور میں خصوصیت کے ساتھ ابن حبان دارقطنی اور ابن عدی کے نام لئے جا سکتے ہیں ان حضرات کا طریقہ یہ رہا کہ روایات کے ذریعہ سے راویوں کی جانچ اور پڑتال کرتے تھے یعنی اگر راوی سے اُن احادیث مقبولہ کے موافق سُنا جنکو دور اوّل میں قبول کیا جا چکا ہے تو وہ روایت مقبول ہوتی تھی اور اگر مخالفت ثابت ہوئی تو اسکو رد کر دیا جاتا تھا۔ دونوں دَوروں کے عملوں میں فرق ظاہر ہے کہ دور اول میں اگر عمل صحابہ معدل تھا تو اس دور میں روایات مقبولہ سلف کو یہ عہدہ نصیب ہوا۔

قال السيوطي في تدريب الراوي واذا لم يكن في الراوي جرح ولا تعديل وكان كل من شيخه والراوي عنه ثقة ولم يأت بحديث منكر فهو ثقة وفي كتاب الثقات

علامہ سیوطی نے (شرائط ابن حبان کا ذکر کرتے ہوئے) تدریب الراوی میں فرمایا ہے کہ اگر راوی میں (متقدمین کی) جرح و تعدیل نہ ہو اور اُسکے شیوخ اور جو اُس سے روایت کرنیوالے سب کے سب ثقہ ہوں اور اُس حدیث کو جو سلف کی مروی کے خلاف نہو بیان کریں تو اُنکے

له كثير من هٰذه حاله ولاجل هٰذا ربما اعترض فی جعلهم ثقات من لم يعرف حاله ولا اعتراض عليه فانه لا مشاحة فی ذلك۔	نزدیک ثقہ تھا۔ کتاب الثقات میں بہت سے ایسے لوگوں کا پتہ چلتا ہے جنپر اس اصول سے کام لیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ابن حبان پر اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ اُنھوں نے بہت سے مجہول الحال اشخاص کو ثقہ کہدیا حالانکہ اُن پر یہ اعتراض کسی طرح صحیح نہیں اسلئے کہ اسمیں کوئی حرج نہیں

تیسرا دور یہ دور متاخرین کا ہے جو آج تک شائع وذائع ہے یعنی یہ کہ تصحیح روایت کیلئے اسماء الرجال کی کتابوں میں سے جرح وتعدیل کا پتہ لگایا جاتا ہے اور اسمیں یہانتک افراط سے کام لیا گیا ہے کہ کوئی حدیث خواہ نسائی کی ہو یا ترمذی وابو داؤد کی جب تک اس تنگ معیار پر نہ اترآئے اُسوقت تک وہ صحیح کا خطاب ہی نہیں پاسکتی اور حق یہ ہے کہ محض اس طرز کو لیکر ایسے محققین اصحاب سنن پر اعتراض کرنا کسی طرح مناسب نہیں نہ وہ اعتراض کسی طرح قابل قبول ہونا چاہیئے۔ تقریب التہذیب وغیرہ کتب میں سے اسماء الرجال کی تحقیق کرکے اُن محدثین سلف پر اعتراض کرنا (جنکی عظمت وجلالت عام طور پر مسلم ہوچکی ہے اور جنکے جزئی یا کلی تصحیح کا رتبہ صاحب تقریب وغیرہ کی تصحیح سے کہیں اونچا ہے اور جسکا اعتراف خود صاحب تقریب کو بھی ہے) ضرب فی الحدید البارد سے کسی طرح کم نہیں فی الحقیقت یہی ایک خوشنما مغالطہ ہے جو فن حدیث میں عموماً رواج پاگیا ہے اور اسی جگہ سے بہت سے فرق باطلہ نے

کلمة حق اريد بها الباطل۔	بات حق مگر مقصود اُس سے باطل ہے۔

کے طور پر اپنے خیالات کے شیوع میں مدد پائی ہے جسمیں ہمارے زمانہ کے اہل قرآن وامثالہ حد سے زیادہ غلو رکھتے ہیں لیکن اگر یہ اصول درست ہو (حالانکہ ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے) تو اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ حدیث کی محکم تعمیر کو ہم خود اپنے ہاتھوں سے منہدم کرڈالیں گے اور اسی کے ساتھ دین کے عالیشان ایوان کو بھی۔

اس امر کو ملحوظ رکھنے کے بعد کہ اصحاب سنن کو تصحیح کے اس طرز جدید سے بالکل علیحدہ رکھا جائے یہ عرض کرنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ ہمارا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ (العیاذ باللہ) جرح وتعدیل کی کتابوں کو پس پشت ڈالدیا جائے اُن کو دریا میں غرق کردیا جائے" نہیں نہیں ہرگز نہیں "بے شک جرح وتعدیل کا اعتبار کیا جانا نہایت ضروری ہے مگر ہاں حاطب لیل کی طرح اس سے تمسک کرنا بھی ضرر سے

خالی نہیں۔ اسقدر تفصیل ضرور مد نظر رہنے کے قابل ہو کہ اگر کسی کی جرح عدالت کو اعتبار سے کیگئی ہو تو صرف یہی کافی نہ سمجھا جاوی کہ فلاں شخص نے اسکو مجروح کہدیا ہو بلکہ اسکے ساتھ ہی وقائع کا جانچنا بھی ضرور ہے اگر واقعات اُس جرح کی تائید کریں تو وہ جرح قابل اعتبار ہے ورنہ وہ جرح خود مجروح ہے اور اگر جرح میں سوء حفظ کا لحاظ کیا گیا ہے تو قرائن کی شہادت کے بغیر فیصلہ بالکل نامکمل رہنا چاہیے اور اگر مسائل کے اعتبار سے جرح کی گئی ہو تو اس سے بھی قطع نظر نہ کیجا سکے گی کہ وہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے یا نہیں اسکی نظیریں ایک دو نہیں بلکہ بہت سی ملیں گی کہ جب کسی نے کسی کا کسی مسئلہ میں خلاف کیا اُس نے مخالفت کرنیوالے کی جرح کردی۔

علامہ ابن السبکی طبقات الشافعیہ میں فرماتے ہیں۔

ننبهك على قاعدة في الجرح والتعديل ضرورية نافعة لا تراها في شيء من كتب الأصول فانك اذا سمعت ان الجرح مقدم على التعديل ورايت الجرح والتعديل كنت غرا بالامور او فدما مقتصرا على منقول الأصول حسبت ان العمل على جرحه فاياك ثم اياك والحذر كل الحذر من هذا الحسبان بل الصواب عندنا ان من ثبتت امامته وعدالته وكثر مادحوه ومزكوه وندر جارحه وكانت هناك قرينة دالة على سبب جرحه من تعصب مذهبي وغيره فانا لا نلتفت الى الجرح فيه ونعمل فيه بالعدالة والا فلو فتحنا هذا الباب او اخذنا تقديم الجرح على اطلاقه لما سلم لنا احد من الائمة اذ ما من امام الا وقد طعن فيه طاعنون وهلك فيه هالكون۔

ہم تم کو جرح و تعدیل کا ایک ضروری اور مفید قاعدہ بتلاتے ہیں جسکو تم کتب اصول میں سے کہیں نہ پاؤگے کیونکہ جب تمھارے کانوں میں یہ بات پڑیگی کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے اور تم علمی امور میں ناتجربہ کار ہو یا نافہمی نے صرف منقولہ اصول پر اختصار تم ضرور کر دیا ہو گا تو تم یہ سمجھ جاؤگے کہ عمل جرح پر اولی ہے۔ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ خبردار خبردار ہرگز ہرگز ایسا خیال کبھی دل میں بھی نہ لانا بلکہ نہایت ہی صحیح بات ہماری رائے میں یہ ہے کہ جس شخص کی امامت عدالت ثابت ہو جاوے اور اُسکے مداحین اور معدلین زیادہ اور اُسپر جرح کرنے والے شاذ و نادر ہوں اور اسکا قرینہ موجود ہو کہ یہ جرح تعصب مذہبی وغیرہ سے کیگئی ہو تو ہم ایسی جرح کی طرف توجہ بھی نہ کریں گے بلکہ عدالت پر عمل کریں گے ورنہ اگر یہ دروازہ یونہی کھلا رہے یا ہم جرح کی تقدیم بلا کسی لحاظ کے تعدیل پر کرنے لگیں تو ائمہ میں سے کوئی بھی اس طوفان بے تمیزی سے نہ بچ سکیگا اسلئے کہ کوئی امام ایسا نہیں کہ جسکو بُرا بھلا کہنے والوں نے بُرا بھلا کہکر اپنی عاقبت خراب نکی ہو۔

(باقی آئندہ)

دُنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو القاسم نمبر۷ جلد ۵)

اور گو اکثر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ظاہری صورت سے بہت ہی متاثر حضرت خالد سے ناخوش و کبیدہ تھے۔ مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حقیقت شناس نظر میں ایک جانب تو حضرت خالد کا عذر صحیح تھا۔ دوسری جانب وہ خدمات اسلام بھی پیش نظر تھیں جو اُن کے ہاتھ سے سرانجام ہونے والی تھیں۔

مالک ابن نویرہ اور اُس کے رفقاء کا قتل عمداً نہیں ہوا۔ بلکہ حضرت خالد نے حکم دیا تھا کہ اُن کو سردی سے محفوظ کر دیا جائے۔ لغت اور زبان کے فرق سے غلط فہمی ہوئی۔ اور وہ قتل کر دئے گئے قتل ہونے کے بعد ہر مسلمان کو جائز تھا کہ مقتول کی زوجہ سے عقد نکاح کرلے۔ مقتضاء احتیاط یہہ ضرور تھا کہ موضع تہمت سے بچنے کیلئے حضرت خالد ایسا نہ کرتے۔ مگر کرلیا تو اُس سے یہہ لازم نہیں آتا کہ مالک کو قتل ہی اِس وجہ سے کرایا تھا۔ ظاہری صورت ایسی تھی کہ صحابہ جیسے پختہ کار شریعت و احکام اسلام پر مٹے ہوئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اسلام کا فرض اولین سمجھنے والے کیونکر اِس کو ٹھنڈے دل سے دیکھ سکتے تھے۔ خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہم جنکی شان واشدھم فی امر اللہ عمر (خدا کے کام میں سب سے زیادہ پختہ اور مضبوط عمر ہیں) تھی کیسے سکوت کر سکتے تھے۔ اُن کے معزول کر دینے پر اصرار کیا۔ مگر بارگاہِ خلافت میں یہہ درخواست منظور نہ ہوئی۔ حضرت خالد کے عذر تسلیم کر لئے گئے۔ اور اُن کو اُس کے بعد بھی اہم مہمات اسلام کی سرانجامی کا عظیم الشان کام سپرد کر دیا گیا۔

اِس معاملہ میں صدیق اکبر نے وہی طریقہ اختیار فرمایا جو اسی قسم کے ایک واقعہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اختیار فرما چکے تھے۔ حضرت عمر نے گو اُس سے اختلاف کیا

اور یہہ مقتضاء سد باب فتنہ دانش و تدبیر و سیاست و انتظام تھا۔ مگر جب صدیق اکبر کی رائے کو ایک جانب استوار و محکم دیکھا تو سوا سکوت و تسلیم چارہ نہ تھا۔

یہہ حالات تو زمانۂ رسالت مآب و زمانۂ خلافت صدیق اکبر کے تھے جسکے دیکھنے اور سمجھنے سے صاف ظاہر ہے کہ گو صحابہ رضوان اللہ علیہم اور حضرت عمر کو اُن کے یہ افعال کھٹکے۔ مگر اُن کی وجہ سے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور صدیق اکبر کے نزدیک وہ قابل عزل نہ سمجھے گئے۔ اب دیکھنا یہہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اُن کو معزول کیا تو اُس کی اصل وجہ کیا تھی۔

ہمارے سابق بیانات سے واضح ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُن کو دوبار معزول کیا۔ اوّل مرتبہ مسندِ خلافت پر متمکن ہوتے ہی جبکہ حضرت خالد میدان یرموک میں اپنے سے اضعاف مضاعف دشمن سے برسر مقابلہ ترتیب صفوف اور حملہ کی تیاری میں مصروف تھے۔ دوسری مرتبہ جبکہ حضرت خالد نے اِس معزولی کو ٹھنڈے دل سے قبول کر کے وہ نمایاں خدمات انجام دیں کہ حضرت عمر کو بھی اُن کی شان دار کارنامے دیکھکر امّر خالد نفسہ رحم اللہ ابابکر ھو کان اعلم بالرجال منی فرمانا پڑا۔

اوّل معزولی کی وجہ تو وہی واقعات ہو سکتے ہیں۔ جو اُن سے زمانۂ خلافت صدیق اکبر میں پیش آئے۔ دوسری معزولی اور میدانِ کارزار سے یک لخت طلب کر کے مدینہ منورہ بلا لینے۔ اسلامی عسکر کو ایک ایسے جری۔ مدبر۔ صاحبِ فراست۔ جاں باز کی خدمات سے محروم کر دینے کے وجوہ وہی واقعات ہو سکتے ہیں جنکا ذکر ہو چکا ہے۔ یعنی شاعر کو انعام دینا وغیرہ۔ لیکن کیا حقیقت میں بھی یہہ ہی وجوہ معزولی کی تھیں۔ یہہ امر غور طلب اور قابل تحقیق ہے۔

اِس بارہ میں اوّل تو ہمکو واقعات کی حقیقت۔ صدیق اکبر کی رائے اور حضرت عمر کی شان کو دیکھنا چاہیئے۔ اور پھر خود حضرت عمر کے اقوال کو پیشِ نظر رکھکر نتیجہ نکالنا چاہیئے۔

قابل الزام واقعات اور اُن کے باوصف حضرت صدیق کی رائے مبارک کا حال معلوم ہو چکا ہے۔ اِدھر حضرت عمر کی شان انقیاد للحق اور انخلاع از شوائب نفسانیت کا حال

بھی معلوم ہے ۔

اکثر مورخین اسلام نے واقعات عزل کو بترتیب حالات نقل کردینے پر قناعت کی ہے ۔ اور زمانہ حال کے تاریخ نویسوں کا میلان یہ معلوم ہوتاہے کہ عزل کے اصلی وجوہ یہی واقعات ہیں جو حضرت خالد سے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم یا زمانۂ خلافت صدیقی ۔ یا خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آئے ۔ لیکن میرے خیال میں اسکا فیصلہ کرنا زیادہ غور وفکر کا مقتضی ہے ۔ اور مجھے قبل اس کے کہ اس معاملہ میں اپنے خیال کا اظہار کروں بطور تمہید چند امور کا بیان کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے ۔

(۱) مقربین اور کامل افراد سے بھی لغزش ہو جاتی اور ایسے امور جو بظاہر قابل گرفت ہوتے ہیں سرزد ہوجاتے ہیں ۔ اور اُن سے درگذر اور عفو بھی ہوتا ہے ۔ اُن کی تاویل حسن بھی کی جاتی ہے ۔ اگر ایسا نہو تو کوئی فرد بھی ایسا نہ نکلے گا جسپر اعتماد کیا جاسکے ۔ اور اُس کو خدمات دین کی سرانجامی کا اہل سمجھا جائے ہاں لغزشوں میں باعتبار صدور وتاثیر وباعتبار شذو ذو تکرار فرق ہوتا ہے ۔ کبھی ایک لغزش وخطا کے اسباب صدور ایسے ہوتے ہیں جنکی وجہ سے اُس شخص کی معذوری ظاہر ہوتی ہے اور وہ شخص باوجود اس تقصیر کے مردود ومعتوب دائمی نہیں بنتا ۔ اور کبھی اُس کے اسباب وعلامات ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کی وجہ سے اُس شخص کے بارہ میں آرا کا اختلاف ہوجاتا ہے کوئی اُس کو معذور سمجھتا ہے تو دوسرا متہم ۔

علیٰ ہذا ایک بار کسی لغزش کا صدور ہوجانا اسقدر قابل گرفت نہیں ہوتا جتنا بار بار اُسی قسم کی خطاؤں ولغزشوں کا ۔ اصرار سے گناہ صغیرہ بھی کبیرہ ہوجاتا ہے ۔ اور ندامت وپشیمانی کے بعد کبیرہ بھی ہلکا بنکر قابل عفو ہوجاتا ہے ۔

(۲) کسی ایک معاملہ میں جو اپنے اندر دونوں پہلو منفعت ومضرت کے لئے ہوتا ہے مجتہدین کی رائے میں اسوجہ سے اختلاف ہوجاتا ہے کہ ایک مجتہد کو ایک جانب پیش نظر ہوتی ہے ۔ اور دوسری کو دوسری جانب ۔ احکام فقہیہ میں مجتہدین امت کے اختلاف کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ایک کی نظر عزیمت پر ہوتی ہے اور دوسرے کی رخصت پر یہہ دوسرا امر ہے کہ عنداللہ کسی معاملہ میں عزمیت کو ترجیح ہو اور کسی میں رخصت کو ۔

(۳) احکام اجتہادیہ میں ایک مجتہد کو دوسرے کی تقلید ضروری نہیں ہے۔ اگرچہ مجتہدین کے درجات اجتہاد۔ وفور علم۔ دقت نظر میں فرق ہو۔ مگر ہر ایک مجتہد اپنے اجتہاد پر عمل کرسکتا ہے۔ اگر ایسا نہوتا۔ تو صاحبین امام اعظم سے۔ امام شافعی امام مالک سے۔ امام احمد شافعی سے علیٰ ہذا یہہ سب مجتہدین امام اعظم سے کسی مسئلہ میں اختلاف نہ کرتے

(۴) ایک حکم کی بہت سی علتیں اور ایک واقعہ کے بہت سے سبب ہوسکتے ہیں۔ اور اُس حکم کو مستقلاً ہر ایک علت وسبب کی طرف منسوب کرنا جائز ہوتا ہے۔ گو حکم لگانے والے کے علم میں یہہ فرق ملحوظ ہو کہ ان سب علتوں اور اسباب میں باعتبار تاثیر کیا فرق ہے۔ وہ اِس حکم کی ظاہری اور حقیقی علت میں فرق سمجھتا ہو۔ مگر اُسکو مصلحت وقت اور بہ مناسبت مخاطب یہہ اختیار ہے کہ اِس حکم کو کبھی ظاہری علت کی طرف منسوب کردے۔ اور کبھی حقیقی کی کبھی ایک سبب کو بیان کردے۔ کبھی دوسرے کو۔

جب یہہ امور ممہد ہوچکے تو اب سُنئے کہ حضرت خالد کی عظمت شان۔ جلالت قدر۔ کمال تقوی وتدین۔ بے انتہا شجاعت وبسالت۔ اعلیٰ تدبّر وفراست تو ایسے تسلیم ہیں کہ کوئی شخص اُن سے انکار نہیں کرسکتا۔ لیکن اُن سے کسی لغزش کا سرزد ہوجانا مستبعد نہیں اور نہ اُن کے درجہ کو گھٹا سکتا ہے۔ اگر کسی سے احیاناً کسی لغزش کا سرزد ہوجانا۔ مرتبہ سے گرادینے کیلیئے کافی ہے تو اب ہر شخص کو مشکل پیش آجائیگی۔ کسی ایک فرد کو بھی احیانی واتفاقی لغزش سے مبرّا ثابت کرنا مشکل ہوجائیگا۔ خصوصًا ایسی لغزشوں سے جنکا تعلق حظوظ نفسانیہ سے نہو۔ بلکہ رائے وتدبیر یا فہم مراد سے ہو۔

حضرت خالد سے بھی بعض ایسے امور صادر ہوئے جنکا تعلق ظاہرًا تو رائے واجتہاد سے تھا لیکن اُن میں گنجایش سوءظن کی بھی تھی۔ سب سے پہلی بات تو بنی جذیمہ کے قتل کی تھی۔ حضرت خالد تو فرماتے تھے کہ میں نے اُن کو مسلمان سمجھکر قتل نہیں کیا۔ بلکہ اُنھوں نے صبأنا کہا تھا۔ جسکے صاف معنی دین سے پھر جانے کے تھے۔ گو اُن کی مراد یہہ ہو کہ ہم اپنے دین سابق شرک وبت پرستی سے پھر کر دین اسلام میں داخل ہوگئے مگر عرف عام کے مطابق اُسکے معنی دین حق سے پھر جانے کے تھے۔ چنانچہ کلام مجید میں

بھی صابیئین کا استعمال اسی معنی میں ہوا ہے۔ صحابہ میں سے بعض بڑے درجہ کے افراد کا دھیان اس طرف گیا کہ اُنھوں نے اپنے حظ نفس کی وجہ سے اُن کو قتل کیا۔ اور لفظ صبأنا کو اس کا بہانہ بنایا

چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اُنپر یہہ الزام لگایا۔ کہ تم نے اپنے چچا فاکہ ابن المغیرہ کے قصاص میں قتل کر کے دیرینہ عداوت نکالی ہے۔ حضرت خالد کا عذر بالکل صحیح تھا۔ اور منشار اُن کے اس فعل کا ہرگز وہ امر نہ تھا۔ جسکی جانب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا خیال رجوع ہوا۔ اسی وجہ سے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے عذر کو تو تسلیم فرمالیا۔ اور ابنی جذیمہ جو فی الحقیقت مسلمان ہوکر مسلمانوں کے ہاتھ سے بوجہ غلطی رائے کے قتل ہوئے تھے بیت المال سے اُن کا خون بہا عطا فرمادیا۔ ادھر حضرت خالد کی یہہ پہلی بات تھی۔ اور ایک ذمہ دار شخص سے جو دین کی اشاعت کیلئے نکلا ہو۔ اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کا اہم کام جسکی سپرد ہو۔ ایسے امور کا پیش آجانا کچھ مستبعد بھی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس موقع پر حضرت خالد کا خیال صحیح نکلتا۔ اور اُنکو اس حالت میں "کہ بنی جذیمہ مشہور شری اور جنگجو قبیلہ تھا" امن دیکر مسلمانوں میں خلط ملط ہونے کی اجازت دیدی جاتی تو ممکن تھا کہ مسلمانوں کو نا قابل تلافی نقصان پہونچ جاتا۔ اور اُس کے ساتھ ہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ فتوحات اسلام بھی پیش نظر تھیں جو اُن کے ہاتوں ظہور پذیر ہونیوالی تھیں۔ اس لئے آپ نے اس سے بالکل درگذر فرمایا۔ اُنپر کسی قسم کا عتاب نہیں فرمایا۔ اور وہ ایسی ہی خدمات دین کے سرانجامی پر مامور رہے۔ لیکن چونکہ اس واقعہ میں وہ احتمال بھی تھا جسکی جانب حضرت عبدالرحمٰن کا خیال گیا۔ کیونکہ حضرت خالد کے چچا بنی جذیمہ کے ہاتھ سے قتل ضرور ہوئے تھے۔ اور کم از کم اتنا ضرور تھا کہ حضرت خالد نے اُن کے قتل کرانے میں عجلت کی اگر اُنسے مکرر استفسار کرلیا جاتا تو ممکن تھا کہ وہ اپنے مطلب کو وضاحت سے بیان کرسکتے جس سے اُن کے حقیقتاً مسلمان ہونے پر اعتماد ہوجاتا۔ اور اسطرح وہ قتل سے اور حضرت خالد شائبہ تہمت سے محفوظ ہوجاتے۔ اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ایک جانب تو درگاہ خداوندی میں حضرت خالد کے فعل سے اپنی برأت ظاہر فرمائی۔ اور دوسری جانب حضرت عبدالرحمن ابن عوف پر عتاب نہیں فرمایا کہ تم ایک مسلمان پر سوء ظن کیوں کرتے اور ایک بری کو متہم کیوں بناتے ہو۔ بلکہ جب دونوں میں تیز کلامی ہوئی تو حضرت خالد ہی کو مهلا یا خالد دع عنك اصحابی فرما کر گفتگو سے روکدیا۔ اور حضرت عبدالرحمن کے ادب واحترام کو قایم رکھنے کا حکم دیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلہ کے بعد یہہ واقعہ بالکل نسیًا منسیًا ہوگیا۔ صحابہ کی ایک جماعت بالخصوص وہ مہاجرین وانصار جو باوجود حضرت خالد کے زیر کمان ہونے کے بنی جذیمہ کے قتل میں شریک نہیں ہوئے تھے بلکہ اس فعل کو مکروہ و قابل اعتراض سمجھتے تھے۔ ابتداً اس واقعہ کی وجہ سے ناراض ضرور تھے۔ مگر اب سب کے دل صاف ہوگئے تھے۔

اس کے بعد حضرت خالد سے دوسری بات خلافت صدیقی میں مالک ابن نویرہ کے قتل اور اُس کی زوجہ سے نکاح کی پیش آئی۔ یہہ واقعہ پہلے واقعہ سے بچند وجوہ اہم تھا۔ اوّل تو اسوجہ سے کہ ایک ہی قسم کی یہہ مکرر غلطی تھی۔ کیونکہ پہلے واقعہ میں اگر بنی جذیمہ نے ایسے لفظ استعمال کئے تھے جو دونوں معنوں کو محتمل تھے۔ تو اس موقعہ پر حضرت خالد نے مالک ابن نویرہ اور اُس کے رفقاء کو سردی سے بچانے کیلئے ایسے لفظ دافئوا اسراکم کا استعمال کیا جسکے دوسرے معنی کنانہ کی زبان میں قتل کردینے کے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک قسم کی غلطی کا مکرر واقع ہونا خیالات میں زیادہ انقلاب پیدا کردیتا۔ اور قبول عذر کو مشکل بنا دیتا ہے ایسے ذمہ وار شخص کو اس قسم کے امور سے پرہیز نہایت ضروری ہوتا ہے۔

دوسرے اسوجہ سے کہ یہاں مظنہ تہمت بہ نسبت اُس واقعہ کے بڑھا ہوا تھا۔ بنی جذیمہ کے قتل میں اگر مظنہ تھا تو بہت ضعیف کیونکہ اول تو حضرت خالد بنی جذیمہ سے اپنے چچا کا بدلہ لے چکے تھے اب دوبارا بدلہ لینے کی کیا ضرورت باقی رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ کسی ایک فرد کے عوض ساری قوم کو قتل نہیں کیا جاتا۔ دوسرے گفتگو اُن کی نیت میں تھی کہ کس نیت سے قتل کیا۔ اور ظاہر ہے کہ نیت عمل قلب ہے۔ نیت کا حال آثار سے معلوم ہوسکتا ہے

اور آثار ایسے نہ تھے جنکی وجہ سے اُن کی نیت پر شبہ کیا جاتا۔

واقعہ ثانیہ کی اہمیت نے صحابہ کے خیالات میں تغیر پیدا کر دیا۔ بنی جذیمہ کا بھولا ہوا واقعہ بھی تازہ ہو گیا۔ نوبت یہانتک پہونچگئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اُن کے معزول کر دینے کے لئے عرض کیا۔ اور صرف بطور اظہار رائے ہی عرض نہیں کیا بلکہ اِس پر اصرار فرمایا۔ اور جب حضرت خالد اس معرکہ سے فارغ ہو کر بارگاہ خلافت میں فاتحانہ حیثیت سے شتر مرغ کے پروں کا طرہ عمامہ پر لگائے ہوئے حاضر ہوئے۔ اور حضرت عمر پر گذر ہوا تو آپ کو اُن کا یہہ انداز پسند نہ آیا۔ اور فوراً سر پر سے عمامہ وطرہ کو اُتار پھینکا حضرت خالد نے نہایت صبر وسکون سے تحمل کیا۔ اور خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبر نے اس معاملہ میں اُن سے جواب طلب کیا تو واقعی حال عرض کر دیا۔ آپ نے اُن کے عذر معقول کو تسلیم فرمالیا۔ اور کسی قسم کا عتاب کئے بغیر اُن کو خدمت سرانجامی مہمات اسلام پر بحال رکھا۔ اور جب حضرت فاروق اعظم نے مکرر اُن کے عزل پر اصرار فرمایا۔ تو فرمادیا کہ اُن سے ایک اجتہادی غلطی ہوئی ہے۔ میں اُس تلوار کو کیونکر میان میں کر دوں جسکو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعداء دین کیلئے میان سے نکالا ہو۔ صدیق اکبر و فاروق اعظم میں یہ اختلاف رائے مجتہدین کا اختلاف تھا۔ حضرت صدیق اکبر کو ایک پہلو سرانجامی خدمات انجام پیش نظر تھا۔ اور آپ خیال فرماتے تھے کہ احیانی و اتفاقی لغزش جسکا وقوع مواقع حرب میں مدبرین سے بالکل ممکن ہے اُس کی بناء پر اُن کی اعلیٰ قابلیت سے کیوں چشم پوشی کی جائے۔ اور آپ کا یہہ فیصلہ بالکل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق تھا۔ آپ کی دوربین نظر میں وہی حالات تھے جنکی بناء پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے واقعہ میں حضرت خالد سے کسی قسم کی بازپرس نہیں کی تھی۔ اور فاروق اعظم کو دوسرے پہلو پیش نظر تھے۔ تیسری بات حضرت خالد سے یہہ پیش آئی کہ مقام مضیح میں قبیلۂ ہذیل سے اُن کا مقابلہ ہوا تو دو مسلمان شخص عبدالعزیٰ ابن ابی رہم اور لبید ابن جریر جو باوجود مسلمان ہونے کے ہذیل کے جبر سے

اُن کے ساتھ شریک ہو گئے تھے۔ قتل ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبر کو اُن کے قتل کی خبر پہونچی تو اُن کے ورثہ کو دیتہ دی۔

یہ واقعہ فی الحقیقت کچھ زیادہ اہم نہ تھا۔ کیونکہ دو مسلمان اگرچہ مجبوری ہی سہی کفار کے ساتھ تھے۔ مخلوط جماعت میں اُن کی حفاظت سہل بات نہ تھی۔ مگر حضرت عمر کو واقعہ قتل مالک کی ناخوشی باقی تھی۔ اِس واقعہ نے بے احتیاطی کے الزام کو جو سابق دو واقعوں میں حضرت خالد پر لگ چکا تھا" تازہ کر دیا۔ حضرت صدیق نے اُس وقت بھی یہہ فرماکر "جو شخص دشمنوں سے مقابلہ کرتا ہے اُسکو ایسے واقعات سے ضرور سابقہ پڑتا ہے" قصہ رفع دفع فرما دیا۔

حضرت صدیق اکبر کا یہ ارشاد بالکل صحیح تھا۔ حضرت خالد اس معاملہ میں بالکل معذور تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پہلے کی طرح حضرت عمر نے بھی اُن کے عزل پر اصرار نہیں فرمایا۔

خلافت صدیقی ختم ہونے کے بعد خلافت فاروقی کا زمانہ آیا۔ اُسوقت حضرت خالد عراق میں نمایاں فتوحات کا سلسلہ قایم کر کے ملک شام کے میدان یرموک میں عساکر اسلامیہ کی کمان اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے۔ عظیم الشان جنگ کی تیاری میں مشغول تھے۔ اور اسی حالت میں اُن کے پاس معزولی کا حکم بارگاہ فاروق اعظم سے صادر ہوا۔

یا باختلاف روایت عین اُسوقت جبکہ بحیثیت سپہ سالار اعظم دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے داد جان بازی دے رہے تھے۔ ایک اور بھی روایت ہے کہ معرکہ یرموک اور محاصرہ دمشق کے درمیانی زمانہ میں عزل کا واقعہ ہوا۔ اور میرے خیال میں باعتبار درایت یہ جانب قوی معلوم ہوتی ہے۔ کہ اُن کی اول معزولی محاصرۂ دمشق کے وقت ہوئی۔ کیونکہ اِس معزولی کا جہانتک تواریخ سے ہمکو ثابت ہوتا ہے حاصل یہ ہے کہ وہ قیادت عامہ سے معزول کئے گئے۔ اگر وہ اِسطرح معزول کئے جاتے کہ کسی حصۂ فوج کے قاید بھی نہ رکھے جائیں تو حضرت ابو عبیدہ اِس حکم کے خلاف ورزی کیسے کر سکتے تھے جس طرح معزولی ثانی کے بعد سرحدی افسری سے معزول ہوئے تھے۔ اب بھی کسی دستۂ فوج

کلمۃ الحق

گذشتہ سے پیوستہ

آپکی ولادت تیرھویں شوال ۱۹۴ہجری بروز جمعہ ہوی۔ آپکے والد اسمٰعیل بن ابراہیم بھی عالم محدث تھے۔ ابن حبان کی کتاب الثقات میں طبقۂ رابعہ میں انکا ذکر خیر کیا ہے۔ امام مالک حماد بن زید وابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اخذ علم وروایت کا شرف حاصل ہے اہل عراق نے آپ سے روایت حدیث کی ہے اور آپنے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کو مایۂ فخر سمجھا ہے۔ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے والد کا ذکر اسیطرح اپنی تاریخ میں کیا ہے۔ الحاصل وہ ایک پاک نفس عالم متقی کمتمول شخص تھے کتب سیر میں بروایات ثقات مروی ہے کہ آپنے اپنے مرض الموت میں فرمایا کہ میرے مال میں کوئی درہم حرام کا یا شبہ کا نہیں ہے۔ اللہ اکبر یہ کسقدر مشکل کام ہے آج دنیا میں ایسی نظیر ملنا قریباً محال ہے اور ابنائے زمانہ کسب حلال کو کوئی ضروری امر نہیں خیال کرتے۔

درحقیقت انسانی ترقیات کی تحصیل میں مال حلال کی بڑی ضرورت ہے جس طرح کہ غذا کی لطافت اور کثافت کا اثر جسم پر محسوس ہوتا ہے اور جزو بدن ہونے نہ ہونے میں اُسکا نفع وضرر مسلم ہے ایسے ہی مال حلال کا پاکیزہ اور نافع اثر روح پر محسوس ہوتا ہے اور تکمیل انسانیت کے مدارج طے کرنے میں انسان کو بڑی سہولت ہوتی ہے آئینۂ دل کی جلا ہو جاتی ہے دل سے ظلمتیں کافور ہو جاتی ہیں انوار قدس کا انعکاس ہونے لگتا ہے اور مال کا اصلی نفع اور غذا کا اصلی اثر نصیب ہوتا ہی خدا تعالیٰ نے بندونکے لئے ہزاروں قسم کی نعمتیں پیدا کی ہیں اور اُن میں کچھ تاثیرات ودیعت فرمائی ہیں کوئی غذا خون صالح پیدا کرتی ہے زود ہضم ہے فضلہ اُسمیں کم ہے مقوی اعضاء رئیسہ اور مقوی تمام بدن ہے کسی میں کچھ نفع ہے کسی میں کچھ نفع ہے جب ہم اس طرف توجہ کرتے ہیں تو کتب طب سے اپنا اطمینان کر لیتے ہیں اور اگر اور زیادت اطمینان منظور ہوتی ہے تو کسی طبیب حاذق سے پوچھ لیتے اور اُس کا تجربہ کر کے پورا یقین حاصل کر لیتے ہیں کہ پھر کسی طرح زائل نہیں ہوتا۔ ایسے ہی ان خدا کی نعمتوں میں ایک اور تاثیر ہے جسکا اثر حس سے بدرجہا قوی اور اُسکا نفع بدرجہ اتم اور اُسکا ضرر بحید مہلک ہے

وہ یہ کہ جو مال بطریق حلال کسب کیا گیا ہے وہ ظاہراً و باطناً نافع اور جو بطریق حرام حاصل کیا گیا ہے وہ ہر طرح مضر اور مہلک ہے ہمکو اپنے مسلمات کی رو سے ان تاثیرات اور خواص کا حال ان امور کے ماہر اور حاذق اطباء سے معلوم کرنا چاہئیے حقیقی اور یقینی طب (کتاب وسنت) میں مطالعہ کرنا چاہئیے اور پھر تجربہ سے اُس کا یقین کامل حاصل کرنا ہمپر فرض ہے۔

چوری اور قمار بازی کے ذریعہ سے جو مال حاصل کیا جاتا ہے وہ چاندی اور سونا لباس اور سامان غذا اور طعام ہونے میں بالکل اُس مال کی صورۃً و مادۃً مماثل ہے جو بیع صحیح اور ہبہ اور وراثت کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن آخر اس فرق کی کوئی وجہ بھی ہے کہ بیع اور ہبہ اور ارث کے مال پر کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی اور سرقہ و قمار اور گداگری پر عالم میں انگشت نمائی ہوتی ہے بادشاہ وقت کے قانون کی رو سے گرفتاری ہوتی ہے سزا ملتی ہے ذلت ہوتی ہے مال حرام کا اس عالم میں جب یہ اثر ہے کہ انسان کو ذلت وخواری حاصل ہو تو یہ کیوں مستبعد ہے کہ اس مال کا ایک دوسرا اثر اس عالم میں خود اُس مالک کے گوشت و پوست میں بھی ہوتا ہے کہ جو خون اور جو قوت اس مال سے حاصل ہوتی ہے وہ شرارت اور طغیان فسق و فجور جرائم اور معاصی کو ہیجان اور حرکت میں لاتی ہے اور روح ایسی نورانی شئے پر شب دیجور کی طرح چھا جاتی ہے۔ اب وہ خون جسکو جسمانی طب کے حذاق صالح کہتے ہیں روحانی حکمت کے حذاق کے نزدیک فاسد ہے اور بر بنائے حکمت اُس کا تنقیہ واجب ہے اور ایک اور اثر ہے کہ دوسرے عالم میں جسکو ہم مسلم آخرت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں سزا ملیگی دوزخ کی آگ میں جلا کر اُسکی کثافت کو بندہ مومن سے دور کرایا جائے گا بھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹے کان آج کہا جاتا ہے کہ علم و حکمت کی روشنی سے عالم جگمگا یا ہوا ہے مگر شاید ظلمت کا نام اس زمانہ کی اصطلاح میں روشنی ہے۔ ہمارے خیر خواہ مسلمانوں کے ہادی۔ روشن خیال صحیح الدماغ ہونیکے بعض مدعی ترقی معکوس کے ذہن میں کسی پارسی کو ناٹک اور تماشہ کے ذریعہ سے روپیہ کماتا ہوا دیکھکر اپنی مظلوم قوم کو رائے دیتے ہیں کہ وہ بھی روپیہ کمانے میں ایسے ذریعوں کو معیوب نہ سمجھے معلوم ہوا کہ ان نادان دوستوں کے نزدیک مسلم کی حقیقت عبدالدرہم والدینار ہے۔ ترقی کے دائرہ کو اسقدر وسیع کر دینے سے ممکن ہے کہ ان بزرگوں کے نزدیک بالآخر تحصیل مال کا کوئی ذریعہ مذموم نہ رہے اے اللہ اپنے بندوں کو یہ روز بد نہ دکھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد کے کسب مال حلال سے متاثر ہوکر میں کچھ ایسا بے اختیار ہوگیا کہ میرا پریشان رقم قلم کہیں سے کہیں جا پہونچا جو مضمون لکھنا تھا وہ موخر ہوگیا اب کچھ ہوش آئے قارئین کرام معاف فرمائیں اب میں اپنے اصلی موضوع کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابھی صغیرسن تھے کہ آپ کے سر سے سایۂ پدری اٹھ گیا (اگر میں کہوں کہ یہ ایک اور مناسبت آپ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوئی تو غالباً اہل علم وفہم مجھے معذور رکھیں گے) آپ کی والدہ نے آپکی خاطر خواہ تربیت کی اور حق تعالیٰ نے اس یتیم کو دریتیم بنا دیا۔

لڑکپن میں بقضاء الٰہی آپکی آنکھیں جاتی رہیں آپکی والدہ کی بےچینی اور اس کے ساتھ صبر وسکون بھی ایک قابل قدر چیز ہے جسکی بدولت اُن کے دل میں اصلی علاج کی تحریک پیدا ہوئی یعنی یہ کہ سقراط اور بقراط اور شیخ اور اُن کی طب سے قطع نظر کر کے حکیم علی الاطلاق کی جناب میں گریہ وزاری دست دعا دراز کیا۔ اور شافی حقیقی کے شاہی مطب سے اکسیر العین اور کحل بصارت کی درخواست کی۔ ایک روز حسن اتفاق سے خواب میں حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوئیں اور ساتھ ہی یہ بشارت پائی کہ آپ فرماتے ہیں۔ اے ضعیفہ تیری کثرت دعا پر حق تعالےٰ کو رحم آیا اور تیرے بچہ کی آنکھوں میں بصارت دی گئی صبح کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سوتے اُٹھے تو خدا تعالیٰ کے فضل سے آنکھیں روشن تھیں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

حقیقت میں دعا اگر شرائط وآداب کے ساتھ ہو تو اسمیں شک نہیں کہ حصول مقصود میں تیر بہدف ہے مگر اس زمانہ میں جہاں ہم میں اور خرابیاں آئی ہیں ایک بڑی محرومی یہ بھی ہے کہ ہمنے دعا کو ترک کر دیا مصیبت کے وقت بھی دعا کی طرح دعا نہیں کرتے۔ ڈاکٹر صاحب نے یا حکیم صاحب نے کہدیا کہ گھبراؤ مت جلد اچھے ہوجاؤ گے بس ہمکو اطمینان ہوگیا اب دعا کیوں کریں وکیل نے مقدمہ میں رای دیدی عرضی دعویٰ مرتب کر دیا ہم بےفکر ہوگئے۔ مالی حاجت کے وقت مہاجن کی خوشامد کرلی اور سودی تمسک لکھدیا اور دعا سے سبکدوشی ہوگئی یا اگر کبھی اضطراراً دعا زبان سے نکلی بھی تو نہ شرائط نہ اداب اسپر اگر مراد نہ ملی تو دعا کی مذمت اور قبولیت کا انکار اور اگر قبول ہوگئی تو وہ اپنی تدابیر اور ڈاکٹر صاحب اور وکیل صاحب کی خوش فہمی کا نتیجہ۔

دعا کی متعلق ایک بسیط اور محققانہ تحریر ہمارے مخدوم جناب مولانا مولوی حبیب الرحمن صاحب مدیر القاسم نے فرمائی ہے جو القاسم میں کچھ طبع ہوئی ہے ناظرین القاسم کو اُسکی طرف متوجہ ہونا یقینی مفید ہوگا اور یہ تحریر علیحدہ بھی رسالہ کی صورت میں عنقریب انشاءاللہ تعالیٰ طبع ہوگی اسکا انتظار کرنا چاہئیے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کے اس خواب میں عجب نہیں کہ اُس لطیفہ کی طرف اشارہ ہو جسکو میں اوّل نسبی مناسبت میں لکھ آیا ہوں۔ بلکہ اب میں اور ترقی کرکے کہتا ہوں کہ بیشک آپکو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک روحانی تعلق ہے اور یہ خواب کی بشارت اُسپر ایک اچھا شاہد عدل ہے۔

ایسے مقدس والدین کی اولاد اگر مقدس ہو تو تعجب کیا ہے۔ اصل اور تخم کے ذاتی جوہر و شرف ثمر وبرگ وبر سے معلوم ہوتے ہیں اور ثمر و گل کا حسن اصل کے حسن مخفی کا پردہ در ہے۔ اب دیکھئے کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ اپنے مقدس والدین کے کیسے خلف الرشید اور صادق جانشین ہوے لڑکپن ہی سے صلاح و تقویٰ زہد و ورع کے ساتھ متصف تھے۔ علم ورشد گھوٹی میں پڑا تھا۔ آپ مکتب میں قران مجید وغیرہ پڑھتے تھے اور ابھی کم سن تھے کہ غیب سے دل میں حدیث کی رغبت پیدا ہوئی اور جو احادیث آپ سنتے تھے وہ مع اسناد و متن یاد کرلیتے تھے۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ اسوقت آپکی کیا عمر تھی تو فرمایا کہ دس سال یا کچھ ـ کم بچپن میں بھی ہم کھیل جو کھیلے تو صنم کا۔ قوت حافظہ نہایت قوی اور صحیح تھی اور کیوں نہو غذا حلال وطیب عمل صالح حافظہ میں قصور کو گنجایش ہو تو کہاں سے۔

(باقی آئندہ)

تربیت السالک و تنجیت الہالک

گذشتہ سے پیوستہ

سوال - خاندان نقشبندیہ میں جو اول ذکر فکر کے ساتھ بتلایا جاتا ہے اور تصور شیخ اور پھر رابطہ اور فنا اور پھر گم شدنی اسکی تفصیل کی مجھے خاص ضرورت ہے جس سے میں ہر ایک بات کو اچھی طرح سمجھ لوں اور پھر ان سے کیا کیا نفع مرتب ہوتے ہیں۔

الجواب - نمبرا یہ سوال میری سمجھ میں نہیں آیا البتہ جو ذکر اول بتلایا جاتا ہے وہ اسم ذات ہے لیکن اس قید کے ساتھ جو سوال کیا گیا ہے کہ فکر کے ساتھ اسکی تحقیق نہیں اور یوں ہر ذکر کے ساتھ فکر و احضار قلب ضروری ہے البتہ متاخرین مشائخ نے اسم ذات کے ساتھ ہی شغل لطائف کا معمول رکھا ہے متقدمین کے یہاں یہ طریقہ نہ تھا یہ تو اسکی حقیقت ہے باقی نفع ذکر کا ظاہر ہے بلکہ تمامتر منافع اسی کے ثمرات ہیں جسمیں اصل نفع وہ ہے جو قرآن مجید میں موعود ہے فاذکرونی اذکرکم الآیۃ نمبر۲ و نمبر۳ تصور شیخ کا مفہوم عام ہے رابطہ کے مفہوم سے کیونکہ رابطہ خاص ایک شغل کا نام ہے جس میں شیخ کی صورت ذہن میں حاضر کرکے نظر قلب سے اُس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر اور خیال کو سادہ کرکے دیکھا جاتا ہے۔ فیفرض کانہ حاضر ناظر لکن تصورا فقط لا اعتقادا فانہ شرک ولذا یمنع منہ العوام وھذا ھو المراد فی کلام بعض الاکابر حیث ادخل ھذا فی عموم قولہ تعالیٰ ما ھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون - یہ تو حقیقت ہے اسکی اور فائدہ اس کا شغف ہے شیخ کے ساتھ جس سے بے تکلف اُس کا اتباع اخلاق و اعمال میں ہونے لگتا ہے چونکہ احوال ثمرات ہیں اعمال کے اس لئے وہ احوال بھی اس پر وارد ہونے لگتے ہیں۔ لکن لما کان ضررہ للعوام اکثر من ھذا النفع المذکور لم یعتبر ھذا النفع فی منعھم منہ اور تصور شیخ کوئی خاص شغل نہیں بلکہ اُسکی حقیقت وہی ہے جو لغۃً مفہوم ہوتی ہے محل اُسکا وہ وقت ہے کہ ذکر کے ساتھ خطرات فاسدہ کا ہجوم ہو اور دفع کرنے سے مندفع نہ ہوتے ہوں تو منتہی تو اس کا علاج زیادت توجہ الی المذکور سے کرتا ہے اور متوسط زیادہ توجہ الی الذکر سے

کیونکہ جب نفس کو ایک طرف توجہ تام ہو جاوے گی حسب قاعدہ فاسفیہ النفس لا تتوجہ الی شیئین فی ان واحد۔ دوسری طرف نہ رہیگی اور مبتدی چونکہ غائب یعنی مذکور کی طرف زیادت توجہ کا خوگر نہیں اور ذکر گو امر حسی مشاہد و مسموع ہے اور توجہ دشوار نہیں لیکن اس کے ساتھ انجذاب طبعی نہیں اس لئے وہ جمتا نہیں اس سبب سے اس کیلئے تصور شیخ کو نافع سمجھا گیا ہے کہ وہ محسوس بھی ہے اور محبوب بھی ہے اُس کا خیال جلدی جم جاتا ہے اور خیال جمنے سے خطرات مندفع ہو جاتے ہیں مگر بعد اندفاع پھر اس تصور کو نہیں جاتے کہ استغال بغیر المقصود مخل اشتغال بالمقصود ہے اور اس تقریر سے حقیقت کے ساتھ ان دونوں کا نفع بھی معلوم ہو گیا نمبر ۴ و نمبر ۵ یہ دونوں لفظ بھی متقارب المعنی ہیں صرف عموم و خصوص ہی کا فرق ہے فنا عام ہے گم شدن خاص کیونکہ فنا دو قسم ہے فنائے واقعی اور فنائے علمی۔ فنائے واقعی یہ کہ افعال ذمیمہ و ملکات ردیہ زائل ہو جاویں مثلاً ظاہری معاصی چھوٹ جائیں قلب سے حب غیر اللہ حرص و طول امل و کبر و عجب و ریا وغیرہ سب نکل جائیں اسکو فنار واقعی اس لئے کہتے ہیں کہ اسمیں جو چیز زائل ہوئی ہے یعنی افعال و ملکات ردیہ وہ واقع میں بھی فنا ہو گئے بخلاف دوسری قسم کے جیسا عنقریب آتا ہے اور اس کو بعضے اصطلاحاً فنائے حسی بعضے فنائے جسمی بھی کہتے ہیں اور فنائے علمی یہ کہ غیر اللہ اس کے قلب سے مرتبہ علم میں نکل گیا یعنی اُسکو غیر اللہ کے ساتھ تعلق علمی نہیں رہا بایمعنی کہ جیسا التفات و استحضار غیر کا پہلے تھا وہ نہ رہا بلکہ ملکہ یادداشت کا راسخ ہو گیا اور غیر سے ذہول ہو گیا جیسا محبت مجازیہ میں بھی غلبہ کے وقت ایسا ہی ہوتا ہے کہ محبوب دل میں بسا رہتا ہے غیر کی طرف کسی بڑی ہی ضرورت سے توجہ ہوتی ہے ورنہ گنجایش نہیں ہوتی پھر اس کے مراتب حسب استعداد سالک مختلف ہوتے ہیں حتیٰ کہ کسی کو استغراق محض ہو جاتا ہے کسی پر سُکر غالب ہوتا ہے کوئی مجذوب محض ہو جاتا ہے کوئی پھر بعض احوال کی تکمیل کیلئے یا دوسروں کی تکمیل کیلئے علم بالاشیاء کی طرف عود کرایا جاتا ہے مگر ابتدار کے علم بالاشیار سے یہ علم بالاشیار کماً و کیفاً و غایۃً مختلف ہوتا ہے اس حالت کو بقار کہتے ہیں جیسا کہ قسم اول میں بھی عین فنار کے وقت فانی کے اضداد کے حصول کا نام بقار ہے اس قسم ثانی کو فنائے علمی اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں جو چیز اس کے تعلق علمی سے خارج ہو گئی وہ واقع میں فانی و معدوم نہیں ہوئی مثلاً ہمکو زید کا خیال نہ آیا تو واقع میں

زید معدوم تو نہیں ہوا فنار کی اس دوسری قسم کا نام گم شدن ہے پس مطلق فنا مقسم اور عام ہے اور گم شدن اُس کی ایک قسم اور خاص ہے فائدہ قسم اول کا ظاہر ہے کہ ترک ہے مضرات شرعیہ کا جس کو تقوی کہنا چاہیئے اور قسم ثانی کا فائدہ یہ ہے کہ یہی علم بالاشیا بعض اوقات مفضی الی المعاصی ہو جاتا ہے پس اسباب بعیدہ سے بچنا کمال ہے تقوی کا۔ **التماس** میں نے کسی خاص جگہہ سے نقل نہیں کیا بلکہ کچھ کتابی نظر سے کچھ صحبت شیخ سے کچھ ذوق سے لکھدیا ہے شاید کسی جگہہ اس سے کافی تر ملجاوے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جب مجھکو ذکر شریف تعلیم فرمایا تھا تو یہ فرمایا تھا کہ لا الہ کے وقت یہ خیال کرے کہ جسقدر محبتین غیر خدا کی قلب میں ہیں سب کو نکال کر پس پشت ڈالدیں اور الا اللہ کے وقت یہ خیال کرے کہ صرف اللہ کی محبت قلب میں داخل کی تو اب وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی بھی محبت کو بروقت ذکر شریف کے ایسا ہی خیال کرے اور حدیث شریف میں ہے کہ جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہو گی مسلمان نہیں

الجواب۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عین خدا کی محبت ہے بلکہ جمیع اہل اللہ کی محبت بھی عین خدا تعالیٰ کی محبت ہے پس مراد اس تعلیم میں یہ ہے کہ جو محبتین خدا تعالیٰ سے تعلق نہیں رکھتیں اُن کو پس پشت ڈالدیا اب کوئی اشکال نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال۔ حضور مولانا و مرشدنا مولوی محمد اشرف علی صاحب قبلہ دام برکاتہم۔ السلام علیکم بحمد اللہ بخیریت ہوں اور صحت وجود ذات والا مدام درگاہ خدا سے مستدعی۔ حضور والا ع بحیرتم کہ سرانجام ما چہ خواہد بود + اس مرتبہ بعد علالت کیفیت یہ ہوگئی ہے کہ جب دو تین روز جمکر نماز تہجد و دوازدہ تسبیح کا شغل شروع کرتا ہوں طبیعت خراب ہو جاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر شغل مذکور چھوٹ جاتا ہے رمضان شریف میں ہر چند چاہا کہ حسب معمول ورد و وظائف کو شروع کروں لیکن وہی حالت پیش آئی جو عرض کر چکا ہوں۔ اخیر عشرہ رمضان میں نہایت مستعدی سے چاہا کہ ۲۱۔ ماہ مذکور سے اعتکاف کروں اور تلافی مافات کروں لیکن ۲۰۔ ماہ مذکور سے طبیعت خراب ہوئی اور ۸۔ شوال تک اُس علالت کا سلسلہ رہا۔ ۹ شوال سے پھر نماز تہجد کو اُٹھا تین روز تک محنت کی تھی کہ کل ۱۱۔ شوال کو پھر حرارت پیدا ہوگئی معلوم نہیں کہ کیا منظور خدا ہے تعلقات دنیوی سے

قطع کرکے چاہا تھا کہ اللہ اللہ کروں لیکن میری بدقسمتی یہ بھی کرنے نہیں دیتی ان واقعات سے طبیعت ایسی متوحش اور پریشان ہے کہ کیا عرض کروں وہی مثل ہوئی کہ نہ ادھر کے ہوئے نہ اودھر کے ہوئے آج طبیعت کو بیحد قلق اور افسوس ہوا لہذا خدمت بابرکت میں عرض کیا گیا۔ اگرچہ شکایت تنفس تا بعد ار کو عرصہ سے ہی لیکن باوصف اُس شکایت کے ورد و وظائف کو انجام دیتا تھا دوسرے آواز اسقدر پست ہوگئی ہے کہ ذکر جہر نہیں کرسکتا البتہ ایسی آواز سے کہ خود سن سکوں جب افاقہ ہوتا ہی کرتا ہوں اور بحالت نادرستی طبیعت کے کچھ نہیں ہوسکتا باقی خیریت ہے اور حالت بدستور ہے۔

الجواب۔ مخدومی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بزرگان دین کا ارشاد ہے طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق۔ یعنی جس قدر مخلوقات کے سانس ہیں خداتعالیٰ تک پہونچنے کے اُتنے رستے ہیں اور اصل مقصود وصول الی اللہ ہے بمعنی ضعف نسبت مع الخلق و قوت نسبت مع الخالق خواہ کسی طریق سے ہو پس جس طرح اوراد و نوافل کی کثرت اُس کا ایک رستہ ہے اسی طرح مرض اور حزن اور انقباض اور ضیق قلب و تاسف و ندامت و خجلت و انکسار بھی ایک رستہ بلکہ اقرب رستہ ہے پس حالت مرقومہ خط سامی میں گو نفسانی اور جسمانی کلفت و صعوبت ہے لیکن روحانی ترقی و نفع ہے بالکل مطمئن رہئے اور جس قدر ہوسکے اور جس طرح ہوسکے کرلیا کیجئے اور نہ ہوسکے نہ کیا کیجئے ؎

درطریقت ہرچہ پیش سالک آید خیر اوست | برصراط مستقیم ای دل کسے گمراہ نیست

البتہ نفس یوں چاہتا ہے کہ مجھکو ذکر و شغل کا ثمرہ عاجل دنیا میں ملجاوے سو یہ خطائی عظیم ہے اصل موقع مشاہدہ ثمرہ کا آخرت ہے جس نے یہ نکتہ پختہ کرلیا اُس کو رضا و تفویض کی حلاوت نصیب ہوئی اور جو اس نکتہ سے غافل ہے عمر بھر مشوش رہیگا۔ **مخدوما** جو کچھ میں نے لکھا ہے گو مختصر ہے مگر جامع اور تجربہ کی بات ہے آپ شک نہ لائیے۔ والسلام۔

سوال۔ ایک شخص مسمّی احمد بخش عمر ۲۴ سالہ دین کی باتوں سے محض جاہل تھا اور کام معاش میں بھی پورا حق ادا نہ کرتا تھا عرصہ دو سال کا ہوا اُس نے واسطے حاصل کرنے تزکیہ نفس اور طے کرنے منازل سلوک کے ایک بزرگ کامل واقف طریقت اور عامل شریعت نقشبندی سے بیعت کرلی یہ شخص دن بھر اپنی معاش کا کام کرتا ہے رات کو صرف دو گھنٹہ اپنے مرشد کے حلقہ میں شامل ہوکر

فیض باطنی حاصل کرتا ہے اُس کا یہ حال ہے کہ کل مذموم باتوں سے سخت متنفر ہے اور متقی بن گیا مگر اس شخص کا باپ مسمّی نجم الدین جہالت اور بے علمی سے اپنے بیٹے کو مرشد کے پاس جانے سے روکتا ہے اور مار پیٹ کرتا ہے آیا احمد بخش کو اپنے مرشد کے پاس جاکر فیض باطنی حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں اور باپ کی نافرمانی سے گناہ تو نہیں اور باپ اس کا راستی پر ہے یا خطا پر۔

الجواب منجیات قلبیہ کی تحصیل اور مہلکات قلبیہ کا ازالہ واجب ہے تجربہ سے اس کا طریق حضرات کاملین مکملین کی صحبت اور اُن کی تعلیم پر عمل کرنا ثابت ہوا ہے اس لئے بحکم مقدمۃ الواجب واجب یہ بھی ضروری ہے اور ترک واجب میں والدین کی اطاعت نہیں قال علیہ السلام لا طاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق البتہ اگر اُس مرشد میں خدانخواستہ کوئی شرعًا فساد ہے جو نجم الدین کے بیان سے معلوم ہو سکتا ہے تو ایسی حالت میں اُس کی صحبت سے بچنا واجب ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (باقی آیندہ)

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

۱۔ یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھجاتا ہے۔

۲۔ یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ آٹھ آنہ ؏ پیشگی لیجاتی ہے۔ ممالک غیر سے صرف اسی قدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستانی کے زیادہ ہے۔

۳۔ جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچروپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائیں گے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہوں گے۔ اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہے گی۔

۴۔ سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کی خدمت میں شروع کا (یا خریدار کا جب سال شروع ہو اُسکا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کر کے ؏ کا ویلو روانہ ہوگا۔

۵۔ یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمت میں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسروں کی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمایش کرتے ہیں۔

۶۔ شعبان ۳۲ھ مطابق جولائی ۱۴ء سے اس رسالہ کا پانچواں سال شروع ہوا ہے۔ پہلے چار سالوں کی مکمل جلدیں موجود ہیں۔ قیمت ہر جلد کی ؏ مع محصول ڈاک ہے۔

۷۔ نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں ان کے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائیں گے جو اصول اسلام او مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

۸۔ القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہئے۔

المشتہر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد للمدیر رسالہ القاسم دفتر القاسم مدرسہ عالیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

(رجسٹرڈ نمبر ا ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

قیمت سالانہ

مع محصول عہ

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی ماہوار رسالہ

نمبر ۱۰ بابت ماہ جمادی الاولی ۱۳۳۳ھ جلد ۵

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

(اور)

مطبع قاسمی دیوبند میں اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ

(مطابق ماہ اپریل ۱۹۱۵ء)

جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

اور

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہز آنر نواب لفٹنٹ گورنر بہادر صوبہ متحدہ آگرہ اودھ

کا

ورود دار العلوم دیوبند میں

اخوۃ اسلامیہ کے زبردست سلسلہ میں منسلک افراد کو عموماً اور دار العلوم دیوبند کے حالات کے ساتھ شغف و فریفتگی رکھنے والے حضرات کو خصوصاً ہز آنر سر جیمس میسٹن بہادر نواب لفٹنٹ گورنر صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ کے دار العلوم دیوبند میں رونق افروز ہونے کے حالات سننے کا دلچسپی و بے چینی کے ساتھ انتظار ہوگا۔ اگرچہ اس بارونق جلسہ کے تفصیلی حالات مستقلاً علیحدہ شائع کئے جائیں گے۔ تاہم تفصیل حالات کی اشاعت سے قبل القاسم والرشید کے ذریعہ سے اجمالی کیفیت کی اشاعت رفع انتظار کیلئے مناسب معلوم ہوتی ہے۔

دار العلوم دیوبند کی پچاس سالہ زندگی میں حکام ضلع و افسرانِ قسمت تو بارہا تشریف لائے اور اپنی بیش قیمت آرا کتاب معائنہ میں ثبت فرمائیں۔ اور زبردست اخلاقی امدادوں۔ اور ہر ضرورت کے وقت خدام دار العلوم کی تائید سے انکی حوصلہ افزائی میں کمی نہیں فرمائی لیکن اس طویل زمانہ میں یہ دوسرا ہی موقعہ ہے کہ صوبہ کے اعلیٰ فرمانروا نے خدام دار العلوم کی عزۃ افزائی کیلئے زحمت سفر گوارا فرمائی۔

واقفان حالات بھولے نہ ہونگے کہ بزمانہ قطب العالم حضرۃ مولانا رشید احمد صاحب قدس اللہ روحہ۔ ۶ جنوری سنہ ۱۹۰۵ء میں سر جیمس ڈگس لاٹوس بہادر لفٹنٹ گورنر صوبجات

متحدہ جنکو مسلمانوں اور اسلامی علوم کے ساتھ خاص دلچسپی و ہمدردی تھی پہلی مرتبہ ملاحظہ دار العلوم کیلئے تشریف لائے۔ اور اس بارونق جلسہ میں جس کی مفصل روداد اُسوقت شائع کردی گئی تھی طبقہ علماء و اصحاب اقتدار و وجاہت افراد کی بڑی تعداد شریک ہوئی تھی اور تمام حالات خود ملاحظہ فرماکر محظوظ ہوئی تھی۔ یہ تاریخی واقعہ نہ صرف دار العلوم کیلئے یادگار تھا۔ بلکہ دیوبند کو باوجود قدامت آبادی۔ وجائے قیام حکام ماتحت کے کبھی یہ امتیاز حاصل نہوا تھا کہ صوبہ کے فرمانروا کسی ضرورت سے اُسمیں تشریف لائے ہوں۔

اس سن کے بعد اگرچہ سرجان ہیوٹ بہادر کا زمانہ بھی درمیان میں گذرا مگر نہ آپ کو دوسرے اہم مشاغل کیوجہ سے فرصت ملی اور نہ خدام دار العلوم کو اس قسم کی درخواست کرنے کا موقع ملا۔ سرجیمس میسٹن بہادر کو خود بھی دار العلوم کے بچشم خود ملاحظہ فرمانے کا خیال تھا جیسا کہ جناب ممدوح کی اسپیچ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور خدام دار العلوم کا بھی یہی ارادہ تھا۔ ماہ اپریل ۱۹۱۴ء جلسہ سالانہ ممبران مدرسہ میں یہ رائے طے ہوئی کہ جناب ممدوح کی خدمت تک اپنی یہ خواہش پہونچانے کی کوشش کیجائے۔

باخبر حضرات سے مخفی نہیں کہ پہلی مرتبہ عالیجناب نواب محمد یوسف علیخاں صاحب مرحوم رئیس مینڈھو ہزآنر کے تشریف لانے کے محرک ہوئے اور جلسے کے بخیر و خوبی سرانجام کے متکفل ہوئے تھے۔

اس مرتبہ بھی خدا کو یہ منظور ہوا کہ جناب مرحوم کے برادر حقیقی عالیجناب نواب محمد عبد الصمد خانصاحب رئیس طالب نگر اور آپ کے برادرزادہ عالیجناب کنور حافظ احمد سعید خانصاحب رئیس چھتاری اس تحریک و انتظام کے کفیل بنکر ارباب دار العلوم کو بہت بڑے بار کی ذمہ داری سے سبکدوش فرمائیں۔ چنانچہ ہر دو ممدوح الصدر حضرات نے اس خیال پر مطلع ہوکر نہایت طیب خاطر سے ہزآنر کیخدمت تک خدام دار العلوم کی جانب سے یہ خواہش پہونچادی۔ اور آپ نے بخوشی تمام دار العلوم میں تشریف لانیکا وعدہ فرمالیا۔ لیکن صورت حالات کچھ ایسے پیش آتے رہے کہ زمانہ تشریف آوری

مقرر نہ ہوا۔ بالآخر جناب مولانا حافظ محمد احمد صاحب کو بتاریخ ۲۶ جنوری ۱۹۱۵ء مدرسہ کی ایک ضرورۃ خاص سے ہز آنر کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ہوا اور اسوقت زبانی اس امر کا تذکرہ ہوا تو جناب ممدوح نے فرمایا کہ ہم نواب محمد عبد الصمد خانصاحب سے ملاقات کے بعد کوئی وقت مقرر کرینگے۔

۲ فروری ۱۹۱۵ء کو جناب نواب صاحب و جناب حافظ احمد سعید خانصاحب اس معاملہ میں مشورہ کی غرض سے دیوبند تشریف لائے اور یہہ قرار دیا گیا کہ دربار آگرہ میں جو اس ماہ فروری کے نصف تک منعقد ہونے والا ہے ہز آنر سے تعین تاریخ کی گفتگو کیجائیگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جناب نواب صاحب نے اطلاع دی کہ ہز آنر کا خیال اوائل ماہ مارچ میں تشریف لانیکا ہے۔ لیکن اسوقت بھی یہ معین نہ ہوسکا کہ مارچ کی کونسی تاریخ ہوگی وقت بہت کم تھا۔ خدام دار العلوم کو بہت سے کام کرنے تھے جو آہستہ آہستہ نصف فروری کے بعد شروع کردیئے گئے۔ تعین تاریخ کی صحیح اطلاع ۲۴ فروری کو ہوئی کہ ہز آنر یکم مارچ ۱۹۱۵ء کو رونق افروز دیوبند ہونگے۔

اس قلیل عرصہ میں دار العلوم کی صفائی۔ کتب خانہ کی ترتیب اور جائز آرایش وغیرہ کے ضروری کام انجام دیئے گئے سپاس نامہ اردو عربی تیار کیا گیا۔ اردو سپاسنامہ بغرض ترجمہ انگریزی جناب نواب صاحب ممدوح کی خدمت میں بھیجدیا گیا۔ اور عربی سپاسنامہ نہایت خوشخط قلم لکھایا گیا۔ اردو سپاسنامہ کا انگریزی ترجمہ جناب نواب صاحب نے بعجلت کراکر ٹائپ کرالیا۔ اور اسکو خود لیکر بمقام لکھنؤ ہز آنر کی خدمت میں پہونچایا۔

جن حضرات کو اس خاص جلسہ میں دعوت دینا تھی اُن کے نام ۲۴ فروری کے بعد خطوط جاری کیئے گئے۔ اس تنگ وقت میں بعید مقامات تک تو خطوط کا پہونچنا بھی دشوار تھا۔ اسی بنا پر اکثر ایسے حضرات کو تکلیف دی گئی جنکی شرکت سہل تھی۔

ہز آنر کا سپیشل میرٹھ سے ۸ بجے دن کے بعد اسٹیشن دیوبند پہونچا۔ استقبال کیلئے عالیجناب نواب صاحب ممدوح اور جناب کنور حافظ احمد سعید خانصاحب اسٹیشن تک تشریف لے گئے۔ ۱۰ بجے دن کے بعد ہز آنر دار العلوم میں تشریف لائے۔ جناب مہتمم صاحب

وارا کین دار العلوم نے صدر دروازہ پر آپ کا استقبال کیا۔ جناب ممدوح نے تقریباً دو گھنٹہ قیام فرما کر دار العلوم کے احاطوں کو اندر باہر سے ملاحظہ فرمایا اور خاص گندہ نالہ سرکاری و تالاب عقب مدرسہ پر تشریف لیجا کر دیر تک نالہ کے ہٹائے جانیکی بابت (جسکے یہاں سے ہٹا دینے کی ہزآنر سے خواہش کیگئی تھی) گفتگو فرماتے رہے۔ اور کتب خانہ دار العلوم اور اُسکے منتخب قلمی و مطبوعہ کتب کو خاص طور سے ملاحظہ فرمانے کے بعد مقام اجلاس میں تشریف لیگئے جہاں حاضرین نے آپ کا استقبال کیا۔ جب آپ اپنی کرسی پر متمکن ہو چکے تو آپ کی خدمت میں اول سپاس نامہ عربی کا کچھ حصہ سنایا گیا بعد میں اُردو سپاس نامہ بتمامہ سنایا گیا۔ جو اگرچہ کسیقدر طویل تھا مگر آپ نے نہایت دلچسپی سے اُسکو سُنا۔ اور اُسکے بعد آپ نے کھڑے ہو کر نہایت صاف اُردو میں اسپیچ دیا۔ یہاں سے فراغت کے بعد آپ چائے نوشی کیلئے مکان دار المشورہ میں تشریف لائے اور یہاں دیر تک قیام فرما کر جناب مہتمم صاحب سے ہر قسم کی گفتگو فرماتے رہے۔ دار العلوم کے ہر کام کو نہایت دلچسپی سے آپ نے دیکھا اور اظہار مسرت فرماتے رہے اور ۱۲ بجے کے بعد تشریف لیگئے آپ کی مشایعت کیلئے جناب نواب صاحب و کنور حافظ احمد سعید خانصاحب اسٹیشن تک تشریف لے گئے۔ ہزآنر نے اسٹیشن پر چند گھنٹہ قیام فرما کر شہر اور بیرونجات کے چند معززین کو شرف باریابی عطا فرمایا۔

سپاسنامہ جو دار العلوم کیجانب سے پیش کیا گیا تھا اُسمیں دار العلوم کے اصول طرز عمل۔ اُسکے حالات و تدریجی ترقیات آیندہ کے خیالات کو وضاحت سے ظاہر کر دیا گیا تھا۔ یہہ سپاسنامہ چونکہ روداد جلسہ میں پورا طبع ہوگا اسلئے یہاں نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ہزآنر نے اپنے جواب میں اُسکے تمام مقاصد کو ملحوظ رکھا آپ کی اسپیچ بہت جامع مانع اور بہت سے اہم مقاصد کو حاوی تھی اسلئے اُسکو بغرض اظہار و اطمینان اس جگہ بجنسہ نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

ہزآنر کے تشریف لیجانے کے بعد عالیجناب نواب عبد الصمد خانصاحب نے اجلاس کے

موقع پر تشریف لاکر عام مجمع میں اعلان فرمایا کہ وہ مبلغ چار ہزار روپیہ اپنی ذات سے دارالعلوم کو عطا فرمائیں گے۔ اور اپنے ذریعہ سے ایک لاکھ روپیہ دارالعلوم کے پاک ترین مقصد کیلئے جمع فرمائیں گے۔ آپ کے اس اعلان کو تمام حاضرین نے مسرت اور ممنونیت کے ساتھ سنا جناب نواب صاحب بہادر کا یہ اعلان اگرچہ نہایت مہتم بالشان اور دارالعلوم کی تاریخ میں پہلا واقعہ ہے مگر جبکہ ہم جناب نواب صاحب ممدوح کے خاندانی روایات اور انکے اسلاف کی دارالعلوم کے ساتھ نہایت قدیم اور فیاضانہ تعلقات پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں تو بے ساختہ اور بلا تشبیہ ماہی باول برکتکم کہنے کو جی چاہنے لگتا ہے۔ آپ دارالعلوم کی جو کچھ اور جسقدر امداد فرماتے ہیں فی الحقیقت اُس سے آپ اپنے کو اپنے مرحوم بزرگوں کا صحیح جانشین اور جائز قایم مقام ثابت کرتے ہیں ارکان دارالعلوم نہ فقط اسی پر مسرور ہیں کہ آپ نے دارالعلوم کیلئے ایک بڑی بھاری مادی اعانت کا وعدہ فرمایا۔ بلکہ اُنکو اس سے زیادہ اسکی خوشی ہے کہ فی زمانناایک معزز اسلامی خاندان اپنے پاکیزہ اور مقدس روایات ماضیہ کے تازہ رکھنے کی بیش از بیش سعی کرتا ہے۔

جزاهم الله خيرا وبارك في اعمالهم وحسناتهم واموالهم ووفقهم الله لما يحب ويرضى۔ آمین۔

اسپیچ

جو

جناب سر جمیس اسکار جی میسٹن صاحب بہادر کے سی ایس۔ آئی۔ لفٹننٹ گورنر ممالک متحدہ آگرہ و اودہ نے بمقام مدرسہ دیوبند بتاریخ یکم مارچ ۱۹۱۵ء ارشاد فرمائی

متولیان و مولویان و علمائے مدرسہ دیوبند۔

سالہائے فراواں سے میری یہہ تمنا تھی کہ یہاں آکر بچشم خود اس مشہور مدرسہ کو دیکھوں اور اسکے ذیعلم مدرسوں سے تعارف و ملاقات کا مجھکو موقع ملے۔ میری اس آرزو کی متعدد وجوہ ہیں۔ اولاً ایسے علمائے متجرین کی جو بلا امید نفع دنیوی تعلیم و تدریس میں مصروف رہتے ہیں تعظیم و تکریم جو فطرتاً ہر تعلیم یافتہ شخص کے دل میں جاگزیں ہونی چاہیئے۔ دوم وہ فخر و مباہات جو ان صوبوں کے ہر باشندہ کو اس مدرسہ کی وجہ سے کرنا چاہیئے جسکی شہرت تمام ملک ایشیا اور اسلامی یورپ میں ہر جگہہ پھیلی ہوئی ہے۔ اور ایک بڑی وجہ یہہ بھی ہے کہ میں تہ دل سے اسکی قدر و منزلت کرتا ہوں کہ آپ نہایت ثابت قدمی سے محض مذہبی درس و تدریس میں مشغول رہتے ہیں اور ایسے پولٹیکل یعنی انتظام ملک کے متعلقہ مباحثات یا اور امور سے بالکل احتراز کرتے ہیں جنسے اس ملک کے حکام کو دشواریاں واقع ہونیکا احتمال ہو۔

پس جب مجھکو اپنے معزز دوست نواب عبدالصمد خاں بہادر کے ذریعہ سے آپ کی یہہ خواہش معلوم ہوئی کہ میں اس مدرسہ میں آؤں تو مجھکو دلی مسرت حاصل

ہوئی۔ اور یہ مسرت اُس ایڈریس کے عاقلانہ مضامین کو سنکر دوبالا ہوگئی جو آپ نے میرے خیر مقدم میں پیش کیا ہے۔ میں تہ دل سے آپ کا ممنوں ہوں کہ آپ نے میرے ساتھ ایسے اخلاص و محبت کا برتاؤ کیا۔ اور اپنا مشہور و معروف مدرسہ مجھکو دکھلایا۔ اور اپنے کام اور مقاصد اصلی کے کچھ کچھ حالات معلوم کرنیکا مجھکو موقع دیا۔

آج کل دنیا کے لوگوں کا میلان تین امور ناقص کی طرف ہے۔ اول یہ کہ لوگ بلالحاظ عقبےٰ کی راحت دائمی کے رات دن دولت دنیا کے حصول کی سعی کرتے رہتے ہیں۔ اور اسی ادنےٰ کام میں اپنی عقل و شعور کو جو ہمارے خالق اکبر نے بہتر مقاصد کیلئے ہمکو عطا فرمایا ہے صرف کردیتے ہیں۔ دوسرا امر یہ ہے کہ لوگ ظاہری زیب و زینت و نام و نمود کی طرف مائل رہتے ہیں اور روحانی و باطنی ترقیات و برکات حاصل کرنے کیلئے جو سچی اور واقعی نعمتیں ہیں کوئی حصہ اپنے وقت کا باقی نہیں رکھتے۔ تیسرا امر یہ ہے کہ لوگ مذہب کے پردہ میں تعصب کا برتاؤ کرتے ہیں اور باہمی نزاع و نفاق پھیلاتے ہیں بجائے اسکے کہ مذہبی پند و تعلیم سے یہ بات ذہن نشین کریں کہ خداوند عالم کی نظر میں اُسکے کل بندے یکساں ہیں اور سب کو باہمد گر انکسار و درگذر کا سلوک اور اس قول پر عمل کرنا چاہیئے۔

شناسند بیگانہ را ہمچو خویش ۔۔۔ رہ آشتی را بگیرند پیش

آپ نے اپنے ایڈریس کے اُس فقرہ میں جو سب سے زیادہ موثر ہے یہ تحریر کیا ہے کہ آپ اِن تینوں امور ناقص سے اجتناب کلی رکھتے ہیں۔ اور مجھکو یقین کامل ہے کہ اسطرح آپ اپنے طلبہ کی ایسی تعلیم و تربیت کررہے ہیں جو دنیا و عقبیٰ دونوں جگہہ انکی راحت و خوشی کا باعث ہوگی۔

اے میرے دوستو۔ اور میں آپ کی نسبت لفظ دوست محض اخلاقی طور پر نہیں کہتا بلکہ میں فی الحقیقت مسلمانان ہند کا دوست صادق اور بہی خواہ ہوں۔ یہ امر میری نہایت مسرت کا باعث ہوا کہ آج میں یہاں آپ سب سے ملا اور مجھے آپ کو یہ یقین

دلانے کا موقع حاصل ہوا کہ گورنمنٹ آپ کی اور آپ کے مدرسکی نہایت عزت و وقعت کرتی ہے۔ اگرچہ آپکی قوم پر تکلیف و مایوسی کا زمانہ گذر رہا ہے مگر آپ اُن کو ہمیشہ عاقلانہ وعظ و پند کی روشنی دکھلاتے رہے ہیں اور سچے مذہب کی تعلیم سے اِس حالت افسردگی میں تسکین و تسلی دیتے رہے ہیں۔ اسطرح اُنکی تکلیفیں جاتی رہینگی اور آپ کی قوم اور گورنمنٹ جو دل سے اُنکی بہبودی کی خواستگار ہے ہمیشہ آپ کی احسانمند رہینگی۔ اپنی قوم کی مدد کرنے سے آپ بعینہٖ ہمکو مدد دیتے ہیں اور ہمارا ساتھ دینے سے آپ ہمارے دل میں اپنی قوم کا اعتماد و اعتبار قائم کرتے ہیں۔

اے میرے دوستو۔ میں خود تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں کسی دنیوی طریقہ سے آپ کی امداد و اعانت کرنا چاہتا ہوں کیونکہ شاید یہ آپکو ناگوار گذرے۔ لیکن آپ خوب جانتے ہیں کہ اگر آپ کی طرف سے کبھی امداد کی خواہش کیجائیگی تو میں کامل طور پر اور بکشادہ دلی اُسکے پورا کرنے کی سعی کرونگا اور اسکو اپنی خوش نصیبی سمجھونگا۔ آج تو میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ میں آپ کی مہمان نوازی کا بہت شکرگذار ہوں اور میرے دل میں آپ کے کام کی نہایت عظمت و توقیر ہے۔ اور میں جناب باری سے یہ دعا کرتا ہوں کہ آپ کو ہر قسم کے امور دینی و دنیوی میں ترقی حاصل ہو۔ آمین۔

لطائف الحدیث

(عرصہ ہوا کہ اس سلسلہ کے ذیل میں ہم نے ایک دو مضمون القاسم کی نذر کئے
تھے۔ جس کے بعد پھر اسقدر فرصت نہ ملی کہ اس میں کچھ اور اضافہ کرتے۔ اب
بڑی مشکل سے کچھ وقت نکالکر مضمون ذیل پیش کیا جاتا ہے۔ خدا تعالےٰ قبول
فرمائے۔ اور فروگذاشت کو معاف کرے۔)

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وتحریمہا التکبیر وتحلیلہا التسلیم الخ جمہور (ایک آدہ شاذ و نادر استثناء کے سوا) اسپر متفق ہیں کہ تکبیر تحریمہ نماز کیلئے خواہ بطور شرطیت یا بطور رکنیت فرض ہے۔ لیکن یہہ تعیین کہ وہ کونسے الفاظ ہیں جن سے شرعًا تحریمہ ادا ہوجاتا ہے ائمہ کے نزدیک متنازع فیہ ہے امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ اکبر کے سوا اور کوئی لفظ تحریمہ کے انعقاد کیلئے کافی نہیں ہوسکتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ ان الفاظ میں کمی کرنے کی اجازت نہیں دیتے لیکن زیادتی کو روا رکھتے ہیں۔ یعنی اُن کی رائے میں اگر کوئی شخص بجائے اللہ اکبر کے اللہ الاکبر یا اللہ اکبر من کل شئی وغیرہ کہے تو تحریمہ منعقد ہوجاتا ہے۔

ہمارے قاضی ابو یوسف رح اسمیں اور توسع کرتے ہیں۔ اُنکے یہاں فعیل اور افعل کا ایک حکم ہے۔ گویا جن الفاظ کو امام شافعی رح جائز فرماتے ہیں ان سب کو حد جواز میں داخل رکھنے کے ساتھ اللہ کبیر اور اللہ الکبیر وغیرہ کہنے کو بھی وہ تحریمہ کیلئے کافی سمجھتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد بن الحسن الشیبانی نے ان قیود میں سے کسی قید کو باقی نہیں چھوڑا اور تحریمہ کا دائرہ اسقدر وسیع کردیا کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے کوئی نام لیکر اور کسی طرز اور کسی لغت میں اُسکی عظمت وکبریائی کا اظہار کرکے نماز میں داخل ہوجائے اُن کے نزدیک

اُسکی نماز صحیح ہو جاتی ہے (اگرچہ بعض حالات میں مع الکراہۃ ہی کیوں نہو) ہاں یہ ضروری ہے کہ شروع صلوۃ میں اُسکا یہ نام لینا محض دعا یا حاجت برآری کی درخواست کی غرض سے نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ تحریمہ جب ہی سمجھا جائیگا جبکہ اسکا مقصود محض ذکر اللہ اور اُسکی عظمت وجلال کا اظہار کرنا ہو۔ این بنا پر اگر اللھم اغفرلی یا اللھم ارزقنی وغیرہ کلمات سے نماز کو شروع کیا تو یہ جائز نہ ہوگا البتہ اللہ اکبر کی بجائے اللہ اعظم۔ یا الرحمن اکبر یا الرحمن اعظم وغیرہ کلمات اسقاط فرض کے واسطے کفایت کرسکینگے۔ گو اسصورت میں خاص لفظ اللہ اکبر (جو علی اختلاف اقوال الحنفیہ واجب یا سنت موکدہ ہے) اُسکا ترک لازم آئیگا۔ تاہم نفس صحۃ صلوۃ کے اعتبار سے کلمات مذکورہ پر قناعت کیجاسکتی ہے۔

امام مالکؒ امام احمد جو اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے اصلی مقابل ہیں وہ اپنے دعوی پر حدیث باب کو استدلال بنا کر فرماتے ہیں کہ اصطلاح شرع میں جسطرح لفظ تسبیح سبحان اللہ اور لفظ تحمید۔ الحمد للہ اور لفظ تہلیل۔ لا الہ الا اللہ کہنے کیلئے وضع کئے گئے ہیں اسیطرح لفظ تکبیر کا مفہوم خاص اللہ اکبر کہنا قرار پایا ہے۔ پھر جملہ تحریمھا التکبیر میں (جسکی ترکیب حسب تصریح علماء عربیت مفید حصر ہے) لفظ تکبیر سے کسی اور معنی مثلاً تعظیم وغیرہ کا ارادہ کرنا۔ بلا وجہ حقیقۃ شرعیہ سے عدول کرکے مجاز شرعی کیطرف جانا ہے۔ اگرچہ وہ مجاز شرعی حقیقت لغویہ ہی کیوں نہو۔ امام شافعی رحنے بھی مالکیہ کے استدلال سے متاثر ہو کر یہ فیصلہ فرما دیا کہ بیشک تحریمہ اللہ اکبر کہنے میں منحصر ہے لیکن اُن کلمات کو بھی وہ اللہ اکبر کے ساتھ حکماً ملحق کرتے ہیں کہ جنسے اللہ اکبر کا مفہوم باطل یا ناقص نہوتا ہو بلکہ اور زیادہ نمایاں ہو جاوے اور تکبیر کے اصلی الفاظ بھی جن میں پوری طرح محفوظ رہیں۔ چنانچہ اللہ اکبر اور اللہ اکبر من کل شئے وغیرہ کلمات اسی نوعیت کے ہیں۔

امام ابو یوسف رحنے امام مالک اور امام شافعی رح کی تقریروں سے فائدہ اُٹھایا۔ اور ساتھ ہی اُنکی نظر اسپر گئی کہ خدا تعالی کی نسبت صیغہ فعیل اور افعل ایک حکم رکھتا ہے۔ اس لئے اللہ اکبر اور اللہ الکبیر کو بھی اللہ اکبر اور اللہ الاکبر کا قایم مقام ہو جانا چاہیئے کیونکہ خداوند تعالی کے اکبر ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ محض دوسروں کی اضافت سے اکبر ہے بلکہ فی حد ذاتہ

کبریاء اور عظمت اوسی کے لئے اور صرف اُسیکے لئے اور تنہا اُسی کے لئے ثابت ہے۔ کوئی دوسری چیز ایک شمہ برابر بھی اُسکے ردار کبریاء میں شرکت نہیں رکھتی۔ جو اُسکو نسبتہً اکبر اور اسکو اصغر کہا جاوے۔ حاشا ثم حاشا۔ لہذا خدا تعالیٰ کو خواہ کبیر کہو یا اکبر دونوں کا انجام اور مآل ایک ہے اِس لئے ابو یوسف رح اللہ کبیر کو بھی اللہ اکبر کے ساتھ حکماً ملحق کردینے میں چنداں حرج نہیں سمجھتے۔

طرفین (یعنی امام ابو حنیفہ اور امام محمد رح) نے تنقیح مناط[1] کے طور پر نفس ذکر اللہ اور اظہار عظمت وکبریاء خداوندی کو تحریم صلوٰۃ کے بارہ میں اصل فرض قرار دیا۔ اور ذکر اسم ربہ فصلیٰ کے مقتضائے اطلاق پر نظر کرتے ہوئے جو خصوصیت لفظ اللہ اکبر کے جملہ تحریمہا التکبیر سے ثابت کی جاتی تھی اُسی نفس فرضیت تحریمہ کے اعتبار سے یا تو اسلئے ملغاۃ سمجھا کہ یہ جملہ خبر واحد ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت نہیں ہے زائد از زائد اگر ہے تو ظنی الثبوت قطعی الدلالت ہے جس سے حنفیہ کے اصول پر فرضیت نہیں بلکہ وجوب ثابت ہوتا ہے (کما صرح فی التحریر للشیخ ابن ہمام وغیرہ) اور یا اِس لئے کہ اِس جملہ کی ترکیب ضروری نہیں ہے کہ ہمیشہ اور ہر جگہ مفید حصر ہی ہوا کرے چنانچہ بکر سے اجازت نکاح لینے کے متعلق جو اذنہا الصموت وارد ہے اُس میں بعینہ یہی ترکیب ہے لیکن حصر نہیں ہے۔ اور یا اس لئے کہ لفظ تکبیر کو مطلق تعظیم کے معنی پر حمل کر لیا گیا۔ تاکہ کتاب اللہ کے اطلاق کو مقید نہ کرنا پڑے جو کہ اصول حنفیہ کے خلاف ہے۔ اور ان سب امور کے سوا ایک اور بات جو احقر کی نزدیک شان مجتہد پر زیادہ چسپاں معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ ہم شروع سے اسپر غور کریں کہ نماز میں تحریمہ اور تسلیم سے شارع کا مقصود کیا ہے۔ شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں جس جگہ خروج بصنعہ کا مسئلہ

[1] تخریج مناط تنقیح مناط اور تحقیق مناط کے فرق کو حضرت شاہ ولی اللہ رضی اللہ عنہ کے اصول کے موافق ہمارے محترم بزرگ مولانا سید انور شاہ صاحب نے اپنی اُس عربی تقریر میں جو علامہ سید رشید رضا مصری کے روبرو دار العلوم دیوبند کے اندر کی تھی نہایت مشرح اور مفصل بیان فرمایا ہے من شاء الاطلاع علیہ فلیراجع مجلات القاسم ۱۲ ۳۳ھ وفیہ ان الفروض العلمیہ کثیرا ما یثبتون بہ۔ وسیاتی مزید التحقیق فی الرسائل الاخر انشاء اللہ تعالیٰ ۱۲ منہ

تحریر فرمایا ہے وہاں لکھا ہے "کہ گو مصلے کو طریق مسنون کے موافق نماز سے فقط سلام کے ساتھ خارج ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر کوئی شخص باوجود قدرت علی التسلیم کے بذریعہ کسی دوسرے فعل اختیاری کے خارج ہوگیا تب بھی باوجودیکہ اُس نے مکروہ طریقہ اختیار کیا مگر فرض ادا ہوجائیگا دنیا میں ایک تہذیب عام طور پر مروج ہے کہ انسان کسی مجلس میں داخل ہوتے یا خارج ہوتے وقت اہل مجلس کو سلام کرتا ہے اور اُس صحیح حدیث سے کہ جس میں آپ نے صحابہ کو السلام علی اللہ کہنے سے یہ فرماکر روکا کہ ان اللہ ھو السلام۔ یہ نکلتا ہے کہ بندوں کی طرح خود خدا تعالیٰ کو سلام کرنا مناسب نہیں۔ اس بناء پر باوجود اس بات کے کہ مصلی نماز میں داخل ہوتے (یعنی تکبیر تحریمہ کہنے) کے وقت تمام دنیا سے الگ ہوکر اپنے مولاے رب العزۃ کے دربار میں داخل ہوتا ہے۔

فان من تحرم للصلوۃ کانہ غاب عن الناس فانہ لا یکلمھم ولا یکلمونہ الخ (مبسوط جلد اول صفحہ ۱۲۰ مصری) لیکن اُسوقت اُسکو سلام کرنا مناسب نہیں کیونکہ اگرچہ وہ اپنے سلام میں اُن بندوں ہی کی نیت کرلے جن کی مجلس سے نکلکر وہ خدا کے یہاں جارہا ہے مگر اسمیں شبہ نہیں کہ اُسکے اس فعل کی ہیأۃ سے ایہام سلام علی اللہ کا ضرور پیدا ہوسکتا ہے۔ البتہ اختتام نماز پر وہ جب پھر دنیا میں واپس آتا ہے تو اب مناسب ہے کہ اپنے مُنہ کے سامنے نہیں بلکہ یمین و شمال کی طرف مائل ہوکر ہر دو جانب کے فرشتوں اور نمازیوں کی نیت سے سلام کرے تاکہ اُسکی اس مجموعی ہیئت سے صاف مترشح ہوجاوے کہ وہ اب دربار احکم الحاکمین سے واپس آکر پھر اپنے ابناء جنس کی مجلس میں آملا[1]"

امام سرخسی کی تحریر سے ہمکو یہ بات ہاتھ آئی کہ تحریم سے فی الحقیقۃ شارع کی غرض اصلی یہ ہے کہ بندہ تمام دنیا سے دست بردار ہوکر (جسکی طرف رفع یدین میں بھی ایک گونہ اشارہ ہے) سارے دل سے ایک خدا کی جانب متوجہ ہو۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم قدس سرہ کی اُس تحقیق کے موافق کہ نماز مظہر حکومت ہے یوں سمجھے کہ یوم آخرت آن پہونچا۔ اور اُس مالک الملک کا دربار حکومت لگ رہا ہے اور میں بغیر کسی ترجمان کے توسط کی عرض و معروض اور استماع

[1] یہ مضمون بالاجمال مبسوط سرخسی جلد اول صفحہ ۱۲۰ مصری میں مذکور ہے ہم نے اُسکی مناسب شرح کردی ہے ۱۲ منہ

احکام اور آداب شاہانہ بجالانے کیلئے اُسکے روبرو کھڑا ہوں۔

اب تم خود غور کرو کہ جب بندہ یہ تصور رجا کر تمام دنیا سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتا ہے تو باوجود زمین کے اوپر اور آسمان کے تلے اور تمام مخلوقات کے اندر رہنے کے اُسکے واسطے آخر یہ کیونکر ممکن ہوگا کہ وہ ساری دنیا کو چھوڑ بیٹھے اور گویا ایک حیثیت سے آخرۃ میں جا براجے۔

اِس کے سمجھنے کے واسطے نہایت ضروری ہے کہ آپ اجمالاً دنیا کی اور آخرت کی اصل حقیقت اور اُن دونوں کے لب لباب پر ایک غایر نظر ڈالیں اور سمجھیں کہ خود شارع نے اِن دونوں کے حقائق کی تلخیص کسطرح کی ہے۔

سو دیکھئے کہ قرآن حکیم میں دنیا کا خلاصہ تو ان الفاظ میں کر دیا گیا (ما ھذہ الحیوۃ الدنیا الا لھو و لعب و ان الدار الاخرۃ لھی الحیوان)۔ دنیا نام نہیں ہے مگر لھو لعب کا۔ اور اصلی حیات آخرۃ ہی کی حیوۃ ہے۔ اور آخرت کا عطر اس آیت میں کھینچ لیا گیا ہے (فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون) کوئی نہیں جانتا کہ (جنت میں) اُنکے لئے کیا کچھ چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ جو کہ (اونکی) آنکھوں کیلئے ٹھنڈک ہوگی) اور یہ بدلہ ہوگا اُن اعمال کا جو اُنھوں نے کئے ہیں۔ اسی کی شرح آپ نے حدیث قدسی میں اسطرح فرمائی ہے کہ

اعددت لعبادی الصالحین فی الجنۃ ما لا عین رأت و لا اذن سمعت و لا خطر علی قلب بشر (او کما قال)	ہم نے جنت میں اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سُنیں اور نہ کسی آدم زاد کے دل پر اُسکی کیفیت کا گذر ہوا۔

یہی قرۃ عین جو کہ محققین کے نزدیک تمام نعمائے آخرت کا مغز ہے جسکی کیفیت کا خطور بھی اسوقت تک کسی بشر کے قلب پر نہیں ہوا اور جسکی طرف وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ اور فبصرک الیوم حدید۔ وغیرہ آیات میں ایماء لطیف کیا گیا ہے اُسکا ایک غیر مکمل نمونہ ان تعبد اللہ کانک تراہ کے تعمیل کرنیوالے کو

اوسوقت حاصل ہوتا ہے جبکہ وہ ہر قسم کے لہو ولعب پر لات مارکر دنیا کے احاطہ میں رہنے کے باوجود حیاۃ آخرۃ میں جا داخل ہو۔ آپ نے فرمایا کہ تمھاری دنیا کی چیزوں میں سے مجھکو تین چیزیں پسند کرائی گئی ہیں۔ نساء۔ اور طیب۔ اور (قرۃ عینی فی الصلوۃ) میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے اس سے ظاہر ہوگیا کہ نمازی نماز میں اُسی خاص قسم کی لذت اُٹھانے کیلئے جاتا ہی جو جنتی آخرۃ میں انتہائے مدارج پر پہونچکر اُٹھائیں گے تو ناچار اُسکے لئے ضروری ہے کہ مصلے پر جانے کے وقت اس خیال سے کہ عرض ومعروض وغیرہ میں کسی قسم کا سوء ادب نہ ہو جائے اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کا نقشہ اپنے دل میں کھینچے۔ اور اُسکے جلال وجبروت کے تصور میں ساری دنیا سے بیخبر ہو جائے۔

اور ایک اللہ کا نام پاک لیکر تمام دنیا کی چیزوں کو لہو ولعب میں مشغول پڑا چھوڑ دے[۵] کما قال اللہ عزوجل لنبیہ الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لطافت اجتہاد کے قربان جائے کہ اُنھوں نے بروایت حسن بن زیاد یہ بھی تصریح کردی کہ اگر کوئی شخص فقط اللہ کہکر نماز میں داخل ہو جائے تو گو اُس نے طریق متوارث کے خلاف ورزی کی لیکن نماز ہو جائیگی۔ یہاں پہنچکر امام محمد رح نے بھی امام صاحب کا ساتھ چھوڑ دیا لیکن امام صاحب جنکا رتبہ حقایق شناسی میں بہت ہی بلند ہے وہ کہاں رک سکتے تھے۔ اُنکی نظر شارع کے اصل مقصد پر تھی اور وہ کیسکی موافقت یا مخالفت کی کیا پرواہ کرسکتے تھے۔

یہاں ایک اور نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ فقط اللہ کہکر نماز کا شروع کرنا اُس شخص کی حالت پر زیادہ چسپاں ہوگا جو سب چیزوں سے حتی کہ اپنے نفس سے بھی گزر کر بالکل توحید ذاتی میں مستغرق ہو جائے اور اُسکی حالت یہ ہو کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب بالنوافل کے بارہ میں فرمائی ہے کہ حتی صار العبد بی یبصر وبی یسمع وبی یبطش (اوکما قال)

---

[۵] وہذا علی مذاق ما فسر الغزالی ہذہ الآیۃ فی الاحیاء ۱۲ منہ

اور ایسی حالت استغراق عموماً نوافل میں اور شاذ و نادر فرائض میں حاصل ہوتی ہے۔ تو احتمال ہے کہ شاید مسند امام احمد کی یہ روایت عن عمرؓ انہ کان لایکبر اذا صلی وحدہ[1] اور ابن عبد البر کی یہ حدیث عن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابزیٰ عن ابیہ قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یتم التکبیر وصلیت مع عمر بن عبد العزیز فلم یتم التکبیر۔[1] اسپر محمول ہو کہ گاہ بگاہ لفظ اللہ اکبر پورا نہیں کہتے تھے۔ لیکن یہ محض احتمال ہے جسکی تائید کسی اور روایت سے نہیں ہوتی واللہ اعلم بالصواب فی ہذا الباب و فی کل باب۔ قال اللہ تعالیٰ۔ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ربنا لاتؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا۔

الراقم

شبیر احمد عثمانی۔ عفا اللہ عنہ

دار العلوم دیوبند

---

[1] ۲۵ = کتاب بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد لابن رشد جلد اول صفحہ ۹۶ مصری۔ [2] قال ابن امیر الحاج فی شرح التحریر روی ہشام عن محمد بن الحسن قال سمعت ابا حنیفہ رح یقول ان اسم اللہ الاعظم ہو اللہ وبہ قال الطحاوی وکثیر من العلماء واکثر العارفین حتی انہ لاذکر عندہم لصاحب مقام فوق الذکر بہ (التقریر والتحبیر صفحہ ۵ جلد اول مصری)

لسان العصر سید اکبر حسین صاحب پنشنر جج کے اشعار جو آپ نے ہزآنر لفٹنٹ گورنر بہادر کے دارالعلوم دیوبند میں تشریف لانے کے متعلق لکھکر جناب مہتمم صاحب دارالعلوم کے پاس بھیجی ہیں

ہزآنر حضرتِ مسٹن نے بیحد مہربانی کی — ہماری ہی زباں میں آپ نے گوہرفشانی کی
ثنائے عالمانِ دیوبند اس طرح فرمائی — ہوئی روح اُس سے شاداں مدرسے کے نیک بانی کی
یہ فرمایا کہ خالص مذہبی تعلیم ہوتی ہے — نہیں ہے فکر کچھ پولیٹکل ریشہ دوانی کی
طریق النسب یہی ہے ایسے دارالعلوم عالی کو — ہوا اُنکی لگ نہیں سکتی ہے اسکو بدگمانی کی
حیاتِ چندروزہ ہی کی فکر اِس وقت ہے سبکو — بہت کم فکر رکھتے ہیں حیاتِ جاودانی کی
فقط لذاتِ جسمانی کا شیدا یہ زمانہ ہے — خبر ان کو نہیں ہے روح کے رازِ نہانی کی
ضروری ہے کہ پیدا ہوں یہاں ذی علم ایسے ہی — کہ جو کچھ روشنی پھیلائیں عقبیٰ کے معانی کی
دلی راحت مسلمانوں نے اس ارشاد سے پائی — دوا اُن کو میسر آئی دینی ناتوانی کی
ہزآنر کی ادائے شکر میں سب دل سے ہیں شامل — زبانیں دے رہی ہیں داد اُنکی حق بیانی کی
یہ گو مشکل ہے حاکم کو کہ وہ درویش بن جائے — بہت دشوار پیچیدہ ہے منزل حکمرانی کی

مگر ہے صاف ظاہر حامی مذہب ہیں ہزآنر
حقیقت منکشف اُن پر بھی ہے دنیائے فانی کی

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو القاسم نمبر ۹ جلد ۲)

کی کمان اُن کی سپرد نہ رہتی۔ حالانکہ روایات سے ثابت ہے کہ جسطرح حضرت عمرو بن العاص شرجبیل بن حسنہ یزید بن ابی سفیان وغیرہ علیحدہ علیحدہ جیوش کے مستقل سپہ سالار تھے۔ اسی طرح حضرت خالد بھی ایک مستقل جیش کے امیر عسکر تھے۔ فتح بیت المقدس کے وقت جب فاروق اعظم خود تشریف لے گئے۔ اور یہ حکم دیا کہ امراء عساکر ہم سے بمقام جابیہ ملاقات کریں تو منجملہ امراء عساکر حضرت خالد بھی تھے اور حضرت خالد کی قیادت عامہ کی ابتداء معرکہ یرموک میں بھی عین اُس روز ہوئی جبکہ تمام عساکر اسلامیہ نے مجتمع ہوکر رومی عساکر پر حملہ کرکے اُن کو خندقوں سے نکالنا چاہا تھا۔ ابھی تک اُن کی قیادت عامہ تسلیم ہی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ تجویز یہ ہوئی تھی کہ باری باری ہر امیر عسکر قاید عام بنایا جائے۔ پھر جبکہ بارگاہ خلافت سے اُن کی قیادۃ عامہ کی بابت کوئی حکم صادر نہیں ہوا تھا۔ امراء عساکر نے ابھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ تجویز میں کوئی خصوصیت حضرت خالد کی نہ تھی۔ تھی تو صرف اسقدر کہ اوّل دن کل افواج کی کمان اُن کے ہاتھ میں دیدی گئی۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اُس غیر تسلیم قیادۃ عامہ کی خبر مدینہ منورہ پھونچ بھی جاتی۔ اور وہاں سے عین معرکہ میں اُن کے عزل کا حکم بھی صادر ہوجاتا۔ ہاں یہ بات بالکل ممکن اور قرین قیاس ہے کہ معرکہ یرموک میں گو یہ تجویز ہوئی تھی کہ ہر امیر عسکر باری باری ایک ایک دن کل افواج کی کمان کرے مگر اول ہی دن کی قیادۃ عامہ کے نتایج کو دیکھکر پھر کسی امیر عسکر نے اسکو پسند نہ کیا کہ موافق تجویز سابق کوئی دوسرا قاید عام بنایا جائے۔ اور اسطرح معرکہ یرموک اُن کے قیادۃ عامہ میں انجام کو پہونچا۔ اور اُس کے بعد دوسرے معرکوں میں بھی بحیثیت قائد عام کام کرتے رہے۔ یہانتک کہ باضابطہ بھی یہ جلیل القدر عہدہ

اُن کے لئے تسلیم ہوگیا۔ اور اول مرتبہ فاروق اعظم نے اسی قیادۂ عامہ سے اُن کو معزول فرمایا۔

یہ ایک ضمنی بحث تھی جسکو ہم نے اسوجہ سے لکھا ہے کہ روایات میں اختلاف ہے اور مورخین نے واقعات کے جمع کردینے پر کفایت کی ہے۔ ترتیب کی بابت کوئی فیصلہ نہیں دیا۔ البتہ زمانۂ حال کے مصنف علامہ رفیق بک عظیم نے اشہر مشاہیر اسلام میں اسکو ترجیح دی ہے کہ اُن کی پہلی معزولی محاصرہ دمشق کے وقت ہوئی۔ مگر وجوہ ترجیح کو تفصیل کے ساتھ اُنہوں نے بھی بیان نہیں کیا۔

اس ضمنی بحث سے فراغت کے بعد ہم اصل مدعا کی طرف عود کرتے ہیں۔

یہ بات تو کھلی ہوئی ہے کہ حضرت عمر بوجوہ چند در چند حضرت خالدؓ سے ناخوش تھے آپ کے خیال میں حضرت خالد کے اندر ایک قسم کی تعجیل بھی تھی۔ جسکے نتائج چند واقعات میں ظاہر بھی ہو چلے تھے۔ اور ساتھ ہی ایک قسم کا استقلال رائے بھی تھا۔ کہ بہت سے معاملات میں بلا انتظار حکمنامۂ خلافت اپنی مستقل رائے سے کام کر بیٹھتے تھے۔ اس ناخوشی کا علم صدیق اکبر۔ تمام صحابہ اور امراء عساکر اسلامیہ کو تھا۔ چنانچہ مثنی ابن حارثہ جو حضرت خالد کے بعد عساکر عراقیہ کے سپہ سالار اعظم تھے اور جنکے ہاتھ پر عراق کا حصہ کثیر فتح ہوکر مسلمانوں کا سکہ بیٹھا تھا۔ مدینہ منورہ صدیق اکبر کے حضور میں بدیں غرض حاضر ہوئے کہ حالات و واقعات ملک عراق و معرکہائے قتال زبانی عرض کرکے یہ درخواست کریں کہ مرتدین عرب کے اُن افراد کو جنکے صدق و اخلاص خالص و بے لوث توبہ کا ثبوت مل چکا ہے۔ اور وہ اسوجہ سے کہ صدیق اکبر نے مرتدین کے بارہ میں یہ فیصلہ فرما دیا تھا کہ عساکر اسلامیہ میں شریک کرکے دشمنانِ دین کے مقابلہ کیلئے نہ بھیجی جائیں اب تک داخل عساکر نہیں ہوئے تھے۔ معرکہائے قتال میں شرکت کی اجازت دیجائے کیونکہ تجربہ سے ثابت ہوچکا ہے کہ اُن میں جوش و حمیت اسلام کی آگ بھری ہوئی ہے اور وہ نہایت ذوق و شوق سے مجاہدین کے ساتھ ہوکر لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔ تو آپ ایسے وقت مدینہ منورہ پہونچے کہ صدیق اکبر حیوۃ کی آخر منزل طے کرکے سفر آخرت کے تہیہ میں تھے مگر اسی حالت

میں صدیق اکبر نے فاروق اعظم کو بدیں الفاظ وصیت فرمائی۔

انی لارجو ان اموت یومی ھذا فاذا مت فلا تمسین حتی تندب الناس مع المثنی ولا تشغلکم مصیبۃ عن امر دینکم و وصیۃ ربکم فقد رایتنی متوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما صنعت وما اصیب الخلق بمثلہ و اذا فتح اللہ علی اھل الشام فاردد اھل العراق الی العراق فانھم اھلہ وولاۃ امرہ واھل الجرأۃ علیھم۔

مجھے اُمید ہے کہ میری وفات آج ہی ہوگی۔ میری وفات کے بعد شام ہونے سے پہلے لوگوں کو مثنی کے ساتھ جانے کیلئے تیار کر دینا۔ کوئی مصیبت تم کو دین کے معاملات اور خداوند عالم کے احکام کی تعمیل سے مشغول نہ کرے۔ تم نے دیکھا ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کیا کیا۔ حالانکہ مخلوق پر اس سے بڑھکر کوئی مصیبت نازل نہیں ہوئی ہے۔ پھر جب خدا تعالیٰ ملک شام کو فتح کر دے تو اہل عراق کو (مراد وہ امدادی لشکر ہے جو عراق سے حضرت خالد کے زیرکمان عساکر شامیہ کی امداد کیلئے بھیجا گیا تھا) عراق میں واپس کر دینا۔ کیونکہ کفار عراق پر جری اور وہاں کے لائق وہی ہیں۔

فاروق اعظم نے صدیق اکبر کے دفن سے فراغت پاکر لوگوں کو مثنی کے لشکر میں شریک ہونے کیلئے امادہ کیا اور فرمایا۔ قد علم ابوبکر انہ یسوءنی ان اؤمر خالدا فلھذا امرنی ان ارد اصحاب خالد و ترک ذکرہ معہ

ابوبکر صدیق کو معلوم ہے کہ میں خالد کے امیر بنانے کو ناپسند کرتا ہوں۔ اسی لئے آپ نے خالد کے لشکر کو عراق واپس کر دینے کا حکم تو دیا۔ مگر خالد کا ذکر نہیں فرمایا۔

فائدہ = حضرت صدیق اکبر اپنی وفات کی خبر ان الفاظ میں دیتے ہیں۔ انی لارجو (میں امید کرتا ہوں) یہ نہیں فرماتے انی لاخشی انی لاخاف (مجھے اندیشہ ہے) اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا قلب شوق لقاء اللہ۔ و حضوری دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسقدر معمور تھا کہ ایک لحظہ بھی دار دنیا میں قیام کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ اور اُسوقت کے انتظار میں امید کی گھڑیاں گن رہے تھے۔

یہ ہے شان صدیق اکبر کی۔ اور یہی ہے مضمون حدیث شریف من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ (جو شخص خدا کی ملاقات کو (جو بعد موت حاصل ہوتی ہے) دوست رکھتا ہے خدا تعالیٰ بھی اُسکی لقار کو محبوب سمجھتا ہے) لیکن اِس حالت وجد و شوق میں کہ ایک منٹ دنیا میں رہنا گوارا نہ تھا۔ اور اس حالتِ وجد میں اپنی جسمانی تکالیف کی طرف بھی مطلق التفات نہ تھا۔ دین کی فکر اسقدر غالب تھی کہ آخر دم تک اُسی میں انہماک رہا۔ وہی فکر سب فکروں سے غالب تھا۔ مومن کی شان یہی ہونی چاہیے۔ کہ سرور و حزن۔ فراخی و تنگی۔ ترقی و تنزل۔ صحت و مرض۔ سب حالتوں میں دین کا خیال غالب رہے۔ اُسی کا استحکام پیشِ نظر رہے۔ کوئی خیال اُسپر غالب نہ آئے۔

غم دین خور کہ غم غم دین است ہمہ غمہا فروتر از دین است

حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر کی ناخوشی حضرت خالد سے ظاہر و باہر تھی۔ ایسی حالت میں اس معزولی کو بجز اُس ناخوشی کے کسی اور سبب پر محمول کرنا مشکل ہے۔ اور اسی وجہ سے مورخین اس عزل کو ثمرۂ کبیدگی سابق بتلاتے ہیں۔ اور اگر ایسا ہی ہو تو کچھ جائے اعتراض بھی نہیں کیونکہ حضرت خالد سے بعض ایسے امور ضرور سرزد ہوئے تھے۔ جن سے عام ناخوشی پھیلنے کے ساتھ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی باوجود حضرت خالد کے عذر کو تسلیم فرمانے اور اُن کو معذور سمجھنے کے عند اللہ اپنی برارت اُس فعل سے ظاہر کرنے کی نوبت آئی۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ بات ناپسندیدہ تھی۔ ہاں چونکہ حضرت خالد نے عمداً نہیں کیا تھا۔ اِس لئے وہ بھی معذور تھے اور صدیق اکبر کے نزدیک بھی وہ امور جو باعث کبیدگی فاروق اعظم تھے۔ ضرور قابل گرفت تھے چنانچہ اُن کی استقلال رائے۔ تعجیل و جرأت کو کہ اسلامی عساکر کو بلا سردار چھوڑ کر خفیہ طرح حج کر آئے۔ ناپسند فرمایا۔ اور اس طرح تنبیہ فرمائی کہ قیادۂ عامہ عراق سے معزول کر کے ایک دستہ فوج کے ہمراہ شام جانیکا حکم دیا۔

اور اگرچہ بارگاہِ صدیق اکبر سے برخلاف رائے فاروق اعظم حضرت خالد کی امارت عساکر پر برقرار رکھنے کا فیصلہ صادر ہو چکا تھا۔ اور اسوجہ سے شاید کسی کو خلجان پیدا ہو

کہ حضرت فاروق نے اُس حتمی فیصلہ کو کیسے مسترد فرما دیا۔ مگر پھر بھی یہ بات قابل اعتراض نہیں۔ اول تو صدیق اکبر و فاروق اعظم دونوں مجتہد مستقل تھے۔ اور ہر ایک کی رائے و اجتہاد کیلئے وجہ وجیہہ موجود تھی۔ زمانہ خلافت صدیقی میں۔ حضرت عمر کا درجہ وزیر اعظم کا تھا۔ اُن کا فرض تھا کہ حکمنامہ خلافت کے سامنے گردن جھکا دیں۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُنھوں نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا تھا۔ اسلئے جب وہ مستقل خلیفہ ہوئے تو اُن کو اپنے اجتہاد پر عمل کرنا ضروری ہو گیا۔ علاوہ بریں ایک حکم جو کسی وقت صادر ہوتا ہے یہ ضرور نہیں کہ ہمیشہ کیلئے باقی رہے۔ ممکن ہے کہ صدیق اکبر جنھوں نے باوجود اصرار فاروق اعظم حضرت خالد کو معزول نہیں کیا تھا کسی دوسرے وقت اُن اُمور کی بنا پر جو لوگوں کی نظر میں کھٹکتے تھے۔ یا کسی اور غایر و دقیق مصلحت کی بنا پر معزول کر دیتے مگر میرے خیال میں عزل اول کی وجہ صرف یہی ناخوشی و کبیدگی نہ تھی۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو صرف قیادۃ عامہ سے معزول کرکے بجائے اُن کے امین الامت کو مقرر نہ فرماتے۔ بلکہ اس کی تصریح فرما دیتے کہ کسی ایک دستہ کی کمان بھی اُن کی سپرد نہ کیجائے۔ ظاہر ہے کہ امین الامۃ پہلے ہی سے ایک جیش کے امیر عسکر تھے۔ اُن کا تقرر امارت عسکر پر اب جدید نہ تھا۔ جو یوں خیال کیا جاتا۔ کہ حضرت خالد کے دستہ کی امارت اُن کو دی گئی ہے۔ بلکہ اُن کو قایم کرنے کے یہ معنی تھے کہ قیادۃ عامہ جو حسب تسلیم امراء اجناد و تسلیم خلیفہ ارشد اُن کے سپرد ہے وہ اُن سے لیکر امین الامۃ کو دیجائے اور جب امارت عسکر پر وہ قایم رکھی گئی تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ فقط اس ناخوشی کی بنا پر معزول کی گئی۔ کیونکہ وہ امور تو ایسے نہیں تھے کہ اُن کے بعد کسی قسم کی افسری پر وہ قایم رہ سکتے۔ زمانہ صدیق اکبر میں تو اُن اُمور کی وجہ سے اُن کی کلیتاً ہر قسم کی افسری سے معزول کرنے کا اصرار فرمائیں اور اب امارت عسکر پر قایم رکھیں فاروق اعظم جیسے شدید فی امر اللہ سے تو ایسی مداہنت کی توقع کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔ اور یہ خیال کہ آپ نے تو اُن کو مطلقاً معزول فرما دیا تھا۔ مگر امین الامۃ نے ایک جیش کی کمان اُن کے ہاتھ میں دیدی کسی طرح قابل تسلیم نہیں وہ زمانہ ایسا نہ تھا کہ صحابہ خلیفہ راشد کے حکم کو معمولی سلاطین کا حکم سمجھکر اُس کے خلاف کچھ

جائز سمجھتے۔ حالانکہ سلاطین دنیا کے احکام کے خلاف بھی کوئی نہیں کرسکتا۔ اور جب یہ بات ہے تو ہر مسلمان کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ معزولی کی وجہ فقط وہی سابق امور نہ تھے ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُن کا اثر اور دخل اس معزولی میں ضرور تھا۔ لیکن اِسکے ساتھ وہ پہلو بھی جو حضرت صدیق اکبر کے پیش نظر تھا۔ اور حضرت عمر کے بار بار اصرار کے بھی عزل سے مانع تھا متمثل ہوکر سامنے آگیا تھا۔ یعنی ادھر تو حضرت خالد کے ہاتھ سے فتوحات عراق کی بنیاد مستحکم ہوچکی تھی ادھر شام کے عظیم ترین معرکوں کا انجام اُنھیں کی تدابیر حرب وجان بازی کا نتیجہ تھا۔ بڑے بڑے شہر وقلعہ اہم مقامات اونھیں کے ہاتھ سے فتح ہوئے تھے۔

حضرت عمر نے جہاں اُن کی عظیم الشان فتوحات اور نمایاں کارنامے ملاحظہ فرمائے اُس کے ساتھ ہی آپ کو یہ بھی احساس ہوا کہ مسلمانوں کے قلوب میں اُن کی عظمت وعزت اِسدرجہ بڑھ گئی ہے کہ اِن تمام فتوحات اور اسلام کی بسرعت تمام ترقیات کو حضرت خالد کی جد و جہد اُن کی تدبیر و فراست۔ شجاعت و بسالت کا نتیجہ سمجھنے لگے ہیں جس سے آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ خواص افراد وجلیل القدر صحابہ پر تو کچھ اثر ہونا مستبعد ہے۔ مگر عوام اُدر بالخصوص جدید الاسلام افراد اور اسی طرح قرون مابعد میں اگر یہ خلجان پھیلکر راسخ ہوگیا۔ تو خداوند عالم کے فضل ورحمت پر سے نظر اُٹھکر اسلام کے سارے کرشمے اور اُسکے تمام نمایاں آثار و برکات انسانی تدابیر پر منحصر ہوجائیں گے۔ اور یہ سخت رخنہ ہوگا جو ایکطرف تو مسلمانوں کے اصلی عقیدہ کو کہ "سوا خداوند عالم کوئی دوسرا کارساز نہیں ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے اُسی کے حکم سے تدبیر کے موافق ہوتا ہے۔ تدابیر کی یہہ تاثیرات نہیں ہیں۔ تدابیر ایک ذریعہ اور بہانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں" بدل دیگا۔ ادھر جب مسلمانوں کے خیالات فاسد ہونگے تو خدا تعالیٰ کی رحمت بھی اُن کی طرف متوجہ نہ رہیگی اور اسلام کا یہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ نہ اسلام رہے گا۔ نہ مسلمان۔ اور نہ پھر فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوگا نہ ظہور دین کا غلبہ بلکہ یہی حالت رہی تو جو ممالک فتح ہوئے ہیں وہ بھی نکل جائیں گے۔

اِس امر کا احساس ہوتی ہی۔ آپ کو مسلمانوں کے سنبھالنے۔ فسادِ عقیدہ۔ اور ترک توکل و اعتماد علی اللہ سے بچانے اسلام کو تھامنے کی فکر ہوگئی۔ آپ کے متوکل دل نے جسمیں فراست ایمانی کے ساتھ نصح و ہمدردی خلق خدا کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اور آپ کے عزم راسخ اور ہمت بلند کے آگے دشوار کام بھی سہل ہوجاتے تھے۔ خدا تعالیٰ کے کام میں آپ کو لوم لائم وطعن طاعن کی ذرہ بھر پرواہ نہ تھی یہ ٹھان لی کہ اس کا علاج بجز اسکے کچھ نہیں کہ اُن کو قیادۃ عامہ کے منصب سے معزول کرکے محض قیادۃ کے جیوش کی صورت میں رکھا جائے۔ قیادۃ عامہ کی صورت میں جو فتح ہوتی تھی۔ یا اسلام کی ترقی و استحکام کا جو کام بھی ہوتا تھا وہ صرف اُنہیں کے نامزد ہوتا تھا۔ قیادۃ جیش کی حالت میں اگر اُن کے نامزد ہوگا بھی تو وہ ہی کام جو اُن کے دستۂ فوج سے خاص اُن کے ہاتھ کسی مخصوص صورت میں صادر ہو۔ آپ کو اس جانب سے اطمینان کلی تھا کہ مسلمانوں میں کے خواص تو کیا عوام افراد بھی ایسے نہیں کہ احکام خلافت کی تسلیم میں کچھ چون و چرا کو دخل دینگے۔ اُن کو حضرت خالد سے کیسی ہی محبت ہو۔ اُن کی عظمت دلوں میں کیسی ہی کچھ کیوں نہو۔ اسلام کی فتوحات کو اُن کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ کیوں نہ سمجھتے ہوں۔ مگر حکم کی تسلیم میں اور وہ بھی برضا و تسلیم میں کسی کو تردد نہو گا۔ اس لئے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی سب سے پہلے حضرت خالد کی معزولی کا حکم صادر فرمایا۔ جو بلا انکار و تردد تسلیم کرلیا گیا۔ کسی کے دل میں بمقتضاء عظمت خالدی یا عدم علم حکمت عزل کھٹکا ہو مگر کچھ چرچا نہوا۔ عام طور پر اس عزل کا سبب وہی اُمور سمجھے گئے جو باعث ناخوشی فاروق اعظم تھے۔ مگر درحقیقت یہ بات نہ تھی اور اگر حقیقتاً یہہ بات ہوتی تو جو شخص ایسے امور میں متہم ہو وہ قیادۃ جیوش کے قابل کیونکر ہوسکتا تھا۔ حقیقتاً تو وہی خیال تھا کہ عام قلوب میں اُن کی عظمت خارج از اعتدال خدا تعالیٰ کی رحمت و فضل سے محرومی کا سبب نہ بن جائے۔ مگر چونکہ عام قلوب میں اس خیال کی ابھی ابتدا ہی تھی اسلئے آپ نے اسیقدر کو کافی سمجھا کہ قیادۃ عامہ سے معزول کرکے قیادۃ جیوش پر قایم رکھا اور اُمور سابقہ کی بنا پر بھی جسقدر احتیاط مناسب تھی اُسکے لئے بھی اُسقدر انتظام کو کافی خیال فرمایا۔

اور چونکہ اس حکم میں دونوں پہلو ملحوظ نظر تھے اسلئے آپ نے عام مخاطبین کے خیال سے تو وجہ عزل اُسی ناخوشی کو بیان فرمایا۔ لیکن خواص کی تسلی واطمینان اور حضرت خالد کو تہمت وسوء ظن سے بچانے کیلئے اصلی وحقیقی وجہ کو واشگاف کرکے بیان فرمایا۔

ہم اول بیان کرچکے ہیں کہ ایک چیز کے کئی سبب ہوسکتے ہیں۔ یہاں بھی ایک سبب ظاہری تھا۔ اور ایک حقیقی۔ دونوں کو بجائے خود عزل میں دخل تھا۔ مگر حقیقی سبب امر آخر تھا۔ دیکھئے مثنیٰ ابن حارثہ قائد عام عراق بھی معزول کئے گئے۔ مگر اتنا فرق ضرور تھا کہ عام قلوب میں اُنکا وہ اثر نہ تھا۔ جو حضرت خالد کا۔ نہ سلسلۂ فتوحات اُن کے ہاتوں سے اسقدر قایم ہوا تھا جسقدر اُن کے ہاتھ سے۔ اس لئے آپ کو اُن کے عزل کیلئے کسی سبب ظاہری کے بیان کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔ ہاں اُن کو اتہام اور سوء ظن سے محفوظ رکھنے کیلئے یا اُن کی دل شکنی کو رفع کرنے کیلئے جو ممکن ہے کہ عزل سے پیدا ہوئی ہو اصلی اور حقیقی وجہ کو بیان فرمادیا۔

اس ہمارے بیان سے معزولی اول کی اصلی وجہ۔ حضرت عمر کے بیانات کا تطابق بخوبی معلوم ہوگیا۔ ہمیں امید ہے کہ اسکے بعد کسی ذی عقل وفہیم کو نہ حضرت عمر کے اختلاف بیان میں خلجان رہے گا۔ نہ اصلی اور ظاہری اسباب کے جمع کرنے میں دقت پیش آئیگی۔ نہ حضرت خالد کو کسی معاملہ میں قابل اعتراض سمجھنے کی جرأت ہوسکے گی۔ یہانتک تو معزولی اول کا بیان تھا۔ اب دوسری معزولی کے متعلق سنئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصلاح خیالات اور احتیاط ظاہری کیلئے اُن کو قیادہ عام سے معزول کردینا کافی خیال فرمایا۔ مگر حضرت خالد کی حُسن تدبیر فطرۃ بلند ایسی واقع نہ ہوئی تھی کہ اس حالت میں بھی اُن کی برتری سے کوئی انکار کرسکتا۔ اُنھوں نے ایک جیش کی افسری میں بھی اپنے آپ کو قائد عام ثابت کردیا۔ امین الامۃ قائد عام تھے۔ مگر حضرت خالد کی خدمات نے آپ کا اعتماد واطمینان اسدرجہ بڑھادیا تھا کہ سب کام اُنھیں کی رائے سے ہوتے تھے اور گویا حقیقتاً سپہ سالار اعظم حضرت خالد ہی تھے۔

باقی آیندہ

الاحادیث الموضوعہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں۔

ثم قال ابو عمر بعد ذلك الصحيح في هذا الباب ان من ثبتت عدالته وصحت في العلم امامته وبالعلم عنايته لم يلتفت الى قول احد الا ان ياتي في جرحه ببينة عادلة تصح بها جرحته على طريق الشهادات واستدل بان السلف تكلم بعضهم في بعض بكلام منه ما حمل عليه التعصب او الحسد ومنه ما دعا اليه التاويل واختلاف الاجتهاد مما لا يلزم المقول فيه ما قال القائل فيه وقد حمل بعضهم على بعض بالسيف تاويلا واجتهادا

ابو عمر اسکے بعد فرماتے ہیں کہ اس بارہ میں صحیح یہی ہے کہ جسکی عدالت اور امامت فی العلم اور علم سے اشتغال کامل ثابت ہو جاوے تو کسی کی جرح اُسکے حق میں نہ مانی جاوے جب تک اپنی جرح کو ایسی دلیل قابل قبول سے ثابت نہ کردے جس سے اُسکی جرح شرائط شہادت کے موافق صحیح ہو اور اپنی اس رائے پر اس سے استشہاد کیا ہے کہ اسلاف میں بھی ایک نے دوسرے پر ایسی جرح کی ہے جسکا سبب تعصب یا حسد ہوا کرتا تھا اور کسیکا سبب تاویل یا اختلاف مذہب بھی ہو جاتا تھا اور یہ ایسی باتیں تھیں کہ جنکے حق میں کی جاتی تھیں اُنمیں اُنکا ہونا ضروری ہی نہ تھا اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ بعض نے بعض پر تلوار تک کسی تاویل یا اجتہاد کی وجہ سے اُٹھائی ہے

ان عبارتوں پر سرسری مگر معنی فہم نظر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس امر کا لحاظ کئے بغیر چارہ نہیں کہ اگر وہ مسئلہ جسکے اعتبار سے جرح کیجاتی ہے مجتہد فیہ ہے تو جرح ناقابل اعتبار ہوگی۔

اس مختصر سی گذارش سے جس طرح تصحیح احادیث کے مختلف دور آپ کی نظر سے گذر چکے ہونگے اسیطرح بعض اور ضروری فوائد بھی بشرط فہم سلیم حاصل ہو گئے ہونگے اب ہم پھر اپنے مقصد کیطرف رجوع کرتے ہیں۔

احادیث موضوعہ کے وضعین کی نیت کا قطعی علم تو علام الغیوب کو ہے مگر اسمیں شک نہیں کہ صراط مستقیم کی اصلی وقعت بغیر اسکے باقی نہ رہ سکتی تھی کہ خداوندی احکام انسانی آمیزش سے بالکل پاک وصاف رہیں جب تک یہ تمیز باقی ہے مذہب اور حق حق سمجھا جاتا ہے اور جب یہ امتیاز اُٹھ جاتا ہے تو اپنے صحیح معنی میں نہ مذہب کو مذہب کہہ سکتے ہیں نہ وہ حق حق کہلائے جانیکا مستحق رہتا ہے یہی وجہ تھی کہ سلف صالحین رحمہم اللہ نے مسلمانوں کو سیدھے راستہ پر چلانے کی غرض سے احادیث موضوعہ کو بھی حفظ واشاعت کے درجہ میں کچھ کم حصہ نہیں دیا اور اپنی عمروں کا جمع کیا ہوا ذخیرہ ہماری سپرد کر گئے تاکہ بعد کی نسلیں ہر اُس جملہ کی جسکو حدیث کہا جاتا ہے جانچ کر سکیں کہ یہ موضوع ہے یا نہیں۔

اسی ضمن میں اگر احادیث موضوعہ کی تفصیل ہم علامہ سیوطی ہی کے الفاظ میں نقل کردیں تو غالباً فائدہ سے خالی نہوگا۔ علامہ موصوف احادیث موضوعہ کے موجدین کی تقسیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الخامس قوم تعمدوا الکذب ثم انقسم هولاء ثلثة اقسام الاول قوم رووا الخطاء من غیر ان یعلموا انه خطأ فلما عرفوا الصواب وایقنوا به اصروا على الخطأ انفة ان ینسبوا الى الغلط الثانی قوم رووا عن کذابین وضعفاء وهم یعلمون فدلسوا اسمائهم

قسم خامس! وہ لوگ ہیں جنھوں نے قصداً جھوٹ بولا۔ یہ لوگ تین طرح کے ہوتے تھے۔ پہلی قسم تو یہ تھی کہ بعض لوگوں نے غلطی سے بے سمجھے بوجھے کسی جملہ کو حدیث کہدیا۔ بعدازاں جب خبر ہوئی (بجائے اسکے کہ غلطی کا اقرار کرتے) اُسی پچھلی غلط بات کی صحت پر جم گئے اسوجہ سے کہ مبادا ہمکو لوگ خاطی کہنے لگیں۔ دوسری قسم میں وہ لوگ تھے جنھوں نے جان بوجھکر کذاب اور ساقط الاعتبار

وهم في مرتبة الكذابين
لما قد صح عن النبي صلعم انه قال
من روى عني حديثا يرى انه
كذب فهو احد الكذابين وفي
هذا القسم قوم رووا عن قوم
ما رأوهم وحدث محمد بن
حاتم الكشي عن عبد بن حميد
فقال ابو عبد الله الحاكم هذا الشيخ
سمع من عبد بن حميد بعد موته
بثلاثة عشر سنة الثالث قوم تعمدوا
الكذب لا لانهم اخطأوا ولا لانهم
رووا عن كذاب فهولاء
تارة يكذبون في الاسناد
فيروون عمن لم يسمعوا منه وتارة
يسرقون الاحاديث
التي يرويها غير
هم وتارة يضعون احاديث
وهؤلاء الوضاعون انقسموا
ثمانية اقسام الاول
الزنادقة فقصدوا

اشخاص سے حدیث کی روایت کی بعد ازاں اُنکے ناموں
کو چھپایا یہ لوگ بھی کذابین سے کسیطرح کم نہیں۔ اسلئے کہ نبی
علیہ السلام نے فرما دیا ہے کہ جو شخص یہ جانکر کہ یہ
میرا قول نہیں ہے کسی قول کو میری طرف منسوب
کرے وہ خود بھی کذابین میں کا ایک ہے۔
اسی قسم میں وہ لوگ داخل ہیں جنہوں نے اُن
لوگوں سے حدیث کی روایت کی (جنسے سُننا
اور اجازت حاصل کرنا تو درکنار دیکھا تک نہیں۔ محمد
بن حاتم کشی نے عبد بن حمید کے واسطہ سے حدیث
کی روایت کی اسپر ابو عبد اللہ حاکم نے (اس روایت
کے تضعیف کی غرض سے) کہا کہ ان بزرگوار (محمد
بن حاتم کشی) نے اس حدیث کو عبد بن حمید کی
وفات سے تیرہ برس بعد انسے سُنا ہے۔
تیسری قسم میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے قصدًا
جھوٹ بولا نہ اسوجہ سے کہ پہلے غلطی کر چکے تھے نہ
اسوجہ سے کہ کسی کذاب سے روایت کی تھی یہ لوگ
کبھی اسناد میں جھوٹ بولتے تھے یعنی اُن لوگوں سے
روایت ظاہر کرتے جنسے سُنا ہی نہیں اور کبھی اُس
حدیث کا سرقہ[1] کرتے تھے جسکو اوروں نے روایت کیا
ہے اور کبھی کبھی اپنی طرف سے تراش لیتے تھے۔

[1] سرقہ فی الحدیث محدثین کی اصطلاح ہے اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی شخص کے پاس ایک سند صحیح ہے
اب وہ دوسروں کی روایت کردہ حدیث کو اُسی سند کے ساتھ بیان کرتا ہے حالانکہ اُس
سند سے اُس نے وہ حدیث سُنی ہی نہیں ۱۲ منہ

افساد الشريعة وايقاع الشك
فيها في قلوب العباد والتلاعب
بالدين قال ابن عدي لما اخذ
ابن ابي العوجاء اتي به محمد
بن سليمان بن علي فامر بضرب
عنقه فقال والله لقد
وضعت فيكم اربعة الاف
حديث احرم فيها الحلال و
احل فيها الحرام وعن جعفر
بن سليمان قال سمعت
المهدي يقول اقر عندي
رجل من الزنادقة انه
وضع اربعمائة حديث
فهي تجول في ايدي الناس
الثاني قوم كانوا يقصدون
وضع الحديث نصرة
لمذاهبهم عن عبد الله بن
يزيد المقرئ قال رجع واحد
من اهل البدعة عن
بدعته فجعل يقول انظروا
هذا الحديث عمن تاخذونه
فانا كنا اذا رأينا رأيا
جعلنا له حديثا الثالث

ان وضاعوں کی آٹھ قسمیں ہیں - اول تو زندیقوں کا گروہ - انکا تو قصد یہ تھا کہ اس قسم کی احادیث کی اشاعت کرکے دین کو فاسد اور اُسکی طرف سے مسلمانوں کے دلوں میں شک ڈالکر رخنہ اندازی کریں اور اسلام کو کھیل بنا دیں - ابن عدی کہتے ہیں کہ جب ابن ابی العوجاء (نام ہے واضع حدیث کا) پکڑکر محمد بن سلیمان بن علی کے پاس لایا گیا اور محمد بن سلیمان نے اُسکی گردن مار دینے کا حکم دیا تو اُسنے کہا کہ خدا کی قسم میں نے تم مسلمانوں میں چار ہزار حدیثیں ایسی پھیلا دی ہیں کہ اُن سے حلال کا حرام ہونا اور حرام کا حلال ہونا ثابت ہوتا ہے جعفر بن سلیمان فرماتے ہیں کہ میں نے مہدی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میرے سامنے زندیقوں کے ایک شخص نے اسکا اقرار کیا کہ وہ ایسی چار سو حدیثوں کو مسلمانوں میں شائع کرچکا ہے جو فی الحقیقت موضوع تھیں

ان کی دوسری قسم میں وہ لوگ تھے جو اپنے مذہب کی تائید کی غرض سے حدیثیں تراش لیا کرتے تھے عبداللہ بن یزید مقری فرماتے ہیں کہ بدعتیوں میں سے ایک شخص نے اپنے طریقہ سے رجوع کیا بعد میں وہ کہا کرتا تھا کہ حدیثوں کو ذرا دیکھ بھالکر قبول کیا کرو کہ کیسے آدمی سے اُسکو قبول کررہے ہو اسواسطے کہ ہم لوگ جب کسی رائے پر متفق ہوجایا کرتے تھے تو اُسکے لئے حدیث تراش لیا کرتے تھے - (باقی آیندہ)

مبدأ و معاد

جو خط آپ نے خواجہ محمد طاہر کے ہاتھ بھیجا تھا پہنچا رابطہ کا حاصل ہونا زمانہ غیبت و بعد میں بڑی نعمت ہے کہ مناسبت تامہ پر مبنی ہے جب تک موانع مرتفع نہ ہوں قرب قلوب کے ساتھ اکتفا فرماویں اور باوجود اس قرب کے قرب ابدان کے متمنی رہیں کہ حصول کمال نعمت اس قرب پر مترتب ہے اویس قرنی کو باوجود قرب قلوب کے چونکہ قرب ابدان حاصل نہ ہوا اُس جماعت کے ادنی مرتبہ کو بھی نہ پہنچے جنکو قرب ابدان حاصل تھا یعنی ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کی برابر نہ ہوئے اور اُن کا پہاڑ کی برابر سونا خرچ کرنا صحابہ کے ایک مُد جَو کے خرچ کرنے کی برابر نہ ہوا الحاصل صحبت کی برابر کوئی چیز نہیں والسلام۔

نیز مکتوب دوسو چھبیس میں فرماتے ہیں نحمدہ و نصلی علی نبیہ و نسلم علیہ و علیٰ الہ الکرام مراسلات شریفہ پے درپے پہونچے طالبانِ طریقت کی سرگرمی اور اور حصول التذاذ و جمعیت کا حال معلوم ہو کر نہایت خوشی حاصل ہوئی واضح ہو کہ اس طریق میں چونکہ اندراج نہایت در بدایت ہے یعنی ابتداء طلب میں مرشد کامل کے فیض اثر سے انتہاء کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اسوجہ سے اسطریق کے مبتدیوں کو ابتداء میں وہ احوال حاصل ہوتے ہیں کہ مشابہ ہیں منتہیوں کے احوال سے اور اُن میں فرق وہی سمجھ سکتا ہے جو عارف کامل ہو اور حدت نظر رکھتا ہو الغرض جب یہ امر معلوم ہوا تو مناسب بلکہ ضروری ہے کہ احوال مذکورہ کے حصول پر مریدیں کو اجازت تعلیم طریقت کی نہ دیں (احقر کہتا ہے کہ غرض یہ ہے کہ جب یہ محقق ہوا کہ اس طریق میں مبتدیوں کو وہ احوال حاصل ہوتے ہیں جو شبیہ ہیں منتہیوں کے کمالات سے تو محض اُن احوال کے حصول پر مبتدیوں کو منتہی خیال فرماکر اجازت تعلیم طریقت

نہ دیں کہ درحقیقت وہ کمالات ابھی اُن کے اندر مستقر اور جاگزیں نہیں ہوئے وہ کمالات صرف بطریق انعکاس اُنمیں ظاہر ہوئے ہیں) کہ اس صورت میں یعنی اُن کو اجازت تعلیم طریقت دینے میں ضرر اُن مبتدیان صاحب احوال کا اُن لوگوں کے ضرر سے زیادہ ہے جو اُن سے استفادہ کریں احتمال ہے کہ خیال حصول کمال اُن کو ترقیات سے روکے اور ہو سکتا ہے کہ حصول جاہ وریاست جو لوازم مقام ارشاد و مشیخت سے ہے اُن کو فتنہ میں ڈالے کیونکہ نفس امارہ اُن کا ابھی اپنے کفر و انکار پر ہے اُسکا تزکیہ ابھی تک نہیں ہوا ہے خیر جو ہوا سو ہوا جن لوگوں کو آپ نے بحالت مذکورہ اجازت دی ہے اُن کو نرمی سے سمجھا دیں کہ اس قسم کی اجازت کمال پر مبنی نہیں ہے ابھی بہت سے کام درپیش ہیں یہ احوال کہ ابتدا میں حاصل ہوئے ہیں از قبیل اندراج نہایت در بدایت ہیں الحاصل اُن کو مناسب نصیحتیں کریں اور اُن کے نقصان پر اُن کو مطلع کر دیں اور چونکہ اُن کو اجازت دیدی گئی ہے تو اب اُن کو تعلیم طریقت سے منع نہ کریں شاید آپ کی توجہات کی برکت سے وہ مقام ارشاد حقیقی پر پہنچ جاویں دوسرے یہ ہے کہ جب کہ آپ نے اس کار عظیم الشان کو مشروع کر دیا ہے اللہ تعالے برکت عطا فرماوے اہتمام اور سعی اسمیں فرماویں اور ہمت فرماویں کہ طالبوں کی زیادہ سرگرمی کا باعث ہو والسلام نیز مکتوب دوسو چھبیس جلد اول میں اپنے برادر حقیقی شیخ محمد مودود کو ارقام فرماتے ہیں فرصت زندگی نہایت کم اور عذاب ابدی اُسپر مرتب ہے افسوس کہ انسان اس فرصت اندک کو امور لاطائل کے حاصل کرنے میں صرف کرے اور عذاب ہائے دائمی میں گرفتار ہو برادرم مردم اطراف و جوانب سے ترک اسباب دنیوی کرکے مور و ملخ کی طرح یہاں آتے ہیں اور تم گھر کی نعمت کی قدر نہ کرکے دنیاء دنیہ کے طلب میں سرگرداں ہو اور اُسکے حصول کے مشتاق و جویاں افسوس صد افسوس الحیاء شعبۃ من الایمان حیا ایمان کی شاخ ہے حدیث نبوی ہے علیہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا برادرم اہل اسلام اس قسم کا اجتماع اور ایسے واسطے کی جمعیت جو آج سرہند میں میسر ہے

اگر گرد عالم کے پھرو تو معلوم نہیں ہوتا کہ اس دولت کا دسواں حصہ بھی کہیں پاؤ اور یہ نعمت حاصل کرو تم نے اس دولت کو مفت ہاتھ سے کھویا اور نفیس موتیوں کے بدلے لڑکوں کی طرح جوز و مویز پر اکتفا کیا ہے شرمت بادا ہزار شرمت بادا ❊ اے برادر دوسرے وقت تک شاید فرصت نہ دیں اور اگر دیں ممکن ہے کہ یہ اجتماع باقی نہ رکھیں اُس وقت علاج کیا ہے اور تدارک و تلافی کی کیا صورت ہے تم سخت غلطی پر ہو اور خطار کر رہے ہو چکنے اور شیریں لقموں پر مفتون نہ ہو اور لباس نفیس و مزین پر فریفتہ نہ ہو اس کا نتیجہ سوا حسرت و ندامت کے دنیا اور آخرت میں کچھ نہیں ہے اہل و عیال کی رضا جوئی کی وجہ سے اپنے آپ کو بلا میں گرفتار کرنا اور عذاب اُخروی کو اختیار کرنا عقل دور اندیش سے بہت دور ہے حقتعالیٰ عقل دے اور متنبہ کرے۔ اے برادر۔ دنیا جو بیوفائی میں معروف ہے اور اہل دنیا کی دنارت اور خست مشہور ہے حیف ہو کہ عمر گراں مایہ کو بے وفا اور خسیس کے پیچھے صرف کرو و ما علی الرسول الا البلاغ۔ بر رسولاں بلاغ باشد و بس۔ والسلام۔

نیز مکتوب دو سو ستائیس میں فرماتے ہیں مکتوب شریف پہنچا فرحت کا سبب ہوا۔ دوستوں اور مریدوں کی حلاوت و التذاذ کا حال لکھا تھا خوشی پر خوشی حاصل ہوئی اے برادر حق سبحانہ و تعالیٰ نے کہ آپ کو یہ منصب ارشاد عطا فرمایا ہے اس نعمت کا شکر بروجہ اتم ادا کریں اور نگاہ رکھیں کہ ایسا کوئی امر صادر نہ ہو جو سبب نفرتِ خلائق کا ہو یہ بڑا وبال ہے خلقت کی نفرت فرقہ ملامتیہ کے حال کے مناسب ہے کہ اُن کو دعوت خلق اور شیخ مقتدا ہونے سے کچھ تعلق نہیں ہے مقام ملامت مقام شیخی کے منافی ہے مبادا اِن ہر دو مقام میں خلط کر دیں اور عین مقام شیخی میں تمنا ملامتی بننے کی کریں یہ سخت ظلم ہے مریدوں کی نظر میں باوقار و متجمل رہیں اور اختلاط و موانست مسترشدین میں حد سے زیادہ تجاوز نہ کریں کہ سبب ہلکے ہونے کا ہے اُن کی نظر میں اور یہ امر منافی افادہ اور استفادہ کے ہے۔ اور محافظت حدود شرعیہ کی پوری طرح رعایت کریں جب تک ممکن ہو رخصت شرعیہ پر عمل کرنا تجویز نہ کریں کہ منافی اس طریقہ علیہ کی ہے اور

اتباع سنت کے دعوی کے خلاف ہے ایک بزرگ نے فرمایا ہے ریاء العارفین خیر من اخلاص المریدین اہل معرفت کی ریاء مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ عارفین کی ریا طالبین کے قلوب کو حق تعالی شانہ کی بارگاہ کی طرف کھینچنے اور متوجہ کرنے کے لئے ہے پس بالضرور مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے اور نیز عارفین کے اعمال سبب ہیں مریدین کی تقلید کا کہ شیخ عارف کے اعمال کو دیکھکر وہ بھی ویسے ہی عمل کریں اگر عارفین عمل نہ کریں طالبین محروم رہیں پس اہل معرفت ریا اسوجہ سے کرتے ہیں کہ طالبین اُنکا اقتدار کریں یہ ریا عین اخلاص ہے بلکہ بہتر ہے اُس اخلاص سے جو اپنے نفع کے لئے ہو۔ اِس سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ عارفین کے اعمال محض تقلید طالبین کیلئے ہوتی ہیں اور اُن کو عمل کی کچھ ضرورت اور حاجت نہیں ہے معاذاللہ یہ خود الحاد اور بددینی اور باطل ہے عمل سے کسیکو استغنا نہیں اسبارہ میں عارفین تمام طالبین کی برابر ہیں غایت یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عارفین کے اعمال میں نفع طالبین کا بھی ملحوظ ہوتا ہے کہ وہ ان کی تقلید کریں اس اعتبار سے اُسکا نام ریا رکھا ہے حاصل کلام یہ کہ قول وفعل میں بہت احتیاط رکھیں اور اپنے ہر ایک قول وفعل کی محافظت کریں کہ اکثر آدمی اسوقت آپ کی طرف متوجہ ہیں ایسا کوئی کام واقع نہ ہو کر اِس مقام کے منافی ہوا ور جاہلوں کو اکابر پر طعن و اعتراض کا موقع ملے اللہ تعالیٰ سے استقامت طلب کریں۔

نیز مکتوب دوسو اٹھائیس میں ارقام فرماتے ہیں اے برادر تم کو مکرر کہا گیا ہے کہ مدار اس طریق کا دو اصل پر ہے ایک استقامت شریعت پر ایسی طرح کہ چھوٹے سے چھوٹے آداب شریعت کے چھوڑنے کو بھی پسند نہ کریں اور دوسری اصل قایم رہنا اور پختہ رہنا شیخ طریقت کی محبت اور اخلاص پر اُس حد تک کہ اصلاً گنجایش اعتراض کی اقوال وافعال شیخ پر نہ ہے بلکہ تمام حرکات وسکنات اُسکی زیبا اور پسندیدہ مرید کی نظر میں ہو جاویں اللہ کی پناہ کہ کسی امر میں اُن اُمور میں سے جو ان دو اصل کے ساتھ متعلق ہیں خلل واقع ہو یعنی یہ سخت اندیشناک امر ہے (باقی آیندہ)

لُبُّ المثنوی

ابتک جو شرح مثنوی شریف کی آپنے الرشید میں ملاحظہ فرمائی ہے یہ ایک مستقل رسالہ کی صورت میں جدا مرتب کر دیگئی ہے۔ اسلئے کہ اسکے مضامین عالیہ اپنے افادہ کثیرہ کے اعتبار سے بہت ہی ضروری الاشاعت ہیں اور الرشید سے تمام مسلمان متمتع نہیں ہوتے پس بنظر نفع رسانی عوام و خواص دفتر سادس بلکہ تمام مثنوی شریف کا لُب اور خلاصہ مسمّی بہ لُب المثنوی دفتر الرشید میں موجود ہی قیمت صرف ۳ر علاوہ محصولڈاک

معتمد المعید الرشید دیوبند

اشتہار

کتب ذیل دفتر القاسم و الرشید میں فروخت کیلئے موجود ہیں۔

اور جناب مولانا مولوی محمد علی صاحب مونگیری دام مجدہم نے القاسم و الرشید کی امداد کیلئے عطا فرمائی ہیں۔

پیغام محمدی یعنی جواب نیاز نامہ پادری صفدر علی صاحب و جواب عدم ضرورت قرآن پادری ٹھاکر داس صاحب جسمیں نہایت عمدگی و تحقیق سے مقدس مذہب اسلام کی ضرورت اور دین موسوی و عیسوی پر اُسکی حقیقت مولانا ممدوح نے ثابت فرمائی ہے قیمت عمہ علاوہ محصولڈاک

دفع التلبیسات مولانا ممدوح کی تصنیف ہے جسمیں پادری عماد الدین صاحب کے رسالہ تقلیعات کا جواب شافی دیکر نبوت حضرت سردار انبیا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو قوی دلائل سے ثابت کیا ہے اور انجیل مروجہ کا غیر الہامی اور بے سند ہونا اظہر من الشمس کر دیا ہے قیمت ۸ر علاوہ محصولڈاک

صحیفہ رحمانیہ مؤلفہ مولانا مولوی ابو الخیر سید محمد انوار حسین صاحب پروفیسر ڈی جی کالج مونگیر۔ اسمیں قرآن مجید سے اور نیز مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے بیان کردہ معنی کی رو سے حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات جسمانی اور رفع آسمانی کا ثبوت مدلل دیکر مرزا صاحب کی نبوت اور مسیحیت کے ثبوت کا مطالبہ کیا گیا ہے قیمت ۲ر علاوہ محصولڈاک۔

صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲ مرزا صاحب کے دعوی نبوت کو اُنہیں کے اقوال سے ثابت کر کے اُسکا ابطال اچھی طرح کر دیا ہے قیمت ۲ر علاوہ محصولڈاک۔

خاکسار سراج احمد رشیدی عفی عنہ معتمد المدیر القاسم و الرشید دار العلوم دیوبند

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

۱- یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا - بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھ جاتا ہے -

۲- یہ رسالہ اعلی قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ آٹھ آنہ (۲؍۸) پیشگی لیجاتی ہے - ممالک غیر سے صرف اُسیقدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہان کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے -

۳- جو حضرات بطور اعانت وامداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچروپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہون گے - اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی -

۴- سوائے اون صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرماچکے جملہ حضرات کی خدمت میں شروع کا (یا خریداری کا جبسے سال شروع ہوا سکا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کر کے ۲؍۹ کا ویلو روانہ ہوگا -

۵- یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمت میں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا - بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسرونکی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمائش کرتے ہیں -

۶- شعبان ۱۳۳۲ھ مطابق جولائی ۱۹۱۴ء سے اس رسالہ کا پانچواں سال شروع ہوا ہے - پہلے چار سالوں کی مکمل جلدیں موجود ہیں قیمت ہر جلد کی ۲؍۸ مع محصولڈاک ہے -

۷- نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں اُن کے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں -

۸- القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہیئے -

المشتہر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر رسالہ "القاسم" دفتر القاسم مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

(رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

محصول ع

قیمت سالانہ

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی ماہوار رسالہ

نمبر ۱۱ بابت ماہ جمادی الثانیہ ۱۳۳۳ ہجری جلد ۵

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

(اور)

مطبع قاسمی دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ جمادی الثانیہ ۱۳۳۳ھ

(مطابق ماہ مئی ۱۹۱۵ء)

جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

(اور)

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

(شائع ہوتا ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تربیۃ السالک و تنجیۃ الہالک

سوال - یہ خاکسار حافظ قرآن شریف ہے معلوم نہیں میرے سے کیا گناہ سرزد ہوا ہے کہ ہر وقت شان خدا و رسول میں دشنام خفیہ طور سے نکلتے رہتے ہیں دوسرا آدمی نہیں سنتا ہے یہ کمترین اس کے دفع کے واسطے قرآن شریف و استغفار و درود شریف و ذکر جہر و خفی کرتا رہتا ہے پھر بھی یہ حالت ہے شان اللہ و رسول میں دشنام نکلتی رہتی ہیں۔ اس واسطے عرض ہے کہ اس کے دفع کے واسطے کوئی ایسی تدبیر اللہ کے واسطے فرمائی جاوے تاکہ دارین میں میرے واسطے بہبودی ہو جاوے ورنہ میرے لئے بڑی خرابی ہے۔

الجواب وہ دشنام تم نہیں دیتے ہو بلکہ شیطان دیتا ہے جسکو تمہارا قلب سنتا ہے پس اس کا گناہ اُسی شیطان کو ہوگا تم کو کچھ اندیشہ نہ ہونا چاہئے اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی بدون تمہارے اختیار کے تمہارے کان سے منہ لگا کر بُری بُری باتیں بکنے لگے اور تمہاری ہٹانے سے نہ ہٹے تو تمکو کیا گناہ ہوگا بالکل بے فکر ہو ایک کا گناہ دوسرے پر نہیں ہوتا اور جب بے فکر ہو جاؤ گے تو یہ وسوسے خود دفع ہو جاوینگے اور فکر سے اور سوچ سے پریشانی بڑھیگی اس کا یہی علاج ہے کہ کچھ پروا اور اس کا کچھ خیال نہ کرو۔ فقط۔

سوال - حضور نے تعلیم الدین میں توجہ مرشد کو قبل از تعلیم اذکار وغیرہ زیادہ مفید فرمایا ہے

توجہ کا طریق ارشاد فرمایا جاوے اور احقر سے اگر کوئی بیعت ہو تو ہر شخص کو توجہ دینی چاہئے اور ہر شخص کو مفید ہو سکتی ہے یا فقط سخت قلب کو یا فقط خیال اس بات کا کہ مرید کو اللہ تعالیٰ مقصود پر پہونچاوے کافی ہے ضیاء القلوب میں فقط بعد بیعت کے خاص توجہ کا قاعدہ لکھا ہے روزانہ یا گاہے گاہے توجہ کا کوئی قاعدہ نہیں لکھا۔

الجواب۔ توجہ کا شغل آج کل فتنہ ہے اس طرف التفات نکیا جاوے۔

سوال سمجھدار عورتوں کو ذکر و شغل کی تعلیم کیجاوے یا نہیں۔

الجواب۔ ذکر بتلا دیا جاوے شغل نہ بتایا جاوے لیکن اگر اپنی منکوحہ یا محرم شرعی ہو تو مضائقہ نہیں۔

سوال۔ ضیاء القلوب میں کشف وقائع آیندہ و کشف قبور وغیرہ کے قواعد تحریر ہیں اور طلب کشف از جانب خود بے ادبی ہے (جیسا کہ حضور نے ایک بار فرمایا تھا) پھر کتاب موصوف کا کیا مطلب ہے

الجواب۔ قاعدہ لکھدینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُسکو پسند کیا ہو بلکہ مجھکو خیال ہوتا ہے کہ ان تصرفات میں مشغول نہونیکا بھی مشورہ دیا ہے۔

سوال۔ در ضیاء القلوب مذکور است و اگر تاریکی مثل سیاہی کاجل و گرد آن خط نورانی خفیف تر و مکدر پیدا شود آن نور نفی است اگر بسوئی او متوجہ شود البتہ نفی حاصل آید و حضور احقر را از توجہ بجانب انوار منع فرمودہ بودند پس مطلب کتاب چیست۔

الجواب۔ اگر بسوئی الخ قضیہ شرطیہ ہے اس مقدم پر یہ تالی مرتب ہوگی باقی یہ کہ مقدم قابل تحصیل ہے یا نہیں کلام اس سے ساکت ہے۔

سوال۔ ضیاء القلوب میں آداب قرآن کے بارہ میں مسطور ہے کہ قاری قرآن یہ خیال کرے کہ حق تعالیٰ میری زبان سے پڑھتا ہے اور میں سُنتا ہوں اور بعد اس کے یہ کہ سالک پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سالک کے کان سے سُنتا ہے بعد اس کے یہ کہ حق تعالیٰ پڑھتا ہے اور خود ہی سُنتا ہے یہ تینوں صورتیں کتنی کتنی مدت کے بعد تبدیل کیجاویں اور کس درجہ کی مشق ہو جاوے تب ایک ایک صورت سے دوسری طرف انتقال کیا جاوے حضور نے مجھے بھی تصور تخلیق حروف بلا واسطہ قصد قاری فی قراءۃ القرآن ارشاد فرمایا تھا سو کرتا ہوں بعض اسرار منکشف ہوتے ہیں اور ان صورتوں میں

اسرار قرآنی بغیر تدبیر سمجھ میں آتے ہیں یا تدبر کرنا چاہیئے۔

الجواب - یہ ترتیب شیخ کی رائے پر ہے اور یہ بھی اُسی کی رائے پر ہے کہ کوئی اور صورت تجویز کریں اور تدبر اس سے علیحدہ ہے۔

سوال شغل سرمدی کے بارہ میں ضیاؤ القلوب میں منقول ہے کہ یہ آواز موسیٰ علیہ السلام نے درخت سے اپنے تمام بدن سے سُنی اور یہ دلیل ظہور وحی کی ہے اور اولیا بھی اس آواز سے مشرف بالہام ہوتے ہیں گو یہ یہ شاید دلالت کرتا ہے کہ یہ کوئی غیبی آواز ہے اور حضور نے قصد السبیل میں اس کے غیبی ہونے کو رد فرمایا ہے پس عبارت ضیاؤ القلوب کا کیا مطلب ہے۔

الجواب - کبھی اس شغل سے غیبی آواز بھی منکشف ہوتی ہے و قلیل ما ہو اور اکثر وہی ہے جو میں نے لکھا ہے۔ فلا تعارض۔

سوال - اور کہا ہے کہ یہ امور بغیر حصول نسبت فنا و بقا حاصل نہیں ہوتے (اور اس نسبت کا وہی منتہی ہے) اور آگے تحریر ہے کہ یہ معاملے متوسطین سلوک سے اکثر واقع ہوتے ہیں کیونکہ منتہی اس طرف متوجہ نہیں ہوتے ان دونوں عبارتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے رفع فرمایا جاوے۔

الجواب - مطلق نسبت فنا و بقا متوسط کو بھی حاصل ہو جاتی ہے اور کمال اُسکا منتہی کو فلا تعارض۔

سوال نمبر ا عرض ثانی یہ ہے کہ علم غیب اور کشف میں کیا فرق ہے یا دونوں ایک چیز ہیں۔

نمبر ۲ - اہل اللہ کی نسبت جو کہا جاتا ہے کہ فلاں بزرگ صاحب کشف ہیں کیا اس سے یہ مراد ہے کہ وہ بزرگ حسب دلخواہ کسی امر پوشیدہ پر واقف ہو جاتے ہیں یا منجانب اللہ بلا خواہش ان کے کسی پوشیدہ امر کو اللہ عز وجل اُن پر ظاہر فرماتے ہیں حضور مولانا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سُنا گیا ہے کہ کشف قبور میں کمال تھا کیا اس سے یہ مراد ہے کہ جسوقت حضور ممدوح میت کی قبر پر تشریف لیجا کر متوجہ ہوتے تھے تو اُس کی حالت کا اندازہ انقباض و انبساط طبیعت سے ثواب اور عذاب کا فرماتے تھے یا ہو بہو جو کیفیت عذاب اور ثواب کی جسم اور روح سے متعلق ہوتی تھی وہ منکشف ہو جاتی تھی بعض بزرگان دین کی نسبت اس قسم کے قصص اور حکایات بلکہ اس سے بھی بہت کچھ زیادہ مشہور ہیں اور کتابیں بھی تصنیف ہیں اُن کی نسبت کیا سمجھنا چاہیئے۔

نمبر ۳ - مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ کی شرح جو مولانا بحر العلوم نے تحریر فرمائی ہے اُس میں ایک موقع

پر لکھا ہے کہ نبی معجزہ دکھانے پر قادر نہیں اور اولیاء اللہ کرامت دکھانے پر قدرت رکھتے ہیں
اُس کی دلیل جو لکھی ہے وہ سمجھ میں نہیں آئی اگر یہ موقع حضور کے یاد ہو تو ضرور جواب ارسال
فرمایا جاوے ورنہ تا بعدار اُس موقع کو تلاش کر کے اطلاع دے یا اُسکی نقل لکھکر روانہ خدمت والا کرے

الجواب نمبر ۱ غیب کے دو معنی ہیں حقیقی اور اضافی حقیقی وہ جس کے علم کا کوئی ذریعہ نہو
یہ خاص ہے حق تعالیٰ کے ساتھ اور عبد کیلئے اس کا حصول محال شرعی و عقلی ہے۔ اضافی
وہ جو کسی ذریعہ سے بعض کو معلوم کرا دیا جاوے اور بعض سے پوشیدہ رکھا جاوے یہ عبد کیلئے
بھی با علام الٰہی حاصل ہو سکتا ہے پس غیب کے معنی اول اور کشف میں تو تباین ہے اور معنی ثانی
کے اعتبار سے دونوں میں تباین نہیں ہے۔

نمبر ۲ کبھی متوجہ ہونے سے کشف ہو جاتا ہے اور کبھی بلا توجہ ہو جاتا ہے اور کبھی متوجہ ہونے سے بھی
نہیں ہوتا۔ غرض امر اختیاری نہیں ہے البتہ گاہے قصد پر مرتب ہو جاتا ہے کشف قبور میں بھی
یہ تقریر جاری ہے اور پھر انکشاف قبور دونوں طرح ہوتا ہے کبھی اپنی نسبت سے میت کے حال کا
اندازہ کیا جاتا ہے۔ کبھی عیاناً کشف ہو جاتا ہے۔

نمبر ۳ مجھکو تو یہ موقع یاد نہیں نہ میری نظر سے گذرا پورا جواب تو اُس عبارت اور اُس کی دلیل
دیکھنے کے بعد ہو سکتا ہے لیکن اجمالاً اتنی بات صحیح ہے کہ انبیا اور اولیاء سے دو قسم کے امور
صادر ہوتے ہیں ایک معجزات اور کرامات اور دوسرے تصرفات پس معجزات انبیاء کے اور کرامات
اولیاء کے اختیاری نہیں اور تصرفات اختیاری ہیں۔

ان تصرفات کو معجزہ یا کرامات نہیں کہتے۔ لیکن کبھی مجازاً کہہ بھی دیتے ہیں پس اگر معجزہ سے
مراد معنی اول اور کرامت سے مراد معنی ثانی یعنی تصرف لیا جاوے تو یہ حکم صحیح ہو سکتا ہے
ورنہ نہیں فقط واللہ اعلم۔

(باقی آئندہ)

کلمۃ الحق

(گذشتہ سے پیوستہ)

لوگوں کو تعجب ہوگا کہ میں نے حافظہ کے متعلق غذائے حلال اور عمل صالح کی قید کیوں اور کہاں سے لگا دی۔ سوء حفظ تو دماغی قویٰ کے نقص سے ہوتا ہے معدہ کی خرابی سے بھی بسبب محاذات کے دماغ متاذی ہو سکتا ہے۔ خارجی صدمات بھی اسکا سبب ہو سکتے ہیں۔ غذا اگر لطیف اور سریع الہضم جید الکیموس ہے تو خون صالح پیدا کرے گی۔ مگر غذائے حلال و عمل صالح کو اس سے کیا علاقہ۔ سوء حفظ کے یہہ اسباب اطبائے ظاہربین کے نزدیک مسلم ہیں اور میں بھی انکو تسلیم کرتا ہوں اور دنیا جانتی ہے کہ ایک شے کیلئے متعدد اسباب کا ہونا کوئی مستبعد امر نہیں ہے سوء حفظ کا اصلی اور حقیقی سبب وہ ہی ہے جو میں بتلا آیا ہوں جیسا کہ اہل ظاہر کے نزدیک بنجر غذا سے دماغ مختل ہوتا ہے یا ضرب وغیرہ سے قویٰ دماغیہ ضعیف و مختل ہو جاتے ہیں ایسے ہی مال حلال کے کھانے سے جو خون پیدا ہوگا اسمیں اصلی صلاح ودیعت ہوگی اور رگوں میں دوڑ کر طاعات کی تحریک کرے گا اور انسان کو اچھے کام اور مرضیات الٰہی پر بیکل اور بیچین کر دے گا اور دماغ جو مخزن ایسے قویٰ کا ہے جو حفظ سے متعلق ہیں صحیح اور قوی رہیگا۔ باطن بین نظریں بطور ہدایت مانتی ہیں کہ معاصی کو۔ سوء حفظ میں بڑا دخل ہے۔ وہ تجربہ اور فیصلہ کر چکے ہیں کہ ایک صحیح الدماغ قوی الحفظ انسان غذا وغیرہ میں کوئی بدپرہیزی نہیں کرتا اُسکو کوئی جسمانی مرض عارض نہیں ہوتا وہ معاصی کا ارتکاب کرتا ہے اور اُسکا حفظ خراب ہو جاتا ہے اور جب وہ معاصی سے تائب ہو جاتا ہے تو اُسکا حفظ قوی ہو جاتا ہے اور اُسنے کوئی معجون مقوی حافظہ نہیں کھائی۔ ہاں ممکن ہے کہ اس اصلی سبب کے ساتھ قویٰ ظاہر میں بھی ضعف اور نقص ہو تو کہنا چاہیئے کہ ایسے مریض کو دونوں علاج کرنے چاہئیں اور دونوں قسم کے اسباب کا ازالہ کرنا لازم ہے۔ بہرحال طبی تاثیرات کے ماننے والوں کو شرعی طب کی تاثیرات کی تسلیم سے چارہ نہیں اگر موقع ملا اور خدا نے چاہا تو کبھی اس مبحث میں مفصل تحریر لکھدی جائے گی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یا کسی دوسرے بزرگ نے حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے سوء حفظ کی شکایت کی تو انہوں نے جو نسخہ تجویز کیا ہے وہ ذیل کے عربی قطعہ سے آپ کو معلوم ہوگا۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی	میں نے وکیع (طبیب حاذق طب روحانی) سے اپنی خرابی حافظہ کی شکایت کی
فاوصانی الی ترک المعاصی	تو انہوں نے مجھے گناہوں سے علیحدگی کا مشورہ دیا۔
لان العلم فضل من اللہ	کیونکہ علم اللہ تعالیٰ کا فضل وانعام ہے۔
وفضل اللہ لا یعطی لعاصی	اور اللہ کا انعام عاصی پر نہیں ہوتا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مکتب کی تعلیم سے فارغ ہو گئے تو علمائے حدیث کی درسگاہوں میں جانے کا شوق ہوا مکتب میں ہی حدیث کا چسکا پڑ چکا تھا۔ بچپن اور مشتاق دل مانتا ہی نہ تھا۔ اسی آمد ورفت میں ہزاروں احادیث آپکو یاد ہوگئیں اور اب اپنے زمانہ کے محدثین پر نکتہ چینیاں کرنے لگے۔ چنانچہ ایک واقعہ کا لکھدینا ناظرین کرام کی دلچسپی اور ضیافت طبع سے خالی نہو گا۔ حضرت داخلی رحمۃ اللہ علیہ کا حلقہ تدریس بھرا ہوا تھا آپ اپنے تلامذہ کے سامنے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے تھے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی پہونچے۔ حضرت داخلی نے ایک اسناد یوں بیان کرنی شروع کی سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم۔ سفیان ابو زبیر سے روایت کرتے ہیں اور ابو زبیر ابراہیم سے۔

امام داخلی اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بادب عرض کیا کہ ابو زبیر ابراہیم سے روایت نہیں کرتے۔ داخلی نے امام بخاری کو جھڑک دیا اور چونکہ کم عمر تھے اسلئے جلد اور بادی النظر میں کچھ اس قول کی وقعت نہوئی اور نہ ادھر ذہن نے کچھ التفات کیا تو ناچار امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بادب عرض کیا کہ آپ تکلف فرما کر اپنی بیاض میں اگر شیخ کی تقریرات لکھی ہیں اور جسپر محدثین کو آخر کار اعتماد ہوتا ہے دیکھئے۔ داخلی رحمۃ اللہ علیہ مجلس سے اٹھے اور گھر میں جاکر اصل بیاض کا معائنہ کیا اور پھر مجلس میں آکر امام بخاری علیہ الرحمۃ سے فرمایا کہ اے لڑکے اگر میرا بیان صحیح نہیں ہے تو تو بتا۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جناب وہ ابو زبیر نہیں ہے بلکہ زبیر ہے اور زبیر بن عدی ہیں انکو ابراہیم سے روایت ہے۔ داخلی رحمۃ اللہ علیہ دنگ رہ گئے اور امام بخاری کے اس قول پر متنبہ ہوئے اور اپنی غلطی سمجھ میں آگئی قلم اٹھایا اور اپنی کتاب کی

تصحیح کی اور فرمایا کہ برخوردار سچ کہتے ہو۔ کسی شخص نے امام بخاری علیہ الرحمۃ سے پوچھا کہ جب آپنے داخلی علیہ الرحمۃ کو الزام دیا تھا آپ کی کیا عمر تھی فرمایا گیارہ سال کی۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ کا حفظ خداداد ایک طرف اگر قابل ستایش ہے تو دوسری جانب داخلی علیہ الرحمۃ کا انصاف بھی نہایت قابل قدر ہے کہ ایک کم سن لڑکے کی حق بات کو بھرے مجمع میں بکشادہ پیشانی قبول فرمایا اور اول جو جھڑک دیا تھا اُسپر منفعل ہوئے۔ سچ یہہ ہے کہ اخلاق حمیدہ جو سرمایۂ انسانیت ہیں اب دنیا میں قریب قریب ناپید ہوگئے وہ بزرگ ہی تنہا زمین میں دفن نہیں ہوئے اخلاق بھی اُنکے ساتھ دفن ہوگئے۔ ایسی مثالیں آج دنیا میں شاذ و نادر ملینگی اور سلف صالحین میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ آج اپنی غلطی کے اقرار کو کسر شان سمجھا جاتا ہے۔ اور اُس زمانہ میں دین و ایمان۔

علم اسناد یعنی علم اسماے رجال ایک پاکیزہ اور وسیع علم ہے جو علم تاریخ کا ایک جزو لطیف ہے مسلمانوں نے اسکی وہ خدمت کی ہے کہ نہ آج دنیا میں اُسکی نظیر موجود ہے نہ پہلے تھی اور نہ انشاءاللہ آیندہ ہوگی ہمارے بزرگوں نے نہ ریل ایجاد کی نہ انجن نہ ڈریڈ ناٹ نہ زیپلن اس اعتبار سے انکو دقیانوسی مولوی کہا جاتا ہے اور طرح طرح سے اُن کی شان میں لب کشائیاں اور چہ میگوئیاں ہوتی ہیں مگر حقیقت یہہ ہے کہ وہ دنیا و دین کی حقیقت کو خوب سمجھے ہوئے تھے محمدی تعلیمات اُنکی ناقابل ترمیم و تنسیخ اصول تھی اُنکو اذعان تھا کہ شاہان جہاں اپنی قوت کے بل بوتے پر سب کچھ کر لینگے اور دین میں ان سے کچھ نہو گا۔

خلافت راشدہ کا زمانہ گذرنے کے بعد خلفاء کے طرز اور مسلم بادشاہوں کے طور کو اُنہوں نے اچھی طرح بھانپ لیا تھا اُنکے تھوڑے تھوڑے تغیر کو دیکھکر اونھوں نے اپنی دوربین نظروں سے صدیوں کے پیش آیندہ معاملات کو دیکھلیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ عیش پسندی آندھی کی طرح آرہی ہے عنقریب اسلامی اُفق غبار آلود ہو جائیگی دن کی رات ہو جائیگی اور مسلمان اپنے اسلامی برکات کے روشن چہروں کی زیارت سے اُس ظلمت میں محروم رہینگے اسلئے وہ سچے مسلمان اسلام کے قلعہ کے استحکام میں مصروف ہوگئے نفسانی شہوات پر پانی پھیر دیا لذائذ دنیاوی کو خاک میں ملا دیا صلب اور خشن طرز پر عمر مستعار کو بسر کر دیا مگر اسلامی

قلعہ کو ایسا مضبوط بنا گئے کہ جب سے اب تک اور انشاء اللہ تعالیٰ تا قیام قیامت کوئی اُسکو گزند نہیں پہونچا سکتا۔ مخالفوں کے حملے ہوں یا آپس کی سازشیں ہوں۔ اسلام کا بال بیکا نہیں ہو سکتا قرآن وحدیث (جو اسلام کے محکم اصول کا مجموعہ ہیں جن کے بغیر اسلامی زندگی ایک آن ممکن نہیں) کے متعلق جسقدر ضرورتیں تھیں اُن کو اُنھوں نے مرتب کیا حدیث سے قرآن کی تفسیر کی اور حدیث کو قرآن سے ملا کر دکھایا حدیث کے دریا کو عالم میں جاری کیا اُسکے مطالب بتائے اُسکو محفوظ کیا۔ اُسکے راویوں کی وہ تحقیقات کی کہ آج عالم میں کوئی قوم اُسکی مثال پیش نہیں کرسکتی۔ یہہ محمدی حکماء اور فلاسفہ کی ایک جماعت تھی جو بڑا پورا دایم وقایم میگزین اور سامان اسلحہ تیار کرکے رکھ گئی جو نہ تباہ ہو سکتا ہے اور نہ ختم۔ مسلمان جسطرح قرآن شریف کو حفظ کرتے ہیں اور یہہ قرآن پاک کی بقا کا وہ طریق ہے کہ جسکو کوئی نابود نہیں کرسکتا ایسے ہی اس امت میں حفاظ حدیث پیدا ہوے جنھوں نے لاکھوں حدیثوں کو برزبان یاد کیا اور راویوں کے حالات کو بھی ایسے ہی محفوظ رکھا جیسے حدیث کو اِس طریق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی بقا کی شکل نکل آئی غرض کہ وحی متلوا ور غیر متلو دونوں دستبرد اعدا سے محفوظ ہیں (اِن کا کان) محدثین کی اصطلاح میں حافظ اُس شخص کو کہتے ہیں کہ جسکو کم ازکم ایک لاکھ احادیث یاد ہوں اِس جماعت میں سیکڑوں ہزاروں بزرگوں کے نام کتابوں میں ملسکتے ہیں سب کے نام گنوانا اور اُنکے حالات کا ناظرین القاسم کے سامنے پیش کرنا ایک بڑا طویل مرحلہ ہے ہاں امام بخاری کے علاوہ چند بزرگوں کے مختصر مختصر چند کارنامے بھی بیان کردینا نہایت ضروری ہیں کہ ہمارے موضوع پر اُس سے اچھی روشنی پڑے گی۔

آج جسطرح یورپ کے علوم کی ڈگری حاصل کرنے کی دُھن میں ہم یورپ کے سفر کرتے ہیں ہمارے بزرگ محمدی علوم کی دھن میں حجاز وعراق کی زمین کے گز بنے ہوئے تھے نہ ریل تھی نہ جہاز نہ سٹیمر نہ فٹن وہ عرب کی کوہستانی چٹانیں یا ریتلے میدان تھے اور یہہ علم رسول کے جویاں مسافر ناقہ پر خچر پر۔ یا اپنے ٹانگن (پیادہ) پر وہ صعوبت گذار رستے طے کرتے تھے۔

(باقی آیندہ)

اور درصورت ثانیہ اول تمام مسلمانوں کیلئے دعا کرنا حصول مقصد کیلئے تمہید ہو جائیگی اور اُنکے طفیل اسکا خاص مدعا بھی حاصل ہو جائیگا۔ علاوہ بریں جب موقع دعا میں اپنے بھائیوں کو بھولے گا تو یہ اُسکی طرف سے ایک قسم کا بخل ہوگا۔ جسکا اثر ممکن ہے کہ اُسکے حق میں مضر ثابت ہو۔ ایک حدیث میں وارد ہے۔ من صلی صلوۃ لم یدع فیھا للمؤمنین والمومنات فھی خداج۔ (جس شخص نے نماز پڑھی اور اُسمیں مومنین اور مومنات کے لئے دعا نہ کی تو وہ نماز ناقص ہے۔)

ایک اور روایت میں ہے۔ انہ ضرب منکب من قال اغفرلی وارحمنی ثم قال عمم فی دعائك فان بین الدعاء العام والخاص کما بین السماء والارض۔ (آپنے اُس شخص کے مونڈھے پر جسنے اغفرلی وارحمنی کہا تھا ہاتھ مارکر فرمایا کہ دعا کو مسلمانوں کیلئے عام کرنا چاہئے کیونکہ دعاء عام اور خاص میں اتنا فرق ہے جیسا آسمان زمین کے درمیان فاصلہ ہے)

۱۴۱ ایک روایت میں ہے۔ ما من دعاء احب الی اللہ من قول العبد اللھم اغفر لامۃ محمد مغفرۃ عامۃ (کوئی دعا خدا تعالیٰ کے نزدیک اُس دعا سے زیادہ محبوب نہیں جسمیں یہ کہا جائے کہ الٰہی امت محمدیہ کی مغفرت عام فرما دے)

ایک روایت میں ہے۔ انہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلا یقول اللھم اغفرلی فقال ویحك لو عممت لاستجیب (آپنے ایک شخص کو اللھم اغفرلی کہتے ہوئے سنا تو فرمایا افسوس ہے اگر تم دعا کو عام رکھتے تو ضرور قبول ہوتی)

لیکن جیسا کہ تمام مومنین ومومنات کو دعا میں شامل کرنا آداب دعا میں سے ہے ایسے ہی یہ بھی آداب میں سے ہے کہ دعا کو اپنے سے شروع کرے۔ اور اپنے بعد اپنے والدین کے لئے اور جمیع مومنیں اور مومنات کیلئے۔

کتاب تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ والدین کیلئے دعا کو ترک نہ کرے۔ کیونکہ ایسا کرنا فقر وتنگدستی کا سبب بنجاتا ہے۔

(۱۱) الفاظ دعا کا سمجھ کر زبان سے نکالنا بھی آداب دعا میں سے ہے۔ رٹے ہوئے

اور ازبر الفاظ و کلمات کو بلا سمجھے بوجھے پڑھ لینا خلاف آداب دعا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات آدمی کو الفاظ دعا ایسی طرح حفظ ہوتے ہیں کہ بلا اختیار زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ اُسکا دھیان اُن کے مطلب و معانی کیطرف اور خاص اپنے مطلوب و مقصود کیطرف نہیں ہوتا اِس سے معلوم ہوا کہ مناسب وقت جو الفاظ اُسکی زبان پر آئیں اُن سے دعا کرے۔ اور منقول دعائیں اُسکو یاد ہوں تو اُنکے معانی و مفہوم کو سمجھکر ادا کرے اور اگر بلا سمجھے بوجھے فقط پڑھتا چلا جائیگا۔ تو گو الفاظ کی برکت سے محروم نہ رہے گا مگر مقصود دعا حاصل نہ ہو گا۔ اور نہ اُسکے قلب میں رقت و خضوع پیدا ہونگے جو اصل بالدعا اور اجابت دعا میں موثر قوی ہیں۔

(۱۲) دعا کے وقت ہاتھ اُٹھانا۔ اور بعد فراغت از دعا ہاتوں کو مونہہ پر پھیرنا بھی سنت اور آداب دعا میں سے ہے۔ دعا کے لئے کوئی وقت اور مقام معین نہیں ہے جسوقت جس مقام اور جس حالت میں چاہے خدا تعالیٰ سے دعا کر سکتا ہے۔ مگر بعض اوقات دعا کے ۴۲
لئے مخصوص بھی ہیں اور اُن میں ہاتھ اُٹھانا احادیث سے ثابت ہے۔ مثلاً فراغت نماز کے بعد۔ سوا ایسے اوقات میں تو ہاتھ اُٹھانا مسنون یا مستحب ہے۔ ان اوقات میں اگر ہاتھ نہ اُٹھائیگا تارک سُنت یا مستحب ہو گا۔ اِن اوقات کے علاوہ بھی دعا کے وقت ہاتھ اُٹھانا آداب دعا میں ہے۔ اگر نہ اُٹھائے تب بھی جائز ہے۔ کیونکہ دعا کا تعلق قلب سے ہے۔ اور حضور قلب سے خدا تعالےٰ کے سامنے اپنی حاجات کو پیش کرنا بھی دعا میں داخل ہے۔ ایسی حالت میں زبان سے بھی الفاظ دعا ادا کرے اور ہاتھ نہ اُٹھائے تو کافی ہو گا۔ لیکن ہر حال میں ہاتھ اُٹھانا مفید اور مثمر قبول دعا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے۔ ان ربکم حیی کریم یستحیی من عبدہ اذا رفع یدیہ ان یردھما صفرًا۔ (تمہارا رب نہایت حیا والا اور کریم ہے جب بندہ اُسکے سامنے ہاتھ اُٹھاتا ہے تو اُسکو خالی ہاتھ لوٹا دینے سے حیا آتی ہے۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ۔ (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا میں ہاتھ اُٹھاتے تھے تو بغیر منہ پر پھیرے نیچے نہ اُتارتے تھے)

ہاتھوں کو اسطرح اوٹھائے کہ مونڈھوں تک پہونچ جائیں۔ اور ہتیلیاں مونہہ کیجانب رہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اذا سالتم اللّٰہ فاسئلوہ ببطون اکفکم ولا تسألوہ بظھورھا۔ (خدا تعالیٰ سے سوال کرو تو ہاتوں کی ہتھیلیوں کے ذریعہ سے سوال کرو ہاتوں کی پشت کے ذریعہ سے نہ کرو)

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ المسئلۃ ان ترفع یدیك حذو منکبیك۔ (دعا یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کی برابر تک اٹھائے)

لیکن مونڈہوں تک ہاتھ اُٹھانا عام حالات میں ہے۔ اور وہ خاص حالات جنمیں ابتہال وتضرع وزاری کا اظہار زیادہ مقصود ہوتا ہے۔ وہاں ہاتوں کو بہت اونچا کرنا بھی داخل آداب دعا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یرفع یدیہ فی الدعاء حتی یری بیاض ابطیہ (جناب رسول اللہ ۴۴
صلے اللہ علیہ وسلم دعا میں ہاتوں کو اتنا بلند اُٹھاتے تھے کہ بغل مبارک کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔)

استسقاء کی نماز کیلئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت تبذل وتخشع کے ساتھ تشریف لیجاتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعنی فی الاستسقاء متبذلا متواضعا متخشعا متضرعا

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز استسقاء کیلئے۔ تواضع تضرع اور تخشع کے ساتھ معمولی لباس میں تشریف لے گئے۔

اور چونکہ موقع نہایت ابتہال کا ہوتا تھا اسلئے دعاء استسقاء میں خلاف معمول دائمی ہاتھ بھی بہت اونچے اُٹھاتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یرفع یدیہ فی شئ من دعائہ الا فی الاستسقاء فانہ یرفع حتی یرٰی بیاض ابطیہ۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوا نماز استسقا کسی دعاء میں ہاتھ نہ اُٹھاتے تھے۔ آ۔۔۔

میں اسقدر ہاتھ اُٹھاتے تھے کہ بغل مبارک کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔

ظاہر ہے کہ حضرت انس کا یہ فرمانا کہ سوا رنماز استسقار دعا میں ہاتھ ہی نہ اُٹھاتے تھے علی العموم تو صحیح ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ ایسا غیر معمولی طرح پر ہاتوں کو بلند کرنا کہ ابطین مبارکین کے سفیدی نظر آنے لگی سوا دعا استسقار کسی اور دعا میں نہیں ہوتا تھا اس ہمارے بیان سے جیسا کہ یہہ معلوم ہوگیا کہ ابتہال وتضرع کے وقت مواقع مخصوص میں خلاف عادت دائمی ہاتھ اُٹھانا آداب دعا میں سے ہے۔ ایسے ہی وہ تعارض بھی رفع ہو گیا جو احادیث مذکورہ بالا اور ارشاد حضرت عبداللہ ابن عمر میں مفہوم ہوتا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں۔ ان رفعکم ایدیکم فی الدعاء بدعة مازاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی هذا العینی الی الصدر۔

دعا میں تمہارا ہاتھوں کو اُٹھانا بدعت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینہ سے اوپر نہیں اُٹھایا۔

کیونکہ آپ کا مطلب یہ ہے کہ ہاتوں کو خلاف معتاد دائمی اُٹھانا اور عادت بنا لینا بدعت ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ استسقار وغیرہ میں بھی اسقدر اُٹھانا بدعة ہے۔ یا علاوہ استسقار اور مواقع میں مطلقاً دعا کیوقت ہاتھ اُٹھانا بدعة ہے۔

(۱۳) دعا کے وقت وضو کرنا یا غسل کرنا اور دو رکعت نفل پڑھکر دعا کرنا بھی آداب دعا میں ہے۔ یعنی اگرچہ دعا کیلئے کوئی ہیئت و حالت مخصوص نہیں ہے ہر صورت سے جائز ہے۔ مگر وضو یا غسل کرکے اور دو رکعت نفل ادا کرکے دعا کرنا زیادہ اہتمام پر دلالت کرتا ہے اور یہ امر اجابت دعا میں زیادہ موثر ہے۔

عبداللہ ابن ابی اوفی[۱] سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسکو خداوند عالم سے کوئی حاجة ہو۔ یا بنی آدم کے متعلق کوئی معاملہ ہو تو اسکو چاہئے کہ اول خوب اچھی طرح سنن و مستحبات کی رعایت کرکے وضو کرے۔ پھر دو رکعتیں پڑھے۔ اُسکے بعد خداتعالیٰ کی ثنا کرے پھر محمد پر درود بھیجے اور کہے لا الٰہ الا اللہ الحلیم الکریم۔ سبحان اللہ رب العرش العظیم والحمد للہ رب العلمین۔ اسالك موجبات رحمتك وعزائم

---

[۱] شرح شرعة الاسلام صفحہ ۱۲۸۔ ۱۲ منہ

مغفرتك والغنیمة من كل بر والسلامة من كل اثم لا تدع لی ذنبا الا غفرته ولا هما الا فرجته ولا حاجة هی لك رضی الا قضیتها یا ارحم الراحمین۔

نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے جو حلیم و کریم ہے۔ پاک ہے اللہ مالک عرش عظیم کا۔ اور ہر قسم کی حمد اللہ کیلئے ہے جو رب ہے تمام عالم کا۔ طلب کرتا ہوں میں تجھسے تیری رحمت کے اسباب کو اور تیری مغفرت کے قوی و موکد کرنیوالے امور کو اور اس بات کو کہ ہر بھلائی سے مجھے حصہ ملے ہر گناہ سے سالم رہوں۔ کوئی گناہ میرا ایسا باقی نہ رہے جسکو تو بخش نہ دے۔ اور کوئی غم و فکر ایسا نہ ہو جسکو تو زائل نہ کردے۔ اور نہ کوئی مطلب جو تیری رضی کے موافق ہو ایسا رہے جسکو تو پورا نہ فرماوے اے ذات پاک خدا جو سب رحم والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

(۱۴) دعا کو مکرر تین بار کرنا بھی آداب دعا میں سے ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا دعا دعا ثلاثا واذا سأل سأل ثلاثا۔ ۴۵

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادۃ شریفہ یہ تھی کہ جب دعا کرتے تھے تو تین دفعہ کرتے اور جب سوال کرتے تو تین مرتبہ کرتے تھے۔

(۱۵) دعا میں ایسی تمناؤں سے جو اسکے مناسب حال نہیں ہیں۔ اور عجیب و غریب سوالات سے پرہیز کرنا چاہیے۔

تمنا سے ہماری مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے بندہ کو اپنے تقرب حاصل کرنے کے لئے طاعات و مجاہدات کے طریقے اور ذریعے بتلا دیئے ہیں مگر وہ اس سے تو جان چراتا ہے کہ نفس پر تکلیف اٹھائے عبادات و اذکار میں مشغول ہو۔ ہاں خدا تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ مجھکو درجہ ولایت تک پہونچا دے۔ یہ مانا کہ خداوند عالم اس پر قادر ہے کہ جس گنہ گار و مبتلاء آثام۔ بلکہ کافر کو آن کی آن میں معاصی و کفر کی ظلمت سے نکالکر درجہ ولایت تک پہونچا دے۔ مگر سائل کو بھی اپنی حالت دیکھنی چاہیئے۔ اوسکو فی الحقیقت درجہ ولایت تک پہونچنے کا شوق ہے تو کیوں نہیں اُس ذریعہ کو اختیار کرتا جس سے وہاں تک پہونچے۔ اور اگر نفس امارہ کی شرارت اس ذریعہ کے اختیار سے بھی مانع ہے تو خدا تعالیٰ سے طاعات و عبادات کی توفیق عطا فرمانے کی دعا کیوں

نہیں کرتا۔ اور جب یہ نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ دل میں اس مرتبہ علیا کی رغبت و محبت جیسی چاہیے ایسی نہیں۔ بلکہ محض خیال خام اور تمنا بیجا ہے۔ اس سے دعا میں جو اظہار و افتقار کا وقت ہے۔ پرہیز رکھنا چاہیئے۔

عجائب و غرائب سوالات سے مراد یہ ہے کہ آدمی کے دل میں سیکڑوں ہوسیں گذرتی ہیں۔ اور یہ جانتا ہے کہ خداوند عالم ان اشیاء کی عطا پر قادر ہے۔ مگر اس قسم کی ہوسوں کو ایسی تضرع و زاری کے وقت پیش کرنا ایک قسم کے سوء ادب میں داخل سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی یہ کہے الٰہی مجھے جنت میں قصر ابیض عطا فرما دے۔ ہمکو یہ حکم ہے کہ ہم حقتعالی سے جنت کو طلب کریں۔ اور جہنم سے پناہ مانگیں۔ اب اس قسم کی دعائیں کہ جنت میں سفید محل ملجائے۔ یا فلاں محل جو نہر کے دائیں جانب واقع ہے۔ یا جس کے گرد اس قسم کے باغ ہیں۔ یا اُس کے اتنے درجات ہیں۔ حقیقت میں تفنن طبع میں داخل اور حالت داعی سے بمراحل دور ہیں۔

عبداللہ[1] ابن المغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادہ کو دعا مانگتے ہوئے سُنا۔ اللھم انی اسئالك القصر الابیض عن یمین الجنة۔ 46

(الٰہی میں تجھ سے وہ سفید قصر طلب کرتا ہوں جو جنت کے دائیں جانب ہے۔)

تو فرمایا۔ ای بنی سل اللہ الجنة وتعوذ بہ من النار فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ سیکون فی ھذہ الامة قوم یعتدون فی الطھور والدعاء

میرے بچے۔ خدا تعالی سے جنت کا سوال کر۔ اور عذاب نار سے پناہ مانگ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ میری امت میں ایک قوم ایسی ہوگی جو طہور یعنی وضو اور دعا میں حد سے تجاوز کر جائیں گی۔

شرح[2] مصابیح میں لکھا ہے کہ طہور میں تجاوز عن الحد کے یہ معنی ہیں کہ وضو شرعی اور سُنت سے تجاوز کر جائے (مثلاً اعضاء وضو کا تین بار دھونا مسنون ہے یہ شخص چار بار یا اس سے زیادہ دھوئے)

اور دعا میں تجاوز سے یہ مراد ہے کہ ایسی چیز طلب کرے جس کی حاجت نہیں۔ یا ایسی بات

---

[1] شرح شرعة الاسلام صفحہ ۱۲۷-۱۲ [2] شرح شرعة الاسلام صفحہ ۱۲۷-۱۲

کی طمع کرے جہان اوسکا عمل وحال اُسکو نہیں پہونچاتا۔ کیونکہ یہ سوء آداب میں داخل ہے۔
(۱۶) قبلہ رو ہوکر بیٹھنا بھی آداب دعا میں سے ہے۔ کیونکہ تضرع و افتقار و تادب کی صورت جسقدر بنا سکے بنائے۔ کیونکہ یہ موقع طلب وسوال کا ہے اور سائل کا ان امور کو اختیار کرنا زیادہ مفید اور حاجت روا ہوتا ہے۔ اسیوجہ سے آداب دعا میں یہ بھی لکھا ہے کہ دعا کے وقت ہاتھ پھیلائے تو اسطرح سینہ سے ملاکر پھیلائے جیسے مسکین کسی سے کھانا مانگنے کے وقت کرتا ہے۔
(۱۷) دعاء کے خاتمہ پر آمین کہنا بھی آداب دعا میں سے ہے۔
(۱۸) دعا کی قبولیت کے آثار ظاہر ہونے لگیں یعنی مریض نے صحت کیلئے دعا کی تھی اور آثار صحت ظاہر ہونے لگے تو اوسکو اسپر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ ایک روایت میں آیا ہے۔ ما یمنع[۱] احدکم اذا عرف الاجابۃ من نفسہ فشفی من مرض او قدم من سفر ان یقول الحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات۔
۴۷ تم کو اس امر سے کون مانع ہے کہ جب اجابت کے آثار معلوم ہوں۔ مرض سے شفا حاصل ہوجائے اور یا سفر سے واپس مکان پہونچ جائے۔ تو کہے اُس ذات پاک کا شکر ہے جسکی عزت اور جلال سے صالحات پوری ہوتی ہیں۔
(۱۹) اجابتہ دعا میں دیر ہوتی معلوم ہو جب بھی اُسکو خدا تعالیٰ کا شکر کرنا چاہئے۔ اور کہنا چاہئے۔ الحمد للہ تعالیٰ علی کل حال۔
ایسا نہ کرے کہ اجابت میں دیر ہوتے دیکھکر ناشکری پر آمادہ ہوجائے۔ اور گھبراکر کلمات ناسپاسی زبان سے نکالنے لگے۔
(۲۰) دعا کیلئے بہترین اوقات اور افضل حالات کا انتخاب کرنا بھی آداب دعا میں سے ہے۔
یہ وہ شرائط و آداب دعا ہیں جنپر اجابت دعا متفرع ہوتی ہے۔ اور اُن کے علاوہ بعض اور بھی بیان ہوسکتے ہیں۔ مگر اسقدر بیان ہونے کے بعد غالباً اب زیادہ ضرورت نہیں رہی۔ ان سب کو اگر بنظر تامل دیکھا جائے تو کل دو قسموں پر منقسم معلوم ہوتی ہیں۔ ظاہری۔ و باطنی۔ ظاہری سے ہماری مراد وہ ہیں جنکا تعلق جوارح اور عمل ظاہری سے ہے۔ مثلاً ماکول وملبوس کا طیب

[۱] = شرح شرعۃ الاسلام صفحہ ۱۲۹-۱۲

وظاہر ہونا۔ دعا میں الحاح و مداومت کا ہونا۔ مقفیٰ و مسجع عبارت سے پرہیز کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اور باطنی سے وہ مراد ہیں جنکا تعلق قلب سے ہے۔ مثلاً معاصی صغائر و کبائر سے توبہ کرنا۔ حضور و توجہ الی اللہ کا موجود ہونا۔ خشوع و خضوع کا پایا جانا وغیرہ۔

مگر باایں ہمہ یہ سب شرائط و آداب خواہ باطنی ہوں یا ظاہری اختیاری ہیں۔ یعنی بندہ کو دعا کے وقت اپنے ارادہ اور اختیار سے ان امور کو اختیار کرنا چاہیئے یا اُنسے پرہیز کرلینا چاہیئے۔

(۲۱) لیکن علاوہ شروط و آداب مذکورہ ایک شرط ایسی بھی ہے۔ جسکو اجابت دعا میں بڑا دخل ہے اور اُسمیں بندہ کے عمل اور ارادہ کو دخل نہیں ہے۔ اور اُسکے وجود کے ساتھ خدا تعالیٰ کی رحمت بندہ کیطرف خاص طور پر متوجہ ہوتی اور قبولیت دعا میں اُسکو خاص دخل ہے۔

یہ بے اختیاری شرط ایسی ہے جسکو تمام شرائط و آداب اجابۃ دعا کا اصل اصول کہا جائے تو بجا ہے گویا اصل ترتب اجابت دعا اس پر ہے۔ ۴۸

یہ شرط کیفیت اضطرار ہے۔ یعنی بندہ کے اندر اضطرار کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ اُسکا دل تمام اسباب ذرائع سے منقطع ہو کر خالق کائنات کیطرف متوجہ ہو جائے۔ اوسکو اپنے کسی عمل و ارادہ پر اعتماد باقی نرہے۔ کسی شخص کی اعانت و امداد کا بھروسہ نرہے۔ بے اختیارانہ اُسکے تعلقات یکلخت ہر جانب سے منقطع ہو کر صرف خالق و مالک کے ساتھ وابستہ ہو جائیں۔ اور وہ اپنے دل و زبان۔ جوارح و اعضاء سے ہمہ تن حاجت و سوال بنکر خدائے بے نیاز کے سامنے کھڑا ہو جائے۔ یہ وہ حالت ہے جو تواتر و تراکم مصائب کے وقت عام افراد انسانی کو بھی گاہ بگاہ پیش آجاتی ہے۔ اور اہل قلب و اہل حال کو اکثر و بیشتر حاصل رہتی ہے۔

اس کیفیت کو جسکا پیدا ہونا بندہ کے حدود اختیار میں نہیں ہے ایسی طرح شرائط اجابۃ دعا میں نہیں فرمایا گیا کہ یہ نہو تو دعا مقبول نہوگی۔ کیونکہ کوئی بے اختیاری کیفیت عمل اختیاری کیلئے شرط قرار دینے میں شبہ تکلیف مالایطاق ہو سکتا ہے۔ دعا کی اجابت کیلئے وہی شرائط بیان کیگئی ہیں جنمیں بندہ کو ایک حد تک اختیار ہے خشوع و خضوع بھی اگرچہ منجملہ کیفیات قلب ہیں اور اُنکا پیدا ہونا بھی حد اختیار عبد میں نہیں ہے۔ لیکن دعا کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ دل میں حضور نہ ہو تو بہ تکلف حالت خضوع و خشوع بنالے۔

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو القاسم نمبر ۱ جلد ۵)

اسی حالت کو دیکھکر حضرت عمر نے ارشاد فرمایا امّن خالد نفسہ آہ۔ یعنی ہمنے تو خالد کو معزول کیا تھا۔ مگر اُنکے کارناموں نے خود اُنکو امیر بنا دیا۔

جب یہہ انتظام کافی نہوا۔ بلکہ حضرت خالد کے ساتھ جو حسن عقیدت مسلمانوں کو تھا یا جو اعتماد اُنکی حسن تدبیر۔ فراست و دانائی پر تھا۔ پہلے سے زیادہ بڑھ گیا۔ اور اِس بے نفسی اور لوجہ اللہ جاں بازی نے اور بھی اُنکی عظمت بڑھادی کہ معزولی سے متاثر ہونیکی بجائے اور زیادہ چست و چالاک ہو گئے۔

جب مسلمانوں کے دلوں میں اُن کی عظمت و اقتدار کو اعتدال سے زیادہ بڑھتے دیکھا اور وہی فتنہ جس سے بچنے کیلئے آپ نے اونکو اول مرتبہ معزول فرمایا تھا۔ اب پہلے سے زیادہ مہیب صورت میں ظاہر ہونے لگا تو آپ کو اوسکے انسداد کی فکر پہلے سے زیادہ ہوئی۔ اور ضرور ہوا کہ اُنکو تمام خدمات سے معزول کرکے واپس بلالیا جائے۔ اسوقت چونکہ مسلمانوں کے قلوب میں سابق سے زیادہ اونکی محبّت قایم ہوچکی تھی۔ اور بلا وجہ عزل میں عام تشویش پھیل جانے کا خطرہ ہوسکتا تھا۔ اِدھر جب مسلمانوں میں اُنکی یہ عظمت و محبت تھی جسکے آثار کا ظہور یعنی عساکر کی جانب سے اُنکی تعظیم و تکریم کا ہونا لازمی امر تھا تو یہ بھی بالکل ممکن تھا کہ حضرت خالد میں بھی کوئی مضمون اپنے نفس پر اعتماد کا۔ یا اون خدمات جلیلہ کا اپنی طرف منسوب سمجھنے کا پیدا ہوجائے۔ اسلئے ایک طرف اگر مسلمانوں کو ورطۂ ہلاکت سے بچانا ضروری تھا تو دوسری جانب حضرت خالد کو بھی کسی خطرۂ موہومہ سے محفوظ رکھنا مدنظر تھا معزولی اول کے بعد حضرت خالد سے اوس قسم کی تو کوئی بات پیش آئی نہ تھی جیسے بنی جذیمہ یا مالک ابن نویرہ کے قتل کی پیش آچکی تھی۔ صرف دو واقعہ پیش آئے تھے۔ ایک تو

کسی شاعر کو انعام میں کثیر رقم کا دیدینا۔ دوسرے حمام میں جاکر ایسے ابٹنے کا استعمال جسمیں شراب ملی ہوئی تھی۔ ان دونوں واقعوں کو سابق واقعات قتل بنی جذیمہ وقتل مالک بن نویرہ وغیرہ سے کیا نسبت مسلمانوں کا قتل غلطی رائے سے ہو یا غلطی فہم سے سخت اور عظیم الشان امر ہے اور یہ دونوں امر ایسے نہ تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اگر شاعر کو انعام دینا اسراف میں داخل سمجھا تو حضرت خالد کے خیال میں وہ اسراف نہ تھا۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب قصیدہ بانت سعاد کو ردا مبارک انعام میں عطا فرمائی تھی۔ رہی مقدار انعام یہ دینے والے کی ہمت ووسعت اور وسیع الخیالی کا ثمرہ ہے۔ کسی سائل کو ضرورت وحاجت سے زیادہ دینا جائز ہے۔ تو شاعر کو بھی جو بمنزلہ ایک سائل کے ہوتا ہے جائز ہے۔ اور پھر اسمیں ایک دوسری وجہ اتقاء شر یعنی اسکی بدزبانی سے اپنی عزت وآبرو کو بچانا بھی موجود ہوسکتی ہے اسلئے رقم کثیر بطور انعام دیدینے میں اونکے نزدیک کچھ حرج نہ تھا۔

عباس ابن مرداس نے جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کچھ اشعار کہے تو ارشاد فرمایا۔ اقطعوا عنی لسانه قالوا بما ذا یا رسول الله فامر له بحلة قطع بها لسانه۔ (اسکی زبان کو قطع کردو عرض کیا کس چیز سے قطع کریں ارشاد ہوا کہ اس کو ایک حلہ یعنی دو چادریں دیدیں جس سے اسکی زبان بند ہو جائے)

حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہ نہایت سخی وکریم تھے کسی سائل کے سوال کو رد کرنا جانتے ہی نہ تھے اور نہ عطا وجود اور اجرا امداد کا سلسلہ جو کسی کے ساتھ ہوتا تھا منقطع فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپنے ایک شاعر کو انعام میں رقم کثیر عطا فرمادی۔ کسی نے اعتراض کیا اتعطی شاعرا یعصی الرحمن ویقول البهتان۔ (کیا آپ شاعر کو اسقدر رقم دیتے ہیں جسکا شیوہ حق تعالیٰ کی نافرمانی اور مخلوق پر بہتان بندی ہے) آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ ان خیر ما بذلت من مالك ما وقیت به عرضك وان من ابتغاء الخیر اتقاء الشر (جن مواقع میں تو اپنا مال خرچ کرتا ہے اُن سب میں بہتر آبرو کی حفاظت کا موقع ہے۔ شر سے محفوظ رہنا بھی طلب خیر میں داخل ہے) مروی ہے کہ ایک شاعر نے آپ کی مدح کی آپنے انعام میں بھاری

رقم عطا فرمادی۔ اسپر لوگوں نے ملامت کی تو فرمایا انی خفت ان یقول لست ابن فاطمۃ الزہراء بنت رسول اللہ ولا ابن علی ابن ابی طالب ولکنی خفت ان یقول لست کرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا کعلی رضی اللہ عنہ فیصدق ویحمل عنہ ویبقی مخلدا فی الکتب محفوظا علی السنۃ الرواۃ فقال الشاعر انت واللہ یا ابن رسول اللہ اعرف بالمدح والذم منی (کیا تمھارے خیال میں مجھکو اس بات کا اندیشہ تھا کہ وہ یہ کہتا کہ آپ فاطمۃ الزہرا یا علی ابن ابی طالب کے صاحبزادہ نہیں ہیں۔ نہیں مجکو اس امر کا اندیشہ تھا کہ وہ یہ کہتا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے یا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی مثل نہیں ہیں۔ ایسا کہتا تو یقیناً وہ سچا ہوتا۔ بایںہمہ یہ بات روایت ہوکر پھیل جاتی۔ کتابوں میں مدون ہوتی۔ راویان اخبار کے السنہ میں محفوظ ہوجاتی۔ شاعر بھی اس گفتگو کو سنتا تھا اُس نے کہا قسم ہے خدا کی آپ مدح وذم کی حقیقت کو مجھسے زیادہ جانتے ہیں۔)

حاصل یہ ہے کہ اگر شاعر کی حیثیت کو دیکھا جائے کہ دن رات معاصی میں منہمک افترا و بہتان میں مصروف ہے تو اُسکو ایک پیسہ بھی دینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کی تقویت و اعانت۔ اعانت علی المعصیۃ ہے۔ لیکن جب اُن کو انعام دینے سے مقصود اتقاء شر یعنی عزت وآبرو کی حفاظت ہے اور اتقاء شر بعینہ طلب خیر اور داخل اعمال حسنہ ہے تو اوسکو دینا اور انعام میں بھاری رقم دینا دونوں نہ صرف جائز بلکہ مستحسن اور بعض اوقات بدرجہ ضرورت تک پہونچ جاتے ہیں پس بعینہ اسیطرح حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے انعام کو خیال فرمالیجیے۔

فائدہ ۔ یہاں ایک قوی شبہ پیدا ہوسکتا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ اگر شاعر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نسبت لست کرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا کعلی رضی اللہ عنہ ۔ کہتا جو حقیقتاً بھی صحیح تھا کہ آپ کا درجہ نہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر تھا اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی۔ اور آپ بھی اسکو صحیح جانتے تھے تو اوسمیں مذمت اور کسر شان کیا نکلتی تھی۔ جسکے منقول اور مروی ہونے کا آپ کو اندیشہ تھا اور جس سے بچنے کیلئے آپنے اُسقدر مال کو بلاضرورت صرف کردیا

جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ بیشک شاعر کا یہ کہنا صحیح ہوتا اور آپ بھی اُسکو صحیح جانتے تھے اور اسمیں آپ کی کسر شان وتوہین بھی نہ تھی۔ مگر یہ اُسیوقت تک جب تک کہ ظاہری الفاظ

کے مطابق مطلب سمجھا جاتا یعنی آپ مرتبہ اور درجہ یعنی فضائل و کمالات ذاتی - واکتساب - خیرات و مبرات میں اُنکے ہم پلہ نہیں ہیں - لیکن اہل عرف و عادت اس سے دوسرا مطلب بھی سمجھ سکتے تھے وہ یہ کہ آپ اُس طریقہ پر نہیں ہیں اور اُن جیسے نہیں ہیں - یعنی آپ اپنے سلف کے صحیح خلف اور جانشین نہیں ہیں - ظاہر ہے کہ یہ معنی اگرچہ الفاظ کے صراحتاً مدلول نہیں ہیں - مگر عرفاً مفہوم ہو سکتے ہیں اور شاعر کی مراد بھی یہی ہوتی - تو یقیناً ہجو میں داخل ہوتا اور اُن سے اتقاء کی ضرورت ہے - یہی وجہ ہے کہ آپ کی تقریر سنکر شاعر بھی حیران رہگیا اور بیساختہ بول اوٹھا کہ ہجو اور مدح کو آپ مجھ سے یعنی شعراء سے زیادہ سمجھتے ہیں - اوسکا مطلب یہی ہے کہ ایسے موقع میں اگر صراحتاً ہجو کیجائے یا کہدیا جائے کہ آپ حضرت فاطمہ زہراؓ و یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ نہیں ہیں تو ہر سُننے والا اسکو افترا و بہتان خیال کریگا - البتہ ہجو ایسے پیرایہ میں کہ ظاہر اوسکا غلط نہو - اور اشارۃً تنقیص مرتبہ کیطرف ہو جائے یہ ایسا امر ہے جس سے اوس عصر کے سننے والے بھی اشتباہ میں پڑ سکتے ہیں - اور بعد کے آنے والے جنھوں نے آپ کے حالات خود مشاہدہ نہیں کئے جب اس قسم کے خیالات سنیں گے تو اونکو خیال ہو سکتا ہے کہ شاید آپ نے اپنے سلف کا اتباع چھوڑکر اہل دنیا کی طرح دنیوی مشاغل کی طرف توجہ فرمائی ہو - یہ ہی وہ باریک پہلو تھا جس کو آپ اپنے لئے کسر شان توہین اور مذمت سمجھتے تھے اور جس سے اتقاء کو عین خیر خیال فرماتے تھے -

اِس درمیانی فائدہ کے بعد پھر ہم اصل مطلب کیطرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت خالد کا یہ فعل نہ حرام و مکروہ تھا اور نہ اسراف میں داخل -

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے بھی اِس معاملہ میں گرفت کی تو اُسکا مطلب یہ نہ تھا کہ اِس فعل کو حقیقتاً اسراف خیال فرماتے تھے - بلکہ میرے خیال میں آپ کو انتظاماً ایسے امور کا سد باب کرنا منظور تھا - مثلاً یہی فعل حضرت خالد سے صادر ہوا آپ تو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ایک ممتاز اور برگزیدہ فرد تھے اُنکی نسبت یہ خیال نہوتا تھا کہ اسراف جیسے کبیرہ کے مرتکب ہوں اور نہ یہ کہ سلاطین دنیا کی طرح مدح کرانے کیلئے انعام عطا فرمائیں - بلکہ تھا تو یہ کہ ایک سائل تھا جسکو آپنے اپنے حوصلہ و ہمت کے موافق عطا فرمایا اور اُسکی بدزبانی سے

بچنا بھی پیش نظر تھا مگر اسی قسم کی افعال جاہ طلب لوگوں کیلئے حجت ہو جاتے ہیں۔ اور جہاں تک ہمنے تاریخ وسیر کو دیکھا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیاست عامہ کے ساتھ افراد کے اخلاق و آداب کی اصلاح بھی فرماتے تھے اور کسی ایسے معاملہ میں بھی جو بظاہر مہتم بالشان معلوم نہ ہوتا ہو مگر اُسپر کسی وقت بھی دوسری قسم کے ثمرات مرتب ہو جانیکا اندیشہ ہوتا تھا سختی سے محاسبہ و دار و گیر فرماتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے کوفہ میں گھر بنا کر دروازہ لگالیا تو حضرت مسلمہ رضی کو بھیجکر جلوادیا۔ کیا دروازہ کا لگانا بھی ناجائز امور میں تھا۔ مگر آپ کی غرض یہ تھی کہ امراء و ولاۃ کا دروازہ مظلومین واہل حاجت کیلئے ہر وقت کھلا رہنا چاہیئے۔ اور اگر بندش اور دربانوں کی روک کی ابتدا صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتوں پڑگئی۔ تو دوسروں کو حجت قوی ہاتھ آجائیگی۔ وعلی ہذا بہت سی نظائر ایسی ملیں گی۔ کہ ایک مباح اور جائز امر کے انسداد میں بھی امور محرمہ کیطرح اہتمام فرمایا۔ علیٰ ہذا ادبٹنے میں اگر شراب تھی۔ اور مان لو کہ حضرت عمر رضی کی رائے میں ایسے ادبٹنے کا استعمال ناجائز تھا تب بھی یہ ایک مسئلہ اجتہادی تھا حضرت خالد کے نزدیک اُسکا استعمال جائز تھا۔ کیونکہ شراب کی صورت و حقیقت مستحیل ہو چکی تھی۔ یعنی بدل چکی تھی پس جو احکام صورت و حقیقت شراب پر متفرع ہوتے ہیں وہ اسپر نہونگے۔ جیساکہ شراب کو سرکہ بنالینے سے احکام بدل جاتے ہیں۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ صابون میں اگر ناپاک چربی ملی ہوئی ہو تو اُسکا استعمال جائز ہے کیونکہ چربی اگرچہ ناپاک ہے مگر وہ مستحیل ہو چکی ہے لہذا حکم بدل گیا اور ایسے اجتہادی مسائل میں کسی ایک مجتہد کو دوسرے پر الزام کا کوئی حق نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر نے اس جواب کو سنکر انکار نہیں فرمایا۔ غرض ان دونوں معاملوں کی جنپر آخر کی معزولی مرتب ہوئی یہ حقیقت تھی۔ اور ہم دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ معزول کرنے کی وجہ یہ امور نہ تھے۔ بلکہ انکی وجہ سے حضرت عمر رضی کے قلب مبارک میں حضرت خالد کی جانب سے کوئی سوء ظن بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ اگر گرفت تھی تو انتظاماً سدباب کیلئے دیکھئے حضرت عمر نے بحلف فرمایا واللہ انلث علیّ الکریم وانات ما الیّ لحبیب۔ اور اُمراء و ولاۃ کے نام عام گشتی جاری فرمائے۔

انی لم اعزل خالدًا عن سخطة ولا خیانة ۔ سخطہ اور خیانہ نکرہ ہیں جو نفی کے تحت میں واقع ہوئے ہیں ۔ یعنی کسی ادنی شائبہ ناخوشی و خیانۃ کی بناء پر معزول نہیں کیا حضرت عمر کی اس شد و مد سے حلف اور براءۃ کے بعد بھی اگر کوئی شخص وجہ عزل انہیں امور کو سمجھے تو یہ اُسکی خوش فہمی یا ہٹ دھرمی ہوگی ۔ حضرت عمر رضؓ جیسا راست باز تو بحلف شدید انکار کرے اور یہ اب بھی یہی کہے تو نہایت جرءت و بیباکی کی بات ہے ۔ مجکو تو اب اس ارشاد سے اپنی سابق معروض کی کہ معزولی اول کی وجہ بھی وہ امور سابقہ نہ تھے ایک اور تائید ملگئی ۔ وہ یہ کہ کسی بات پر ناخوش ہونے سے یہہ لازم نہیں آتا کہ وہ قابل عزل بھی سمجھی جائیں ۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں آخری امر حضرت عمرؓ کو ناپسند ہوں اور آپ کی شان احتساب و انتظام کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہونے چاہئیں مگر عزل میں انکو دخل نہیں تھا ۔ لیکن باا ینہمہ کہ یہ دونوں معاملے ایسے خفیف تھے ۔ مگر معزولی کے وقت اون سے وہ معاملہ کیا گیا جو ایک حقیقی مجرم سے بھی نہیں کیا جاتا ۔ ایک قائد جیش کے سر پر سے عمامہ اُتار کر مشکیں باندھی جائیں اور سر مجمع مجرمانہ حیثیت سے جواب طلب کیا جائے یہ اس قسم کی توہین ہے جو مستوجب حد و د شرعی کے ساتھ بھی نہیں کیجاتی ۔ ماعز ابن مالک پر حد زنا جاری کیگئی مگر جس شخص نے اُن کی توہین کی تھی اُسکو روک دیا گیا ۔ اور پھر اول مرتبہ تو باوجودیکہ وجوہ ناخوشی قوی تھیں صرف قیادۃ عامہ سے معزول کرنے پر اکتفا کیگئی اور اس مرتبہ اُنکو عام افراد کیطرح جہاد میں حصہ لینے سے بھی باز رکھا گیا ۔ بلکہ واپسی کا حکم دیدیا گیا ۔

جب ہم اس معزولی کے اسباب و طریقہ عزل پر نظر غائر ڈالتے ہیں تو سوا اس کے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ معزولی ثانی میں ان امور کو مطلقاً دخل نہ تھا ۔ اگر معزولی اول میں ناخوشی سابق کو ظاہراً دخل سمجھ لینا ممکن تھا تو اب اتنی وجہ بھی موجود نہ تھی ۔ کیونکہ یہہ معاملے ایسے نہ تھے اور پھر حضرت عمر رضؓ بحلف اس سے انکار فرماتے ہیں ۔ بات تھی تو صرف یہی کہ قلوب میں اُنکی عظمت حد اعتدال سے متجاوز ہوتی جاتی تھی ۔ تدابیر پر بھروسہ بڑھتا جاتا تھا ۔ خدا تعالی پر سے نظر اُٹھتی جاتی تھی ۔ ادھر حضرت خالد رضؓ میں جاہ و غلو و اعتماد علی النفس پیدا ہوجانیکا خطرہ تھا کیونکہ آپ معصوم نہ تھے ۔ حضرت عمر رضی اللہ نے ایک جانب تو عام خیالات و عقائد

کی اصلاح فرمائی کہ اُنکو عہدہ جلیلہ قیادۃ جیوش سے معزول فرمایا اور بتلا دیا کہ اصل وجہ فتوحات اسلام رحمۃ وفضل خداوندی ہے وہی صانع وکارساز ہے کسی کی کسی تدبیر وشجاعت۔ سیاست وفرزانگی کو اُسمیں دخل نہیں ہے بعد معزولی اگر وہ دوسروں کی طرح عام غزاۃ میں رہتے تب بھی اس خیال عام کا استیصال ممکن نہ تھا۔ کیونکہ جس معرکہ میں وہ شریک ہوتے اگرچہ کسی حیثیت سے ہوتے عام خیالات کا رجوع اُنھیں کی طرف ہوتا اور نصرۃ وفتح کو اُن کے وجود اُنکی رائے وتدبیر کیطرف منسوب کیا جاتا۔ رائے ٹھیک دینی تدابیر حرب بتلانے کیلئے قائد وافسر ہونا ہی کچھ ضرور نہیں ہے۔ بعض اوقات ایک معمولی سپاہی سے وہ نمایاں خدمات صادر ہوجاتی ہیں جنکی بدولت وہ سپاہی سے دفعتاً جرنیل کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر وہ شخص جو وقتاً فوقتاً عام قیادہ جیوش کے مدارج پر رہا ہو۔ جسکی تدبیر وفرزانگی کے ثمرات بکرات ومرات مشاہدہ ہوچکے ہوں۔ اُس سے نہ کوئی سپہ سالار مستغنی ہوسکتا ہے نہ عام افراد کے قلوب میں سے اُسکی عظمت و اقتدار کم ہوسکتی ہیں۔ اسلئے اسکا علاج تھا تو صرف یہی تھا کہ اُن کو میدان ہی سے واپس طلب کرلیا جائے۔ اور اس طرح مسلمانوں کو عظیم وخطرناک مہلکات۔ سوء اعتقادی واعتماد علی غیر اللہ سے بچالیا جائے۔ اور دوسری جانب خود حضرت خالد رض کے ساتھ وہ معاملہ کیا کہ اگر کوئی حظ نفس پیدا ہوچکا ہو یا ہوجانیوالا ہو تو یہ مادہ ہی دل سے نکل جائے اور بمقتضاء بشریت جن غوائل نفس کا اندیشہ ہوسکتا ہے اُس سے محفوظ ہوجائیں نفس کے غوائل اور امراض ایسے سخت وصعب ہیں کہ اُن سے بچنا اور مبتلا ہوکر صحت یاب ہونا افراد انسانی کی قدرۃ وطاقت سے خارج ہے۔ اُن سے وہی محفوظ رہتے ہیں جنکے قلوب کو خداوند عالم نے پاک وصاف بنایا۔ یا اُنکا کامل تزکیہ وتصفیہ فرمایا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک (تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے پہلو میں ہے) حضرت یوسف صدیق اس رفعت شان اور عظمت مرتبہ پر فرماتے ہیں وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی (میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا۔ نفس بڑا حکم کرنیوالا ہے برائی کیلئے سوا اُن لوگوں کے جنپر خدا تعالی رحم فرمائے) غرض حضرت عمرؓ کی شان فاروقی نے اسکو گوارا نہ کیا کہ امۃ مرحومہ کسی مرض عام اعتماد علی غیر اللہ وترک توکل میں

مبتلا ہوکر تدبیر ہی کو مایۂ اعتماد بنالے - یا حضرت خالد میں ہی کسی قسم کا حظ نفس وحب جاہ و امارت پیدا ہوجائے اسکے معالجہ کیلئے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہ تھی - جہاں حضرت خالدرضؓ کو برسر مجمع مجرمانہ حیثیت سے جواب طلب کرنے میں شوکت نفس کا توڑنا تھا - ایسے ہی اُنکے عزل کو ظاہری اسباب کی طرف منسوب کرکے ایک طرف عام مسلمانوں کی روک تھام تھی جنکے دلوں میں حضرت خالدرضؓ کی عظمت اس درجہ تھی کہ کہیں اُسکے مقابلہ پر احکام فاروقی میں کلام نہ ہونے لگتا - ادہر حضرت خالدرضؓ کو جن خطرات ومفاسد سے بچانا تھا اُسکے اندر بھی اسکو زیادہ دخل تھا - خلاصہ ہمارے تمام بیان کا یہہ ہے کہ صورت ظاہری میں عزل اول کیلئے واقعات سابق کو اور عزل ثانی میں واقعات مابعد کو سبب بنایا گیا - اور پھران دونوں میں بھی فرق تھا عزل اول میں حضرت عمرؓ کی ناخوشی واقعات سابقہ کیوجہ سے ایک ظاہر امر تھا اور اسلئے اُنکی مداخلت بھی اُس عزل میں زیادہ معلوم ہوتی ہے - مگر عزل ثانی میں اسقدر مداخلت بھی نہ تھی - لیکن حقیقتاً عزل کی یہ وجہ نہ تھی - بلکہ امت کو فتنہ وفساد عقائد کے ابتلاء سے اور حضرت خالدرضؓ کو حب جاہ وشوکت نفس کے مہلک مرض سے محفوظ رکھنا تھا - یہی وجہ تھی کہ اول عزل کے بعد بھی آپنے حقیقۃ الامر کو بیان فرماتے ہوئے صاف ظاہر کردیا کہ خالدرضؓ اور مثنیٰ کو کسی ریبہ یا تہمۃ کی وجہ سے معزول نہیں کیا گیا بلکہ خوف فتنہ اسکا باعث ہوا - اور عزل ثانی میں بھی جب حضرت خالدرضؓ نے ایسی بے عنوانی کا جو اُنکے ساتھ برتی گئی شکوہ کیا تو حلف کے ساتھ اُس حسن ظن ومحبت کا اظہار فرمایا جو آپ کو اُنکے ساتھ تھے - ادھر بذریعہ گشتی عام امراء وعساکر وولاۃ امصار کو اطلاع دی کوئی شخص حضرت خالدرضؓ کو کسی اشتباہ یا ریبہ کیطرف منسوب نہ سمجھے -

یہ ہے حقیقۃ الامر عزل خالد کی - ہر شخص کو چاہیئے کہ اس بیان کے اہم مقاصد کو محفوظ رکھے اور اُسکے دل میں نہ حضرت خالد کیجانب سے سوء ظن کا خطرہ ہو - نہ حضرت عمر کیجانب اس امر کا کہ ایک نامور فاتح کی خدمات سے مسلمانوں کو کیوں محروم فرمادیا -

(باقی آیندہ)

الاحادیث الموضوعة

(گذشتہ سے پیوستہ)

قوم وضعوا الاحادیث فی الترغیب والترهیب لیحثوا الناس بزعمهم علی الخیر ویزجروهم عن الشر ومضمون فعلهم ان الشریعة ناقصة وتحتاج الی تتمة فقد اتممناها۔ عن عبد الله النهاوندی قال قلت لغلام خلیل هذه الاحادیث التی تحدث بها من الرقائق فقال وضعناها لنرقق بها قلوب العامة قال ابن الجوزی غلام خلیل کان یتزهد ویهجر شهوات الدنیا ویتقوت الباقلاء صرفا وغلقت اسواق بغداد یوم موته فحسن له الشیطان هذا الفعل القبیح۔ کان ابو بشر احمد بن محمد الفقیه المروزی من اصلب اهل زمانه

تیسرے وہ لوگ ہیں جنھوں نے رغبت دلانیوالی اور خوف پیدا کرنیوالی حدیثوں کو تراشا تاکہ اپنے خیال باطل کے موافق لوگوں کو اوامر کے امتثال کی رغبت دلاویں اور مناہی کے ارتکاب سے باز رکھیں اُن کے فعل کا ماحصل یہ نکلتا ہے کہ شریعت آجتک ناقص ہے اسلئے اضافہ کی ضرورت تھی جسکو ہم نے پورا کردیا۔ عبداللہ نہاوندی نے غلام خلیل سے کہا کہ یہ دل کو نرم کردینے والی حدیثیں جنکو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہو تم نے کہاں سے حاصل کی ہیں. کہا کہ ہم نے ان کو اپنی طرف سے اس غرض سے تراش لیا ہے کہ لوگوں کے دلونکو نرم کردیں - ابن جوزی فرماتے ہیں کہ یہ شخص اعلی درجہ کا زاہد سمجھا جاتا اور خواہشات دنیا کا تارک تھا۔ باقلا کھاکر زندگی بسر کیا کرتا تھا اسکی وفات کے دن بغداد کے بازار بند کردئے گئے تھے باوجود اسکے شیطان نے اُسکے دل میں اُسکے اس فعل قبیح کی تحسین ڈالدی تھی۔ ابو بشر مروزی اپنے زمانہ کے تمام آدمیوں سے زیادہ حدیث میں متشدد تھا حدیث پر کسی عیب کے لگائے جانیکا روادار نہ تھا۔ اسپر بھی

فی السنة واذ بهم عنها فكان مع هذا يضع الاحاديث وعن ابی عمار المروزی قال قيل لابی عصمة بن ابی مریم المروزی من این لك عن عكرمة عن ابن عباس فی فضائل القرآن سورة سورة وليس عند اصحاب عكرمة هذا قال انی رأيت الناس اعرضوا عن القرآن واشتغلوا بفقه ابی حنيفه ومغازی ابی اسحاق فوضعت هذا الحديث حسبة الرابع قوم استجازوا وضع الاسانيد لكل كلام حسن كما حكی عن محمد بن سعيد انه قال لا بأس اذا كان كلام حسن ان تضع له اسناد الخامس قوم كان يعرض له غرض فيضعون الحديث فمنهم من اراد بذلك التقرب الی السلطان كغياث بن ابراهيم فانه حين دخل علی المهدی وكان المهدی يحب الحمام فقيل له حدث امير المؤمنين فقال

حدیثیں خوب گڑھا کرتا تھا۔

ابی عمار مروزی سے منقول ہے کہ ابی عصمہ مروزی سے کہا گیا کہ قرآن کی ہر ہر سورت کے فضائل عکرمہ سے بواسطہ ابن عباس کے تم نے کہاں سے حاصل کر لئے۔ عکرمہ کے اور اور شاگرد تو ان فضائل سے واقف نہیں۔

کہنے لگا کہ میں نے دیکھا کہ عوام کی توجہ قرآن کی طرف نہیں رہی اور وہ ابو حنیفہ کی فقہ اور ابو اسحاق کے مغازی میں لگ گئے تو میں نے ان احادیث کو حصول ثواب کی غرض سے تراش لیا۔ چوتھی وہ جماعت ہے جنھوں نے ہر عمدہ کلام کیلئے اسناد گڑھ لینے کی اجازت دے رکھی ہے۔ جیسے کہ محمد بن سعید سے مروی ہے کہ اُسنے کہدیا کہ اگر کلام اچھا ہو تو اُسکے لئے اسناد گڑھ لینے میں کچھ مضائقہ نہیں پانچویں وہ لوگ تھے جو اپنی کسی غرض کی وجہ سے حدیث گڑھ لیتے تھے اون میں سے بعض تو اس وضع حدیث سے پادشاہی تقرب کے امیدوار ہوتے تھے مثلاً غیاث ابن ابراہیم کا واقعہ کہ وہ مہدی کے پاس پہونچا مہدی کو کبوتر بازی کا شوق تھا غیاث بن ابراہیم سے کہا گیا کہ امیر المومنین کو کوئی حدیث سناؤ ایک سند سنا کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسابقت تمام چیزوں میں سوائے تیر اندازی یا اونٹ یا گھوڑے یا کبوتر کے ناجائز ہے

حدثنا فلان عن فلان ان النبی صلعم
قال لا سبق الا فی نصل او خف او حافر
او جناح فامر له المهدی ببدرة فلما
ادبر القی فی قلب المهدی بانه کذب
لاجله قال المهدی انا حملته علی
ذلك ثم امر بذبح الحمام ورفض
ما کان ومنهم من کان یضعه
فی ذم من یرید ان یذمه کما حکی
عن سعد بن طریف انه رای ابنه
یبکی فقال مالك قال ضربنی المعلم
فقال اما والله لاحدثنهم حدثنی
عکرمة عن ابن عباس عن رسول الله
صلعم قال معلموا صبیانکم شرارکم
وقیل لمامون بن احمد الا تری
الی الشافعی والی من تبعه بخراسان
فقال حدثنا احمد بن عبد الله بن معدان
عن انس قال قال رسول الله صلی الله
علیه وسلم یکون فی امتی رجل یقال
له محمد بن ادریس اضر علی امتی
من ابلیس السادس قوم وضعوا
احادیث قصص لاغراب
لیطلبوا ویسمع منهم السابع
قوم شق علیهم الحفظ

مہدی نے اُسکو ایک تھیلی (دراہم یا دینار کی)
دلوادی جب وہ چلا گیا تو مہدی کی سمجھ میں یہ بات
آگئی کہ میری (کبوتر بازی کی) وجہ سے یہ شخص
جھوٹ بولا تو مہدی نے کہا کہ اسکے جھوٹ کا باعث
میں ہوا۔ اُسوقت کبوتر کو ذبح کرا دیا اور کبوتر بازی
کو ترک کر دیا۔ بعض ایسے لوگ تھے جو کسیکی مذمت
کرنیکی غرض سے حدیث گڑھ لیتے تھے جیسے کہ سعد بن
طریف نے ایک مرتبہ اپنے بیٹے کو روتے ہوئے دیکھا
پوچھا کہ کیا ہوا اُس نے کہا کہ آج مجھکو اوستاد نے مارا
کہا خدا کی قسم میں اُنکو حدیث سناؤنگا۔ عکرمہ
نے بواسطہ ابن عباس مجھسے کہا ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمہارے بچوں کے
اساتذہ تم سب سے زیادہ بدتر ہیں۔ ماموں ابن احمد
سے امام شافعی اور اُنکے متبعین کی کثرت کا حال بیان
کیا گیا تو کہنے لگا کہ احمد بن عبد اللہ بن معدان نے
بواسطہ انس کے مجھسے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت میں ایک شخص
ادریس (امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہے) نامی
پیدا ہوگا جسکا ضرر میری امت پر ابلیس سے زیادہ
ہوگا۔ چھٹے وہ لوگ ہیں جنھوں نے حدیث کو گڑھنا
شروع کیا اس غرض سے تاکہ وہ عجائب امور بیان
کرنے والے سمجھے جاویں لوگ سننے کیلئے اون کو
ڈھونڈھتے پھریں۔ ساتویں وہ لوگ ہیں کہ جو حفظ حدیث

وربما رأوا ان المعروف محفوظ قالوا بما لا یعرف مما یحصل مقصودهم ومنهم القصاص ومعظم البلاء منهم وهم بحضرهم جهال انتهی ملخصًا

کی مشقت برداشت نہ کرسکے۔ بعض نے یہہ سمجھا کہ جو کچھ مشہور ہوچکا ہی ٹھیک ہی اس بنا پر اُنھوں نے وہ باتیں بیان کرنا شروع کردیں جو انکے مقصود کے موافق تھیں اسی میں واعظین کی جماعت بھی داخل ہی۔ اور اسلام پر بڑی مصیبت انہیں کی وجہ سے نازل ہوئی ہی۔ انہیں کے پاس جاہلوں کا مجمع رہتا ہے۔

حضرت شیخ ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں وضعین احادیث کے دلچسپ واقعات نقل کیئے ہیں میں اختصار کے ساتھ ہدیہ ناظرین کیئے جاتے ہیں امید ہے کہ دلچسپی سے خالی نہونگے۔

روی انہ صلی احمد بن حنبل ویحیی بن معین فی مسجد الرصافۃ فقام بین ایدیھم قاص فقال حدثنا احمد بن حنبل ویحیی بن معین قالا حدثنا عبد الرزاق عن معمر عن قتادہ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال لا الہ الا اللہ خلق اللہ تعالی من کل کلمۃ منھا طیرا منقارہ من ذھب وریشہ من مرجان واخذ فی القصۃ نحوًا من عشرین ورقۃ فجعل احمد بن حنبل ینظر الی یحیی ویحیی ینظر الی احمد فقال لہ انت حدثتہ بھذا فقال واللہ ما سمعت بھذا الا الساعۃ فلما فرغ من قصۃ واخذ القطیعات

مروی ہے کہ امام احمد بن حنبل اور یحیی بن معین نے رصافہ کی مسجد میں ایک مرتبہ نماز پڑھی وہاں ایک واعظ صاحب کھڑے ہوکر وعظ کرنے لگے اُس ضمن میں اونھوں نے فرمایا کہ احمد بن حنبل اور یحیی بن معین کے ذریعہ سے یہ حدیث مجھکو پہونچی ہے۔
کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے اللہ تعالی ان تمام کلمات میں سے ہر ہر کلمہ کے بدلہ میں ایک چڑیا پیدا کرتا ہے اُسکی چونچ سونے کی اور اُسکے پر مرجاں کے ہوتے ہیں اسیطرح قریب بیس ورق کے بک ڈالے۔ امام احمد یحیی بن معین کو اور یحیی بن معین امام احمد کو حیرت سے تکنے لگے ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ کیا تم نے اس سے یہ حدیث بیان کی ہے اونھوں نے کہا خدا کی قسم میں نے تو اس سے پہلے کبھی سُنا بھی نہیں جب وہ اپنے وعظ سے فارغ ہوگیا اور چندوں سے جیب گرم کرلی۔

مبدأ و معاد

(گذشتہ سے پیوستہ)

اور اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ ہر دو اصل قایم ہیں دین اور دنیا کی سعادت حاصل ہے نصیحتیں اور وصیتیں بھی آپ کے کان میں پہونچ چکی ہیں اُنکی رعایت میں اہتمام اور احتیاط کریں اور تضرع و زاری کے ساتھ تلافی تقصیرات گذشتہ کی کریں اس ذی الحجہ کے عشرہ میں بہ نیت قضاء اعتکاف عشرہ اخیرہ ماہ رمضان المبارک جو کسی وقت کسی ماہ مبارک میں ترک ہوا ہو اعتکاف کریں تاکہ اس نیت کی وجہ سے اتباع سنت حاصل ہو اور اس اعتکاف عشرہ ذی الحجہ میں عاجزی والتجا و اخلاص کے ساتھ عذر تقصیرات کریں فقیر بھی انشاء اللہ تعالیٰ اُس عشرہ میں آپ کی طرف متوجہ رہیگا۔

نیز مکتوب دو سو سترہ میں فرماتے ہیں مدت ہوئی کہ آپ نے اپنے احوال و اوضاع سے مطلع نہیں کیا بہرحال استقامت مطلوب ہے کوشش کریں کہ سرمو خلاف شریعت کوئی اعتقاد اور عمل ظاہر نہ ہو اور اپنی نسبت باطنی کی حفاظت اہم مہمات سے ہے نسبت باطنی جسقدر مجہول الکیفیت ہو اور حیرت کی جانب ہے بہتر اور زیباتر ہے کیونکہ کشوف الٰہی اور ظہورات اسمائی درمیان سلوک میں ہیں بعد وصول الی الذات یہ سب پیچھے رہجاتے ہیں اور سوائے جہالت اور عدم حصول مطلوب کے کچھ نہیں رہتا کشوف کونی کے بارہ میں کیا لکھے اوسمیں مجال خطا بہت ہے اور غلطی کا مظنہ غالب ہے اُسکے وجود و عدم کو برابر سمجھنا چاہئے۔ اگر پوچھیں کہ کیا سبب ہے کہ اولیاء اللہ سے جو مکشوفات کونیہ صادر ہوتے ہیں اونمیں سے بعض کا خلاف ظاہر ہوتا ہے مثلاً وہ خبر دیتے ہیں کہ فلاں شخص ایک ماہ کے بعد مریگا یا سفر سے وطن کیطرف رجوع کریگا اور ایسا نہیں ہے کوئی امر بھی نہیں ہوتا جواب اسکا یہ ہے کہ وہ مکشوف اور مخبر عنہ بعض شرائط کے ساتھ مشروط تھا کہ صاحب کشف کو اوسوقت اون شرائط کی تفصیل کی اطلاع نہیں ہوئی اُسنے مطلقاً اُس شے کے حصول کی خبر وقت معین پر دیدی یا یہ کہیں کہ لوح محفوظ کے احکام میں سے کوئی حکم عارضی

ظاہر ہوا کہ وہ حکم فی نفسہ قابل محو و اثبات ہے اور قبیلہ قضاء معلق سے ہے لیکن اُس عارف کو اُسکے معلق ہونے اور قابل محو و اثبات ہونے کا علم نہیں اس صورت میں اگر وہ عارف اپنے علم کے مطابق حکم کرے ناچار اُسمیں احتمال تخلف کا ہوگا منقول ہے کہ ایک دن حضرت جبرئیل علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور خبر دی کہ فلاں شخص کل صبح کو مر جاویگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسکے حال پر رحم آیا فرمایا کہ دنیا میں تجھے کیا آرزو ہے اُسنے کہا دو چیز کی تمنا ہے منکوحہ بکر اور حلوا آپ نے لوگوں سے فرمایا تاکہ دونوں کام مہیا ہو گئے وہ شخص رات کو اپنی منکوحہ کے ساتھ خلوۃ میں تھا اور حلوے کا طباق اُس کے سامنے تھا اتفاقاً ایک سائل فقیر اُسکے دروازہ پر آیا اور اپنی حاجت ظاہر کی اوس شخص نے وہ طباق حلوے کا اُس فقیر کو دیدیا بوقت صبح ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منتظر تھے کہ اُسکے مرنے کی خبر آوے گی دریافت سے معلوم ہوا کہ وہ شخص خوش و خرم ہے آپ حیران ہوئے اسی حال میں حضرت جبرئیل امین علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے اور فرمایا کہ حلوے کے صدقہ کرنے کی وجہ سے وہ شخص بلاء سے محفوظ رہا دیکھا کہ اُس شخص کے بستر کے نیچے ایک بڑا سانپ مرا ہوا پڑا ہے اور اُسکے مُنہ میں اسقدر حلوا بھرا ہوا ہے کہ اُسکی زیادتی سے وہ سانپ مر گیا۔ یہہ حقیر اس نقل کو پسند نہیں کرتا اور حضرت جبرئیل امین پر خطا تجویز نہیں کرتا کہ حامل وحی قطعی وہی ہیں اور حامل وحی پر احتمال خطا جائز رکھنا قبیح جانتا ہے مگر یہہ کہ یہ کہا جاوے کہ عصمت اور امانت اور عدم احتمال خطاء اُنکے لئے مخصوص ہے وحی کے ساتھ جو تبلیغ ہے حق تعالےٰ کی طرف سے اور یہہ خبر وحی کی قسم سے نہیں ہے بلکہ خبر دینا ہے ایک علم سے اور استفادہ ہے لوح محفوظ سے کہ محو و اثبات اُسمیں ہوتا رہتا ہے پس اس قسم کی خبر میں خطاء کی گنجایش ہے کہ بخلاف وحی کے کہ محض تبلیغ ہے پس ان دونوں میں فرق ہوگیا جیسا کہ شہادت اور اخبار میں فرق ہے کہ اول معتبر ہے شرع میں نہ ثانی واضح ہو کہ قضاء دو قسم پر ہے قضاء معلق اور قضاء مبرم قضاء معلق میں احتمال تغیر و تبدیل کا ہے اور قضاء مبرم میں گنجایش تغیر و تبدیل کی نہیں اسی قسم کے بارہ میں حق تعالیٰ نے فرمایا مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ ہمارا قول نہیں بدلتا اور قضاء معلق کے بارہ میں ارشاد ہے یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب محو کرتا

ہے اللہ تعالی جو کچھ چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے اور اُسکے پاس ہے اصل کتاب۔ ہمارے حضرت قبلہ گاہی قدس سرہ فرماتے تھے کہ حضرت پیران پیر سید محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہ نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ قضاء مبرم میں کسیکو مجال نہیں کہ بدل سکے مگر مجھکو اُسمیں بھی تصرف ہے اور اِس کلام سے حضرت قبلہ گاہی بہت تعجب فرماتے تھے اور اسکو مستبعد سمجھتے تھے یہ روایت مدتوں میرے ذہن میں رہی یہانتک کہ حق سبحانہ تعالی نے اِس دولت عظمی کے ساتھ مشرف فرمایا ایک دن یہہ فقیر ایک اپنے دوست سے ایک بلاء کے دفع کرنے کے درپے تھا جو اُسکے لئے مقرر ہوچکی تھی اور اُسوقت التجا و تضرع وزاری و خشوع بہت کررہا تھا کہ وہ بلاء اُس دوست سے دفع ہو ظاہر ہوا کہ لوح محفوظ میں یہہ قضاء کسی امر پر معلق نہیں اور کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں ایک گونہ ناامیدی ہوئی اُسوقت کلام حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ کی یاد آئی دوبارہ ملتجی و متضرع ہوا اور طریق عجز و نیاز اختیار کرکے متوجہ ہوا محض فضل و کرم سے یہہ ظاہر فرمایا کہ قضاء معلق دو قسم پر ہے ایک وہ قضاء ہے کہ اُسکا معلق ہونا لوح محفوظ میں ظاہر فرمایا ہے اور فرشتوں کو اُسپر مطلع فرمایا ہے اور ایک وہ قضاء ہے کہ معلق ہونا اُسکا صرف اللہ جل شانہ کے نزدیک ہے لوح محفوظ میں بصورت قضاء مبرم ہے یہ قسم اخیر قضاء معلق کی بھی تحمل تبدیل و تغییر کو ہے مثل قسم اول کے اُسوقت معلوم ہوا کہ کلام حضرت پیران پیر کی اسی قسم اخیر کے ساتھ متعلق ہے کہ قضاء مبرم کی صورت رکھتی ہے نہ اُس قضاء کے ساتھ کہ درحقیقت مبرم ہے کہ اُسمیں تغیر و تبدل محال ہے عقلاً و شرعاً جیسا کہ مخفی نہیں اور حق یہہ ہے کہ کمتر کسیکو اُس قضاء کی حقیقت کی خبر ہے تصرف کی اُسمیں کہاں گنجایش ہے۔ اور وہ بلاء کہ فقیر اُسکے دفعیہ کیطرف متوجہ تھا قضاء معلق کی دوسری قسم تھی جو بصورت قضاء مبرم لوح محفوظ میں ظاہر تھی اور معلوم ہوا کہ حضرت حق سبحانہ نے اُس بلاء کو دفع فرمایا والحمد للہ سبحانہ علی ذلک حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ مبارکاً علیہ کما یحب ربنا ویرضی والصلوۃ والسلام والتحیۃ علی سید الاولین والاخرین خاتم الانبیاء والمرسلین الذی ارسلہ رحمۃ للعلمین وعلی الہ واصحابہ وعلی جمیع اخوانہ من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین والملئکۃ المقربین اجمعین

اے اللہ ہمکو اُن کے دوستوں میں سے فرما اور ببرکت اُن بزرگواروں کے اُنکے آثار کا متبع بنا اور اللہ تعالیٰ رحم فرماوے اُسپر جو آمین کہے پھر اصل سخن کی طرف رجوع کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ بعض اوقات جو خطاء بعض علوم الہامی میں واقع ہوتی ہے سبب اُسکا یہ ہوتا ہے کہ بعض مقدمات مسلّمہ کہ صاحب الہام کے نزدیک ثابت و محقق ہیں اور نفس الامر میں کاذب ہیں علوم الہامی کے ساتھ مخلوط ہوجاتے ہیں اسطرح کہ صاحب الہام اونمیں تمیز نہیں کرسکتا یعنی اُسکو یہہ متمیز نہیں ہوتا کہ علوم الہامیہ کونسے ہیں اور مقدمات مسلمہ متخیلہ کونسے۔ بلکہ وہ تمام علوم کو الہامی سمجھتا ہے لہذا مجموعہ میں خطاء واقع ہوجاتی ہے بسبب خطاء بعض اجزاء کے اور نیز کبھی مکشوفات وواقعات امور غیبیہ کو دیکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ یہ محمول ظاہر پر ہیں اور مقصور ہیں صورت پر موافق اُس خیال کے حکم کردیتا ہے اور اونمیں خطا واقع ہوجاتی ہے صاحب الہام یہہ نہیں جانتا کہ وہ امور غیبیہ مصروف ہیں ظاہر سے اور ماول ہیں ساتھ تاویل خاص کے اور معتبر ہیں ساتھ تعبیر مخصوص کے پس یہہ مقام بھی منجملہ اغلاط کشفیہ کے ہے الحاصل جوکہ قطعی ہے اور لایق اعتماد کے وہ کتاب و سنت ہے کہ وحی قطعی سے ثابت ہوا ہے اور فرشتہ کی وساطت سے نازل ہوا۔ اور علماء کا اجماع اور مجتہدین کا اجتہاد بھی اُنھیں دو اصل یعنی کتاب و سنت کیطرف راجع ہے اور ان چار اصل شرعی کے سوا جوکچھہ ہو اگر موافق ہے ان اصول کے تو مقبول ہے ورنہ نہیں اگرچہ علوم و معارف صوفیہ کرام کے ہوں اور اگرچہ الہامات و مکشوفات ہوں اُس بارگاہ میں وجد و حال کو جب تک شریعت کی ترازو سے نہیں تولتے نیم جو کے عوض بھی نہیں خریدتے اور کشف و الہام کو جب تک کتاب و سنت کی کسوٹی پر نہیں کستے کسی قیمت کو نہیں لیتے۔ **طریق** صوفیاء کرام کے طے کرنے اور کمال تصوف کے حاصل کرنے سے غرض یہہ ہے کہ اعتقادیات شرعیہ کی حقیقت کا پورا یقین حاصل ہو جو کہ ایمان حقیقی ہے اور احکام شرعیہ کے ادا کرنے میں آسانی ہو اسکے سواء کوئی دوسرا مقصود نہیں ہے کیونکہ رویت باریتعالیٰ کا وعدہ آخرت میں ہے دنیا میں اُسکا حصول ممکن الوقوع نہیں اور مشاہدات و تجلیات جنپر صوفیا قانع ہیں وہ حقیقت میں ظلال ہیں اور شبہ و مثال پر تسلی کئے ہوئے ہیں حق سبحانہٗ تعالیٰ ورارالورا ہے ہیں ڈرتا ہوں کہ اگر حقیقت ان مشاہدات اور تجلیات کی واقعی بیان کروں تو۔

(باقی آئندہ)

اشتہار

کتب ذیل دفتر القاسم والرشید میں فروخت کیلئے موجود ہیں

اور جناب مولانا مولوی محمد علی صاحب مونگیری دام مجدہم نے القاسم والرشید کی امداد کیلئے عطا فرمائی ہیں

پیغام محمدی یعنی جواب نیاز نامہ پادری صفدر علی صاحب و جواب عدم ضرورت قرآن پادری ٹھاکر داس صاحب جسمیں نہایت عمدگی و تحقیق سے مقدس مذہب اسلام کی ضرورت اور دین موسوی و عیسوی پر اُسکی حقیقت مولانا ممدوح نے ثابت فرمائی ہے قیمت عمہ علاوہ محصولڈاک

دفع التلبیسات مولانا ممدوح کی تصنیف ہے جسمیں پادری عماد الدین صاحب کے رسالہ تقلیعات کا جواب شافی دیکر نبوت حضرت سردار انبیا محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کو قوی دلائل سے ثابت کیا ہے اور اناجیل غیر مروجہ کا غیر الہامی اور بے سند ہونا اظہر من الشمس کر دیا ہے قیمت ۵؍ علاوہ محصولڈاک۔

صحیفہ رحمانیہ مؤلفہ مولانا مولوی ابو الخیر محمد انوار حسین صاحب پروفیسر ڈی کالج مونگیر اسمیں قرآن مجید سے اور نیز مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے بیان کردہ معنی کی رو سے حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات جسمانی اور رفع آسمانی کا ثبوت مدلل دیکر مرزا صاحب کی نبوت اور مسیحیت کے ثبوت کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ قیمت ۲؍ علاوہ محصولڈاک

صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲ مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کو اُنہیں کے اقوال سے ثابت کرکے اُسکا ابطال اچھی طرح کر دیا ہے قیمت ۲؍ علاوہ محصولڈاک۔

خاکسار

سراج احمد رشیدی عفی عنہ معتمد المدیر القاسم والرشید دار العلوم دیوبند

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

۱- یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ تبیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھجاتا ہے۔

۲- یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ آٹھ آنہ (۸/عہ) پیشگی لیجاتی ہے۔ ممالک غیر سے صرف اُسیقدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۳- جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچ روپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہوں گے۔ اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۴- سوای اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کیخدمت میں شروع کا (یا خریدار کا جب سال شروع ہو اُسکا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کرکے عہ۹ کا ویلو روانہ ہوگا۔

۵- یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کیخدمت میں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا۔ بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسرونکی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمایش کرتے ہیں۔

۶- شعبان ۳۲ھ مطابق جولائی ۱۴ء سے اس رسالہ کا پانچواں سال شروع ہوا ہے۔ پہلے چار سالوں کی مکمل جلدیں موجود ہیں قیمت ہر جلد کی عہ۹ مع محصول ڈاک ہے۔

۷- نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں اُن کے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

۸- القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہیئے۔

المشتہر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر رسالہ القاسم مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

(رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

محصول

قیمت سالانہ

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی ماہوار رسالہ

جلد ۵ بابت ماہ رجب المرجب سنہ ۱۳۳۳ھ نمبر ۱۲

- خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

(اور)

مطبع قاسمی دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ رجب المرجب ۱۳۳۳ھ

(مطابق ماہ جون ۱۹۱۵ء)

جو حضرت مولانا محمود حسن صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

(اور)

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

(شائع ہوتا ہے)

المطلع محمد عماد الدین انصاری ناظم مطبع قاسمی دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدًا ومصلیًا ومسلمًا

سال پنجم باختتام رسید

حضرات ۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ آج القاسم کے پانچویں سال کا بارہواں نمبر آپکے ہاتھ میں ہے ۔ جب ہم اپنی بے بضاعتی اور کثرت مشاغل پر نظر کرتے ہیں تو دل اسدرجہ حیرت ہوجاتی ہے اور کسیطرح اپنے آپ کو اس ذمہ داری کے قابل نہیں پاتے ۔

صلاح کار کجا و من خراب کجا　　ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ہماری مثال بعینہ اوس مسافر کی سی ہو کہ جو صبح کو گھر سے نکلا ہے ۔ توشہ قلیل ہے ۔ رخت سفر کا پشتارہ کمر پر ہے ناطاقتی سے قدم ڈگمگائے جاتے ہیں مگر وہ ناتوان خدا تعالیٰ پر بھروسہ کئے ہوئے چیونٹی کی چال چلکر شام کو منزل پر پہونچ جاتا ہے ۔ اور اپنی ناتوانی کا معترف ہوکر ٹھنڈی دل سے جناب باری میں عرض کرتا ہے ۔

جو کچھ ہوا ہوا کرم سے تیرے　　جو کچھ ہو گا ترے کرم سے ہوگا

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ہماری صعوبت گذار طویل سفر کی آج پانچویں منزل محض بتوفیق الٰہی طے ہوئی ۔ انسانی قوت محض اپنے بل بوتے پر ان گھاٹیون کو طے نہیں کرسکتی جبتک تائید غیبی اُسکی دستگیری نہ کرے اور توفیق الٰہی اُسکی شامل حال نہو افوض امری الی اللہ (میں اپنا کاروبار خدا کے حوالہ کرتا ہوں) میں یہی تعلیم وہدایت مقصود ہے ۔ مقصد رسی اور کامیابی کا سہل طریق اور چلتا ہوا مجرب نسخہ یہی ہے کہ انسان اپنے ہر کام میں خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور اوسی کے ہاتھ میں اپنی

باگ دیدے اور سمجھے کہ جو کچھ ہورہا ہے اوسی کے فضل وکرم سے ہورہا ہے۔

ماشاء اللہ کان ومالم یشالم یکن ـــــ جو خدا چاہے وہ ہوا اور جو نچاہے وہ نہو۔

کٹ پتلی کی اوچھل کود بازی کرکی تحریکات کا کرشمہ ہے۔ ایک نادان بچا اسکو کٹ پتلی کیطرف منسوب کرے تو کرے مگر کوئی عاقل اسکو تسلیم نہیں کرسکتا انسان اگر کٹ پتلی نہیں ہے تو مٹ پتلی ضرور ہے شعر

خاک کے پتلے کو بھی دعویٔ یکتائی ہے ـــ کہیں کم بخت کی شامت تو نہیں آئی ہے

شریعت میں کسی کام کے ارادے اور کسی قول واقرار پر انشاء اللہ کہنے کی تعلیم پر اگر غور کیا جائے تو انسان کو اپنا عجز وقصور اچھی طرح معلوم ہوجائے۔ آخر ہم۔ ہمارے ارادے ہماری حرکات ہمارے سکنات کس کے قبضے میں ہیں۔ ہمارے۔ یا خدا کے۔ بیشک خدا کے قبضہ میں ہیں۔

واللہ خلقکم وما تعملون ـــ تمکو اور جو کچھ تم کرتے ہو سب کو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے

اگر یہ نہیں ہے تو اچھا ایک مرتعش سے کہئے کہ وہ اپنی حرکت کو سکون سے بدل دے وہ آپ کی اچھی طرح تسلی کردے گا۔ یا ایک فصیح طلیق اللسان مقرر سے کہ تقریر کرتے کرتے جسکو لکنت عارض ہوگئی ہو پوچھئے وہ بتلادیگا کہ کسنے اوسکی چلتی گاڑی میں روڑا اٹکادیا ہے۔

ہر کام کے شروع میں خدا تعالیٰ کی حمد اور بسم اللہ کہنے کا حکم کیوں ہے۔ اسی لئے کہ انسان ضعیف البنیان کہیں نامرادی کے گڑھے میں نہ گر جائے بلکہ ابتدا سے ہی خدا تعالیٰ کے نام کی برکت اور اوسکی حمد وثنا کے ثمرات اوسکی دستگیری کے کفیل ہوجائیں۔

القاسم اس دور پر فتن میں کیوں جاری ہے اور ہمنے اپنی گردن پر مسلمانوں کی ایک بڑی خدمت کی ذمہ داری کا بار کیوں رکھا۔

اس زمانہ کو ترقی اور تعلیم کی روشنی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی ایک جماعت نے یورپ کی تعلیمات سے متاثر ہوکر ایک نئے خانہ ساز اسلام کی بنیاد ڈالی۔ اور اوسکو حقیقی اسلام باور کرانے میں جد وجہد سے کام لیا۔ فلسفی توہمات کو انکی دینی بے علمی نے واقعیت کا جامہ پہنا کر عوام کے روبرو پیش کیا۔ اور اکثر ماہواری و ہفتہ وار رسائل واخبار نے اپنی ضمانت اور ذمہ داری میں اس ابتداع اور اختراع کے منتر حقیقی اسلام کے نورانی چہرہ پہ مارنے شروع کئے۔ اس سے پہلے ناخواندہ جماعت کی جہالت کا رونا تھا۔ رسوم آبائی کے دلدادوں کی اصلاح کا فکر تھا یہ ایک اور بلائے ناگہاں آئی۔ اور تعلیم یافتہ

بنکر آئی - بن پڑی اور یہ کیسی میرے اللہ تھی - ان بیباکانہ اور مستبدانہ حملوں کیلئے ایک قوی مدافعت کی ضرورت تھی -

خدائے قدیر کی ذات پر بھروسہ کرکے القاسم میدان میں اترا اور اُسنے محض تائید حق کیلئے کمر ہمت چست باندھی - اوسنے ضمانت کی کہ وہ اسلام کے قدیم اصول اور صحیح قواعد کی تعلیم کرے علم کلام کے قوی مسائل سمجھائے فلسفہ یورپ کی مدافعت کرتا رہے قرآن و حدیث کے مضامین کی اشاعت کو اپنا نصب العین رکھے تمدنی غلط فہمیوں کا ازالہ اوسکا فرائض منصبی ہو بگڑے ہوئے مذاق کی اصلاح اوسکا چمکتا ہوا مقصد ہوا اخلاقی کمزوریوں کی درستی کرے اور یہہ جو کچہ کرے اوسمیں اپنی پرانی لکیر کا فقیر رہے -

پُرانی روش پر چلے اور چلائے
وہ اسلام کا سیدھا رستہ بتائے

اکابر کے حالات تمکو سُنائے
وہ سچا مسلمان تمکو بنائے

وہ جہل و ضلالت کی گردن مروڑے
وہ احداث فی الدین کے سر کو توڑے

جدت پسندی کے بگولے اوٹھے - اور اونکا سمی اثر اپنا کام کرگیا دینی بےحسی وبا کیطرح پھیلگئی - اہل ملک کا مذاق ایسا بدلا کہ ایمان کی حلاوت کسیلی اور خودرائی کی تلخی شیرین معلوم ہونے لگی - طرز تکلم و خطاب بدل گیا املا و انشا کی کایا پلٹ ہوگئی - جس عبارت میں اول بسم اللہ اور خطبہ مشتملبر حمد و نعت نظر آیا اوسکو پڑہنا تو درکنار ہاتھ میں لینا بھی کسر شان سمجھا جاتا ہے - کسی عبارت میں کوئی عربی جملہ آگیا تو اوبکائیاں آنے لگیں - عربی الفاظ نظر پڑے تو آنکھیں سرخ ہوگئیں چہرہ تمتما گیا - پرانا طرز تحریر دیکھا تو تیور بدل گئے اور جو نہ کہنا تھا وہ کہہ گذرے - چودھویں صدی کے غیر متمدن اور باہمت مسلمانوں میں جب ایسے افراد بھی پائے جاتے ہوں تو القاسم کو ایک دقیانوسی اور پارینہ خیالات کا مجموعہ کہکر پھینکدیا گیا کوئی بڑی بات ہے القاسم کی ترقی کی کیا شکل ہو وہ پرانا واعظ ہے - وہ قرآن و حدیث کا سلف کے طریق پر معلم ہے - وہ جدت کا مخالف ہے - وہ اعجوبہ پرستی کو ذلت کی نظر سے دیکھتا ہے - وہ اندھی تقلید کا سخت دشمن ہے - وہ عربی نژاد ہے اوسکو یورپ کی آزادی سے دلی نفرت ہے - وہ یورپ کا بندہ نہیں ہے وہ خدا کا بندہ ہے ترقی ہو یا نہو چلے یا بند ہو جائے مگر وہ اور الرشید انشاء اللہ تعالیٰ ان سمی اثرات سے متاثر ہونیوالے نہیں ہیں -

مذہب کی اصلی تصویر کی جب عالم سے مٹانیکی کوشش کی جارہی ہو تو کوئی سچا مذہبی رسالہ

یا اخبار ایسے زمانہ میں اپنی کامیابی کی کیا امید کرسکتا ہے۔ اور دوست نما دشمنوں کے پنجہ سے کیونکر محفوظ رہ سکتا ہے۔ مگر ہاں اسکی وہ ہی قوی تدبیر ہے کہ خدا تعالیٰ کے بھروسہ اپنا فرض ادا کئے جاوے کامیابی کا دروازہ ضرور کھُلے گا۔ اور یہی باعث ہے کہ باوجود ان مشکلات کے القاسم ابتک زندہ ہے اور ملک میں اوسکی آواز پر کان لگائے جاتے ہیں۔

القاسم کیا ہے

وہ دار العلوم دیوبند کا گرد آلود گشتی داعی ہے وہ ایک ہادی اور مبلغ کی شان رکھتا ہے اور ماہوار اپنے مسلمانوں کے دروازہ پر حاضر ہوکر اپنے فرض سے سبکدوش ہوتا ہے۔

جسطرح دار العلوم دیوبند اپنے مذہبی قیود میں جکڑ بند ہے اور دنیا کے سفید و سیاہ سے محفوظ۔ رنگ آمیزیوں سے سادہ۔ گرم بازاریوں سے متنفر ہے۔ اسیطرح القاسم والرشید کا میدان تنگ ہے وہ اپنی مذہبی ہستی کی بقا کو اپنی کامیابی کا طرہ اور اپنے تاج کا چمکتا ہوا موتی سمجھتے ہیں۔ اور اسی امتیاز کو وہ اپنے لئے ہزار غنیمت جانتے ہیں۔

القاسم والرشید کا خاص امتیاز

اِن دونوں رسالوں کا مالی تعلق دار العلوم دیوبند سے ہے حضرت مدیر یا کوئی اور انکا مالک نہیں ہے۔ ان کی آمدنی دار العلوم کے مصارف میں خرچ ہوتی ہے۔ ان رسالوں کی اشاعت اسوجہ سے بھی جملہ اہل اسلام پر ضروری ہے۔ امید ہے کہ اہل اسلام اسکا خیال رکھیں گے۔

اعتذار

القاسم والرشید کی نسبت یہہ شکایت ہوتی ہے کہ وہ وقت پر نہیں پہونچتے یہ شکایت ایک حد تک صحیح ہے ایسے اتفاقات ہوئے ہیں کہ اُنکی اشاعت میں زیادہ تاخیر ہوئی ہے لیکن درحقیقت ہماری مشکلات کا اگر آپ حضرات کو علم ہو تو بالیقین آپ ہمکو معذور سمجھیں۔ مطبع وغیرہ کی ایسی مشکلات کبھی کبھی پیش آجاتی ہیں۔

فہرست مضامین رسالہ القاسم جلد پنجم

نمبر	عنوان مضمون	مضمون نگار	خلاصہ مضمون
۱	دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا	مولانا حبیب الرحمن صاحب مدیر القاسم	یہ طویل و مدلل مضمون القاسم میں ابتدا سے جاری ہے اشاعت اسلام کے متعلق یہ مضمون اپنی آپ ہی نظیر ہے اسلام پر سے مخالفین کے صدہا اعتراضات کے جوابات اسلام کے امتیازات تاریخی واقعات سیکڑوں تاریخی غلط فہمیوں کا استیصال بہت سی غلطیوں کی تصحیح اسمیں اس وضاحت اور قوت سے کی گئی ہے۔ کہ کوئی خفا نہیں رہا۔ زمانہ صحابہ کرام کے امتیازات کو اچھی طرح دکھایا گیا ہے اور اسلام کی خداداد قوت اور اوس کے حقیقی جذبات اور فطری ملکات پر پوری روشنی ڈالی گئی ہے
۲	فضائل ماہ رمضان المبارک	مولانا مولوی عزیز الرحمن صاحب مفتی دار العلوم دیوبند	رمضان المبارک کے فضائل صحیح صحیح روایتوں سے بیان کئے گئے ہیں۔ یہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مکتوب کا ترجمہ ہے
۳	تعلیمات اسلام نمبر ۲	مولانا مولوی حبیب الرحمن صاحب مدیر القاسم	دعا و استغفار کی مفصل بحث اور اوسکی قبول کی شرائط و آداب و طریق نہایت جامع اور مفید و عجیب مضمون ہے بعض طبائع میں دعا قبول نہونے پر جو خلش دل میں پیدا ہوتی ہے اسکو بھی اچھی طرح دفع کیا گیا ہے۔
۴	اعلاء کلمۃ اللہ کا بہترین طریقہ	مولوی نور الہدی صاحب قیس دربھنگوی متعلم دار العلوم دیوبند	یہ ایک نہایت مدلل مضمون ہے جسمیں اسلام کی خوبیاں اور اُسکی حقانیت پر متانت اور سنجیدگی سے بحث کی گئی ہے۔
۵	تربیۃ السالک و تنجیۃ الہالک	حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب مدظلہم تھانوی	مولانا کے مریدین جو اپنے حالات و مواجید مولانا کو لکھتے ہیں اور مولانا اُنکو جواب عنایت فرماتے ہیں اُن سب کا مجموعہ سلوک کے مبتدیوں کیلئے بیحد مفید۔

نمبر	عنوان مضمون	مضمون نگار	خلاصہ مضمون
۶	بعض جزئیات انقلاب مع اصلاح	حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب مدظلہم تھانوی	انقلاب امت اور اوسکی اصلاح کے متعلق ایک طویل مضمون ہے جو ابتدائے القاسم سے شائع ہوا ہے۔
۷	اختلاف رحمت وائتلاف امت	حضرت مولانا مولوی محمد ناظر حسن صاحب دیوبندی مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ	اختلاف محمود اور مذموم کا فرق باہمی اتحاد کی ضرورت
۸	خیر الامم کا طغرائے امتیاز	مولوی مناظر احسن صاحب بہاری متعلم دار العلوم دیوبند	دین اسلام کی حقانیت اور ادیان باطلہ سے تفصیلی توازن اس کی غرض و غایت ہے صرف تمہید طبع ہوئی ہے مولوی صاحب اس سال یہاں سے چلے گئے۔
۹	تحقیق مسئلہ خطبہ جمعہ	مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی	جمعہ کے خطبہ کے متعلق کہ زبان اردو وغیرہ میں جائز ہے یا نہیں عالمانہ نہایت مدلل اور شافی وکافی ایک استفسار کا جواب ہے جو حقیقت میں لاجواب ہے۔
۱۰	کلمۃ الحق	خاکسار معتمد المدیر	اس مضمون کا اول حصہ ہمنے جناب نواب محمد اسمٰعیل خانصاحب اڈیٹر افادہ آگرہ کے ایک اعتراض کے جواب میں لکھا تھا اوسکے بعد سے ہم نے اس عنوان کو برابر جاری رکھا اور اسمیں یہ دکھانا منظور ہے کہ اسلامی اصول نہایت پختہ ہیں قرآن وحدیث بالکل محفوظ ہیں اور اون سے جو امور ثابت ہیں وہ نہایت قوی ہیں حدیث کی جو خدمت اسلام میں ہوئی ہے اسکی نظیر دنیا میں کوئی مذہب پیش نہیں کرسکتا وغیرہ یہ مضمون ہنوز ناتمام ہے اگر زندگی ہے تو انشاء اللہ تعالی یہ ابھی مدت تک چلیگا۔
۱۱	مبدا و معاد	حضرت مفتی صاحب دام ظلہم	مکاتیب حضرت مجدد رحمۃ اللہ سے شریعت و طریقت کے مضامین حقہ کا انتخاب نہایت مفید اور کارآمد۔

نمبر	عنوان مضمون	مضمون نگار	خلاصہ مضمون
۱۲	قصیدہ عربیہ	مولانا عبدالرحمن صاحب سہوارنی رکن مجلس العلما ریاست بھوپال	یہ عربی زبان میں ایک نعتیہ قصیدہ فصاحت و بلاغت کی چاشنی میں ڈوبا ہوا ہے اگر مولانا کا نام اس قصیدہ پر نہ لکھا جائے تو بیشک عربی داں حضرات کو گمان ہوگا کہ یہ برگزیدہ نظم کسی عرب کی زبان سے نکلی ہے۔
۱۳	معلم اور استاد کا ادب و احترام شاگرد پر واجب ہے	مولانا عبدالحق صاحب شبیر دارالعلوم دیوبند رئیس پور قاضی	آپ نے آیات و احادیث سے ثابت کیا ہے کہ شاگرد پر استاد کا ادب و احترام واجب ہے اور اجکل جو انگریزی تعلیم کی بدولت دنیا چوکڑی مچی ہوئی ہے وہ اسلامی اصول کے بالکل خلاف ہے
۱۴	الاحادیث الموضوعہ	مولانا محمد اعزاز علی صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند	اس مضمون میں احادیث موضوعہ کے متعلق علمی ابحاث نہایت سلیس پیرایہ میں بیان کیجاتی ہیں اور یہ مضمون ابھی مدت تک جاری رہیگا فن حدیث کے متعلق اسمیں جا بجا بہت سی مفید باتیں اہل علم و طلبہ کی داد کے قابل ہیں۔
۱۵	سجود الشمس	مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مدرس دارالعلوم دیوبند	یہہ ایک معرکۃ الآرا تحقیق ہے کہ جسمیں آفتاب کے زیر عرش سجدہ کرنے کی کافی بحث ہے فلسفہ طبعی اور حکمت الٰہی کی فراحمت دنیا کے فرقوں کے اسبارہ میں خیالات اور اون سب کے مقابلہ میں اسلامی عقیدہ کا اثبات مدلل اور عام فہم پیرایہ میں کیا گیا للہ در المصنف۔
۱۶	فلسفہ اور علم کلام العقل والنقل	مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مدرس دارالعلوم دیوبند	یہہ ایک طویل مضمون ہے اسکے حصص متفرق طور پر القاسم میں متعدد مرتبہ طبع ہوئے نہایت برجستہ اور شستہ پیرایہ میں مبرہن اور مدلل طور پر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عقل سلیم و نقل صحیح میں تعارض کی گنجایش نہیں ہے ہاں عقل سلیم نہو یا نقل صحیح نہو تو بے شک

نمبر	عنوان مضمون	مضمون نگار	خلاصہ مضمون
			تعارض ہے اسلامی روایات جو صحیح ہیں عقل سلیم کو اونکے ابا کی گنجایش باقی نہیں یہ مضمون علحدہ مستقل طور پر رسالہ کی صورت میں زیر طبع ہے۔
۱۷	لطایف الحدیث	مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مدرس دار العلوم دیوبند	حدیث شریف وتحریمہا التکبیر وتحلیلہا التسلیم پر محققانہ بحث کی گئی ہے جو قابل دید ہے

ضروری گذارش

خریداران القاسم والرشید اپنے پتہ اور القاب بے تکلف صاف اور صحیح خوشخط تحریر فرماویں۔ جن حضرات سے شناسائی نہیں ہے اور وہ اپنی تواضع کی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ مولوی حافظ حکیم سید شیخ وغیرہ تحریر نہیں فرماتے ہیں اونکا نام چٹ پر بلا القاب درج ہونے سے ہمکو اپنے اون دوستوں اور بزرگوں سے ایک قسم کی ندامت ہے اور بعض وقت پتہ یا ولدیت صاف نہ لکھنے سے ہمکو بہت دقت ہوتی ہے اسلئے گذارش ہے کہ اپنا نام القاب پتہ اور نمبر خریداری جو رسالہ کی چٹ پر ہمیشہ ہوتا ہے صاف خوشخط لکھا کریں اور جب مدت خریداری ختم ہو اوس سے کچھ پیشتر مطلع فرما دیا کریں کہ آیندہ خریداری منظور ہے یا نہیں۔

اسکے بعد یہ درخواست ہے کہ سب حضرات خریداران توجہ فرما کر القاسم کیلئے دو دو خریدار اپنی سعی سے بڑھا دیں۔ اور حتی الامکان اسکی اشاعت میں سرگرم رہیں کیونکہ یہ رسالے ہمارے لئے کاسہ گدائی نہیں ہیں اسلئے بے تکلف عرض کرنے میں باک نہیں ہے جو حضرات دار العلوم دیوبند کی امداد کو ضروری جانتے ہیں اونکا فرض ہے کہ وہ ان دونوں رسالوں کی امداد میں بھی نمایاں حصہ لیں۔　والسلام۔

خاکسار معتمد المدیر

مگر خداوند جل مجدہ نے اوسکی شرط و اصل اصول تمام شرائط ہونیکی اس ارشاد میں اشارہ فرمادیا ہے،

اَمَّن یجیب المضطر اذا دعاہ۔

کون ہے جو مضطر و بیقرار کی جبکہ وہ دعا کرے۔ دعا کو قبول کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس ارشاد میں اجابت کو اضطرار پر مرتب فرمایا ہے۔ اور یہہ ترتب جبھی ہو سکتا ہے جب اضطرار کو اجابت میں دخل تام ہو۔

لیکن چونکہ یہہ حالت حدود اختیار سے خارج ہے اسلئے اجابت دعا کو اوسپر موقوف و معین نہیں فرمایا۔

شرح حکم ابن عطاء اللہ میں ہے۔ قال بعض العارفین اذا اراد اللہ ان یستجیب دعاء عبد رزقہ الاضطرار لا یتحققہ العبد من نفسہ فی جمیع حالاتہ قال بعضھم المضطر الذی اذا رفع الی اللہ یدہ لم یر لنفسہ عملا وھذا حال شریف و مقام منیف یعسر علی اکثر الناس الوصول الیہ فکیف یتحقق ما یبتنی علیہ۔ 49

بعض عارفین فرماتے ہیں کہ جب خداوند عالم کسی کی دعا قبول کرنا چاہتا ہے تو اونکے اندر کیفیت اضطرار پیدا فرمادیتا ہے۔ اور اضطرار ایسی چیز ہے جو بندہ کو تمام حالات میں حاصل نہیں ہوتی۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ مضطر وہ شخص ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف ہاتھ اوٹھائے تو اپنے نفس کے عمل و ارادہ کیطرف مطلق اوسکی توجہ نہو۔ اور یہہ ایک ایسا شریف حال اور عالی مقام ہے۔ جو کسیکو بمشکل حاصل ہوتا ہے اور جب یہہ حال و کیفیت حاصل نہیں تو اجابت دعا جو اوسپر مبنی و مرتب ہے کیونکر متحقق ہو۔

حاصل ارشادات مقتدایان اسلام کا یہہ ہے اور وہ بالکل توضیح و تشریح ہے ارشاد خداوند عالم جل مجدہ کی اور مطابق ہے قواعد شرعیہ و عقلیہ کے کہ حالت اضطرار کو اجابت دعا میں دخل تام ہے۔ خداوند عالم جب کسی پر رحمت فرماتے اور اوسکی دعا کو درجہ اجابت تک پہنچانا چاہتے ہیں تو اوسکے دل میں اضطرار پیدا فرمادیتے ہیں۔ اور کیفیت اضطرار جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور بعض عارفین نے اوسکی تشریح فرمادی ہے۔ یہی ہے کہ اوسکی توجہ اپنے

عمل و ارادہ پر کسی کی امداد و اعانت سے منقطع ہو کر صرف خداوند عالم کیطرف رہجائے۔ اور ظاہر ہے کہ سائل یا حاجتمند۔ مسئول عنہ کا محتاج الیہ ہونا۔ پورا پورا اسیوقت محقق ہوتا ہے جبکہ سائل تمام ذرائع منقطع کرکے سوا مسئول عنہ کے کسی کو حاجت روا نہ سمجھے۔ پس گویا دعا کا وجود حقیقتاً اوسیوقت ہوتا ہے جب یہ کیفیت پیدا ہوجائے۔ اور جب اس کیفیت کا حصول سہل نہیں بلکہ سخت دشوار ہے اور اوسکی دشواری اسیوجہ سے بھی بڑھ گئی کہ بندہ کے اختیار میں اوسکی تدبیر بھی نہیں ہے۔ اسلئے ثمرہ دعا یعنی اجابت جسکا ترتب اس کیفیت پر کیا گیا ہے کیونکر محقق ہوسکتا ہے۔

اوقات دعا

دعا کرنے کیلئے نہ کسی مقام کی خصوصیت ہے اور نہ وقت کی۔ اوسمیں نہ حال کی پابندی ہے اور نہ حالت کی۔ اول تو آدمی کا قلب اپنے مالک و خالق۔ رازق و منعم کیطرف
۵۰ ہر وقت متوجہ رہنا اور اپنی حاجات دینی و دنیوی کو زبان حال یا قال سے پیش کرتے رہنا چاہیئے۔ بلکہ اگر کسی خاص مقصد و مطلب کیلئے دعا کرنا چاہے تب بھی کسی مقام و وقت کا پابند نہیں۔ مسجد میں اور اپنے مکان میں۔ نماز میں یا خارج از نماز۔ حالت قیام و قعود میں یا استراحت و مشغولی معاملات کے وقت دعا کرسکتا ہے۔ اسکے لئے طہارت جسمانی یا طہارت ثوب بھی شرط نہیں۔ بلکہ جسوقت اور جس حال میں چاہے دعا کرسکتا ہے۔ خداتعالیٰ کے یہاں سے قبولیت استجابت کی توقع ہے۔

مگر پھر بھی بعض مقام و اوقات اور بعض احوال قبولیت میں زیادہ موثر اور حصول حاجت کیلئے زیادہ مفید ہوتے ہیں۔ اسلئے آدمی کو چاہیئے کہ ان اوقات اور ان مقامات اور ان احوال کا منتظر اور دعا کیلئے مستعد رہے۔

اوقات میں (۱) یوم جمعہ (۲) یوم جمعہ کی آخری ساعت (۳) جمعہ کی اذان کے بعد (۴) عرفہ کا دن (۵) اذان کا وقت (۶) اذان و تکبیر کے درمیان (۷) تکبیر نماز کے وقت (۸) ظہر و عصر کے درمیان (۹) ہر روز زوال کا وقت (۱۰) رات کا آخری حصہ صبح صادق سے کچھ قبل (۱۱) رجب کی پہلی رات (۱۲) شعبان کی درمیانی رات (۱۳) عیدین کی شب (۱۴) پانچوں نمازوں کے بعد (۱۵) رویۃ بیت اللہ کا وقت (۱۶) افطار

صوم کا وقت (۱۷) صف قتال میں بمقابلہ اعداء قیام کا وقت۔
قبولیت دعا کے خاص اوقات ہیں۔
دیکھو احادیث مذکورہ ذیل۔

(۱) خیر یوم طلعت علیہ الشمس یوم الجمعۃ۔ فیہ خلق ادم وفیہ اخرج منھا ولا تقوم الساعۃ الا فی یوم الجمعۃ۔

سب سے بہتر دن جسمیں آفتاب طلوع کرتا ہے جمعہ کا دن ہے۔ اوسی میں آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اُسی میں جنت کے اندر داخل کئے گئے۔ اور اسمیں جنت سے نکالے گئے۔ اور قیامت جمعہ ہی کے دن قائم ہوگی۔

۵۱ اور ایک روایت میں ہے وفیہ تیب علیہ اور اسمیں اُنکی توبہ قبول کیگئی۔

(۲) ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق ادم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علی من الصلوٰۃ فیہ

تمہارے بہترین ایام میں سے جمعہ کا دن ہے۔ اوسمیں آدم پیدا کئے گئے۔ اوسمیں اُنکا قبض روح ہوا۔ اوسی میں صور پھونکا جائے گا۔ اور اوسمیں صعقہ یعنی عام بیہوشی ہوگی تمکو چاہیے کہ اس روز مجھپر بکثرۃ درود بھیجا کرو۔

(۳) ما من مسلم یموت یوم الجمعۃ او لیلۃ الجمعۃ الا وقاہ اللہ فتنۃ القبر

جو کوئی مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں وفات پاتا ہے۔ اللہ تعالی اوسکو فتنہ قبر سے محفوظ رکھتا ہے۔

(۴) لیلۃ الجمعۃ لیلۃ اغر ویوم الجمعۃ یوم اغر

جمعہ کی رات چمکتی ہوئی روشن رات ہے۔ اور جمعہ کا دن چمکتا ہوا روشن دن ہے۔

(۵) ان فی الجمعۃ لساعۃ لا یوافقھا مسلم یسال اللہ فیھا خیرا الا اعطاہ ایاہ۔

جمعہ کے دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ کوئی مسلمان اوسمیں خدا تعالی سے کسی قسم کی بھلائی مانگے وہ اُسکو ضرور ملتی ہے

(۶) سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی ساعۃ الجمعۃ ھی مابین ان یجلس الامام الی ان تقضی الصلوٰۃ۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ ساعۃ جمعہ وہ وقت ہے جو امام کے ممبر پر بیٹھنے سے نماز کے ختم تک ہوتا ہے۔

(۷) التمسوا الساعۃ التی ترجی فی یوم الجمعۃ بعد العصر الی غیبوبۃ الشمس

جمعہ کے روز جو ساعت قبولیت دعا ہے اوسکو بعد نماز عصر آفتاب کے غروب تک تلاش کرو

(۸) ما من یوم اکثر من ان یعتق اللہ عبدا من النار من یوم عرفۃ وانہ لیدنو ثم یباھی الملٰئکۃ فیقول ما اراد ھولاء۔

کسی روز خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو عذاب نار سے اس کثرۃ کے ساتھ نجات نہیں دیتا جتنا کہ عرفہ کے دن دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قریب ہوکر ملائکہ سے بطور مسرت و فخر فرماتا ہے یہ لوگ کیوں جمع ہوئے اور کیا چاہتے ہیں۔ ۵۲

(۹) خیر الدعاء دعاء یوم عرفۃ۔

بہترین دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے۔

(۱۰) ما رؤی الشیطان یوما ھو فیہ اصغر ولا ادحر ولا احقر ولا اغیظ منہ فی یوم عرفۃ وما ذاک الا لما یری من تنزل الرحمۃ وتجاوز اللہ عن الذنوب العظام الا ما رؤی یوم بدر فقیل ما رؤی یوم بدر قال فانہ قد رای جبرئیل یزع الملٰئکۃ

کسی دن شیطان اسقدر چھوٹا۔ مردود و مطرود۔ حقیر اور غیظ و غضب میں بھرا ہوا نہیں دیکھا جاتا جسقدر کہ عرفہ کے دن کیونکہ وہ حجاج اور واقفین عرفات پر خداوند عالم کی رحمت کے نزول اور بڑے بڑے گناہوں سے عفو و درگذر کو دیکھتا ہے۔ البتہ بدر کے دن اس سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل و خوار و مغموم و مطرود دیکھا گیا۔ کسی نے عرض کیا کہ یوم بدر میں کس حال میں دیکھا گیا فرمایا کہ اوسنے جبرئیل کو ملائکہ کی صف بندی کرتے دیکھا۔

عرفہ کے روز اوس حقیر و ذلیل کا اپنے مساعی کی ناکامی پر اندوہ والم ٹوٹا ہے۔ اور یوم بدر میں چونکہ شوکت اسلام کی بنیاد قائم ہوئی۔ اور اوسکی بدولت حجاج کا عرفہ میں مجتمع ہونا ظہور پذیر ہوا۔ اسلئے اوس روز کی ذلت و ناکامی بیشک عرفہ کے دن سے بھی زیادہ ہونی چاہئے

(۱۱) لا یرد الدعاء بین الاذان والاقامۃ

اذان اور تکبیر کے درمیان کی دعا رد نہیں کیجاتی۔

(۱۲) ثنتان لا تردان او قلما تردان الدعاء عند النداء و عند الباس حین یلحم بعضھم بعضا۔ وفی روایۃ وتحت المطر

دو وقت ایسے ہیں کہ اونمیں دعا رد ہی نہیں ہوتی یا بہت کم رد ہوتی ہے۔ اذان کے وقت اور قتال کے وقت جب ایک دوسرے کو قتل کرتا ہو۔ ایک روایت میں ہے اور بارش کے نیچے۔

(۱۳) قال رجل یا رسول اللہ ان الموذنین یفضلوننا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قل کما یقولون فاذا انتھیت فسل تعطہ۔

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ موذن ہم پر فضیلت لیگئے ارشاد ہوا کہ تم بھی وہی الفاظ ادا کرتے رہو جو موذن کہتے ہیں۔ اور جب اذان ختم ہو جاتے تو خدا تعالےٰ سے جو مانگتا ہے مانگو ملیگا۔

۵۴

(۱۴) کنا نؤمر بالدعاء عند اذان المغرب

صحابی فرماتے ہیں کہ ہم کو اذان مغرب کے وقت دعا کا امر کیا جاتا تھا۔

(۱۵) ینزل ربنا تبارک وتعالیٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الاخر یقول من یدعونی فاستجیب لہ من یسالنی فاعطیہ من یستغفرنی فاغفر لہ وفی روایۃ ثم یبسط یدیہ ویقول من یقرض غیر عدوم ولا ظلوم حتی ینفجر الفجر۔

خداوند عالم تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر اوسوقت نزول فرماتا ہے جبکہ رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہجاتا ہے۔ اور فرماتا ہے کون ہے جو دعا کرے اور میں اوسکی دعا قبول کروں۔ کون ہے جو مانگے اور میں دوں۔ کون ہے جو استغفار کرے اور میں اوسکے گناہ بخشدوں۔ ایک روایت میں ہے۔ پھر خداوند عالم اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتا ہے کون ہے جو ایسے کو قرض دے جو نہ مفلس ہے۔ اور نہ ظالم۔ صبح کے نمودار ہونے تک یہی حالت رہتی ہے۔

(۱۶) اقرب ما یکون الرب من العبد فی جوف اللیل الاخر فان استطعت ان تکون ممن یذکر اللہ فی تلک الساعۃ فکن

خداوند عالم رات کے آخری حصہ کے درمیان جسقدر اپنے بندے کے قریب ہوتا ہے اتنا کسی وقت نہیں۔ اگر تجھ سے ہوسکتا ہے کہ تو اون لوگوں میں داخل ہوجائے جو اسوقت خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو ضرور ہوجانا چاہیئے۔

(۱۷) قیل یا رسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الاخر ودبر الصلوات المکتوبات۔

کسی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کس وقت کی دعا زیادہ مسموع ہوتی ہے۔ فرمایا آخری حصہ شب کے درمیان میں اور فرائض خمسہ یعنی پنجگانہ نمازوں کے بعد۔

(۱۸) قال اذا کانت لیلۃ نصف شعبان فقوموا لیلها وصوموا یومها فان اللہ تبارک وتعالیٰ ینزل فیها لغروب الشمس الی السماء الدنیا فیقول الا من مستغفر فاغفر له الا من مسترزق فارزقه الا من مبتلی فاعافیه الا کذا الا کذا۔ ۵۴

جب شعبان کی درمیانی رات ہو تو رات بھر نماز پڑھنی چاہیئے اور دن کو روزہ رکھنا چاہیئے کیونکہ حق تعالیٰ وتبارک اس رات غروب آفتاب کے وقت سے آسمان دنیا پر نازل ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کون ہے جو مجھ سے طلب مغفرت کرے۔ اور میں اسکی مغفرت کروں۔ کون ہے جو مجھ سے طلب رزق کرے اور میں اوسکو رزق دوں۔ کون بیمار یا مصیبت زدہ ایسا ہے جسکو میں عافیت دوں۔ کون ایسا ہے کون ایسا ہے۔

(۱۹) قال یطلع اللہ الی جمیع خلقه لیلۃ النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقه الا لمشرک او مشاحن۔

خدا تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں مخلوق کیطرف متوجہ ہوتا ہے اور تمام مخلوق کی مغفرت فرمادیتا ہے بجز مشرک اور کینہ ور کے۔

(۲۰) عن عائشۃ رضی اللہ عنها قالت قام رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من اللیل

۵۴ ۔ ترغیب وترہیب صفحہ ۱۲۱ ۔ ۵۵ ۔ ترغیب وترہیب ۔

فصلی فاطال السجود حتی ظننت انه قد قبض فلما رأیت ذلك قمت حتی حرکت ابهامه فتحرك فرجعت فلما رفع رأسه من السجود وفرغ من صلوته قال یا عائشة او یا حمیراء اظننت ان النبی صلی الله علیه وسلم قد خاس بك قلت لا والله یا رسول الله ولکنی ظننت انك قبضت لطول سجودك فقال اتدری ای لیلة هذه قلت الله ورسوله اعلم قال هذه لیلة النصف من شعبان ان الله عزوجل یطلع علی عباده فی لیلة النصف من شعبان فیغفر للمستغفرین ویرحم المسترحمین ویؤخر اهل الحقد کما هم۔

۵۴ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُٹھکر نماز کی نیت باندھی اور سجدہ اسقدر لنبا کیا جس سے مجھے گمان ہوگیا کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ میں نے یہہ دیکھا تو اوٹھی اور آپ کے انگوٹھے کو ہلایا۔ انگوٹھے نے حرکت کی تو میں واپس آگئی۔ جب آپ سجدہ سے اُٹھے اور نماز سے فارغ ہوگئے۔ تو فرمایا اے عائشہ یا فرمایا اے حمیرا (حضرت عائشہ کو بوجہ سرخ رنگ ہونے کے حمیرا بھی کہا جاتا تھا) کیا تمکو یہہ گمان ہوا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے ساتھ نقصان رسانی کا معاملہ کیا۔ میں نے عرض کیا۔ قسم خدا کی ہرگز یہہ بات نہ تھی۔ بلکہ مجھکو آپ کے سجدہ میں پڑے رہنے سے مجھکو آپ کی وفات ہوجانیکا خیال ہوگیا تھا۔ فرمایا تم جانتی بھی ہو یہہ کونسی رات ہے میں نے عرض کیا۔ اللہ اور اوسکا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا یہہ شعبان کی درمیانی رات ہے۔ اللہ تعالی اس رات اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور استغفار کرنیوالوں کی مغفرت فرماتا۔ رحمت کے طلبگاروں پر رحم فرماتا ہے۔ البتہ بغض رکھنے والوں اور کینہ وروں کو اونکے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔

(۲۱) عبداللہؓ ابن عمرو ابن العاص سے روایت ہے۔ سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان للصائم عند فطره لدعوة ما ترد۔[1]

عبداللہ ابن عمرو ابن العاص فرماتے ہیں۔ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ روزہ دار کیلئے افطار کے وقت ایک دعا ہے جو رد نہیں کیجاتی۔

[1] عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی صفحہ ۱۵۳-۱۲

(۲۲) عنؐ معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احیی اللیالی الخمس وجبت لہ الجنۃ لیلۃ الترویۃ ولیلۃ عرفۃ ولیلۃ النحر ولیلۃ الفطر ولیلۃ النصف من شعبان۔

معاذ ابن جبل سے روایت ہے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے پانچ راتوں کو زندہ رکھا (یعنی عبادت ودعا میں مشغول رہا) اوسکے لئے جنت واجب ہوگئی ترویہ کی رات یعنی آٹھویں ذی الحجہ کی شب۔ عرفہ کی رات۔ یوم نحر کی رات یعنی دسویں تاریخ کی شب جو عید الاضحیٰ کی رات ہے عید الفطر کی رات۔ نصف شعبان کی رات۔

(۲۳) عن عبادۃ ابن الصامت رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال من احیی لیلۃ الفطر ولیلۃ الاضحی لم یمت قلبہ یوم تموت القلوب

عبادۃ ابن الصامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے جس شخص نے فطر اور اضحی کی شب کو زندہ رکھا اوسکا دل اوس روز مردہ نہوگا ۵۶

جس دن قلوب مردہ نظر آئیں گے۔ یعنی قیامت اور حساب کے دن۔

(۲۴) منؐ کانت لہ الی اللہ حاجۃ فلیدع بہا دبر صلوۃ مفروضۃ۔

جسکو اللہ سے کوئی حاجت طلب کرنی ہو تو چاہیئے کہ نماز فرض کے بعد دعا کرے۔

(۲۵) ترفعؐ الایدی اذا رایت البیت وعلی الصفا والمروۃ وبعرفۃ وبجمیع واذا اقیمت الصلوۃ۔

تجھکو ہاتھ اُٹھانا چاہیئیں جبکہ تو بیت اللہ کو دیکھے۔ اور صفا مروہ کے اوپر اور عرفات میں اور مزدلفہ میں اور جب نماز کیلئے تکبیر کہی جائے۔

احادیث نمبر ایک سے نمبر سات تک اسپر شاہد ہیں کہ جمعہ کا دن۔ یوم جمعہ کی آخری ساعات جمعہ کی اذان ثانی کے بعد یہہ اوقات قبولیت دعا کیلئے مخصوص ہیں۔ اور یہہ بھی معلوم ہوگیا کہ یوم جمعہ باوجودیکہ سارا مبارک اور باعظمت دن ہے مگر اوسمیں ایک ساعت ایسی بھی ہے جو یوم جمعہ کی تمام ساعات سے افضل اور مقبولیت دعا کیلئے مخصوص ہے۔

لہ۔ ترغیب وترہیب صفحہ ۲۲۱۔ ۱۲ کہ کنز العمال جلد اول صفحہ ۱۷۷۔ ۱۲

کلمۃ الحق

(گذشتہ سے پیوستہ)

چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے شام مصر جزیرہ کا سفر دو بار کیا بصرہ کی سفر کی زحمت چار بار گوارا فرمائی۔ حجاز کا سفر کیا اور چھ سال وہاں رہکر علم حدیث میں ترقیاں حاصل کیں یا آج کل کی اصطلاح کے موافق اعلیٰ ڈگریاں اور زریں تمغے اور ڈپلومے حاصل کئے۔ کوفہ اور بغداد کے سفروں کا تو کچھ شمار ہی نہیں ہے۔

حدیث کی درسگاہیں جو مدینہ طیبہ کے علاوہ مکہ مکرمہ، شام۔ کوفہ۔ بصرہ۔ وغیرہا میں قایم ہوچکی تھیں امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حتی الوسع ہر جگہ حاضر ہوکر اخذ علم کیا اور لیلی حدیث کے گیسوئے عنبرین کو اچھی طرح سُلجھایا۔ کیا ایسے شخص کے ماہر ہونے میں کوئی کلام کرسکتا ہے۔ قیس نے لیلے عامریہ کی طلب میں صرف نجد کے جنگل کی خاک اوڑاکر اپنی دیوانگی کی داد دی یہہ لیلائے حدیث کا مجنوں ہے کہ حجاز و عراق کے جنگلوں میں مارا مارا پھرتا ہے تقدیر کہ وہ محروم رہا اور یہ وصل سے شادکام ہوا۔ سچ ہے ان اللہ لایضیع اجر المحسنین

امام بخاری علیہ الرحمہ نے لڑکپن میں یہہ صعوبت گذار گھاٹیاں طے کیں۔ حامد بن اسمٰعیل کہتے ہیں کہ امام بخاری ہمارے ساتھ مشائخ بصرہ کی درسگاہوں میں سماع حدیث کیلئے جاتے تھے اور وہ کم سن تھے۔ ہم سب طلبہ حسب قاعدہ مستمرہ احادیث کو شیخ سے سنکر بیاض میں نقل کرتے تھے مگر امام بخاری اصلاً نہ لکھتے تھے لوگوں نے اسکو اونکی بدشوقی یا کم سنی پر حمل کیا اسی حالت میں سولہ دن گذر گئے تو ناچار ہم نے امام بخاری کو سرزنش کی۔ امام بخاری سنکر کہنے لگے آپ صاحبوں نے مجھ پر بہت ہی لے دے کی ہے کیا آپ صاحبوں کا یہ خیال ہے کہ میں اپنی عمر ضائع کرنیکو گھر سے نکلا ہوں اچھا جو احادیث آپ نے لکھی ہیں وہ مجھ پیش کیجے۔ سولہ روز کا

لکھا ہوا دفتر نکالا تو پندرہ ہزار احادیث سے زیادہ تھا۔ امام بخاری نے کہا اچھا سنو انھوں نے حفظ تمام احادیث ہمکو سنادیں ہم حیران رہگئے۔

ابوبکر بن ابی عیاش الاعین کہتے ہیں ہمنے امام بخاری سے محمد بن یوسف فریابی کے دروازہ پر احادیث کی کتابت کی ہے اور امام بخاری اوسوقت امرد تھے۔ فریابی علیہ الرحمۃ کی وفات ۲۱۲ھ ہجری میں ہوئی اوسوقت امام بخاری کا سن اٹھارہ سال یا کچھ کم تھا۔

انکا حفظ اسدرجہ ضرب المثل ہوگیا تھا کہ بڑے بڑے محدثین انکے ساتھ مثل بیان کرتے تھے محمد بن ازہر سجستانی کہتے ہیں کہ میں سلیمان بن حرب کی مجلس تحدیث میں تھا امام بخاری بھی میرے ہم سبق تھے ہم سب لکھتے تھے وہ نہیں لکھتے تھے۔ کسی نے آپس میں کہا کہ اس لڑکے کو کیا ہوا کہ یہہ حدیث کو لکھتا نہیں تو اوستاد نے فرمایا کہ بخارا میں پہونچکر اپنے حفظ کی اعانت سے تمام احادیث مسموعہ کو لکھ لیگا۔

اس فطانت اور تبحر کا بھی کچھ ٹھکانا ہے کہ راویان حدیث کی کنیتوں کا علم بھی آپ کو ایسا ہی تھا جیسا کہ اون کے ناموں کا ایک مرتبہ آپ کے اوستاد محمد بن یوسف فریابی نے ایک حدیث کی اسناد اسطرح بیان کی کہ اپنے اوستاد کا تو نام ذکر کیا اور اوپر کے درجہ کے راویوں کے بجائے نام کنیت بیان کی اسطرح۔ حدثنا سفیان عن ابی عروۃ عن ابی الخطاب عن ابی حمزہ۔ یعنی ہمسے حدیث بیان کی سفیان نے سفیان نے ابوعروہ سے اور ابوعروہ نے ابوخطاب سے اور ابوخطاب نے ابوحمزہ سے۔ محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ امام بخاری نے کہا سب شاگرد دنگ رہگئے اور اسماء رواۃ نہ سمجھ سکے میں نے فوراً بتادیا کہ ابوعروہ کنیت ہے معمر بن ارشد کی اور ابوالخطاب قتادہ بن دعامہ کی اور ابوحمزہ انس بن مالک کی سفیان ثوری کی عادت تھی کہ علمائے مشہورین کو بسا اوقات کنیت سے بیان کردیا کرتے تھے اٹھارہ سال کی عمر اور حدیث میں یہ تبحر متون حدیث کے علاوہ اسماء رجال اور کنیتوں میں یہہ یدطولے بڑے بڑے محدث مونہہ تکتے تھے ایسی نظیریں امم سابقہ میں تو کہاں اس امت میں بھی کم ملینگی۔

ان واقعات سے دو سال پہلے یعنی سولہ سال کی عمر میں آپ نے ابن مبارک اور وکیع کی

کتب حفظ کرلی تھیں اور ان اصحاب رائے کے کلام سے ایک معرفت تام اور حظ وافر حاصل کیا تھا ابن مبارک اور وکیع کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تلمذ ہے یہہ حضرات فقہ میں تابع امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تھے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ کی طلب تو کامل تھی ہی مگر لڑکپن میں ہی آپکی فہم کا یہہ حال تھا کہ اثنائے طلب علم میں ابن مبارک و وکیع جیسے فقہا کی کتب پر ایک غایر نظر ڈال لی تھی کیوں۔ اسلئے کہ فہم معانی حدیث میں یہہ کتابیں معین و مددگار رہیں اور جو معنوی مشکلیں مبہم طالب حدیث کو پیش آتی ہیں اونکی صعوبتوں کا خاتمہ ہوجائے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ کے اس صنیع سے علم فقہ کی ضرورت پر جو روشنی پڑتی ہے وہ کسی بصیر پر مخفی نہیں۔ ان کتب کے مطالعہ سے جو ملکہ امام میں پیدا ہوگیا تھا صحیح بخاری شریف کے تراجم ابواب سے اوسپر نمایاں روشنی پڑتی ہے۔ الحاصل لڑکپن سے ہی آپ ہیں علم ہوچکے تھے

مخلوط مئی عشق تھی گھٹی میں ہماری　　بچپن میں بھی ہم کھیل جو کھیلے تو صنم کا

خدا کی دین ہے جسکو جو چاہے عطا فرمائے۔ بڑے بڑے محدث آپ کے پیچھے طلب علم میں پھرتے تھے۔ ابوبکر اعین کہتے ہیں کہ ہمنے محمد بن یوسف فریابی کے دروازہ پر امام بخاری سے احادیث لکھیں اوسوقت امام بخاری کے چہرہ پر کوئی بال بھی داڑھی کا نمودار نہیں ہوا تھا۔ حامد بن اسمعیل وغیرہ نے اسکی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ امام بخاری کو کہیں رستہ میں بٹھا لیتے تھے اور ہزاروں طالب حدیث مجتمع ہوجاتے تھے اور یہہ حضرات خود محدث ہوتے تھے اور لوگ اون سے حدیث کی روایت و کتابت کرتے تھے۔ آخر وہ کیا بات تھی کہ جسنے علمائے وقت کو ایک ایسے شخص کا والہ و شیدا بنا دیا تھا کہ جسکے ابھی سبزہ آغاز نہیں ہوا ہے وہ امام کا حفظ و فطانت خداداد تھی کہ لیلی حدیث کے مجنوں اوسکی طلب میں امام بخاری سے لڑکے کے قدم لیتے تھے۔

آپ کے سامنے کسی نے امام اسحق بن راہویہ کے حفظ کے متعلق اونکا یہہ مقولہ بیان کیا کہ ستر ہزار حدیثیں جو میری کتاب میں لکھی ہوئی ہیں وہ مجھکو اسطرح یاد ہیں گویا میں اونکو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ امام نے یہ سنکر فرمایا کہ کیا آپ اس سے کچھ متعجب ہیں۔ شاید اس زمانہ میں خدا کے فضل سے ایسے لوگ ملیں کہ جنکو دولاکھ حدیثیں یاد ہوں۔ اپنے حفظ کیطرف یہہ لطیف ایما کیا۔

ابن عدی نے بیان کیا ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کا خود اقرار ہے کہ مجھکو ایک لاکھ احادیث صحیحہ اور دو لاکھ احادیث غیر صحیحہ حفظ یاد ہیں۔

آپکا گذر بغداد میں متعدد مرتبہ ہوا ہے۔ ایک مرتبہ آپ بغداد میں پہونچے تو وہاں کے محدثین نے آپ کے امتحان کا قصد کیا اور امتحان کا ایسا طریق سوچ لیا تھا کہ اونکے زعم میں امام بخاری پر فتح ہیں ہو چکی تھی یعنی سو حدیثوں میں قطع و برید کر ڈالی ہر حدیث کی اسناد و متن کو بدل ڈالا کسی متن میں کوئی اسناد لگادی اور کسی اسناد میں کوئی متن ملادیا اور دس آدمیوں کو دس دس حدیثیں یاد کرادیں اور یہ طے کرلیا کہ مجمع علماء میں ایک ایک آدمی علیحدہ علیحدہ تفصیل وار دس دس احادیث منقلبۃ الاسناد والمتن کو امام بخاری کے سامنے پیش کرے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ سے مجلس کا وعدہ کرالیا۔ شہر میں شہرت عام ہوگئی جوق جوق اہل علم جمع ہوگئے۔ اہل خراسان وغیرہ جو باہر کے محدث مسافرانہ طور پر بغداد میں تھے اس خبر کو سنکر بے اختیار مشتاقانہ چلے آئے یہ جماعتیں شہریوں اور مسافروں کی ایک طرف اور امام بخاری سا غریب نوعمر مسافر ایک طرف الہٰی خیر

بڑھے گیسو۔ چڑھے ابرو تُلیں نظریں۔ تنے مژگاں   یہ فوجیں ایک طرف ہیں اور تن تنہا مرا دل ہے

ترک حدیث۔ کون۔ امام بخاری۔ اپنی شان استقلال وقار سے مجلس آراستہ کئے ہوئے بیٹھا ہے نہ دل میں خوف وہراس ہے نہ چہرہ پر کچھ اثر گھبراہٹ کا ہے نہ مسافرت کی وحشت ہے نہ اجابت سے دلتنگی عالی حوصلگی اور فراخ دلی کے اثار چہرہ پر نمایاں ہیں آنکھوں سے طمانیت ٹپکتی ہے۔

در فیض بخاری وا ہے آئے جس کا جی چاہے   کمال علم اوسکا آزمائے جس کا جی چاہے

اون دس آدمیوں میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور دس احادیث میں سے ایک حدیث پیش کی امام بخاری نے سُنا اور فرمایا۔ لا اعرفہ۔ میں نہیں جانتا۔ اوسنے دوسری حدیث پیش کی آپنے یہی جواب دیا۔ تیسری پڑھی تو یہی جواب ملا غرض کہ یکے بعد دیگرے دسوں حدیثیں سنادیں اور وہی یک جواب ملتا رہا۔ مجمع میں جو کم علم اور نادان لوگ تھے وہ تو اس جواب کو امام بخاری علیہ الرحمہ کے عجز پر محمول کرتے تھے مگر جو اہل علم وفن تھے وہ ایک دوسرے کا مُنہ تکتے تھے اور باہم اشاروں میں ایک دوسرے سے کہتا تھا کہ بخاری پر ان کی چال کھلگئی۔ بخاری اس فریب کو پرکھ گیا۔

(باقی آئندہ)

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(گذشتہ سے پیوستہ)

فوائد

واقعہ عزل خالد سے چند اہم فوائد ہمکو حاصل ہوئے ہیں جنکا بیان کر دینا بھی مزید افادہ کا ذریعہ ہوگا۔

فائدہ اول تقدیر و تدبیر کا جمع کرنا عام افہام و عقول میں دشوار ہو رہا ہے۔ توکل کو بیکاری سکھلانے ناتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے۔ اور دوسروں پر اپنا بار ڈالکر خود اپاہج و معطل بننے کا مرادف سمجھا جاتا ہے۔ فلسفہ اور سائنس کے دلدادہ اوسکی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہیں تجربیات و مشاہدات سے۔ عجائب و غرائب صنائع و ایجادات سے عالم کو متحیر کر دیتے ہیں۔ مگر اونکا دائرۂ علم صرف مشاہدات و محسوسات تک محدود ہے اور سچ پوچھئے تو اونکی حقیقت سے بھی آشنا نہیں ہیں۔ اوسمیں سے بھی صرف اوتنی بات اخذ کرتے ہیں جسکا تعلق آثار و ثمرات سے ہے وہ حقائق اشیاء کی کنہ تک نہیں پہونچتے اور نہ پہونچ سکتے ہیں کیونکہ اونھوں نے انہیں مادیات و تاثیرات کو اصل الاصول سمجھکر اونپر اسدرجہ اعتماد کر لیا ہے کہ اوس سے ایک قدم بھی آگے بڑھانے کا ارادہ نہیں کرتے۔ اور کیوں کر سکتے ہیں جب حقیقۃ شناس بصیرۃ سے اونکو حصہ ہی نہیں ملا اِس حقیقت کو اسلام نے روشن کر دیا۔ اور بتلا دیا کہ تقدیر و تدبیر دونوں بخوبی جمع ہو سکتی ہیں اسلام نے ایکطرف ایمان بالقدر کو اگر ایمان کا جزو لازم قرار دیا ہے تو دوسری جانب تدبیرات و اسباب سے متمتع ہونیکی بھی اجازت دی ہے۔ بلکہ بعض مواقع میں ضروری بتلایا ہے

تقدیر و تدبیر کا انکشاف عقل و استدلال سے بھی بخوبی ہو سکتا ہے۔ اگر اوسی عقل کنہ رس

کو جو خداوند عالم نے ہر انسان کے اندر ودیعت رکھی ہے محض محسوسات و مشاہدات ہی کے بھول بھلیاں میں برباد کر کے اوسکی ترقی کو محصور و محدود نہ کر دیا جائے۔ بلکہ اوسکی بلند پرواز فطرت کو الٰہیات میں صرف کیا جائے۔ اور سب سے پہلے اس مرحلہ کو طے کر لیا جائے کہ عالم کی گوناگون نقش و نگار قسم قسم کے تغیرات و انقلابات کسی زبردست و مضبوط ہاتھ میں ہیں جو تمام اشیار کا خالق۔ اسباب و مسببات کا ترتیب دینے والا ہے۔ جسکے اشارہ اور علم کے بغیر ایک ذرّہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ اسباب جسکے اشارہ کے مطیع و منقاد ہیں۔ اوسکا ارادہ اور مشیتہ اسباب کے پابند نہیں ہیں۔ یہہ مسئلہ اگرچہ دنیا کے ممتاز امم اور اصل مذاہب میں تسلیم شدہ ہے۔ تمام عالم باستثناء دہریین اسکے قایل ہیں۔ مگر باوجود اسکو تسلیم کر لینے کے اسباب کے دلدادہ افراد کو اس جانب سے ذہول ہو جاتا ہے ہاں کبھی کسی نہایت متشدّد دہرے و ملحد کی پشت پر کوئی سخت تازیانہ عبرت لگا دیا جائے تو یہ علم و اذعان پھر تازہ و مستحکم ہو جاتا ہے۔

اور جب یہ مرحلہ طے ہو چکا تو اسکے بعد تمام اسلامی معتقدات۔ تقدیر و توکل وغیرہ اہم مسائل کا تسلیم کرنا ضروری و لازمی ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ارباب عقول اپنی پرزور استدلالات و قیاسات سے ہر ملحد و دہری کو منوانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اپنی قوی و روشن دلائل کے سامنے کسی کی پیش چلنے نہیں دیتے۔ مگر درحقیقت اونکا اصل علم اونہیں کو ہوتا ہے جنپر حقائق منکشف ہو جاتے اور وہ برائے العین خالق و مخلوق کے ربط اسباب و مسببات کے تعلق کو مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ اونکا مرتبہ حجۃ و استدلال سے بہت کچھ اوپر پہونچ جاتا ہے اور اونکو استدلال و حجۃ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ وہ اپنے اندر ایسا پاک و روشن دل لئے ہوئے ہوتے ہیں جنمیں حقائق ممکنات کا انکشاف تام ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی معرفۃ و بصیرۃ کا قوی اثر ڈالکر دوسروں کو بھی بلا وساطت دلیل و برہان منوا سکتے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض صحبت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حقایق اشیاء اور غامض علوم کا انکشاف اسطرح کر دیا تھا کہ اونکو کسی دقیق سے دقیق مسئلہ میں

کسی قسم کا خفار باقی نہیں رہا تھا۔ ہر غامض و ادق مسئلہ کو بصیرۃ ایمانی سے ادراک کرتے تھے اونکو ہر مشکل اور متعسر الفہم مسائل میں برد قلب حاصل ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اصول دین میں متفق تھے۔ کبھی اونمیں اختلاف نہیں ہوا۔ اور جب کبھی کوئی مسئلہ چند اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مجالس ومقامات میں دریافت کیا گیا تو جواب کے الفاظ تک بھی ایک ہی ہوتے تھے۔

دیکھئے تقدیر کا مسئلہ جسکے فہم سے اکثر اہل دانش و فہم عاجز ہیں چند صحابہ سے علیحدہ علیحدہ مجالس میں دریافت کیا گیا تو جواب کے الفاظ تک متفق تھے۔ ابن دیلمی کہتے ہیں میں نے حضرت ابی کعب کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ تقدیر کے مسئلہ میں مجھے کچھ خلجان ہے۔ آپ کچھ ارشاد فرمائیں تو شاید یہہ خلجان رفع ہوجائے۔ فرمایا

لوان اللہ عز وجل عذب اہل سمواتہ واہل ارضہ عذبھم وھو غیر ظالم لھم ولو رحمھم کانت رحمتہ خیرا لھم من اعمالھم ولو انفقت مثل احد ذھبا فی سبیل اللہ ما قبلہ منک حتی تؤمن بالقدر وتعلم ان ما اصابک لم یکن لیخطئک وما اخطأک لم یکن لیصیبک ولو مت علی غیر ھذا لدخلت النار۔	اگر خداوند عالم تمام زمین وآسمان والوں کو عذاب دے تو وہ ظالم نہو گا۔ اور اگر رحم فرمائے تو اوسکی رحمت اونکے اعمال سے زیادہ مفید اور بہتر ہوگی۔ اور اگر تو اُحد پہاڑ کی برابر فی سبیل اللہ سونا خرچ کرڈالے تو جب تک تو تقدیر پر ایمان نہ لائے اور یہ نہ جان لے کہ جو کچھ تکلیف تجھکو پہونچنے والی ہے کسی تدبیر سے ٹل نہیں سکتی۔ اور جو نہیں پہونچنے والی وہ پہونچ نہیں سکتی۔ اگر تو اس عقیدہ کے سوا کسی اور عقیدہ پر مرگیا تو جہنم میں داخل ہوگا۔

ابن دیلمی کہتے ہیں کہ اسکے بعد میں حضرت عبداللہ ابن مسعود کی خدمت میں گیا۔ اونھوں نے بھی یہی فرمایا۔ پھر حضرت حذیفہ کی خدمت میں گیا انھوں نے بھی یہی فرمایا۔ پھر حضرت زید ابن ثابت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے بھی اسی مضمون کی میرے سامنے روایت کی۔

اور یہی وجہ تھی کہ اگر کسی معاملہ میں صحابہ کے اندر اختلاف بھی ہوا تو چند کلموں میں بات صاف ہو جاتی تھی۔ طول طویل استدلال کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔

اور جب مسئلہ تقدیر کو مان لیا گیا۔ اور اُسکو اُسکی حقیقت کے موافق سمجھ لیا گیا تو خدا تعالےٰ پر بھروسہ اور توکل کرنا ہر مسلمان کے ذمہ لازم ہوگا۔ درجہ اعتقاد میں تو یہہ فرض ہوگا کہ ہر ایک فعل کا فاعل حقیقی اوسکو سمجھے۔ اگر ایسا نہ سمجھے۔ اور سوا خداوند عالم کی کسی اور کو بھی فاعل وخالق سمجھے۔ یا کسی غیر کا خواہ اپنا نفس ہی ہو اوسمیں دخل جانے تو اوسکو مشرک کہنے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔ قدریہ کو جو عباد کو خالق افعال سمجھتے ہیں اسی وجہ سے مجوس ھذا الامۃ فرمایا گیا ہے۔ اور اگر درجہ اعتقاد سے ترقی کر کے یہہ عقیدہ اوسکا حال بنگیا۔ اور اُسکی نظر غیر اللہ سے اوٹھ گئی تو یہ اعلیٰ مقام سمجھا جاتا ہے جو سوا صدیقین واہل معارف و دوسروں کو حاصل نہیں ہوتا صحابہ کے تمام افراد باوجود تفاضل مراتب اس حال کے ساتھ متصف تھے۔ اونکو کشفاً وعیاناً یہ مراتب وحالات حاصل تھے۔ اُنکے اندر وہ سکون اور طمانیۃ موجود تھی جو سالہا سال کی ریاضات وتزکیہ وتصفیہ باطنی سے حاصل نہیں ہوتے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کا ہر ایک فرد قرون مابعد کے تمام افراد سے افضل مانا گیا ہے۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اکثر افراد وحالات کے اعتبار سے اسباب وتدابیر کو مضبوط ہاتوں سے تھامے ہوئے نظر آتے تھے۔ وکسب واسباب میں مشغول رہتے تھے۔ جنگ وصلح کے وقت وہ ایسی تدابیر کرتے تھے جنسے منہمک فی الاسباب وزراء وسلاطین بھی عاجز تھے۔ اونکی تدابیر کو دیکھکر دنیا متحیر رہجاتی تھی۔

ظاہر بیں نظریں سمجھتی تھیں کہ اُنکو محض اپنی تدابیر پر اعتماد ہے۔ مگر درحقیقت ایسا نہ تھا۔ وہ سب کچھ کرتے تھے۔ مگر اونکا علاقہ اپنے خالق ومالک کے ساتھ اسقدر قوی تھا۔ اونکی نظر غیر اللہ سے ایسی اوٹھی ہوئی تھی کہ قوی سے قوی۔ کارآمد۔ ومفید تدبیر کو بھی منتج نہ سمجھتے تھے اور سوا خداوند عالم کسی کو فاعل وصانع مختار نہ جانتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مختلف شیون وحالات پر اگر آپ ذرا سلامت صدر کے ساتھ نظر ڈالیں تو آپ کو اس بات کے سمجھنے میں کچھ بھی توقف نہوگا کہ تدابیر کا استعمال توکل کے

منافی نہیں توکل و تدبیر نہایت سہولت سے جمع ہو جاتے ہیں۔ دیکھئے ایک جانب تو آپ انی لاجہز الجیش وانا فی الصلوٰۃ | میں نماز میں لشکر کی آراستگی وروانگی کا سامان کرتا ہوں فرماتے ہیں۔ دوسری جانب عام خیالات واعتقادات کی اصلاح کیلئے حضرت خالد جیسے نامور۔ جلیل القدر۔ مدبر۔ وشجاع کی خدمات سے استغنا فرماتے۔ اور دکھلاتے ہیں کہ تم تدبیر کرنیکے وقت بھی اوسپر اعتماد نہ کرو۔ کارساز حقیقی کوئی اور ہے۔ نہ خالد ہیں۔ نہ عمر یہ ہے اسلامی صحیح وبے لوث تعلیم۔ اور یہ ہے وہ خطرناک گھاٹی مسئلہ جبر و قدر کی جس کے طے کرنے میں ہزار ہا مدعیان عقل ودانش تباہ وبرباد ہو گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے ایک جملہ (لیعلموا ان الصانع ھو اللہ۔ (تاکہ جان لیں کہ کارساز صرف اللہ ہے۔) فرماکر تمام اشکالات کو رفع فرما دیا۔ اور تمام صحابہ نے بلا نکیر وتردد اوسکو تسلیم فرمالیا۔ کیونکہ سب کے قلوب صافیہ میں یہ حقیقت منکشف تھی۔ قرن صحابہ میں اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہی نہیں ہوا۔

اسلام کے بیشمار فرقوں میں سے اہل سنت والجماعت کثرہم اللہ تعالیٰ اس راز کو سمجھا لاجبر ولاقدر ولکن امر بین بین | (نہ جبر محض ہے کہ انسان مجبور ہو۔ اوسکے اختیارات کو افعال میں کچھ دخل نہو۔ اور نہ قدر ہے کہ وہ خود اپنے افعال کا خالق اور اونپر قادر ہو۔ بلکہ جبر و قدر کے درمیانی بات ہے یعنی بعض وجوہ سے وہ قادر مختار ہے اور بعض وجہ سے مجبور۔) کو جزو ایمان قرار دیا۔ اس اعتقاد حق کے سوا جس فرقہ نے کوئی دوسری راہ اختیار کی وہ خود بھی تباہ ہوا۔ دوسروں کو بھی تباہ وبرباد کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہر مسلمان کو صراط مستقیم پر رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کم عقلی۔ کج بحثی۔ اپنے خیالات کی پابندی۔ احکام شریعت کو اپنی ناقص عقلوں کے معیار پر اوتارنا۔ تباہ وبرباد کر دیتی۔ قعر جہنم کا ایندھن بنا دیتی ہیں۔

عصمنا اللہ تعالی وجمیع المسلمین منه واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم

جو لوگ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے خواہشمند ہیں۔ اون کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ سوا ان اُصول کے کسی اور طریقہ پر ترقی نہیں کر سکتے۔

خلافت عمری میں اسلام کی جو شان وشوکت تھی۔ مسلمانوں کی عزت وعظمت کا سکہ

جسقدر دنیا میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بعد کے کسی قرن میں حاصل نہیں ہوا۔ ممالک اسلامیہ ضرور وسیع ہوئے۔ مگر اسلام کی اصلی و حقیقی ترقی کا زمانہ یہہ تھا۔ اور یہہ اون صحیح اصول وعقاید کا ثمرہ تھا۔ اب بھی جسقدر ترقی ہوگی اونھیں اصول کی پابندی سے ہوگی۔

فائدہ ثانیہ۔ سلطنت و نبوۃ دو جدا جدا منصب ہیں۔ سلطنۃ تو عالم کے نظام ظاہری کو قائم رکھنے عدل و انصاف۔ امن و اطمینان پھیلانے افراد رعایا میں توازن و مساوات برقرار رکھنے۔ اجراء حدود و قصاص۔ حفظ حدود ممالک و سرانجامی معرکہاے قتال وغیرہ کیلیے ہوتی ہے۔

اور نبوۃ تعلیم شرائع و احکام الہی استیصال شرک و فساد اعتقاد و اعمال و اصلاح معاد تزکیہ نفوس۔ تطہیر اخلاق و محو آثار نفسانی کیلیے۔

یہ دونوں امر اگرچہ متعانق ہیں کیونکہ فرائض نبوۃ جبھی پوری طرح ادا ہو سکتے ہیں کہ شوکت و رعب قوۃ تنفیذ احکام الہی اوسکے ساتھ ہو۔ علی ہذا فرائض سلطنت اوسیوقت بوجہ اتم ظہور پذیر ہو سکتے ہیں کہ سلطان وقت کسی شریعت منزل من اللہ کا پابند ہو۔ بوجہ اتم کی قید ہمنے اسلیے لگائی ہے کہ بہت سلاطین ایسے بھی گذرے ہیں اور اب بھی ہیں جو باوجود کسی شریعت منزل من اللہ کے تابع نہونے کے انتظام عالم کو قائم رکھنے میں کامیاب ہوتے ہیں اور اونکو سلطان عادل اور منتظم کا لقب بھی دیدیا گیا ہے۔ مگر چونکہ یہہ خود ساختہ قانون کے پابند ہوتے ہیں اسلیے حقیقی قوانین کیطرف اونکو ہدایت نہیں ہوتی۔ اور چونکہ اونکا علم بالکل محدود ہوتا ہے وہ رعایا کے حقیقی نفع و نقصان کو نہیں سمجھ سکتے اسلیے اوسکے ثمرات بھی اگرچہ ایک حد تک بھلے معلوم ہوں۔ مگر نظر غور سے دیکھا جائے تو بہت سی مضرتیں اپنے اندر لیے ہوتے ہیں۔ اور اسلیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ در اصل سلطان عادل وہی ملوک ہیں جو کسی خدائی قانون کی ماتحتی میں نظام عالم کو قائم کرتے ہیں۔ اور اسی لئے ہمنے کہا ہے کہ سلطنت و نبوۃ دونوں متعانق ہیں۔

لیکن یہہ کچھ ضرور نہیں کہ دونوں منصب ایک ذات کے اندر جمع کردئے جائیں۔ انتظام ظاہری اور اصلاح معاد کی یہہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ منصب نبوۃ سے کوئی سرافراز کیا جائے اور

زمام سلطنت کسی ایسے شخص کے ہاتھ میں دیدی جائے جو نبی کے احکام کا تابع ہو کر اپنے فرائض ادا کرے۔

ہم امم ماضیہ کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمکو صاف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں تو ایک ذات کو دونوں منصب عطا کر دئے گئے ہیں اور کبھی انکو بالکل جدا رکھا گیا ہے۔

بنی اسرائیل میں ایک خاندان کے اندر نبوۃ ہوتی تھی اور ایک میں سلطنت حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد اسباط کے نام سے موسوم تھی اونمیں سے **یہودا ابن یعقوب**ؑ کی اولاد میں ملک و سلطنت منتقل ہوتے چلے آتے تھے اور **لادی ابن یعقوب**ؑ کی نسل میں نبوۃ کا سلسلہ جاری تھا اور اسی طرح پر بنی اسرائیل میں ایک زمانہ تک مالک حکم کوئی ہوتا تھا اور مہبط وحی و تنزیل کوئی دوسرا۔

طالوت کی سلطنت و مملکت کا حال کلام اللہ میں مذکور ہے۔ باوجودیکہ بنی اسرائیل میں نبی موجود تھے مگر انتخاب سلطان کی ضرورۃ پیش آئی۔ اور یہہ انتخاب طالوت کے نام نکلا دیکھئے ارشاد خداوندی۔

وقال لهم نبيهم ان الله قد بعث لكم طالوت ملكًا قالوا انى يكون له الملك علينا ونحن احق بالملك منه ولم يؤت سعة من المال قال ان الله اصطفاه عليكم وزاده بسطة فى العلم والجسم والله يؤتى ملكه من يشاء۔

اونکے نبی نے کہا کہ اللہ تعالی نے تمھارے لئے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ اونھوں نے کہا کہ اُسکو ہمپر بادشاہت کا حق کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ ہم اوسنے زیادہ بادشاہت کے مستحق ہیں۔ اور اُنکی تو مال میں بھی وسعت نہیں ہے۔ نبی نے کہا کہ اللہ نے اُنکو تمپر برگزیدہ کیا ہے اور اُنکے علم اور جسم میں وسعت دی ہے۔ اور اللہ اپنا ملک جسکو چاہے دیتا ہے۔

بنی اسرائیل کو اسمیں تو کچھ خلجان نہ ہوا کہ مملکت کو سلطنت سے جدا کرکے ایک مستقل بادشاہ کیوں بنایا گیا۔ کیونکہ وہ اُسکے خوگر تھے۔ اونکو دونوں منصبوں کے فرائض کی تقسیم معلوم تھی۔ وہ جانتے تھے کہ دونوں کی اطاعت کسطرح جمع کیجا سکتی ہے۔ ایک کی

فرمانبرداری دوسرے کے ساتھ ارتباط و انقیاد سے مانع نہیں ہے۔ اونکو یہہ بھی معلوم تھا کہ حقیقی سرداری نبی ہی کی ہوتی ہے۔ بادشاہ بھی اون کے احکام کا متبع اور اونکے اشارہ وحکم کا منتظر رہتا ہے۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ بادشاہ کا درجہ باوجود اون وسیع اختیارات اور حکومت عام کے زیادہ سے زیادہ وزیر تفویض[۱] یا والی تفویض کا ہوتا تھا ان وجوہ سے

[۱] ۔ امام و خلیفہ کو تمام ولایات پر اختیارات عام حاصل ہوتے ہیں۔ تمام ممالک و صوبے اوسکے زیر نگیں اور سے ہر ایک صیغہ و شعبہ ملک بلا استثناء اوسکے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ لیکن شخص واحد تنہا کبھی کسی وسیع سلطنت یا ملک کا انتظام نہیں کرسکتا۔ اوسکو ضرورت ہوتی ہے کہ اپنے اختیارات کو نائبوں اور قایم مقاموں کے ذریعہ سے نافذ کرے۔ اسی لئے امام کیواسطے نائبین کا ہونا لازم ہے۔ نائب دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وزرار۔ دوسرے والی ممالک۔ وزرار کا اصل فرض تو یہہ ہے کہ خلیفہ یا سلطان کا مشیر رہے اوسکے بار کو اوٹھائے۔ اور والیان ممالک ولایات خاصہ کا انتظام کرتے ہیں۔ امرار ولایت کو اونکی ولایت میں کبھی اختیارات عام دئے جاتے ہیں۔ اور کبھی اختیارات خاص۔ عام اختیارات عام کی صورت میں اوسکو امیر یا والی تفویض کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے جسکا حاصل یہ ہوتا ہے کہ امام نے ایک ولایت میں اپنے کل اختیار اوسکی سپرد کردئے ہیں۔ ہر ایک معاملہ کو اپنی رائے سے تجویز کرسکتا۔ اور نافذ کرسکتا ہے۔ ایسے والیان ممالک کی مثال درکار ہے۔ تو سلاطین سلجوقیہ۔ دیلمیہ۔ صلاحیہ۔ سامانیہ۔ وغیرہ کو جو نسبت خلافت عباسیہ کے ساتھ تھی اوسکو پیش نظر کرلیجے۔ اور خاص اختیارات کی حالت میں جبکہ اوسکو تجویز حکم کا اختیار نہیں دیا گیا بلکہ صرف تنفیذ حکم کا اختیار دیا ہے وہ کسی امر کو اپنی رائے سے تجویز و فیصل نہیں کرسکتا۔ ہاں خلیفہ امام کے احکام کو جاری و نافذ کرسکتا ہے۔ تو ایسے امیر یا والیوں کو امیر یا والی تنفیذ کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح وزرار کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وزیر تفویض۔ دوسرا وزیر تنفیذ۔ وزیر تفویض کے اختیارات بالکل وہی ہوتے ہیں جو امام کے اوسکو کسی امر میں امام سے استفسار یا استمزاج کی حاجت نہیں ہوتی ہے۔ وہ بھی مثل امام کے دوسرا مستقل امام ہوتا ہے اور اسی لئے اوسکے اندر اکثر ایسے شرائط کا وجود ضروری ہے جو امام کیلئے لازمی ہیں۔ فرق ہوتا ہے تو اتنا کہ وزیر تفویض کا عزل و نصب امام کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہ جب چاہے اوس کے اختیارات کو سلب کرسکتا ہے۔ گویا امام اصل ہے اور یہہ اوسکا ظل۔ اور وزیر تنفیذ خود کوئی حکم نہیں دیسکتا اور نہ تجویز کرسکتا ہے۔ وہ ہر ایک معاملہ میں امام کے حکم و رائے کا محتاج ہے۔

(باقی بر صفحہ آیندہ)

الاحادیث الموضوعہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

ثم قعد ينتظر بقيتها فقال له يحيى بن معين بيده تعال فجاء متوهما لنوال فقال له يحيى من حدثك بهذا الحديث فقال احمد بن حنبل ويحيى بن معين فقال انا يحيى بن معين وهذا احمد بن حنبل ما سمعنا بهذا قط في حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فان كان لابد والكذب فعلى غيرنا فقال له انت يحيى بن معين قال نعم قال لم ازل اسمع ان يحيى بن معين احمق ما تحققته الا الساعة فقال له يحيى كيف علمت انى احمق قال كانه ليس في الدنيا يحيى بن معين واحمد بن حنبل غيركما فقد كتبت عن سبعة عشر احمد بن حنبل ويحيى بن معين فوضع

تو اس انتظار میں تھوڑی دیر اور بیٹھا کہ شاید کچھ اور ملجاوے تو یحیی بن معین نے ہاتھ کے اشارہ سے اُسکو بلایا۔ وہ اس خیال سے فوراً چلا آیا کہ شاید یہ بھی کچھ دینگے تو اُس سے یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ جناب آپ سے یہ حدیث (جسکو آپنے ابھی مجمع میں بیان کیاہے) کسنے بیان کی کہنے لگا کہ احمد بن حنبل اور یحیی بن معین نے یحیی بن معین نے کہا کہ یحیی بن معین تو میں ہوں اور احمد بن حنبل یہ موجود ہیں ہم نے تو اسکو رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے کلام میں کبھی سُنا نہیں اگر آپکا کام بغیر جھوٹ بولے چلتا ہی نہیں تو براہ کرم ہمارا نام بدنام نہ کریں وہ بولا کہ تم یحیی بن معین ہو اُنھوں نے کہا کہ ہاں! کہنے لگا کہ میں مدت سے سُنا کرتا تھا کہ یحیی بن معین احمق ہے اسکا یقین مجھکو نہ آتا تھا مگر اسوقت تجربہ ہوگیا۔ یحیی بن معین نے اُس سے کہا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں احمق ہوں کہا کہ گویا آپ دونوں کے سوا اللہ کی اس وسیع زمین میں کوئی دوسرا یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل ہے ہی نہیں مجھکو تو یہ حدیث سترہ احمد بن حنبل

احمد كمه على وجهه و
قال دعه يقوم فقام كالمستهزئ
بهما وعن الطرطوشي
لما دخل سليمان بن مهران الاعمش
البصرة نظر الى قاص يقص في
المسجد فقال حدثنا الاعمش عن
ابى اسحق عن ابى وائل فتوسط
الاعمش الحلقة وجعل ينتف
شعر ابطه فقال له القاص يا شيخ
الا تستحيي نحن في علم وانت تفعل
مثل هذا فقال الاعمش الذي انا
فيه خير من الذي انت فيه
قال كيف قال لاني في سنة وانت
في كذب انا الاعمش وما حدثتك
مما تقول شيئا وقال الذهبي في
الميزان قال جعفر بن الحجاج الموصلي
قدم علينا محمد بن عبد الله
السمرقندي بموصل وحدث
باحاديث مناكير
فاجتمع جماعة من الشيوخ و
صرنا اليه لننكر عليه
فاذا هو في خلق من العامة
فلما ابصرنا من بعيد

اور یحیی بن معین سے پہونچی ہے۔ امام احمد
نے اپنی آستین اپنے چہرہ پر رکھ لی اور یحیی بن
معین سے کہا کہ اسکو یہاں سے جانے دو۔ تو ہمارا
مذاق اڑاتا ہوا چلا گیا اور طرطوشی سے مروی ہے
کہ جبکہ سلیمان بن مہران اعمش بصرہ میں داخل ہوا
ایک واعظ کو دیکھا کہ مسجد میں لوگوں کو وعظ
سنا رہا ہے اُسنے اثنائے وعظ میں ایک حدیث
کو اعمش کیطرف بھی منسوب کر دیا اعمش جلسہ وعظ
کے وسط میں بیٹھکر اپنی بغل کے بال اوکھیڑنے لگے
واعظ نے یہ دیکھکر کہا کہ اے بڈھے کیا تجھکو شرم نہیں
آتی ہے کہ ہم تو احکام ربانی اور فرمان رسول
سُنا رہے ہیں اور تو اس قسم کی حرکتیں کر رہا ہے اعمش
نے فرمایا کہ میں جس کام کو کر رہا ہوں وہ اُس کام
سے اچھا ہے کہ جسکو تم کر رہے ہو اوس نے کہا یہ
کیونکر اعمش نے فرمایا اسواسطے کہ میں تو فعل سنت
ادا کر رہا ہوں اور تم رسول علیہ الصلوۃ والسلام پر
افترا کر رہے ہو میں اعمش ہوں جو کچھ تم نے اس
جلسہ میں بیان کیا میں نے اُسمیں سے تم سے کچھ
بھی نہیں کہا ہے۔ ذہبی نے میزان میں لکھا ہے
کہ جعفر بن حجاج موصلی نے فرمایا کہ محمد بن عبداللہ ساکن
سمرقند ہمارے شہر میں آیا اور غیر معتبر روایات بیان
کرنا شروع کر دیں۔ مشائخ کی ایک جماعت مجتمع ہوکر
(جسمیں میں بھی تھا) اُسکے پاس گئے تاکہ اُسکو اس

علم انا جئنا لننکر فقال حدثنا قتیبة عن ابن لهیعة عن ابی الزبیر عن جابر انه علیه السلام قال القرآن کلام الله غیر مخلوق[1] فلم نجسران تقدم علیه خوفا من عامة ورجعنا وقال الحافظ ابو بکر الخطیب البغدادی باسناده الی محمد بن یونس الکدیمی قال کنت باهواز فسمعت شیخا یقص فقال لما زوّج النبی علیه السلام علیا

حرکت شنیعہ سے باز رکھیں۔ وہاں جاکر دیکھا تو جلسۂ وعظ چاروں طرف سے بھرا ہوا ہے جب اُسنے ہمکو دور سے دیکھا تو سمجھ گیا کہ ہم لوگ کس غرض سے اُسکے پاس آئے ہیں اُسیوقت قتیبہ کے واسطے سے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ قرآن کلام اللہ تعالیٰ کا ہے اور غیر مخلوق ہے عوام کی شورش کا خیال کرکے ہم کو جرأت نہ ہوئی کہ ہم اُسکی تکذیب کریں اور حافظ ابو بکر خطیب بغدادی مع اسناد کے محمد بن یونس کدیمی سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے مقام اہواز میں کہ ایک شخص کو اثنائے وعظ میں یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سُنا کہ جب نبی علیہ السلام نے حضرت علی کا

[1] قران مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ یہ ایک معرکۃ الآراء علمی مسئلہ ہے جسکو ماہرین فن کلام نہایت اہتمام سے بیان کرتے ہیں۔ اہلسنت کا مذہب یہہ ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق ہے۔ آجکل ہی بہت سے علمی مسائل علماء سے نکلکر جب عوام میں پہونچ جاتے ہیں تو مناظرہ کا میدان پہلوانوں کا دنگل بنجاتا ہے یعنی اون علمی مسائل میں عوام براہین و دلائل سے عاجز ہوکر گالی گلوچ مار پیٹ سے کام لینے لگتے ہیں اسی طرح اس زمانہ میں بھی یہی فتنہ برپا تھا۔ عوام الناس کے دو گروہ ہوگئے تھے۔ ایک جماعت قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل تھے دوسرے غیر مخلوق ہونے کے اور اگر کوئی شخص کسی جماعت میں پہونچکر اوسکے عقیدہ کے خلاف کہدیتا تھا تو اوسکو اپنی جان بچانی مشکل ہوجاتی تھی۔ باوجودیکہ مذکورہ بالا حدیث موضوع ہے لیکن یہہ حضرات پھر بھی اس خوف سے مجمع میں انکار نہ کرسکے کہ اگرچہ ہم اسوقت صحت حدیث میں کلام کرینگے حدیث کا مضمون اور معنی مبحث سے خارج ہونگے مگر ایسا نہو کہ ہماری بحث سے عوام کسی غلط مسئلہ کو ہماری طرف منسوب کرلیں ۱۲۔

محمد اعزاز علی غفرلہ

فاطمة امر الله شجرة طوبیٰ ان تنثر
اللؤلؤ الرطب یتهاداه اهل الجنة
بینهم فی الاطباق فقلت له یا شیخ
هذا کذب علی رسول الله
علیه السلام فقال ویحک اسکت
حدیثة الناس وقال ابن عقیل
اخذ بعض الوعاظ یقول الله یا موسی
من ترید قال اخی هرون یا محمد
من ترید قال عمی والی یا نوح
من ترید قال ابنی یا یعقوب
من ترید قال یوسف قال کلکم
ترید منی این من یریدنی ثم
احتد وضرب الکرسی صکة وقال
یاقاری اقرأ تریدون وجهه
فقرء القاری وضج المجلس وصعق
قوم وخرقت ثیاب قوم بشعبذة ذلك
فاعتقد قوم ان ما ذکره لباب
الحق وعین العلم وفی بعض
المجامع ان قاصا جلس
ببغداد فروی فی تفسیر
قوله تعالی
(عسی ان یبعثك ربك
مقاما محمودا)

نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا تو اللہ تعالیٰ
نے درخت طوبیٰ کو حکم دیا کہ تر موتیوں کی نچھاور
کرے تاکہ اہل بہشت آپس میں ایک دوسرے
کو ہدیہ دیں۔ میں نے اُس سے کہا کہ بڑے میاں
آپ نے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر افترا کیا
اُسنے فوراً کہا کہ مجلس وعظ میں دنیاوی کلام
نہ کرنا چاہیئے اور ابن عقیل فرماتے ہیں کہ ایک
واعظ کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے دریافت
فرمایا کہ تم کس کو چاہتے ہو کہا کہ اپنے بھائی ہارون
کو۔ محمد سے پوچھا کہ تم کس کو چاہتے ہو کہا کہ اپنے چچا اور
ماں کو۔ فرمایا کہ اے نوح تم کس کو چاہتے ہو کہا کہ اپنے
بیٹے کو۔ فرمایا کہ اے یعقوب تم کس کو چاہتے ہو کہا کہ
یوسف کو۔ خداوند عالم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص
مجھسے اپنی اپنی مرادیں طلب کرتا ہے وہ لوگ کہاں
ہیں جو مجھکو مجھ سے مانگیں۔ پھر زور سے چوکی پر ہاتھ
مارا اور قاری کو اُس آیت کے پڑھنے کا حکم دیا کہ جس میں
تریدون وجهه وارد ہے۔ قاری نے اُسکی
قرات کی اہل مجلس چیخ چیخ کر رونے لگے۔ کچھ لوگ
بیہوش ہوگئے۔ کسی نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے
اور واعظ صاحب کا یہ شعبدہ مؤثر ہوگیا۔ لوگ سمجھ
گئے کہ جو کچھ اسنے کہا وہ بالکل درست ہے۔ کسی جلسہ
وعظ میں ایک واعظ نے اس آیت کی تفسیر میں ۔
(عسی ان یبعثك ربك مقاما محمودا) یہ کہدیا

مبدأ و معاد

(گذشتہ سے پیوستہ)

تو اس طریق کی مبتدیوں کی طلب میں فتور واقع ہوا اور اُنکے شوق میں قصور ظاہر ہوا اور یہ بھی خوف ہے کہ اگر حقیقت اُن تجلیات کی بیان نہ کروں تو باوجود علم کے اخفاءِ حق ہوگا اور حق و باطل میں التباس واقع ہوگا بضرورت اسقدر ظاہر کرتا ہوں کہ سالک کو جو مشاہدات و تجلیات پیش آتی ہیں اگر وہ ظلال اور شبہ و مثال نہیں ہیں تو جو حال کوہ طور اور حضرت کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا ہوا وہ ان سالکین کا کیوں نہیں ہوا واضح ہو کہ تجلی حق تعالی کی ظاہر پر ہو یا باطن پر ضرور ہے کہ جسپر تجلی ہو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوجاوے دنیا میں اس سے چارہ نہیں حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام اس حکم سے مستثنٰے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں رویۃ حقتعالی کی ہوئی اور آپ میں ذرہ تغیر نہ آیا اور جو کاملیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل پیرو ہیں اور اس مقام سے کچھ حصہ اُنکو حاصل ہے وہ بدون کسی پردہ ظلال کے نہیں ہے صاحب تجلی اسکو سمجھے یا نہ سمجھے ہرگاہ حضرت کلیم اللہ صرف مشاہدہ اس حال سے بیہوش ہوگئے دوسروں کی نسبت کیونکر اُسکے تحمل کا گمان ہوسکتا ہے۔

دیگر آنکہ واضح ہو کہ فقیر نے جو اپنے بعض مخلصین کو اجازت بیعت دی ہے مقصود اُس سے یہ ہے کہ گم گشتگان بیابان کو حقتعالی کیطرف بلاویں اور راہ راست پر لاویں اور خود بھی اون طالبوں کے ساتھ مشغول ذکر و فکر رہیں اور ترقی حاصل کریں اس نکتہ کو نگاہ رکھکر اپنی ہستی کو فنا کرکے مریدین کو نفع پہنچانے میں کوشش کریں اور اس اجازت کو کمال و تکمیل پر مبنی نہ سمجھیں کہ مقصود فوت ہوجاوے وما علینا الا البلاغ۔ نیز مکتوب دوسو اٹھارہ میں فرماتے ہیں سبق باطنی کی تکرار اور اکابر طریقت کی سیرۃ پر استقامت میں چاہیے کہ توجہات متفرقہ کی وجہ سے فرق نہ آوے اگر بالفرض کسی وقت باطن پر کچھ ظلمت اور کدورت محسوس ہو اُسکا علاج حقتعالی کیطرف التجا اور اُس بے نیاز کیطرف تضرع و زاری و شکستگی ہے اور اپنے مربی

کی طرف پوری طرح متوجہ ہونا جو کہ وسیلہ اس دولت عظمی کے حاصل ہونے کا ہے۔ اس وسیلہ کے آداب کی رعایت حضور و غیبت میں رکھنا لازمی ہے اور اُن بزرگواروں کی رضاجوئی کو وسیلہ رضا حق تعالی سمجھیں فلاح و نجات کا یہی طریقہ ہے۔ والسلام۔

توحید وجودی و شہودی

نیز مکتوب تیتالیس جلد اس شیخ فرید بخاری کو ارقام فرماتے ہیں توحید کہ اثنار سلوک میں طالفہ علیہ صوفیار کو پیش آتی ہے دو قسم پر ہے توحید شہودی اور توحید وجودی۔ توحید شہودی ایک دیکھنا ہے یعنی مشہود سالک کا سوائے ایک ذات کے نہ ہو اور توحید وجودی ایک موجود جاننا اور اُسکے غیر کو معدوم سمجھنا ہے اور باوجود معدوم جاننے کے ماسوار کو جائے ظہور اور جائے تجلی واحد سبحانہ کا جاننا۔ پس توحید وجودی علم الیقین کی قبیل سے ہوئی اور توحید شہودی عین الیقین کی قسم سے۔

توحید شہودی ضروریات سلوک سے ہے کیونکہ فنا بدوں اس توحید کے متحقق نہیں ہوتی اور عین الیقین بدوں اسکے میسر نہیں۔ قال العارف قدس سرہ۔

ہیچ کس را تا نگردد او فنا ✤ نیست رہ در بارگاہ کبریا

مشاہدہ ایک ذات مقدسہ کا اور غلبہ رویت واحد سبحانہ کا لازم پکڑتا ہے ماسوار کی عدم رویۃ کو جیسا کہ ظاہر ہے بخلاف توحید وجودی کے کہ وہ ضروریات سلوک سے نہیں کیونکہ وہ قبیل علم الیقین سے ہے اور علم الیقین بدوں نفی ماسوار کے حاصل ہوسکتا ہے غایۃ یہ کہ علم ماسوار کا حالت غلبہ و استیلائے علم واحد میں نہ رہے مثلاً کسی شخص کو آفتاب کے وجود کا یقین ہے اور یقین مرتبہ علم الیقین میں ہو تو غلبہ اس یقین کا مستلزم اسکو نہیں کہ ستاروں کو اسوقت معدوم جانے لیکن جسوقت آفتاب کا مشاہدہ کرے گا اور اُسکو دیکھے گا اسوقت بالیقین ستاروں کو نہ دیکھے گا اور نہ دیکھ سکتا ہے مشہود و مرئی اُسکا سوائے آفتاب کے نہ ہوگا اور اُسوقت جبکہ ستاروں کو نہیں دیکھتا جانتا ہے کہ ستارہ معدوم نہیں ہیں بلکہ اُن کو موجود جانتا ہے اور یہ باوجود موجود ہونے کے وہ نظر سے چھپے ہوئے ہیں آفتاب کی شعاع کی تیزی میں نظر نہیں آتے

یہ شخص جو آفتاب کے مشاہدہ کی وجہ سے ستاروں کو نہیں دیکھا مگر جانتا ہے کہ ستارہ معدوم نہیں ہیں اس جماعت کے ساتھ کہ جو ستاروں کے وجود کی ہی نفی کرتے ہیں مقام انکار میں ہے اور جانتا ہے کہ اس جماعت کی معرفت صحیح نہیں ہے کیونکہ فی الحقیقت ستارے موجود ہیں مگر آفتاب کی روشنی میں مستور و مغلوب ہیں۔ پس توحید وجودی کہ عبارت ہے ماسوائے ذات واحد تعالےٰ کی نفی سے بظاہر عقل اور شرع کے ساتھ جنگ میں ہے برخلاف توحید شہودی کے کہ ظاہر شریعت کے مطابق ہے کیونکہ ایک کے دیکھنے میں اور ماسوا کے نہ دیکھنے میں کچھ مخالفت عقل اور شرع کی نہیں ہے مثلاً آفتاب کے نکلنے کے وقت یہ اعتقاد کرنا کہ ستارے موجود ہی نہیں ہیں بلکہ معدوم ہیں مخالف واقع کے ہے اور نہ دیکھنا ستاروں کا اسوقت کچھ مخالف نہیں بلکہ یہ عین مطابق واقع کے ہے اور طلوع آفتاب کے لوازمات میں سے ہے کہ آفتاب کی روشنی کا ظاہر ہونا مقتضی اسی کو ہے اور نیز دیکھنے والے کی نظر کا ضعف اسکو مقتضی ہے اگر دیکھنے والے کی آنکھ میں قوت آجاوے اور آفتاب کی روشنی کے ساتھ سرمگین ہو جاوے تو عین حالت طلوع آفتاب میں ستاروں کو آفتاب سے جدا دیکھیگا اور ممتاز پاوے گا اور یہہ امر مرتبہ حق الیقین میں حاصل ہوگا پس بعض مشائخ کے اقوال کہ ظاہر شریعت کے مخالف معلوم ہوتے ہیں اور بعض آدمی اُن اقوال کو توحید وجودی پر محمول فرماتے ہیں جیسا کہ ابن منصور حلاج کا قول انا الحق اور ابویزید بسطامی کا قول سبحانی اور اسیطرح دیگر اقوال اس قسم کے۔ مناسب تر اور بہتر یہہ ہے کہ اُن اقوال کو توحید شہودی کی طرف راجع کرنا چاہیئے اور مخالفت شریعت پر محمول نہ کرنا چاہیئے اصل یہ ہے کہ جب اُن حضرات کی نظر سے حقتعالےٰ کے سوا تمام ممکنات محجوب و مخفی ہو گئے غلبہ حال میں اس قسم کے الفاظ کے ساتھ تکلم فرمایا اور حقتعالیٰ و سبحانہ کے سوا سب کو نفی کیا اور کسیکے وجود کو حقتعالیٰ کے وجود کے سامنے ثابت نہ کیا پس معنی انا الحق کے یہ ہیں کہ حق ہے میں نہیں چونکہ اپنی ہستی نظر نہیں آتی اُسکو موجود نہیں سمجھتا نہ یہہ کہ اپنی ہستی کو ثابت کرتا ہے اور اُسکو حق کہتا ہے کہ یہہ خود کفر و الحاد ہے اسجگہ کوئی یہہ نہ کہے کہ ثابت نہ کرنا نفی کیطرف کھینچتا ہے اور یہہ بعینہٖ توحید وجودی ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ ثابت نہ کرنے سے واقع میں نفی اس شے کی لازم نہیں آتی جیساکہ ستاروں کی مثال

میں گذرا بلکہ اُس مقام میں حیرت ہے احکام تمام ہا مرتفع ہوگئے ہیں۔ اسیطرح کلمہ سبحانی
میں بھی حقتعالی کی تنزیہہ ہے نہ اپنی تنزیہ کہ وہ بتمامہ نظر عارف سے مرتفع ہوچکی ہے کوئی حکم
اُسکے ساتھ متعلق نہیں اس قسم کے اقوال مرتبہ عین الیقین میں بعض حضرات سے سرزد
ہوئے ہیں کہ وہ مقام حیرت ہے جسوقت اس مقام سے عبور واقع ہوتاہی اور مرتبہ حق الیقین
پر پہنچتے ہیں اس قسم کے کلمات سے تحاشی کرتے ہیں اور حد اعتدال سے تجاوز نہیں کرتے
اس زمانہ میں بہت سے نام کے صوفیوں نے توحید وجودی کو شائع کیاہے اور کمال اسی کو
سمجھتے ہیں اور علم میں عین سے باز رہے ہیں اور اُن اقوال مشائخ کو اپنے تراشیدہ اور
متخیلہ معانی کیطرف پھیرتے ہیں اور اُسکو رواج دیتے ہیں حالانکہ اُن کو لازم ہے کہ اگر بالفرض
مشائخ کی عبارات میں ایسے الفاظ پاویں جن سے توحید وجودی ظاہر ہوتی ہو تو اُن الفاظ کو اسپر
حمل کرنا چاہیئے کہ ابتدا میں یعنی مقام علم الیقین میں اُن سے یہہ الفاظ سرزد ہوئے ہیں اور آخرکار
اُنکو اُس مقام سے گذار کر عین الیقین کے مرتبہ پر پہنچایا ہے۔ اسجگہہ کوئی یہہ شبہہ نہ کرے کہ اصحاب
توحید وجودی بھی جیسا کہ ایک جانتے ہیں ایک ہی دیکھتے ہیں پس عین الیقین سے بھی حصہ رکھتے
ہیں یعنی اُن کو مرتبہ علم الیقین پر سمجھنا اور عین الیقین کے مقام سے بے بہرہ سمجھنا صحیح نہ ہوا اسکے جواب
میں ہم کہتے ہیں کہ ارباب توحید وجودی بحالت مذکورہ توحید شہودی کی مثال کو دیکھتے ہیں حقیقت
توحید شہودی کے ساتھ متصف نہیں ہیں ورنہ ممکنات کے وجود کو بھی جسدرجہ کا وہ ہے ثابت کرتے
اور واحد سبحانہ کے مشاہدہ کی وجہ سے وجود ممکنات کی قطعًا نفی نہ کرتے۔ توحید شہودی کو اُس صورت
مثالی سے کچھ مناسبت نہیں ہے کیونکہ اُس توحید کے تحقق کی حالت میں حیرت ہی حیرت ہے اُس
مقام پر کسی چیز کا حکم نہیں کرسکتے پس معلوم ہوا کہ توحید وجودی کے ساتھ جو حکم توحید شہودی کا
متحقق ہے وہ صورت توحید شہودی کی ہے اور صاحب توحید وجودی ارباب علم سے ہے کہ
نفی وجود ماسوا کی کرتاہے اور نفی بھی ایک حکم ہے احکام میں سے اور مقولہ علم سے ہے حیرت اور علم
باہم جمع نہیں ہوسکتے پس ثابت ہوا کہ صاحب توحید وجودی مقام عین الیقین سے حصہ نہیں رکھتا
البتہ صاحب توحید شہودی کو مقام حیرت سے اگر ترقی واقع ہو مقام معرفت پر پہنچاتی ہیں جو کہ حق الیقین ہے
اُس مقام میں علم اور حیرت جمع ہوتے ہیں اور جو علم کہ حیرت کے ساتھ ہی اور حیرت سے پہلے ہے وہ علم الیقین ہی (باقی آئندہ)

ایک اختلافی مسئلہ متعلق سود کا باہمی تصفیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کچھ عرصہ ہوا مولانا مولوی محمد ناظر حسن صاحب دیوبندی سابق مدرس مدرسہ محمودیہ چھتاری حال مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ نے چار ورق کا رسالہ مسمیٰ بہ (علماء دین سے استدعا) مطبع قاسمی دیوبند میں طبع کرایا تھا اس رسالہ کا عنوان اگرچہ استفتا اور استدعا کا تھا۔ مگر درحقیقت مولانا نے خلاف مذہب ائمہ حنفیہ و خلاف مذہب ائمہ مجتہدین نقد روپیہ کو نفع کی رقم معین کر کے کرایہ دینے کی صورت کا جواز اپنے خیال کے موافق ثابت کیا تھا جس سے عام خیالات میں تشویش پھیل گئی۔ لوگوں کو عموماً علماء دیوبند پر سوء ظنی کا موقع ملگیا۔ مطبع قاسمی میں اس رسالہ کا طبع ہونا اس بدظنی کا قرینہ بنگیا لیکن درحقیقت مجھے اوسکی طبع کا علم نہیں ہوا۔ منشی محبوب علی صاحب منتظم مطبع نے یہہ خیال کر کے کہ اوسمیں کوئی امر خلجان کا نہ ہوگا۔ طبع کر دیا۔ مجھے علم ہوا تو افسوس ہوا۔ اس اثناء میں میرٹھ جانا ہوا۔ تو وہاں بھی اسکا چرچا تھا رسالہ کی ظاہری مفہوم جواز سود کی وجہ سے تو برہمی تھی ہی۔ مگر مطبع قاسمی میں طبع ہونیکا بھی زیادہ تذکرہ سنا۔ میرٹھ میں مجھکو مولانا مولوی عبدالمومن صاحب مدرس مدرسہ قومیہ میرٹھ سے ملنے کا اتفاق ہوا تو مولانا نے بھی اسکا ذکر کیا اور ساتھ ہی اوس رسالہ کا جواب جو مولانا نے لکھا تھا مجھکو دکھلایا۔ میں نے عرض کیا کہ اس جواب کو مطبع قاسمی میں طبع کرایا جائیگا۔ خوش قسمتی سے اوسوقت حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم بھی میرٹھ میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولوی عبدالمومن صاحب نے اپنا رسالہ مولانا کو بھی سنایا۔ مولانا نے اوسکو پسند فرمایا اور طبع کی تاکید فرمائی۔ اس رسالہ کا نام

زلّۃ العالم تجویز کیا گیا اور مطبع قاسمی میں طبع کر کے مشتہر کر دیا گیا۔ ارادہ تھا کہ رسالہ القاسم والرشید کے ذریعہ سے اعلان کر دیا جائے کہ علماء دیوبند وسہارنپور وتھانہ بھون میں سے کوئی بھی اس مسئلہ میں مولوی ناظر حسن صاحب سے متفق نہیں ہیں۔ یہہ صرف اونکا ذاتی خیال ہے۔ مگر بدین خیال کہ اولاً مولانا موصوف سے اس بارہ میں گفتگو کر لی جائے۔ ممکن ہے کہ مولانا اپنی رائے سے رجوع کر لیں اور اس فتنہ دینی کا انسداد ہو جائے عجلت نہ کی گئی۔

تعطیل کلاں میں مولانا موصوف تشریف لائے۔ اور ایک موقع پر جہاں حضرت مولانا مولوی حافظ محمد احمد صاحب ناظم دار العلوم دیوبند۔ حضرت مولانا صدیق احمد صاحب انبہٹوی دامت برکاتہم۔ جناب صوفی محمد علی صاحب مولانا سراج احمد صاحب تشریف فرما تھے اور یہہ احقر بھی وہاں موجود تھا۔ اس مسئلہ کا ذکر ہوا تو جناب مہتمم صاحب نے فرمایا کہ یہ شرعی مسئلہ ہے۔ اور اسکے شائع ہونے سے مسلمانوں میں سخت فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ ہے مولانا ناظر حسن صاحب کو بھی اسمیں کوئی غرض ونفسانیت نہیں ہے۔ اور نہ دوسری جانب کوئی بات ہے اسلئے مناسب ہے کہ سب حضرات جمع ہو کر باہم گفتگو کر لیں اور جو امر قرار پائے اوسکا اعلان کر دیا جائے۔

زمانہ مشغولی امتحان سالانہ کا تھا۔ ۱۲ شعبان کو سالانہ امتحان ختم ہوا۔ ۱۳ کی شام کو مدرسین مدرسہ دوسرے مدارس کا امتحان لینے کیلئے جانے والے تھے اسلئے تجویز ہوئی کہ ۱۳ شعبان کو جمع ہو کر گفتگو کر لیجائے۔

اسی بنا پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں عریضہ لکھا گیا۔ حضرت مولانا نے ۱۲ کی شام کو قدم رنجہ فرمایا۔ اور ۱۳ کی صبح کو کتب خانہ دار العلوم دیوبند میں مجتمع ہو کر۔ بصدارت حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مسئلہ مذکور میں بطرز شائستہ ومہذبانہ کلام شروع ہوا۔ کچھہ دیر تک تفصیلی مناظرہ رہا۔ نہایت خوبی وصفائی کے سات بات ہوتی رہی۔ مولانا ناظر حسن صاحب کو جو خلجان اس مسئلہ میں تھے۔ اونکو بیان فرمایا۔ دوسری جانب حضرات علماء کو مولانا کے دلائل پر جو خدشات تھے۔ وضاحۃ کے

ساتھ بیان کر دئے گئے مناظرہ کا طرز اور مہذبانہ سوال وجواب کا انداز سلف صالح کے مناظروں کی یاد کو تازہ کرتا تھا۔

بالآخر بہت سی رد وبدل کے بعد یہہ امر طے ہو گیا کہ یہہ صورت جو رسالہ علماء دین سے استفتاء میں لکھی گئی حرام وناجائز ہے۔ مولانا ناظر حسن صاحب نے بھی اس کو تسلیم فرما لیا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے اس جلسہ کے روداد اور نتیجہ کو اسیوقت لکھو اکر حاضرین جلسہ کے دستخط کرالئے۔ جو درج ذیل ہے۔ والحمد للہ علی ذلک حمداً کثیراً طیباً مبارکاً

ہم مولانا ناظر حسن صاحب کی انصاف پسندی اور صفائی کے نہایت مشکور ہیں کہ آپ نے خوشی کے ساتھ سنا اور تسلیم کیا۔

علماء حقانی کی یہی شان ہونی چاہیئے۔ اہل علم میں مسائل فروعی کے اندر اختلاف ہو جانا مستبعد امر نہیں ہے۔ لیکن اگر اسیطرح باہم تصفیہ ہو جایا کرے۔ تو مضر اختلافات ونزاعات کا خاتمہ ہو جائے۔

حضرت مولانا محمود حسن صاحب صدر المدرسین دامت برکاتہم ایک ضرورت سے دہلی تشریف لے گئے تھے۔ اس لیے مجلس میں تشریف فرما نہ تھے۔ لیکن انعقاد مجلس مولانا مدظلہم کی رائے کے موافق ہوا تھا۔

جن لوگوں کو مولانا ناظر حسن صاحب کے رسالہ سے کچھ خلجان ہوا ہو۔ وہ جلسہ ہذا کی روداد کو دیکھکر مطمئن ہو جائیں۔

خاکسار مدیر

روداد جلسہ منعقدہ ۱۲ ؍ شعبان المعظم ۱۳۳۱ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

امابعد

جناب مولانا مولوی ناظر حسن صاحب کا رسالہ (جسکا عنوان علماء دین سے استفسار ہے) جب چھپکر شائع ہوا۔ تو مولانا خلیل الرحمن صاحب ناظم ندوہ نے مجھسے فرمایا کہ مولانا ناظر حسن صاحب نے ایک رسالہ جواز سود میں لکھا ہے۔ آیا تم نے دیکھا۔ میں نے عرض کیا۔ کہ میری نظر سے نہیں گذرا۔ مگر مجھکو اس سے ایک درد پہونچا اور افسوس ہوا۔ کہ ایسی تحریر بلا مشورہ باہمی کیوں شائع ہوئی۔ اور دوستانہ شکایت دل میں پیدا ہوئی۔ اوس رسالہ کو تلاش کرتا رہا۔ مگر نہیں ملا۔ اتفاقاً میرٹھ جانا ہوا۔ تو مولوی عاشق الٰہی کے یہاں وہ رسالہ اور اوسکا ایک جواب چھپا ہوا جو مولانا مولوی عبدالمومن صاحب نے لکھا ہے۔ دونوں دستیاب ہوئے۔ سہارنپور لے آیا اور ان دونوں کو دیکھا۔ مسئلہ کے متعلق جو کچھ مولانا ناظر حسن صاحب نے اپنے رسالہ میں تحریر فرمایا ہے حسب مذہب حنفی میرے نزدیک غلط اور خلاف مذہب تھا اوسکے بعد دیگر حضرات مثلاً جناب مفتی عزیز الرحمن صاحب وحضرت مولانا مولوی محمود حسن صاحب وغیرہم من العلماء سے گفتگو کا اتفاق ہوا۔ تو سبکی رائے یہی معلوم ہوئی۔ کہ مولانا ناظر حسن صاحب کی یہہ رائے مشائخ احناف کے خلاف ہے۔ اوسکے بعد مولانا ناظر حسن صاحب سے اتفاق ملاقات ہوا بعد دوستانہ شکوہ کے بالآخر یہہ بات قرار پائی کہ میں دیوبند آجاؤں اور وہاں علماء کے مجمع میں یہہ مسئلہ طے ہوجاوے چنانچہ کل بتاریخ ۱۲ ؍ شعبان المعظم ۱۳۳۱ھ مولانا مولوی حبیب الرحمن صاحب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا خط میری طلبی میں پہونچا۔ اوسی غرض کیلئے کہ اوس مسئلہ کا باہمی تصفیہ ہوجائے۔ گو میری ضرورت نہیں تھی۔ لیکن تعمیلاً میں بھی حاضر ہوگیا۔ چنانچہ آج

۲۳ ؍شعبان المعظم کو علماء و صلحاء کے جلسہ میں جسمیں مولانا ناظر حسن صاحب مفتی صاحب۔ مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دار العلوم۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب۔ مولانا حکیم محمد حسن صاحب مولانا محمد غلام رسول صاحب۔ مولانا سراج احمد صاحب۔ مولانا رسول خانصاحب۔ مولانا اصغر حسین صاحب۔ مولانا عبد السمیع صاحب مولانا محمد ابراہیم صاحب۔ مولانا محمد اعزاز علیصاحب۔ مولانا احمد شیر صاحب۔ مولانا گل محمد خانصاحب۔ مولانا نور الحسن صاحب۔ مولانا محمد احسن صاحب۔ مولوی عبد الشکور صاحب۔ مولوی مفتی فضل اللہ صاحب۔ مولوی محمد صدیق صاحب۔ مولوی رحمت علیصاحب۔ حاجی صوفی محمد شفیع صاحب۔ جناب حافظ عبد الحی صاحب۔ شاہ عبد اللطیف صاحب اور شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ وغیرہم موجود تھے۔ یہہ مسئلہ پیش ہوا۔ مکان کتب خانہ دار العلوم دیوبند میں بیٹھکر ایک معتدبہ تفصیلی گفتگو واقع ہوئی۔ اور روایات فقہیہ اس مسئلہ کے متعلق پیش ہوتی رہیں آخری نتیجہ اس گفتگو کا یہہ ہوا۔ کہ چونکہ جانبین میں حقانیت اور انصاف مدنظر تھا کسیکو کوئی نفسانیت یا ذاتی غرض ملحوظ نہ تھی اسلئے یہ مسئلہ بہت جلد منفصل ہوگیا اور مولانا مولوی ناظر حسن صاحب نے مجمع میں ظاہر فرمادیا کہ میری غرض استفتا مطبوع سے صرف مضاربہ فاسدہ کے رقم معین کے متعلق تھی کہ آیا جائز ہے یا نہیں اور میرا خیال جواز کیطرف تھا۔ اسکی نسبت باہمی گفتگو سے طے ہوا کہ وہ بھی ناجائز ہے۔ اور یہ میرا منشاء ہرگز نہیں تھا اور نہ ہے کہ قرض پر رقم معین جائز ہے یا بغرض تجارت قرض لیکر رقم معین رب المال کو دینا جائز ہے۔ اور روپیہ پیسہ کو علاوہ شکل زیر بحث کے کسطرح سے کرایہ پر چلانا جائز ہے۔ یہ تینوں احتمالات تھے۔ جو عوام کو پیش آئے۔ میں اس سے بری ہوں۔ مولانا کے دوسرے رسائل میں اگر کوئی مضمون بیان کے خلاف سمجھا جاوے۔ جو اوپر مذکور ہوا تو وسکو منسوخ اور اسکو ناسخ سمجھنا چاہئے۔ چونکہ ممکن تھا کہ مولانا کے استفتاء مطبوع سے ہماری جماعت کے تشتت و تفرق مسائل حنفیہ کے کسی پہلو کی نسبت کوئی ناخوشگوار نتیجہ پیدا ہوجائے۔

اسلئے عام مسلمانوں کے اطمینان کی غرض سے یہہ تحریر شائع کیجاتی ہے۔ اور آخر میں ہماری دعا ہے کہ حقتعالی شانہ تمام جماعت اسلام کو تفرق و اختلاف مذموم سے محفوظ رکھے اور حق کا اتباع کرنے اور بے تکلف قبول کرلینے میں مولوی صاحب موصوف کے نیک مثال کی پیروی کرنیکی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

العبد
خلیل احمد بقلم خود

یہ تحریر میرے مواجہ میں لکھی گئی۔ میں اسکی تصدیق کرتا ہوں فقط محمد ناظر حسن

ہم نے یہہ تحریر تمام مجمع کے مواجہ میں سُنی اور تصدیق کی اور سب گفتگو ہمارے سامنے اور مولانا ناظر حسن صاحب کے روبرو پیش ہو کر فیصل ہوئی۔

محمد احمد مہتمم مدرسہ دیوبند۔ خاکسار سراج احمد عفی عنہ۔ محمد احسن عفی عنہ۔ محمد حسن عفی عنہ غلام رسول عفی عنہ محمد عبد الشکور عفا عنہ الغفور۔ ذلک فضل اللہ۔ احقر الزماں گل محمد خان عفی عنہ فقیر اصغر حسین عفی عنہ۔ عزیز الرحمن عفی عنہ۔ عبد الحی۔ احقر حبیب الرحمن عفی عنہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ۔ رسول خان عفی عنہ۔ احمد امین عفی عنہ۔ نور الحسن عفی عنہ احمد رشید عفی عنہ۔ عبد اللطیف بقلم خود۔ عبد السمیع عفی عنہ۔ بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ محمد شفیع عفی عنہ۔ بشیر حسین غفر لہ۔ محمد نذیر الحق غفر لہ۔

بندہ اس تمام گفتگو میں شریک رہا اور یہہ تحریر اپنے قلم سے بارشاد حضرت مولانا مولوی خلیل احمد صاحب مدظلہ سب کے مواجہہ میں لکھی۔

شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۲ رشعبان المعظم ۱۳۳۳ھ
یوم الاحد

ایڈیٹر صاحب افادہ کا شکریہ

شکوہ میں ترس مدعی شکر میں ترک مدعا
سوچ میں ہوں کہ حال دل یوں کہوں ایذا کہ یوں
شکوہ بھی چاہئے ضرور شکر بھی چاہئے ضرور
منصف دل نے سوچکر کر دیا فیصلہ کہ یوں

نواب حاجی محمد اسمعیل خانصاحب ایڈیٹر افادہ کی اس عنایت کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے خاکسار کے مضمون (کلمۃ الحق) کی اس عبارت (آج کہا جاتا ہے کہ علم و حکمت کی روشنی سے عالم جگمگا یا ہوا ہے۔ مگر شاید ظلمت کا نام اس زمانہ کی اصطلاح میں روشنی ہے۔ ہماری خیرخواہ مسلمانوں کے ہادی روشن خیال صحیح الدماغ ہونیکے بعض مدعی ترقی معکوس کی دھن میں کسی پارسی کو ناٹک اور تماشے کے ذریعہ سے روپیہ کماتا ہوا دیکھکر اپنی مظلوم قوم کو رای دیتے ہیں کہ وہ بھی روپیہ کمانے میں ایسے ذریعوں کو معیوب نہ سمجھے۔ معلوم ہوا کہ ان نادان دوستوں کے نزدیک مسلم کی حقیقت عبدالدرہم والدینار ہے۔ ترقی کے دائرہ کو اسقدر وسیع کر دینے سے ممکن ہے کہ ان بزرگوں کے نزدیک بالآخر تحصیل مال کا کوئی ذریعہ مذموم نہ رہے۔ اے اللہ اپنے بندوں کو یہ روز بد نہ دکھا) پر اسارمی ۱۹۱۵ء کے (افادے) میں کلمات ذیل تحریر فرماتے ہیں۔

میں نے پچھلے کسی (افادے) میں ایک نوٹ ٹھیٹر پر لکھا تھا۔ اسپر ربیع الثانی کے محترم و مقدس رسالہ (القاسم) دیوبندی کے صفحہ ۲۴ پر یہ دیندارانہ نوٹ ہے جسکے آگے اڈیٹر افادہ سر تسلیم خم کرتا ہے کیونکہ یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اسپر مذہباً جوانکی گفتگو کرنے کا کوئی پہلو نہیں ہے لیکن اگر کوئی دنیا دار لکھتا تو اسکا اعتراض خاموشی سے تسلیم نہ کیا جاتا۔ البتہ علماء و پیشوایان مذہب کا حق ایسی سرزنشوں کا ہے اللہ تعالی ہمارے عالموں کو مزید علم و تقویٰ عطا کرے۔

اللہ تعالی یہ دعا نواب صاحب کی علماء کے حق میں قبول فرمائے آمین۔ خاکسار معتمد المدیر القاسم۔

نوابصاحب کی یہ حق پسندی لایق شکر ہے درحقیقت انصاف اور حق پسندی کا جوجوہر قدرت نے انسان کے دل میں ودیعت فرمایا ہے اگر اوسکو حرکت میں لایا جاوے تو بلاشبہ آدمی صحیح نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے ضد اور ہٹ اوسکے دشمن ہیں اللہ تعالے ان کا کالا مونہ کرے۔

بڑائی اور کمال یہی ہے کہ حق بات اگرچہ سراج سے ذلیل شخص کی زبان و قلم سے نکلے مگر اسے بہت دلی چاہ

اوسکی تسلیم سے عار نہ کریں

لاتنظروا الی من قال وانظروا الی ما قال — یہ مت دیکھو کہ کسنے کہا یہ دیکھو کہ کیا کہا۔

کی نصیحت بیشک صحیح اور مفید نصیحت ہے۔

القاسم بحث ومباحثہ کیلئے پیدا نہیں ہوا ہے وہ مسلمانوں کی اصلاح مذہبی اسپنے سلف کے طریق پر کرنا چاہتا ہے وہ اس کوشش میں ہے کہ ترقی کرنیوالی جماعت کو کچھ پیچھے ہٹاکر آگے بڑھنے کا مشورہ دے اوسکو اپنے متعلق دوستوں کے طعن وتشنیع آمیز کلمات سنکر اور دیکھکر کچھ ملال نہیں ہوتا نہ وہ اونکا جواب دینا پسند کرتا ہے ہاں کوئی بات خلاف حق کسی کے قلم وزبان سے نکلے تو وہ بقدر امکان اوسکی اصلاح اور تردید کو اپنا فرض سمجھتا ہے۔

اِسوقت نواب صاحب کی خدمت میں اسقدر گذارش کیے بغیر نہیں رہا جاتا کہ جناب اپنے اس جملہ (لیکن اگر کوئی دنیادار لکھتا تو اوسکا اعتراض خاموشی سے تسلیم نکیا جاتا) پر نظر ثانی ضرور فرماسے۔

۳۰ رجون ۱۹۱۵ء کے (افادے) میں ہمارے نواب صاحب نے القاسم کے ایک اور مضمون کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مدرس دارالعلوم دیوبند کا ایک مضمون جسکا عنوان (فلسفہ اور علم کلام) ہے القاسم میں چند نمبر اسکے طبع ہوئے ہیں اسکا آخر حصہ القاسم ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ میں طبع ہوا۔ اوسکو پڑھکر تقریباً ڈیڑہ صفحہ کا مضمون تحریر فرمایا ہے اور میرے خیال میں نواب صاحب محض اتنی بات سے متاثر ہوگئے کہ اوسمیں سرسید صاحب کی بعض مذہبی تحریرات کی تردید ہے۔ میں پھر گذارش کرونگا کہ القاسم آزادی سے اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے اوسکی تحریر کا موضوع صرف اظہار حق ہے نہ سرسید صاحب۔ یہ تحریر جس متانت اور تہذیب اور انصاف سے لکھی گئی ہے اوسکی نسبت میں اور تو کچھ عرض نہیں کرسکتا ہاں اسقدر ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آج سرسید زندہ ہوتے تو گو وہ اپنے خیال سے رجوع نفرماتے مگر نواب صاحب کی طرح بگڑ بھی نہ جاتے۔ جس زمانہ میں یہ مضمون طبع ہونا شروع ہوا تھا اوسوقت جس عظمت اور قبول کی نظر سے قوم میں یہ دیکھا گیا تھا وہ بھی ہمکو فراموش نہیں ہے اور بعض سنجیدہ نوتعلیم یافتہ حضرات کے خطوط بھی ہمکو یاد ہیں اور آج نواب صاحب کی تحریر بھی پیش نظر ہے ہم القاسم کو پہلوانوں کا دنگل بنانا نہیں چاہتے ہیں مگر رسالہ کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھکر آیندہ نمبر میں انشاء اللہ تعالی محض بنظر خیرخواہی اپنا فریضہ ادا کرینگے۔

تقریظات

الرشاد یہ ایک مذہبی ماہواری رسالہ ہے جسکو مولانا شمس الحق صاحب میرٹھی نے ربیع الاول ۱۳۳۲ھ میں زیرادارت مولانا الحاج محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی مدرسہ **مظاہر علوم** سہارنپور سے شائع کیا۔ ابتدا سے یہ رسالہ صرف مولانا عاشق الٰہی صاحب کے علمی افادات کی تصویر تھا۔ پہلا سال ختم ہوا کہ بعض اعذار نے مولانا ممدوح کو اسکی ادارت سے دست کش ہونے پر مجبور کیا۔ قیامت آگئی کہ سال بھر کا بچہ مرضعہ سے الگ ہوگیا۔ اور زندگی کے لالے پڑ گئے۔ یہ نہایت افسوسناک حادثہ ہے کہ ایک لائق مدیر کے علمی افادات سے الرشاد کے صفحات خالی نظر آنے لگے۔ مولانا شمس الحق صاحب سے بظاہر یہ امید نہ تھی کہ وہ اس شیرخوار کی تربیت کر سکیں گے۔ مگر شکر ہے کہ مولانا عاشق الٰہی صاحب کی سبکدوشی پر اُنکی ہمت نے جُھرجُھری لی اور اس چشمۂ فیض کو اپنی ادارت میں جاری رکھ کر مسلمانوں کو علمی افادات سے محروم رکھنا کسیطرح گوارا نہ کیا۔ شاباش جزاک اللہ۔ این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

اللہ تعالیٰ آپکی ہمت کو قوت اور استقلال عطا فرمائے اور مسلمانوں کو آپ کا شکرگذار رکھے یہ امر زیادہ قابل شکر ہے کہ علمای مدرسہ مظاہر علوم کی توجہ بھی اس طرف مبذول ہوئی اور اس شیرخوار کے سرپران صاحبوں نے ہاتھ رکھا اور پژمردہ پھول کو اپنی نسیم توجہ سے جِلا لیا۔ جزاہم اللہ جزاءً خیرًا۔ سچ ہے۔

برائے کار خدا رہبرے ہمے آید　　　　یکے ہمے رود و دیگرے ہمے آید

اب اس رسالہ میں مختلف مضامین متعدد حضرات کے شائع ہوتے ہیں اور مایہ الفخر یہ امر ہے کہ حضرت قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین مولانا الحاج الحافظ محمد اشرفعلی صاحب دامت برکاتہم کے علمی افادات سے بھی کوئی پرچہ الرشاد کا خالی نہیں ہوتا۔ اور بھی اچھے اچھے مفید مضامین نکلتے ہیں اور مختلف طبائع انسانوں کے لیئے غذائیں چُنی جاتی ہیں جو پہلے نہ تھیں یہ امر بھی قابل اطلاع ہے کہ اس معنوی تغیر کیساتھ رسالہ کی صورت بھی بدل گئی یعنی اب لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ ہوتا ہی اور ہمارے **مطبع قاسمی** دیوبند میں طبع ہوکر ہدیہ ناظرین ہوتا ہے اس رسالہ کی ایک تابان

خصوصیت یہ ہے کہ اسکو حضرت جامع شریعت وطریقت مولانا الحاج الحافظ خلیل احمد صاحب دامت فیوضہم کی سرپرستی کی عزت حاصل ہے۔ اور یہی وہ راز ہے کہ جس سے اس کی ترقی میں نمایاں کامیابی کی امید کیجاتی ہے۔ مسلمانوں کو ایسے رسائل کی دل سے قدر کرنی چاہیئے۔ کیوں۔ اسلئے کہ وہ اُن کے سچے ہمدرد اور واقعی ناصح ہیں۔ آج جب کہ ہمارا مذاق بدلا ہوا ہے جدت پسندیاں مطبوع طبائع ہیں آزاد منشی اور استبداد کی حکومت ہے۔ خودرائی کی بدولت ایک نو ایجاد طریق کو ذریعۂ ہدایت سمجھا جاتا ہے۔ اتباع سلف صالحین کو ہماری خودبینی نے معزول کردیا ہے اور ہمکو مستبدانہ کاٹ چھانٹ تراش خراش کی اجازت دیدی ہے۔ ہماری طرز تقریر انداز تحریر سے ظاہر ہے کہ ہم یورپ کے آزاد منشوں کے نقش قدم پر پڑکر اپنے اصلی رستہ سے کوسوں دور ہوگئے ہیں اور بجائے اتباع سلف کے یورپ کے خلف کا ربقۂ اتباع ہماری گردن میں ہے۔ اپنا گھر برباد کرکے ہم دوسروں کی آغوش تربیت میں زندگی بسر کرنے پر نازاں ہیں اور قیامت ہے کہ ہم اپنے اس جہل کو علم سمجھ کر اپنے حقیقی رہنما سے جُدا ہوگئے ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی   کیں راہ کہ تو میروی بترکستان ست

ہائے افسوس مذاق بدلا احساس بدلا۔ حال بدلا۔ قال بدلا۔ اب زمانۂ اصلاح کی کیا صورت ہے بجز اسکے کہ ؎

کیونکر کہ ہے سب کار اُلٹا   ہم اُلٹے بات اُلٹی یار اُلٹا

اصلاح کی یہی صورت ہے کہ تقریر سے تحریر سے وہی سلف کے اقوال اعمال عقائد حالات واقعات قرآنی آیات کی تفاسیر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مضامین سیدھے اور سادے طرز سے مسلمانوں کی خدمت میں بعجز و نیاز پیش کیے جاویں اور اس عام سمی اثر سے بچانیکے لئے کتاب مبین سے شفاء کے نسخے بتلائے جاویں امید ہے کہ ایک وقت آئیگا کہ ہم کامیاب ہونگے۔ انشاءاللہ تعالیٰ اثر ہوگا اور ضرور ہوگا۔ دیر آید درست آید القاسم اور الرشید اسی خدمت کے لئے اُٹھے ہیں الرشاد کو بھی خدا سلامت رکھے وہ بھی اسی میدان کا مرد ہے اور مبارک ہو کہ چوتھا ہادی (الامداد) تھانہ بھون سے اُٹھا ہے اور اپنی ہدایت کا پھریرا سرزمین ہند میں ہلانیوالا ہے۔

یہ چار یار عناصر اربعہ کیطرح مسلم انسان کیلیئے ممد و معاون ہونگے اور اُسکی رہنمائی کا

کوئی طریق بجا امکان فراموش نہ کریں گے - اور یہ چار درحقیقت ایک آفتاب کے مظہر ہیں اسلام کے خادم - دین کے منادی قوم کے ہمدرد - ؎

اُس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے ہم ہوئے تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے

خاکسار معتمد المدیر

سیرۃ الحبیبؐ یہ کتاب ہمارے نادیدہ دوست مولوی محمد عبد التواب صاحب کی تالیف ہے جو بغرض تقریظ دفتر القاسم میں موصول ہوئی ہے - بندہ کو سرسری طور پر کہیں کہیں سے اسکے معائنہ کا اتفاق ہوا - عبارت اردو سلیس عام فہم ہے - حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات معتبر و مستند کتب سیر سے لکھے گئے ہیں - حقیقت میں یہ تالیف مولوی صاحب کی علمی لیاقت کا آئینہ ہے اور اُن کے صلاح و فلاح کا شاہد عدل ہے - آپنے ناولانہ طرز اور جدید انشا پردازی کا رنگ اختیار نہیں کیا بلکہ عالمانہ اور عام فہم فصیح عبارت میں اپنی قابلیت کی داد دی اور متانت و سنجیدگی کیساتھ صحیح صحیح روایات و اقوال پر بس کیا نہ اسمیں شاعرانہ مبالغے ہیں نہ واعظانہ گرم بازاریاں "سچے سچے" حالات سیدھے اور سادے مگر دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے ہیں اور یہی ایک عالم کی شان ہونی چاہیئے جزاہ اللہ تعالی خیرًا - خدا کرے کہ جلد اس کے بقیہ حصص شائع ہوں میں مولوی صاحب کو اُن کی ہمت و سعی کی داد اور مسلمانوں کو اس مبارک کتاب کی خریداری کا مشورہ دیتا ہوں - اس کتاب کی قیمت ۸ / ہے - ملنے کا پتہ

مولوی فضل احمد صاحب و مولوی عبد التواب صاحب محلہ قلعہ نہر رہتک ہے | خاکسار معتمد المدیر

میزان البلاغۃ یہ علم معانی کی ایک نایاب عربی زبان کی کتاب ہی جو حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہٗ دہلوی کی یادگار ہے کتاب گو مختصر ہے مگر عبارت مطلب خیز ہے اُس پر حضرت مولانا مولوی محمد عزیز الرحمن صاحب مفتی دار العلوم دیوبند کا مختصر حاشیہ بھی نہایت افادہ بخش ہے - ہمارے مکرم مولانا مولوی قاضی محمد بشیر الدین صاحب میرٹھی کا عربی دنیا پر احسان ہے کہ آپ نے اس گوہر گرانمایہ کو درج خفا سے نکال کر منصہ شہود پر رکھدیا اور اپنی تصحیح سے اسکی رونق کو دو بالا کر دیا -

عربی طلبہ کیلئے بیحد مفید رسالہ ہے۔ قیمت صرف دو آنہ ہے۔ ملنے کا پتہ
مولوی قاضی بشیر الدین صاحب ہیڈ مولوی سرکاری اسکول مظفرنگر رخصتی مقیم شہر میرٹھ اندرکوٹ
معتمد المدیر

فتح اہل سنت شکست اہل بدعت یہ کتاب مولوی محمد شمس الدین صاحب نقشبندی مجددی محمودی حنفی کی تالیف ہے۔ ساڑھے تین جزو کی کتاب بدعات کی تردید سے مملو ہے خصوصا تعزیہ داری کی حرمت پر فتوی علمای کرام کا بھی اس میں درج ہے اور جو کچھ مقدمات عدالت میں دائر ہو کر فیصلہ ہوے وہ بھی اسمیں درج ہیں۔ اسکی قیمت ساڑھے تین آنہ اسلیئے مقرر کی گئی ہے کہ اس کی قیمت سے دوسرے رسائل طبع کرا کر مسلمانوں کو مفت تقسیم کیئے جاویں چنانچہ اس کتاب کے ساتھ بھی چار رسالہ مفت دیئے جاتے ہیں۔ رسالہ اول در عدم جواز نماز جنازہ مرزائی۔ رسالہ دوم در بارہ عدم جواز نکاح مرزائی با مسلمہ سنیہ۔ رسالہ سوم در بارہ رد سماع بالمزامیر رسالہ چہارم تحفۃ الامدادیہ قاطع اللحیہ جس میں ڈاڑھی منڈانیکے متعلق تحقیق کی گئی ہے

ملنے کا پتہ۔ مولوی **شمس الدین** صاحب نقشبندی مجددی محمودی حنفی۔ شہر **جالندھر** محلہ راستہ۔

فتاوی رشیدیہ حصہ دوم حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کے فتاوی جو ہر قسم کے مسائل ضروریہ پر مشتمل ہیں جمع کر کے تین حصوں میں طبع کئے گئے تھے جو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو چکے تھے اب عرصہ دراز سے اُس کا حصہ دوم نایاب ہو گیا تھا۔ مطبع قاسمی دیوبند نے اُس کو طبع کیا ہے اور سابق طبع سے اُس میں کئی خصوصیتیں رکھی ہیں۔ تصحیح کا عمدہ اہتمام۔ چھپائی صاف۔ بعض فتاوے کا اضافہ۔ ٹائیٹل سنہرا بھی اور سادہ بھی۔ ناظم مطبع قاسمی دیوبند سے سنہرے ٹائیٹل کا نو آنہ (۹/) اور سادہ کا آٹھ آنہ میں ملتا ہے۔ اور حصہ اول و سوم بھی فی حصہ آٹھ آنہ اسی پتہ سے ملتے ہیں

اشتہار

کتب ذیل دفتر القاسم و الرشید میں فروخت کیلئے موجود ہیں

اور جناب مولانا مولوی محمد علی صاحب مونگیری دام مجدہم نے القاسم الرشید کی امداد کیلئے عطا فرمائی ہیں۔

۱ پیغام محمدی — یعنی جواب نیاز نامہ پادری صفدر علی صاحب و جواب عدم ضرورت قرآن پادری ٹھاکر داس صاحب جس میں نہایت عمدگی و تحقیق سے مقدس مذہب اسلام کی ضرورت اور دین موسوی اور عیسوی پر اُسکی حقیقت مولانا ممدوح نے ثابت فرمائی ہے قیمت عمہ علاوہ محصولڈاک

۲ دفع التلبیسات — مولانا ممدوح کی تصنیف ہے جسمیں پادری عماد الدین صاحب کے رسالہ تقلیعات کا جواب شافی دیکر نبوت حضرت سردار انبیا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قوی دلائل سے ثابت کیا ہے اور اناجیل مروّجہ کا غیر الہامی اور بے سند ہونا اظہر من الشمس کر دیا ہے۔ قیمت ۸ر علاوہ محصولڈاک۔

۳ صحیفہ رحمانیہ نمبر ۵ — مولفہ مولانا مولوی ابوالخیر محمد انور حسین صاحب پروفیسر ڈی کالج مونگیر۔ اسمیں قرآن مجید سے اور نیز مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے بیان کردہ معنی کی رو سے حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات جسمانی اور رفع آسمانی کا ثبوت مدلل دیکر مرزا صاحب کی نبوت اور مسیحیت کے ثبوت کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ قیمت ۲ر علاوہ محصولڈاک۔

۴ صحیفہ رحمانیہ نمبر ۶ — مرزا صاحب کے دعوی نبوت کو انہیں کے اقوال سے ثابت کر کے اُس کا ابطال اچھی طرح کر دیا ہے۔ قیمت ۲ر علاوہ محصولڈاک

خاکسار

سراج احمد رشیدی عفی عنہ معتمد المدیر القاسم و الرشید دار العلوم دیوبند

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

۱ = یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اِس سے بڑھجاتا ہے۔

۲ = یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ آٹھ آنہ (عہ/) پیشگی لیجاتی ہے۔ ممالک غیر سے صرف اُسیقدر زیادہ لیا جائیگا۔ جسقدر وہان کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۳ = جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچروپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے۔ اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۴ = سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کی خدمت میں شروع کا (یا خریدار کا جب سال شروع ہو اُسکا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کرکے عہ۹/ کا ویلو روانہ ہوگا۔

۵ = یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمت میں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا۔ بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنی اعتماد پر دوسروں کی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمایش کرتے ہیں۔

۶ = شعبان ۳۲ھ مطابق جولائی ۱۴ء سے اِس رسالہ کا پانچواں سال شروع ہوا ہے۔ پہلے چار سالوں کی مکمل جلدیں موجود ہیں قیمت ہر جلد کی عہ۹/ مع محصول ڈاک ہے۔

۷ = نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں اونکے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

۸ = القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہئے۔

المشتھر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر رسالہ "القاسم" مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)